بسم اللہ الرحمن الرحیم

الیواقیت الغالیۃ

فی تحقیق وتخریج

الأحادیث العالیۃ

احادیث نبویہ کی تحقیق وتخریج اور نادر مباحث علمیہ کا قیمتی مجموعہ

جلد ثانی

افادات امام محقق محدث عصر
فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (الہند)

ترتیب وتہذیب
محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ
مدیر مجلس دعوۃ الحق، لیسٹر (انگلینڈ)

تفصیلات

نام کتاب: الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیۃ
(جلد دوم)

صاحب افادات: محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدّ ظلّہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مرتب: محمد ایوب سورتی (ابن حضرت قاری بندہ الٰہی)
نگرانی طباعت: مولانا عبد الغفار بستوی
ناشر: مجلس دعوۃ الحق (انگلینڈ)
مطبوعہ: ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز نئی دہلی ۲

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ عزیزیہ دہلی
(۲) مکتبہ حجاز دیوبند
(۳) کتب خانہ محمودیہ سہارنپور
(۴) مجلس دعوۃ الحق اون، سورت گجرات
(۵) مجلس دعوۃ الحق لیسٹر یو کے
126-128 Earl Howe St
Leicester, LE2 0DG
(ENGLAND)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ
وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ○

(القرآن الکریم سورۃ الحشر آیت ۷)

وقال النبیُّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا
کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ نَبِیِّہٖ

(رواہُ فی المؤطّا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اهل
الذکر ان کنتم
لا تعلمون

(القرآن الکریم)

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ نمبر
فہرست	۵ تا ۲۰
عرض مرتب	۲۱
نبذة من حیاة الشیخ محمد زکریا الکاندھلویؒ	۲۵
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذۂ حدیث	۳۵
نبذة عن حیاة الشیخ أسعد اللہ الرامفوری	۳۹
نبذة عن حیاة الشیخ امیر احمد الکاندھلویؒ	۴۴
مولانا امیر احمد صاحبؒ کی سند مشکوة المصابیح	۵۳
کیا گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے؟	۵۴
قرآن پڑھتے ہوئے جنت کے درجات طے کرنے کا مطلب	۵۴
آپ ﷺ کے کرتے کی لمبائی	۵٦
انبیاءؑ واولیاءؒ سے دعاؤں کے ذریعہ مدد طلب کی جاسکتی ہے؟	۵۷
من سمع الأذان والإقامة ولم يحضر الجماعة الخ کی تخریج	٦٠
من أعان تارک الصلوٰة متعمّداً بذرّة الخ کی تخریج	٦٠
سيأتى زمان علىٰ امّتى يأكل الدخان الخ کی تخریج	٦٠
من أكل البنج مرّة فكأنّما زنىٰ الخ کی تخریج	٦٠
کالا جوتا پہننا کیسا ہے؟	٦١
الصلوة معراج المؤمن	٦٢
لَا صلوة إلّا بحضور القلب	٦٢
لولَاک لما خلقت الأفلاک	٦٢
أوّل ما خلق الله نورى	٦٢

موتوا قبل أن تموتوا	٦٢
ربّ تالٍ للقرآن والقرآن يلعنه	٦٢
المؤمن أعظم حرمة من الكعبة	٦٢
من أرسل نفقة فی سبيل الله وأقام فی بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم الخ	٦٢
جوآدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے اور نہ جاسکے تو اس مجلس کا ثواب اس کوملتا رہے گا؟	٦٢
صلوٰۃ الاوّابین کی تحقیق	٧١
شارحِ مشکوٰۃ ابن حجر عسقلانی ہیں یا مکی؟	٧٨
ثعلبہ بن عنمہ ہے یا ثعلبہ بن غنم؟	٧٩
حدیث التوسعۃ علی العیال کی کیا حقیقت ہے؟	٨١
صرف صومِ عاشوراء کیوں مکروہ ہے؟	٨١
من صلّی علیٰ رُوح محمّد فی الأرواح الخ پوری حدیث لکھیں	٨٦
کیاانبیاء کرام صغائر وکبائر سے معصوم ہیں؟	٨٨
کیاقرآن کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو پہونچتا ہے؟	٨٨
مسئلۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام	٩٧
مسئلۂ حیٰوۃ الانبیاء علیہم السلام	١٠٢
چند شبہات اور ان کا ازالہ	١٠٦
کیاحضور ﷺ پر امت کے اعمال دن میں دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں؟	١٠٨
حضرت سعد بن معاذؓ کو عذاب قبر کیوں ہوا؟	١٠٩
کیا یہ کوئی حدیث ہے 'أنا أحمد بلا میم'	١١١
بول فی المسجد فی الاناء کی تحقیق	١١٢
اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کا شکار ہوتے ہیں؟	١١۴
'من ترک سنّتی لم ینل شفاعتی' کیا حدیث ہے؟	١١٥
کیا جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا اللہ کے فضل سے؟	١١٦
مامن دابّة فی البحر إلّا وقد ذکّاها الخ کی تحقیق	١١٧
لَا تتّخذوا شیئاً فیه الرّوح غرَضاً کی تحقیق	١١٧

مَنسَأة فی الأثر والی حدیث کی تحقیق ۱۱۷
تعلّمنا الاِیمان قبل أن نتعلّم القرآن کس جگہ ہے؟ ۱۲۳
۱۹ احادیث کی تحقیق ۱۲۴
قال أبو ذرؓ: أوصانی خلیلی ﷺ بأربع کلمات ۱۲۴
یا أیها الناس أصلحوا بینکم و بین الله ۱۲۴
أربع خصال من کن فیه ۱۲۵
إدخال السرور فی قلب مؤمن ۱۲۵
أناقائد المرسلین ولَافخر ۱۲۵
إن الله ینظر إلی وجه الشیخ صباحًا و مساءً ۱۲۶
الذنب لَا ینسیٰ والبرّلَا یبلیٰ ۱۲۶
الفاجر الراجی برحمة الله أقرب ۱۲۶
صل من قطعک و عزّ من قنعک ۱۲۶
أکرموا أولَادکم ۱۲۷
الصدق ینجی والکذب یهلک ۱۲۷
سؤر المؤمن شفاء ۱۲۷
الخلق السیئة یفسد العمل ۱۲۸
أنا حبیب الله ولَا فخر ۱۲۸
السعید من وعظ بغیره ۱۲۹
من تزوّج لله توّجه الله تاج الملک ۱۲۹
سید القوم خادمهم ۱۳۰
لَا فقر أشد من الجهل ۱۳۰
من عرف نفسه فقد عرف ربه ۱۳۰
فصل کے بیاض میں کیا لفظ ہے؟ ۱۳۱
حدیث قدسی کی تعریف ۱۳۲
ابوداوٗد شریف میں ثلاثی حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۳۳

فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد کا جواب ۱۳۴
خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم ۱۳۸
لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟ ۱۴۱
کیا مسجد العشّار کی فضیلت والی حدیث موضوع ہے ؟ ۱۴۳
غزوات وسرایا میں حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟ ۱۴۷
نیز عید کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟ ۱۴۷
خلفاء راشدین کے زمانے میں جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟ ۱۴۷
ایک روایت میں ابن عمر یا ابن عمرو کیا صحیح ہے؟ ۱۵۳
اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟ ۱۵۴
بعض روایات کی تحقیق وتخریج ۱۵۷
فضل المدينة المنورة ۱۵۷
فضل المسجد النبوى ۱۶۱
فضل ما بين القبر والمنبر ۱۶۳
فضل أهل قباء ومسجدهم ۱۶۵
متفرقات ۱۶۸
ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے؟ ۱۸۲
ترمذی کی ایک عبارت کا حل ۱۸۳
أطلبوا العلم ولو بالصين حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۸۴
ایک دعا کا ثواب اور اس کی تحقیق ۱۸۵
حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں ۱۸۶
کنگھا کرنے کی ہیئت ۱۸۷
چند احادیث کا ثبوت ۱۸۸
حضرت موسیٰؑ نے اس امت میں داخل ہونے کی تمنا کی؟ ۱۸۹
حضرت ابراہیمؑ نے اس امت کو سلام پہونچایا؟ ۱۸۹
أوتيت علم الأولين والآخرين ۱۸۹

علمنی ربی فأحسن تعلیمی ۱۸۹

کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں ۱۸۹

رأیت ظلّی و ظلّ قومی فی النار ۱۸۹

لولاک لما خلقت الأفلاک والأرضین ۱۸۹

حدیث ظہور صحابی ۱۹۵

من ضارّ ضارّ الله به الخ کی تخریج ۱۹۸

ابوداود شریف کی کچھ احادیث پر وضع کا حکم ۱۹۹

قیام مروّجہ کے اثبات کی ایک لغو دلیل ۲۰۱

داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ﷺ ہے ۲۰۱

حدیث **لولاک لما خلقت الأفلاک** ۲۰۳

أوّل ما خلق الله نوری کی تحقیق ۲۰۵

لولاک لما خلقت الأفلاک کی تحقیق ۲۰۵

میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا کی تحقیق ۲۰۶

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ ودہر؟ ۲۰۶

نماز میں سورتوں کے درمیان سے پڑھنا کیسا ہے؟ ۲۰۶

کس صحابی نے تطویل قراءت کی اور کس نماز میں؟ ۲۰۹

بزرگوں کے مزارات پر جانا کیسا ہے؟ ۲۰۹

حضور ﷺ کے زمانہ میں کن کن صحابی نے نماز پڑھائی؟ ۲۰۹

غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی کا ضبط کیا ہے؟ ۲۱۱

المعاصی برید الکفر کیا حدیث ہے؟ ۲۱۱

تسعة أعشار الرزق فی التجارة کیسی حدیث ہے؟ ۲۱۱

صوم رمضان کو حج سے مؤخر کیوں کیا؟ ۲۱۵

إذا أحبّ الله عبداً الخ کا حوالہ ۲۱۶

طلب العلم فریضة الخ میں مسلمة کی زیادتی ۲۱۸

اصیلی کی تحقیق ۲۱۹

ابن المنیر کا ضبط کیا ہے؟ ۲۱۹
مطر بن عکامس صحابی ہیں یا نہیں؟ ۲۱۹
کیا بخاری شریف میں کچھ احادیث ضعیف ہیں؟ ۲۲۱
جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں حدیث کا حکم ۲۲۶
ایمان کی تجدید کرلیا کرو ۲۲۷
توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں ۲۲۷
باجماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ سے بھی زیادہ ہے ۲۲۸
خلقت النخلة والرمّانة والعنب یہ حدیث کہاں ہے؟ ۲۳۰
حضور ﷺ کے تاخیرِ جنازہ کی وجہ سے ایک انگلی میں سیاہ دھبہ کا آجانا ۲۳۳
أصحابی کالنجوم کی سند کیسی ہے؟ ۲۳۳
حضرت عمرؓ کا جمع احادیث کے ارادے کو فسخ کرنا ۲۳۸
نقض وتر کا مسئلہ کیا ہے؟ ۲۳۹
مسئلۂ مذکورہ کی مزید تشریح ۲۴۰
﴿فأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ کا تعلق موت سے یا آخرت سے؟ ۲۴۱
حضور ﷺ کا قیام قباء ۱۴ دن ہے یا ۲۴ دن؟ ۲۴۴
عون المعبود کی ایک سند کی تحقیق ۲۴۵
سرور کائنات ﷺ کا سایہ ۲۴۶
ایک عبارت کا ترجمہ ۲۴۷
ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی ۲۴۸
محدث دہلویؒ تک طحاوی کی سند مطلوب ہے ۲۵۰
ایمان تو یمنیوں کا ہے ۲۵۱
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ۲۵۲
حضور ﷺ کا طویل خطبہ دینا ۲۵۴
جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے الخ ۲۵۴
ملفوظات جوامع الکلم کے کچھ اجزاء پر تفصیلی نوٹ ۲۵۵

زہری کا عروہ سے سماع؟ ۲۷۳
زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ ۲۷۵
النکاح من سنتی، فمن رغب کہاں ہے؟ ۲۸۲
۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟ ۲۸۳
روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟ ۲۸۳
مراتبِ جرح ۲۸۸
اقسامِ ناقدین ۲۹۲
ماہ شعبان کے روزے ۲۹۵
ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ۲۹۶
حدیث موضوع کی بحث ۳۰۴
ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟ ۳۰۵
کیا صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق صحیح ہے؟ ۳۰۶
شب براءۃ کا روزہ کیا بدعت ہے؟ ۳۰۶
شب برأت میں عبادت کے فضائل کی تحقیق ۳۰۸
فصل اول۔ اس رات کی فضیلت کی روایات ۳۰۸
نسخ آجال والی روایات ۳۱۶
فصل ثانی۔ اس رات میں بیداری اور اجتماع ۳۱۹
صلوۃ الرغائب کا حکم ۳۲۲
فصل ثالث۔ شب براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم ۳۲۳
کان أبو هريرةؓ يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول کہاں ہے؟ ۳۲۷
اور کس خلیفہ کے زمانہ میں منبر کے پاس روایت کرتے تھے؟ ۳۲۷
کیا کوئی صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے؟ ۳۲۹
کسی کو بھائی یا بہن بنا کر پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟ ۳۲۹
احادیث وروات کے متعلق بیس سوالات اور انکے جوابات ۳۳۰
الصلوۃ معراج المؤمنین ۳۳۰

صلّوا کما رأیتمونی أصلّی	۳۳۰
جمع بین الازواج فی ساعة واحدة والی روایت	۳۳۰
کل عبادة لم یتعبّدها أصحاب رسول اللہ ﷺ	۳۳۰
قام رسول اللہ ﷺ عام أول	۳۳۱
لَا یقلبه إلّا بذالک	۳۳۱
زین بن نجیم کا ضبط	۳۳۱
تورپشتی کی تحقیق	۳۳۱
نابلسی	۳۳۱
بلقینی	۳۳۱
الدمیری	۳۳۲
القرطبی	۳۳۲
المقدسی	۳۳۲
الطیبی	۳۳۲
القسطلانی	۳۳۳
عیاض	۳۳۳
ابن خلکان	۳۳۳
ابن خلدون	۳۳۳
منبر نبوی کے کتنے زینے تھے	۳۳۳
کیا حافظ ابن حجر اور عینی ہم زلف ہیں؟	۳۳۶
حضرت آدمؑ کی اجتہادی لغزش کو ان کی ذرّیت بھگت رہی ہے، یہ انداز گفتگو کیسا ہے؟	۳۳۷
حضرت معاویہؓ کی اجتہادی لغزش پر تنقید وتبصرہ	۳۳۷
أقیموا صفوفکم کو **الجماعة للفائت من الصلوٰة** ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟	۳۴۰
ایک راوی کی تحقیق	۳۴۱
ورزقهم کلّ شهر والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟	۳۴۳
حضرت علیؓ کے ساتھ ' **کرّم الله وجهه**' لکھنے کی وجہ	۳۴۴

إنّما بُعِثتُ معلّماً ہے یا إنّما أنا بُعِثتُ معلّماً؟ ۳۴۵
کیا باسی روٹی کھانا مسنون ہے؟ ۳۴۵
یرکبون علی سُرج کأشباہ الرحال الخ کا کیا مطلب ہے؟ ۳۴۶
دعاءِ حضرت عمرؓ اللّٰھم کبرت سنّی کہاں ہے؟ ۳۴۷
من أشراط الساعة أن تکثر السیول والأمطار کہاں ہے؟ ۳۴۸
مسامحات الإمام الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وغیرہ ۳۵۰
الَا إنّ الدنیا خلقت لکم الخ کیا حدیث ہے؟ ۳۵۴
إنّ البلاء والدعاء یتصارمان کیا حدیث ہے؟ ۳۵۵
کیا صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؟ ۳۵۵
ترکتکم علیٰ مثل البیضاء الخ کا مطلب ۳۵۸
ابن ماجہ کی سند مطلوب ہے ۳۵۸
چند علمی ہدایات ۳۶۱
مذاہب اربعہ کے علماء سے تعلیم وتعلم ۳۶۱
علم منطق کا پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۶۱
عقیدۂ نزول عیسیٰؑ ۳۶۲
قادیانی ہرگز نبی نہیں ۳۶۶
کیا حضور ﷺ سے 'یا بُنیّ' کہنا منقول ہے؟ ۳۶۷
کیا حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟ ۳۶۹
حدیث عطارہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟ ۳۷۱
کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟ ۳۷۳
کیا مصحف میں دیکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۳۷۴
کیا مصحف سے فال لینا درست ہے؟ ۳۷۵
کیا رُحْماً رحیم سے مشتق ہے؟ ۳۷۶
لَا أدری ما یفعل بی یوم القیامة حدیث ہے یا نہیں؟ ۳۷۷
حدیث إذا سلمت الجمعة سلمت الأیام کس نے تخریج کی ہے؟ ۳۷۷

البلاء مؤکل بالمولود کہاں ہے؟ ۳۷۸
لولا علیّ لھلک عمر کہاں ہے؟ ۳۷۸
کان عمرؓ یتعوّذ من معضلة لیس لھا أبو حسن کہاں ہے؟ ۳۷۸
صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہاء غریب حدیث سے کیوں؟ ۳۷۹
امانت اور حتّی یقال للرجل ما أجلده کی تشریح ۳۸۰
کیا معراج میں حضور ﷺ نعلین کے ساتھ گئے؟ ۳۸۱
الجھاد واجب علیکم الخ کی تحقیق ۳۸۲
اوپر کے مکتوب پر مکرر سوال ۳۸۳
مسواک کے ستر فائدے، کس روایت میں ہے؟ ۳۸۴
گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟ ۳۸۴
عدل فاروقی کے ایک واقعہ کی تحقیق ۳۸۶
صاحب الکشف سے کیا مراد ہے؟ ۳۸۷
نیل الأمانی سے کیا مراد ہے؟ ۳۸۷
الاِتحاف سے کیا مراد ہے؟ ۳۸۷
رزین بن معاویہ عبدری کے حالات ۳۸۷
تخریج أحادیث الرافعی للحسامی کی تفصیلات ۳۸۷
علامہ ابن الترکمانی کون ہیں؟ ۳۸۷
ابدال سے متعلق روایت ۳۹۱
نصائح غالیہ ۳۹۳
محمد بن فضیل راوی بخاری کیا شیعہ تھے؟ ۳۹۴
کیا اہل کشف مخلوقات کی تسبیح سن لیتے ہیں؟ ۳۹۴
تعلیم وتبلیغ اور عبادت میں کس کو مقدم رکھے؟ ۳۹۵
تعلیم مقدم یا تبلیغ؟ ۳۹۶
مااجتمع فی شیء من الحلال والحرام کیسی حدیث ہے؟ ۳۹۶
من السنة البداءة بالملح والختم به کی تخریج ۳۹۶

کیا فاسق کو سلام کر سکتے ہیں؟	۳۹۶
بخاری کے معلّقات کا تجزیہ	۳۹۸
حدیث کے رفع ووقف میں اختلاف ہو تو کیا وہ شاذ ہے؟	۳۹۸
تقوی کی نصیحت	۴۰۰
عاشوراء کے دن توسیع علی العیال کا حکم	۴۰۰
خط میں ’ ۷۸۶ ‘ لکھنے کا حکم	۴۰۰
عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟	۴۰۱
تزویجِ فاطمہؓ کی روایت	۴۰۱
فاروق اعظمؓ کا پہلے قتل پھر دیت دینے کا حکم	۴۰۲
ختمِ بخاری شریف کا دستور اور اس کی فضیلت	۴۰۳
سيدة نساء أهل الجنة فاطمةؓ اور سيدا شباب أهل الجنة الحسن والحسينؓ کی تحقیق	۴۰۵
الدنيا زور کی تحقیق	۴۰۹
إنّما ولدت بزمن الملک العادل کی تحقیق	۴۰۹
لو كان موسٰى و عيسٰى حيّين الخ کی تخریج	۴۱۱
لولَاک لما خلقت الأفلاک کی تخریج	۴۱۱
أوّل ما خلق الله نوری کی تخریج	۴۱۱
لوعاش إبراهيم لكان نبياً کی تحقیق	۴۱۲
أصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم کی تحقیق	۴۱۳
أنا مدينة العلم وعلیّ بابها کی تحقیق	۴۱۳
جمعہ کے دن سرمہ لگانا	۴۱۵
کھانے کی برکت	۴۱۵
ناخن کاٹنے کی ترتیب	۴۱۵
حدیث أمرت بيوم الاَضحٰى عيدًا الخ کی تشریح	۴۱۵
مشائخ کے یہاں ذِکر کیوں؟	۴۱۵
کیا اجتماعی ذکر سنت سے ثابت ہے؟	۴۱۵

خواب کی تعبیر ۴۱۶
إماطة الأذیٰ عن الطريق کی تحقیق اور اس کا مفہوم ۴۱۹
لیلۃ القدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟ ۴۱۹
ما أخطأنی ابن مسعودؓ عشيّة خميس الخ کا مطلب کیا ہے؟ ۴۱۹
طحاوی کی باب الرجل ینام کی پہلی ودوسری روایت کس درجہ کی ہے؟ ۴۲۲
أطلبوا العلم ولو بالصين پر مفصل کلام ۴۲۶
حدیث أطلبوا العلم ولو بالصين کی مزید تخریج وتحقیق ۴۳۰
خون کے ناقض وضوء ہونے کا حکم ۴۴۵
مسحِ رقبہ کا حکم ۴۴۵
ابوعبید اور مسعودی کون ہیں؟ ۴۴۵
ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟ ۴۴۵
يبدأ بالملح ويختم به کی تحقیق ۴۴۸
باب مايقتل المحرم من الدوابّ کی تحقیق ۴۴۹
مضمونِ بالا کا مزید خلاصہ ۴۵۲
حدیث لَا يحلّ مال امرئ إلّا الخ طحاوی میں ہے؟ ۴۵۳
ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟ ۴۵۵
تعویذ گنڈے کے متعلق صریح احادیث ۴۵۵
خواب کا پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا مطلب ۴۵۶
حضرت موسیٰ کو ہی کوہِ طور پر کیوں بلایا گیا؟ ۴۵۶
تخلّقوا بأخلاق الله کیا حدیث ہے؟ ۴۵۸
حضرت حفصہؓ وسودہؓ کی طلاق کا تذکرہ ۴۵۸
مسح علٰى رأسه ثلثًا کی تحقیق ۴۶۱
ابوسلمہ کندی نے لیث سے کب سنا؟ ۴۶۱
دارقطنی کی ایک عبارت کا حل ۴۶۱
دارقطنی کی ایک روایت کی تحقیق ۴۶۴

دار قطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم البزاز کا مختصر ترجمہ ۴۶۴
أن الثلاث كانت تجعل واحدة الخ صحیحین میں کہاں ہے؟ ۴۶۶
ماہ رمضان میں موت کی فضیلت ۴۶۷
میت کا اپنے اقرباء کی آمد کا علم ہونا ۴۶۷
میت کیلئے بہترین ذکر ۴۶۷
کیا حضرت عیسیٰؑ نبی ہوکر نازل ہوں گے یا امتی؟ ۴۶۸
عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال کی تحقیق ۴۷۲
إنّهن صواحب يوسف، صواحب كرسف کا مفہوم ۴۷۲
الخير فيما وقع کیا یہ حدیث ہے ۴۷۲
باب من سمّى الحيض نفاساً کی تحقیق ۴۷۲
من مات وليس في عنقه بيعة سے کون سی بیعت مراد ہے؟ ۴۷۶
کیا النكاح من سنتي، فمن رغب الخ پوری ایک حدیث ہے؟ ۴۷۸
أنت ومالك لأبيك کہاں ہے؟ ۴۷۸
کیا حضور ﷺ کے یہاں بھی اعمال کی پیشی ہوگی؟ ۴۷۸
خواب میں بحالتِ ایمان حضور اقدس ﷺ کی زیارت ۴۷۹
رمضان میں تہجد کی جماعت کا مسئلہ ۴۸۰
حیاۃ الصحابہ سے متعلق مختلف سوالات ۴۸۳
ابو شبیل عوف بن ابی حیّۃ یا عوف بن ابی جمیلۃ ۴۸۳
مجمّع بن جاریۃ یا مجمّع بن حارثۃ ۴۸۴
جند بن مکیث کی تحقیق ۴۸۴
ابو جہاد صحابی کی تحقیق مطلوب ہے ۴۸۵
ضغينة کی تحقیق ۴۸۵
لتردنه حافيًا ولتركبنّه قائمًا ۴۸۶
مِمّن القوم، القوم کی میم پر کیا اعراب ہے؟ ۴۸۷
حريدة جبل کی تحقیق ۴۸۸

معاجر عامری یا مہاجر عامری کون ہے؟ ۴۸۹
ابوشُبیل یا ابوشِبل مکبرًا ہے یا مصغر؟ ۴۸۹
فقال کے بجائے فقلت ہے ۴۸۹
فانفلت کے بجائے فانقلب ہے یا نہیں؟ ۴۹۰
فرض لمن شهد أحدًا ثلاثة آلاف کی تحقیق ۴۹۱
مغضب ومعصب کی تحقیق ۴۹۲
عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہنا ۴۹۳
جیش اسامہ کی تعداد ۴۹۵
عبدالرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی تحقیق ۴۹۵
ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی تحقیق ۴۹۷
حطّ درس یا حطّ ورس؟ ۴۹۸
ابوسعید کی کتاب شرف المصطفی کی تحقیق ۴۹۸
حنین کا لفظ یہاں درست ہے ۵۰۳
ابن حیّان صحیح ہے یا ابن حبّان؟ ۵۰۴
تعزیزاً صحیح ہے یا تقذیراً؟ ۵۰۵
أحفف صحیح ہے یا أحنق؟ ۵۰۶
یحییٰ بن ابی راشد البصری ۵۰۷
نفیلہ یا بقیلہ ۵۰۸
عن أبی جابر الوالدی میں کوئی تصحیف تو نہیں؟ ۵۰۹
خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل ۵۱۰
نعیم بن نحمہ یا قحمہ ۵۱۰
جریر بن عثمان یا حریز بن عثمان ۵۱۰
بلقین قبیلہ کا نام ہے یا مقام کا؟ ۵۱۲
عاص بن ابی قرصافہ ہے یا عیاض؟ ۵۱۲
محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو راوی ہیں یا ایک؟ ۵۱۳

مقام تبالہ کیا ہے ۵۱۵
عوف صحیح ہے یا عون ۵۱۷
ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ ۵۱۹
مقبل صحیح ہے یا معبد ۵۲۰
سلمہ بن یسوع کی تحقیق ۵۲۱
کیا ابو ہریرہؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے؟ ۵۲۲
الأنحات ہے یا کچھ اور؟ ۵۲۳
عبید اصل ہے یا عباد؟ ۵۲۳
الرافقی صحیح ہے یا الرافعی؟ ۵۲۳
سلیمان بن داود بن حصین کون ہے؟ ۵۲۴
عبد الرحمٰن بن کعب صحیح ہے یا عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن کعب؟ ۵۲۵
ابو بکرہؓ کی تحقیق ۵۲۸
سات آدمی ۵۲۹
مطلّقۂ مبتوتہ کے نفقہ میں مادامت العدّۃ کی قید ۵۲۹
کیا ختان کی دعوت مشروع ہے؟ ۵۲۹
مداہنت کی سزا ۵۳۱
حضرت عمر فاروقؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا ۵۳۱
سب سے آخر میں جن صحابیؓ کی وفات ہوئی ۵۳۲
کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟ ۵۳۲
’علماء أمتی کأنبیاء بنی إسرائیل‘ من خرّجه؟ ۵۳۳
صُبّت علیّ مصائب الخ کیا حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے؟ ۵۳۴

◆ ◆ ◆

اجمالی فہرست عناوین

سوالاتِ کتبِ حدیث
- بخاری شریف
- مسلم شریف
- ترمذی شریف
- ابوداود شریف
- نسائی
- ابن ماجہ
- طحاوی
- دارقطنی
- مشکوٰۃ
- حیاۃ الصحابہ

اصول حدیث

تشریح احادیث

تحقیقی مضامین

تخریج احادیث

سیر وسوانح، رواۃ ورجال

عقائد وکلام

تفسیر

تجوید

فقہ ومسائل

تزکیہ واحسان

دعوت وتبلیغ

تعبیر الرؤیا

دونوں جلدوں کی مرتب فہرست
کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، امابعد!

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر واحسان ہے کہ ’**الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الأحادیث العالیۃ**‘ جلد دوم تیار ہوکر منظر عام پر آرہی ہے۔

جب ابتدا کی تو انتہا مشکل نظر آرہی تھی، لیکن حق تعالیٰ ہی ابتدا کراتے ہیں اور وہی پورا کراتے ہیں ، **فلہ الحمد ولہ الشکر**۔

الیواقیت الغالیہ کی جلد اول جیسے ہی منظر عام پر آئی ہزاروں علماء وفضلاء نے اسے بکمال اشتیاق ہاتھوں ہاتھ لیا اور امعان نظر سے مطالعہ کیا اور حضرت کے اس علمی شاہکار کو خوب سراہا، قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اگلی جلد کیلئے آتش شوق تیز تر ہوگئی۔ بہت سے اہل علم نے ملاقات پر تائیدی کلمات کہے، کچھ نے لکھے اور اس علمی سلسلہ کو شائع کرنے پر مبارکبادی کے پیغامات دئے، خود مرکز علمی مظاہر علوم کے منتظمین واساتذہ نے اسے مظاہر علوم ہی کی ایک عظیم علمی خدمت قرار دی۔

الیواقیت کی جلد اوّل کی طباعت سے پہلے اس کی تصحیح کا کما حقہ اہتمام نہ ہوسکا تھا، اور کچھ نقل کی اور کچھ کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں، جب ائمہ علم وفن نے ملاحظہ کیا تو ان اغلاط کی نشاندہی فرمائی، خود حضرۃ الاستاذ نے اس پر گہری نظر فرمائی اور اپنے ایک تلمیذ عزیز مولانا عبدالعظیم صاحب مدرس شعبۂ تخصص فی الحدیث کو تصحیح پر لگایا اور اس طرح اغلاط کی پوری فہرست بن گئی، اب ان تمام اغلاط کی تصحیح کے ساتھ دوبارہ اسے مرتب کرلیا گیا ہے اور ان شاء اللہ جلد دوم کی طباعت کے ساتھ جلد اول کی طباعت بھی دوبارہ ہوگی۔

جلد اوّل کی طباعت کے وقت اس کے مضامین کی ترتیب وار فہرست کی ضرورت تھی، الحمدللہ دوسری جلد کی تکمیل پر وہ بھی آسان ہوگئی اور دونوں جلدوں کی مرتب فہرست کتاب کے آخر میں شامل کی جارہی ہے۔

جہاں تک علمی مکاتیب ہیں وہ الحمدللہ الیواقیت کی دو جلدوں میں تقریباً آچکے ہیں، یہ مکاتیب زیادہ تر حدیث شریف سے متعلق تھے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اور مکاتیب نہیں ہیں بہت سے مکاتیب جن کی نقل محفوظ نہیں رہ سکی وہ زاویۂ خمول میں ہونگے، ممکن ہے کسی وقت سامنے آجائیں، اور اب بھی حضرۃ الاستاذ مدّ ظلّہ کی خدمت میں علمی

حدیثی سوالات آتے ہی رہتے ہیں اور حضرۃ الاستاذ ان کے جوابات تحریر فرماتے ہیں۔ انشاء اللہ معتدبہ ذخیرہ ہونے پر آئندہ انکو شائع کیا جاسکتا ہے۔

الیواقیت کی دوسری جلد کی اشاعت کے بعد تیسری جلد میں حضرۃ الاستاذ کے ان مضامین کو شائع کرنے کا ارادہ ہے جو مستقل رسالہ یا جزو کی شکل میں تحریر فرمائے ہیں۔

’جزء‘ محدثین کی اصطلاح میں وہ رسالہ کہلاتا ہے جو کسی ایک موضوع پر مدلّل ومکمّل مالہ وما علیہ کے ساتھ لکھا جائے، جیسے امام بخاری کا جزء القراءۃ خلف الامام، جزء رفع الیدین، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح حضرت شیخ زکریا کا جزء حجۃ الوداع، وغیرہ۔

یوں تو حضرۃ الاستاذ مدّ ظلہ نے نصف صدی خلوت وتنہائی اور تجرد کی زندگی گذار کر فن حدیث پر حواشی وشروح اور تعلیقات واضافات کی صورت میں مستقلاً وتبعاً اتنے مضامین تحریر فرمائے ہیں کہ پوری ایک اکیڈمی وہ کام نہیں کرسکتی ہے۔ ان سارے کاموں کو ترتیب دے کر منظر عام پر لانے کے لئے بہت سے لائق وفاضل تلامذہ کی جماعت درکار ہے۔ حضرت کا درسِ بخاری ہی ایسا نایاب علمی ذخیرہ ہے کہ وہی وجود میں آجائے تو ہزاروں علماء کی علمی تشنگی بجھ سکتی ہے، دیکھئے حضرت کے تلامذہ میں کون کیا خدمت کرتا ہے اور کس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔

اب اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے چند امور ملاحظہ ہوں:

(۱) یہ بات جلد اوّل میں بھی عرض کی گئی تھی کہ حضرت الاستاذ مدّ ظلّہ کے تحقیقی سلسلے کا بیشتر حصہ آج سے تیس چالیس پچاس سال پہلے اس وقت کا ہے جب بہت سی کتابیں نایاب تھیں اور بہت سی کتابیں ہندستانی طرز تحریر پر غیر محقق طبع شدہ تھیں، بعض مرتبہ صحیح الفاظ حدیث پر اطلاع بھی دشوار ہوجاتی، اب قریبی دور میں بہت سی کتابیں علمی دنیا میں اور خاص طور سے عالم اسلام میں پوری تحقیق اور آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آتی جارہی ہیں، لہٰذا اگر کسی صاحب کو بھی کسی غلطی پر اطلاع ہوجائے تو مرتب کو ضرور مطلع فرمائیں۔

خود حضرۃ الاستاذ نے ’نوادر الحدیث‘ پر حسب ذیل مضمون لکھوایا:

’’یہ چند علمی خطوط کے جوابات ہیں، ان کے لکھنے میں نہ تحریر الفاظ پیش نظر ہے نہ خوشنمائی مقصود ہے نہ یہ خوشنمائی کا ذریعہ ہیں، اسلئے شائع کئے جارہے ہیں کہ شاید طلبہ کو نفع ہوجائے، اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں ان کا کرم ہے۔

علماء کرام سے گذارش ہے کہ اس کو دیکھیں، اگر کسی مقام پر سقم معلوم ہو مجھے اطلاع کردیں تاکہ بعد وضوح حق اسکی اصلاح کی جاسکے۔‘‘

(۲) کتاب کے مضامین کی ترتیب یہ رکھی کہ اولاً معروف ومتداول کتب حدیث صحیحین وسنن اربعہ طحاوی

ومشکوۃ وغیرہ سے متعلق سوالات کو اسی کتاب کے عنوان کے تحت مرتب کر دیا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی فن سے ہو، اسلئے کہ عام طور سے یہ کتابیں علماء وطلبہ کے زیر مطالعہ رہتی ہیں اور اسی کے حل کی فکر کرتے ہیں، پھر عقائد وکلام، تفسیر، فقہ ومسائل، تجوید، اصول حدیث، سیر وسوانح اور رجال ورواۃ کا عنوان دیا، سوالات کا معظم حصہ حدیث شریف ہی ہے، اسکو احقر نے تین بڑے بڑے عنوانات دیے، اگر الفاظِ حدیث کے شرح ومطلب کو بیان کیا ہو تو اس کو 'تشریحِ احادیث' کے ذیل میں اور اگر حدیث کے مختلف پہلوؤں پر مفصل بحث فرمائی ہو تو 'تحقیقی مضامین' کے ذیل میں، اور اگر احادیث کے مخرج اور حوالے کو بیان فرمایا ہے تو 'تخریجِ احادیث' کا عنوان قائم کیا ہے، اور آخر میں تزکیہ واحسان، دعوت وتبلیغ، تعبیر رؤیا سے متعلق بھی کچھ سوالات ہیں۔

حضرۃ الاستاذ نے اپنے تین اساتذہ کرام جن سے بہت ہی زیادہ کسب فیض فرمایا ان کے حالات مستقل طور پر تحریر فرمائے ہیں، اس دوسری جلد کی ابتدا ان ہی تین اکابر کے تذکرہ سے تبرکاً وتیمناً کی ہے، میری مراد شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم اور حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور ہیں۔

(۳) جلد ثانی کی تیاری میں حسب سابق عزیزی مولوی محمد بن آدم کرولیا اور عزیزی مولوی لقمان بن مولانا داود فلاحی نے بھرپور تعاون کیا، ضرورت پڑنے پر عزیزی مولوی یوسف بن مفتی شبیر صاحب اور محترم مولانا ادریس فلاحی صاحب بھی شریک کار بنے۔ اس جلد کی تصحیح کی فکر اشاعت سے پہلے ہی کی گئی، جس کی وجہ سے تاخیر بھی کافی ہوگئی، چنانچہ مظاہر علوم کے تخصص فی الحدیث کے استاذ مولانا عبد العظیم صاحب نے اولاً اور رفیق محترم مولانا جمیل احمد صاحب مظاہری زید مجدہ مقیم مدینہ منورہ نے ثانیاً بہت ہی اہتمام سے تصحیح کی، اور طباعت وتجلید کی سخت ترین گھاٹی کو عبور کرنا تو صدیق محترم مولانا عبد الغفار بستوی استاذ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی کا ہی کام ہے، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے اور علمی عملی ترقیات اور صلاح وفلاح سے نوازے۔

آخر میں بصد خلوص وعجز دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ افادات حضرۃ الاستاذ المعظم مدّ ظلّہ کو صحت وعافیت تامہ کے ساتھ عمر میں خوب برکت عطا فرمائے اور حضرت کے فیوض کو عام وتام فرمائے، آمین۔ فقط والسلام

احقر محمد ایوب سورتی (ابن قاری بندہ الٰہی)
خادم حدیث نبوی دار العلوم لیسٹر ومدیر مجلس دعوۃ الحق (یوکے)
۹ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۲ جولائی ۲۰۰۹ء پنج شنبہ

عکس تحریر

صاحبِ افادات حضرۃ العلامۃ المحقق الشیخ مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدّ اللہ ظلّہ
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبذة من حياة الشيخ محمد زكريا الكاندهلوىؒ

الحمد لله الذى به البداية وإليه النهاية، والصلاة والسلام علٰى صاحب اللواء والراية،
وعلى آله وصحبه أولى الرشد والهداية۔

أمّا بعد!

فلما كان مركوز الجبلّة الإنسانيّة الإنتساب إلى أكابرها والتذكّر بمآثرها والكشف عن مفاخرها والاقتداء بهديهم والإيتساء بطريقهم جمعت تذكرة شيخنا محمد زكريا الكاندهلوى شيخ الحديث بمظاهر العلوم، ۔ متّعنا الله ببقائه ونفعنا بأنفاسه ۔

فأقول: هو الشيخ الإمام العالم العلّامة الفاضل الفهامة شيخ العبّاد علم الزهّاد رأس المتكلّمين إمام المتورّعين يتيمة الدهر نادرة العصر شيخ المحدثين إمام الحفّاظ المتقنين شيخنا وقدوتنا الذى قلّ مايسمح الزمان بمثله، الثقة الثبت الحافظ الحجّة الناقد مولَانا محمد زكريا بن العلامة الذكيّ البارع المشار إليه بالبنان مولَانا الحافظ المولوى محمد يحيٰى بن العارف الجليل مولَانا محمد اسماعيل بن غلام حسين بن حكيم كريم بخش، تنتهى سلسلة نسبه إلى شيخ الأصحاب أبى بكر الصديق ۔ رضى الله تعالى عنه ۔

ميلاده

ولد (متعّنا الله بطول بقائه) لعشر خلون من رمضان سنة خمس عشرة وثلثمائة وألف من الهجرة النبويّة ۔ علٰى صاحبها الصلوات والتحية ۔ ليلة الخميس فى الساعة الحادية عشرة۔

اسمه ولقبه

سمّی باسمين، محمد زكريا و محمد موسٰی ولكن غلب الأوّل الثانی، وأمّا لقبه فشيخ الحديث، لقّبه بذلک شيخه العارف الكبير العلم الشهير فخر المحدثين مولَانا الحافظ المولوی خليل أحمد ۔ رحمه الله ۔ صاحب بذل المجهود فی حلّ أبی داود۔

دراسته

ولمّا بلغ سبعاً بدء حروف الهجاء علٰی الدكتور عبدالرحمٰن المظفرنكری من أصحاب الشيخ الجليل العارف المحدث مولَانا الحافظ المولوی رشيد أحمد الجنجوهی ۔ قدّس الله سره العزيز ۔ واشتغل فی السنة المذكورة بحفظ القرآن علٰی والده، وكان والده يأمره أن يقرأ الدرس مائة مرّة، وقرأ بعض الكتب الإبتدائية من الفارسية وغيرها على عمّه الداعی الكبير مولَانا محمد إلياس ۔ رحمه الله تعالی ۔ وكتب الصرف على والده ومكث فی جنجوه إلى سنة ثمان وعشرين هجرية، ثم جاء إلى مظاهر العلوم بسهارنفور وقرأ: نحو مير، وشرح مائة عامل، وهداية النحو، والكافية، والكبرٰی (رسالة فی المنطق باللغة الفارسية للسيد الشريف)، وايساغوجی، والمرقاة فی المنطق كلّها بتمامها، والنصف من شرح التهذيب لليزدی، والباب الأوّل من نفحة اليمن، ومفيد الطالبين، والنصف من الألفية لِابن مالک، والثلاثين من الفصول الأكبرية، وترجمة ‘عمّ’ (الجزء الثلثين من القرآن الكريم)، وترجمة سورمن ‘تبارک’ (الجزء التاسع والعشرين)، وذلک كلّه بين رمضان سنة ثمان وعشرين و شعبان سنة تسع و عشرين۔

وقرأ فی السنة التالية أعنی من رمضان سنة تسع و عشرين إلى شعبان سنة ثلاثين: بقيّة النصف من الألفية، والبقيّة من شرح التهذيب، وشرح الشمسيّة للعلامة قطب الدين الرازی المعروف بالقطبی بتمامه والحواشی المتعلّقة بالقطبی للسيد الشريف المعروفة بـ ‘الميرقطبی’ إلی مبحث التصوّرات، والفنّ الأوّل من التلخيص واثنتين وعشرين مقامة من المقامات الحريرية، والحساب، والبقية من ترجمة ”تبارک“ ومن نفحة اليمن۔

وقرأ فی السنة التی تلتها من رمضان سنة ثلاثين إلى شعبان سنة إحدى وثلاثين: مختصر

المعانی، ونور الأنوار، والحسامی، وديوان المتنبّی، والسبع المعلّقات، والكنز، والقدوری، والميبذی، وسلّم العلوم۔

و فی السنة التی تلتها من رمضان سنة إحدی وثلاثين إلی شعبان سنة اثنتين و ثلاثين: مشكاة المصابيح، وهداية الفقه الأوّلين، وشرح معانی الآثار، ونزهة النظر شرح نخبة الفكر، والحماسة۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة اثنتين وثلاثين إلی شعبان سنة ثلاث و ثلاثين: شرح السلّم لملا حسن، وشرحه للفاضل حمد الله، والحواشی الثلاثة للشيخ زاهد الهروی المعروفة بالزواهد الثلاثة، والشمس البازغة، وأقليدس، وموطأ الإمام مالک، وموطأ الإمام محمد، و شرح معانی الآثار مرّة ثانية علی شيخه مولَانا خليل أحمد۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة ثلاث و ثلاثين إلی شعبان سنة أربع و ثلاثين قرأ: صحيح البخاری، و جامع الترمذی، وسنن أبی داود، والنسائی، ودروساً من هداية الفقه الجزء الثالث علی والده، ثم قرأ مرّة ثانية: صحيح البخاری، وسنن الترمذی، وسنن أبی داود، فی سنة خمس وثلاثين، و صحيح مسلم فی سنة ستّ و ثلاثين علٰی شيخه مولَانا خليل أحمد ۔ نوّر الله مرقدهٗ۔

وسمعته ۔ متّعنا الله ببقائه ۔ يقول: إنّ والدی ۔ رحمه الله ۔ لم يكن دأبه فی التدريس كما هو الآن، أن يلقی الأستاذ التقارير علٰی تلامذته، بل كان التلميذ يقرأ عليه، ويبيّن مراد المؤلّف، ويذكر فی الحديث مذاهب العلماء، ويرجّح المذهب المختار، وكان الوالد يسمع ما يقول التلميذ، فإن استقام فی البيان سكت الوالد ۔ رحمه الله ۔ وإلّا فسأله عن وجه الغلط ثم ينبّهه ويبيّن وجه الصواب۔

قال: فلمّا شرعت هداية الفقه الجزء الثالث بالغت فی المطالعة وراجعت مايتعلّق بها من الشروح فكنت أحفظ اعتراضات الشرّاح وأجوبتهم، وإذا جلست للقرأة ألقی الاعتراضات وأضرب عن أجوبتها لعل الوالد يجيب بجواب آخر غيرما أجاب به الشرّاح، وكان الوالد ۔ رحمه الله ۔ لَا يطالع بالإمعان لكثرة الشواغل وهجوم الموانع، فقال لی بعد يومين او ثلاث:

إن كنت تريد القرأة مثل التلاميذ فاقرأ، وإن كنت تريد أن تقرأ مثل الأستاذ فطالع بنفسک!
قال: ثمّ ترکت بعد ذلک قراءة الهداية۔

قال: لـمّا فرغت من كتب الحديث علىٰ والدی مات (رحمه الله) فی ذلک العام، وكنت أريد فی حياته أن أقرأ كتب الحديث علىٰ شيخی مولَانا خليل أحمد، ولكن لمّا مات والدی خمدت نار الشوق، ورأيت فی هذه الأيّام رؤياً كأنّ الشيخ المولی محمود الحسن المعروف بشيخ الهند يقول لی: اقرأ علیّ صحيح البخاری، فعرضت هذه الرؤيا علی شيخی مولَانا خليل أحمد، فقال: تأويلها أن تقرأ علیّ صحيح البخاری مرّة ثانية، فشرعت فی قراءة الصحيح بأمر الشيخ مع جمود القريحة، فكنت أطالع شروح البخاری من فتح الباری وعمدة القاری و إرشاد الساری وغير ذلک، و لمّا كنت أحضر الدرس ألقی اعتراضات الشرّاح علىٰ الشيخ ليقول الشيخ 'ليس لک حاجة إلی القراء ة ثانياً' وماكانت هذه الإرادة الّا لجمود القريحة من حادثة وفاة الوالد ۔ رحمه الله ۔ ولم يكن الغرض من ذلک إظهار الفضل والكمال والله عليم بذات الصدور، ولكن الشيخ ۔ رحمه الله ۔ لم يعبأ بشئ ولم يقل ما كنت أريده حتّی أتممت الصحيح، ثمّ شرعت فی الكتب الحديثية المذكورة سابقاً سوی الترمذی فإنّ درسه كان مقدّما علىٰ درس البخاری عند الشيخ۔

شيوخه

دائرة شيوخه محدودة ليس فيها سعة، ولكن الله تعالی بارک فی الشيخ۔

فمن أجلّهم شيخ العرب والعجم مولَانا الحافظ الثقة الثبت الحجة الناقد العارف خليل أحمد الأنبيتهوی السهارنفوری المهاجر المدنی۔

والثانی والد شيخنا وهو الذكی اللوذعی الألمعی مولَانا المحدث الحافظ المولوی محمد يحيی الكاندهلوی۔

والثالث عمّه الداعی الكبير مولَانا الحافظ الحجّة المولوی محمد إلياس الكاندهلوی المتوفی بدهلی۔

والرابع مولَانا الحافظ الثقة الثبت الحجّة السيّد عبد اللطيف البرقاضوی ناظم 'جامعة

مظاهر علوم' الواقعة بسهارنفور۔

والخامس مولَانا بحر المعقول وعلّامة المنقول المولوی عبد الوحید السنبهلی۔

وغيرهم ۔ رحمهم الله تعالی ۔

تنبيه:

سمعت شيخنا ۔ أدامه الله ومتّعنا الله ببقائه ۔ يقول: قرأت أكثر الكتب المنطقية على الحافظ السيد عبد اللطيف، والأمور العامة والميبذى على المولى عبد الوحيد، وأمّا كتب الفقه فعلى الوالد، وأمّا كتب الحديث فعلى الوالد والشيخ خليل أحمد صاحب البذل۔

تدريسه

عيّن مدرّساً فی مدرسة مظاهر العلوم بسهارنفور فی محرّم الحرام سنة خمس وثلاثين فدرّس: علم الصيغة، ومائة عوامل منظومة فی الفارسية، وشرح مائة عامل، ونحومير، والخلاصة، ونفحة اليمن، و منية المصلّی، وأصول الشاشی، وأكثر من قال أقول۔

و درّس فی السنة التالية من شوال سنة خمس و ثلاثين إلی شعبان سنة ستّ وثلاثين: المرقاة فی المنطق، وشرح التهذيب لليزدی، والكافية، ونور الإيضاح، وأصول الشاشی، والفوائد الضيائية المعروفة بشرح الملاجامی بحث الفعل منه، وعجب العجاب، ونفحة اليمن۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة ستّ وثلاثين إلی شعبان سنة سبع وثلاثين درّس: المقامات للحريری، والسبع المعلّقات، والقطبی، والمير، وكنز الدقائق، والقدوری، وأصول الشاشی۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة سبع وثلاثين إلی شعبان سنة ثمان وثلاثين : هداية الفقه الأوّلين، والحماسة، وسافر إلٰی الحجاز للحجّ فی شعبان خلون منه ثنتان سنة ثمان وثلاثين ورجع إلی الوطن فی صفر سنة تسع وثلاثين۔

وفی سنة إحدی وأربعين فوّض إليه ثلاثة أجزاء من صحيح البخاری بأمر شيخه الجليل

مولَانا خليل أحمد ـ نوّر الله مرقده ـ، وظلّ يدرّس مشكاة المصابيح من سنة إحدى وأربعين إلى سنة ثلاث وأربعين بغاية من التحقيق والإمعان.

ثم أزمع السفر لزيارة بيت الله الحرام مرّة ثانية سنة أربع وأربعين مرافقاً لشيخه مولَانا الخليل، وأقام بالبلدة الطاهرة المدينة المنوّرة علىٰ ساكنها ألف ألف صلوات وتحيّة دائماً، ودرّس هناک سنن أبی داود علىٰ الطلبة المغاربة فی المدرسة الشرعيّة، والمقامات الحريرية لبعض الطلّاب، وقرأ علىٰ شيخه فی ذلک القيام بعضاً من سنن الإمام ابن ماجه.

ولما أزمع الرجوع خلعه شيخه بلقب "**شيخ الحديث**" وقبله الله تعالى حتّى صار علَماً عليه بحيث إذا أطلق فی شبه القارة الهندية لَا يراد به الّا هو ـ متّعنا الله بأنفاسه القدسيّة ـ فرجع إلى الهند وهو شيخ الحديث للمدرسة العليّه مظاهر العلوم فدرّس فی سنة ستّ وأربعين الأكثر من سنن أبی داود.

وفی السنة التالية أعنی سنة سبع وأربعين درّس سنن الإمام أبی داود كاملاً، والأكثر من النصف الأوّل من صحيح البخاری ولَا زال يدرّس السنن والصحيح هكذا إلى سنة أربع وسبعين، الّا فی سنة ستّ وخمسين فلم يدرّس البخاری لبعض الأمور، ودرّس فی هذه المدّة عدّة من كتب الحديث، كالشمائل للترمذی فی سنة ثمان وأربعين وتسع وأربعين، واثنين وخمسين، ونبذاً من صحيح الإمام مسلم فی سنة ثمان وأربعين.

وبعد ما توفّی حضرة العلامة المفضال المولی السيد عبد اللطيف ناظم المدرسة الذی كان متكفّلاً بتدريس صحيح البخاری فتولّی تدريس صحيح البخاری كاملاً إلى الآن ـ متّع الله المسلمين ببقائه ـ الّا فی السنة الماضية أعنی سنة اثنين و ثمانين فدرّس بعضاً من صحيح البخاری شيخُنا العلامة مولَانا أمير أحمد الكاندهلوی بأمره، وفی السنة الراهنة أوراقاً، ثم تولّی الشيخ بنفسه، وشرع فی درس المسلسلات التی جمعها مسند الهند حكيم الأمة الثقة الثبت الحجّة الإمام الشاه ولیّ الله الدهلوی ـ رحمه الله تعالی ـ وهو يدرّس إلى الآن ويأتيه الطلبة من أقاصی البلدان ـ والله يطيل بقائه ـ.

تلاميذه

اعلم أن فی تلامیذه کثرة لَا تحصیٰ، والذین أخذوا عنه الحدیث یبلغ عددهم عشرة آلاف أو أکثر،

ومن أشهرهم (١) الداعی الکبیر المحدث مولَانا محمد یوسف الکاندهلوی رئیس المبلّغین المقیم بکورة نظام الدین أولیاء بدهلی، صاحب حیاة الصحابة، وأمانی الأحبار شرح معانی الآثار، (٢) والعلامة المتفنن الحافظ الثقة الثبت مولَانا أمیر أحمد الکاندهلوی صدر المدرّسین بمظاهر العلوم، (٣) والشیخ العلّامة الفهامة جامع المعقول والمنقول مولَانا المفتی محمود الحسن الجنجوهی صدر المدرسین بجامع العلوم کانفور، (۴) وشیخنا العلّامة المفضال الثقة الثبت الحجة العارف الکبیر مولَانا عبد الحلیم صدر المدرسین بمدرسة ضیاء العلوم الواقعة بقریة مانی کلاں من مضافات جونفور، (۵) ومولَانا الشیخ إنعام الحسن الکاندهلوی، (٦) ومولَانا الذکیّ البارع عبید الله البلیاوی (۷) والعلامة الثبت مولَانا عبد الجبّار الأعظمی صدر المدرسین بالجامعة القاسمیة الشاهی مراد آباد، (٨) وتلمّذ علیه أیضاً مولَانا إحتشام الحسن الکاندهلوی، (٩) والعلامة جمیل أحمد التهانوی المقیم بباکستان، (١٠) ومولَانا العلامة عبد الشکور البیشاوری، (١١) والقاضی مظهر الدین البلجرامی (بروفیسر دینیات فی علیجره)، (١٢) والمولی أکبر علی السهارنفوری المقیم بباکستان، (١٣) والمولی الشیخ محمد یامین الکاندهلوی المقیم بالمدینة المنورة، (١۴) والمولی الشیخ محمد عادل الجنجوهی وغیرهم۔

تألیفاته

له (أبقاه الله تعالی بخیر وعافیة) مؤلّفات کثیرة مملوء ة من التحقیقات والنفائس العلمیة ما خلت عنه کثیر من الأسفار، ومن أجلّها: (١) أوجز المسالک إلی موطأ الإمام مالک، وهو شرح کبیر للموطأ، شهرته کافیة عن الإطراء به، (٢) وحاشیة الکوکب الدریّ علی جامع الترمذی، (٣) وحاشیة لَامع الدراری علی صحیح البخاری، وهی حاشیة عجیبة فی بابها، مملوء ة من التحقیقات القیّمة التی خلت عن کثیر منها شروح البخاری، کادت أن تکون

شرحاً مستقلاً للبخاری كمل منها جزءان، والشيخ فی تأليف الجزء الثالث بدؤه من كتاب بدء الخلق، (۴) وتلخيص البذل لخّص فيه شرح شيخه علی أبی داود، وزاد فيه شيئا من عنده ولم يكمل، (۵) وحاشية البذل وهی حاشية قيّمة حوَت من التحقيقات ما خلت عنها الزبر الكبيرة، جمع البحر فی الكوز ولكن لم يهذّبها ولم يرتبها، (۶) وشرح المقدمة الجزرية، (۷) وكتاب الوقائع ذكر فيه تواريخ الوقائع التی حدثت بعد الهجرة إلی آخر حياته ـ صلی الله عليه وسلم ـ ولم يبيّضه، (۸) وجامع الروايات وهی كتاب عجيب جمع فيه أطراف الأحاديث علٰی ترتيب الفقه، ورقم علٰی الأحاديث، (۹) وله كتاب آخر سمّاه بالأجزاء ذكر فيه مخارج الأحاديث التی ذكرها فی جامع الروايات علی الرقم ليسهل المراجعة ولو كمل لأغنی عن كثير من الأسفار، (۱۰) وفهرس المؤلّفات والمؤلّفين، (۱۱) ومتن فی أصول الحديث علی أصول الحنفية، (۱۲) ورسالة فی مسائل الحجّ، (۱۳) وتعليق علی مشكاة المصابيح فی غاية من الإيجاز والإختصار، (۱۴) ومقدمة لَامع الدراری وهی مقدمة وحيدة فی بابها مشتملة علی فوائد وتحقيقات وأصول التراجم، (۱۵) وشذرات الترمذی، (۱۶) وشذرات أبی داود، (۱۷) وشذرات الرجال، (۱۸) والإعتدال فی مراتب الرجال فی لسان الأردوية، (۱۹) وقرآن عظيم اور جبريه تعليم، (۲۰) وشرح الألفية، (۲۱) وفضائل الصدقات، (۲۲) وفضائل الصلاة، (۲۳) وفضائل الحجّ، (۲۴) وفضائل التبليغ، (۲۵) وفضائل القرآن، (۲۶) وفضائل الذكر، (۲۷) وحكايات الصحابة، (۲۸) وخصائل نبوی شرح الشمائل النبوية للترمذی، (۲۹) ورسالة فی التجويد كلّها فی لسانه الأردوية، (۳۰) ورسالة فی أحوال القرّاء السبع، (۳۱) ورسالة فی أحوال مظاهر العلوم، (۳۲) والمشائخ الچشتية، وله ـ مدّ الله ظلّه ـ سوی ذلک تصانيف وتآليف، وكلّها نافعة مملوءة من التحقيقات والفوائد، ورزقت تاليفاته من القبول الحظّ الأوفر، فأمّا كتب الفضائل فسارت بها الركبان إلی أدانی المدن وأقاصی البلدان، وترجمت فی ألسنة أخری من الأفرنجية، والإنكليزية، والهندية، وتيمل، وغيرها، وكذلک كتابه خصائل نبوی، وأمّا شرح الموطأ، وحاشية الكوكب، وحاشية اللامع فانتشرت فی أقطار العرب والعجم، وكلّ ذلک من حسن نية مؤلّفها وصدق طويّته ـ متّعنا الله ببقائه

وأحسن جزاءه۔

البيعة والإجازة

بايع علٰى يد الشيخ الكبير الإمام الشهير مولَانا خليل أحمد المهاجرالمدنى۔ رحمه الله۔ وقطع طريق السلوک حتّٰى أجازه شيخه فى الحرم المدنى بأخذ البيعة فى السلاسل الأربعة وقت رجوع شيخنا إلى الهند، فحسر الشيخ خليل أحمد عمامته من رأسه وأمر مولَانا السيد أحمد المهاجر أن يلوثها علٰى رأس شيخنا زكريا، وكان الشيخ الكبير مولَانا عبد القادر الرائيبورى حاضراً إذ ذاک، فحرّض الشيخ زكريا علٰى إخفاء هذه الإجازة ولكن العارف الرائيبورى أذاع هذه الإجازة فى الناس، ولم يزل شيخنا ممتنعا عن الإجابة إلى أخذ البيعة حتّٰى أمره عمّه مولَانا محمد إلياس بأخذ البيعة فبايعته نسوة من أسرته ثم تتابع ذلک۔

منن الله تعالى عليه

كان لشيخه مولَانا خليل أحمد عناية به بالغة، فكان الشيخ خليل أحمد يملى بذل المجهود ويكتب شيخنا، وكان يتتبّع المظانّ المشكلة كما صرّح به الشيخ الخليل فى مقدمته، ورأيت فى مسوّدة مقدمة البذل:

”وأعاننى عليه بعض أحبابى، منهم عزيزى وقرّة عينى وقلبى الحاجّ الحافظ المولوى محمد زكريا بن مولَانا الحافظ المولوى محمد يحيى الكاندهلوى، وهو حرىّ بأن ينسب إليه هذا الشرح فإنّى كنت لَا أقدر علٰى الكتابة ولَا على التتبّع لرعشة حدثت فى يدى، وضعف فى دماغى وبصرى، فكنت أملى عليه وهو يكتب، ويتتبّع المباحث المشكلة من مظانّها فيسهل علىّ إملاءها۔ فشكر الله سعيه وأحسن جزاءه وما بذل فيه جهده، وأكرمه الله تعالى بعلومه الباطنة والظاهرة النافعة فى الدنيا والآخرة وبالأعمال المبرورة المتقبّلة الذاخرة۔“ انتهى۔

ولكن شيخنا ضبب على قوله ”وهو حرىّ بأن ينسب إليه هذا الشرح“ وقت الطبع هضماً لنفسه، ولَا يختلج فى صدرک أنّ الشيخ زكريا كيف تجاسر على محو ما كتبه شيخه، لأنّ

شیخنا کان مع شیخه إتّحاد مزاج فی نهایة ما یکون، وهذا هو الذی جرّأه علی ذلک۔

ومن أعظم المنن علیه اشتغاله بخدمة الحدیث الشریف وانهماکه فیه تدریساً وتصنیفاً واُشرب حبّه فی قلبه وخالط بلحمه ودمه حتی صار علَماً علیه ولقباً أشهر من اسمه۔

ومنها: حبّ شیخه وإیثاره علی کلّ شیء، وملازمته سفراً وحضراً وحوزه دعواته الصالحة کما قد قرأت۔

ومنها: تحبّبه عند الأکابر والمشایخ کعمّه الجلیل مولَانا محمد إلیاس الکاندهلوی والعارف الکبیر المحدث الشهیر المجاهد الأعظم شیخ العرب والعجم شیخ الإسلام مولَانا السید حسین أحمد المدنی والعارف الکبیر غوث الأوان مولَانا عبد القادر الرائیبوری۔ قدّس الله أسرارهم۔ وغیرهم من المشایخ والأکابر والمعاصرین۔

ومنها: أن الله تعالی أغناه عن الوظائف والإشتغال بالتکسّب ورزقه التوکّل والإعتماد علیه، فلم یزل یدرّس الحدیث الشریف فی المدرسة محتسباً متطوّعاً لَا یأخذ علیه أجراً۔

ومنها: شدّة اتّباعه للسلف الصالح والإستنان بسنتهم والإقتداء بطریقتهم، وحبّب إلیه السذاجة التی ورثها عن أکابره ومشائخه العظام، والتجرّد عن اختلاف الناس والإنقطاع عنه والعکوف علی المطالعة وتدریس الحدیث والتصنیف فیه۔

ومنها: انهماکه فی التعبّد وإحیاء لیالی رمضان بالتلاوة والنوافل۔

ومنها: المواساة، وحمل الأثقال، والإنفاق فی نوائب الحقّ، وأداء الحقوق وغیر ذلک، کما قال الشاعر:

وکم لله من لطف خفی یدقّ خفاه عن فهم الذکی

کتبه محمد یونس عفی عنه
(فی سنة ۱۳۸۳ھ)

* * *

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذۂ حدیث

(حضرۃ الاستاذ مدظلہ سے برطانیہ سے آئے ہوئے ایک مکتوب میں حضرت شیخ زکریاؒ کے تلامذۂ حدیث کے ناموں کی تفصیل طلب کی گئی، اس پر جو مکتوب تحریر کیا گیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حضرت شیخؒ کے حالات کے بعد نقل کردیا جائے۔ مرتب)

عزیز گرامی قدر سلمہ　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علامہ خالد محمود صاحب نے تمہارے ذمہ عجیب مضمون لگایا ہے، کوئی ایسی کتاب یا رسالہ نہیں ہے جس میں حضرت اقدس شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے مُجازین حدیث کا ذکر ہو۔

جن حضرات نے حضرت نور اللہ مرقدہ سے حدیث پاک پڑھی ہے ان کو تو اصولِ محدثین پر تدریس حدیث کی اجازت ہے ہی، کماهو مصرّح فی علوم الحديث لِابن الصلاح (ص١٢٦) وتلخيصه المسمّٰى بالتقريب للنووى وغير ذلک من كتب الأصول۔

وعبارة النووى: إذا قرأ على الشيخ قائلاً أخبرک فلان أو نحوه والشيخ مُصغ إليه فاهم لهٗ غير منكر صحّ السماع وجازت الرواية به، ولَا يشترط نطق الشيخ على الصحيح الذى قطع به جماهير أصحاب الفنون، وشرط بعض الشافعيين والظاهريين نطقه، وقال ابن الصبّاغ الشافعى: ليس له أن يقول حدثنى وله أن يعمل به و أن يرويه قائلاً: قرئ عليه وهويسمع، انتهى۔

قول اول کے متعلق ابن الصلاح فرماتے ہیں (ص۱۲۶):

وهذا مذهب الجماهير من المحدثين والفقهاء وغيرهم، امام نووی نے اصحاب الفنون بولکر یہی مراد لیا ہے۔

اب اس کی تفصیل کہ حضرت نور اللہ مرقدہ سے کن حضرات نے حدیث شریف پڑھی ہے دشوار ہے، مدرسہ کی روداد سے معلوم ہوسکتی ہے لیکن اتنے طویل کام کی فرصت نہیں ہے۔

جو حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس رہے ہیں یا اور کہیں حدیث پاک کی تدریسی خدمت ماضی میں کی یا اب کررہے ہیں ان میں سے جن کا نام معلوم ہوسکا ان کے اسماء درج کرتا ہوں۔

اولاً ان لوگوں کا نام لکھوں گا جو مظاہر علوم میں مدرس تھے یا فی الحال مدرس ہیں پھر دوسرے حضرات کے اسماء ذکر کروں گا۔

مظاہر علوم کے مدرسین میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ مفتی اعظم، حضرت مولانا امیر احمدؒ صاحب سابق صدر المدرسین، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وحال مفتی اعظم مظاہر علوم، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سابق مفتی اعظم وحال ناظم اعلی مدرسہ، مولانا محمد عاقل صاحب حال صدر المدرسین، مفتی محمد یحی صاحب، مفتی عبد العزیز صاحب، مولانا محمد سلمان صاحب اور اس ناکارہ نے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی ہے، اور اسی طرح اوائل اربعین مصنفہ محمد سعید بن محمد سنبل مکی پڑھی جس میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث کے اوائل درج ہیں، اور حضرت نور اللہ مرقدہ نے تدریس وروایت کی اجازت مرحمت فرمائی **وللہ الحمد۔**

مظاہر علوم کے باہر جو حضرات تدریس حدیث شریف میں مصروف ہیں، ان میں سے جن حضرات کے نام معلوم ہوسکے وہ درج کئے جاتے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ دہلی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب حال امیر جماعت تبلیغ دہلی، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سابق صدر المدرسین وناظم مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں جونپور وحال بانی وناظم مدرسہ ریاض العلوم چوکیہ گورینی جونپور، مولانا منور حسین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم لطیفی کٹھیار (بہار)، مولانا عبد الجبار اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد، مولانا عبد الستار صاحب اعظمی شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد ابراہیم صاحب پالنپوری شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ آنند گجرات، مولانا تقی الدین الندوی المظاہری سابق مدرس حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء وسابق شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات مقیم حال ابوظہبی، مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی مقیم مرکز تبلیغ دہلی، مولانا عبید اللہ صاحب مقیم مرکز دہلی، مولانا محمد نصیر صاحب صدر مدرس جامع العلوم کانپور، مولانا منظور احمد صاحب مدرس حدیث جامع العلوم کانپور، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی بانی وناظم مدرسہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ، مولانا احسان الحق صاحب لاہوری

مدرس حدیث مرکز رائیونڈ پاکستان، مولانا یوسف متالا بانی دار العلوم ہولکمب بری انگلینڈ، مولانا محمد ہاشم مدرس حدیث دار العلوم ہولکمب بری انگلینڈ، مولوی محمد انوار صاحب مدرس حدیث دار العلوم لطیفی کٹھیار، مولانا امام الدین مدرس حدیث دار العلوم لطیفی سابق، مولانا عبد الروؤف صاحب سابق مدرس حدیث دار العلوم لطیفی، مولوی عبد الغنی صاحب پونوی (پونہ) مدرس حدیث دار العلوم احمد نگر، مولانا نسیم احمد صاحب مدرس حدیث دار العلوم جامع الہدی مرادآباد، مولانا عبد الرشید صاحب سابق مدرس حدیث مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں و مدرس ریاض العلوم چوکیہ جونپور، مولانا سجاد صاحب جونپوری مدرس مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ۔

جن حضرات کے نام نہیں لکھے جاسکے وہ یا تو معلوم نہیں یا ان کے اسماء اس وقت یاد نہیں آئے۔

جن حضرات نے حضرت نور اللہ مرقدہ سے باقاعدہ تو حدیث شریف نہیں پڑھی لیکن ان کو حضرتؒ کی طرف سے اجازت ہے ان کی فہرست بھی لمبی ہے، ایک بڑی جماعت نے فیصل آباد پاکستان کے قیام رمضان کے وقت ۱۴۰۰ھ میں اجازت لی تھی، ان کی پوری تفصیل مجھے معلوم نہیں، مجازین میں سرفہرست حضرت علامہ عبد الفتاح ابوغدہ الحلبی مقیم ریاض سعودیہ، اور حضرت مولانا عبد اللہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم رشیدیہ ساہیوال اور مولانا منظور احمد صاحب چینوٹی فاتح قادیان کے نام ہیں۔

اس ناکارہ کے متعلق تم نے کچھ تفصیل معلوم کی ہے وہ یہ ہے کہ اس ناکارہ نے ۱۳۸۰ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، ۸۱ھ میں کچھ مزید کتابیں پڑھیں، شوال ۱۳۸۱ھ میں معین المدرسین کے عہدہ پر تقرر ہوا اور شرح وقایہ وقطبی زیر تدریس رہیں، شوال ۸۲ھ میں بھی کتب سابق رہیں، شوال ۸۳ھ میں درجہ وسطیٰ کا مستقل مدرس تجویز کیا گیا اور مقامات حریری وقطبی وغیرہ زیر تعلیم رہیں، شوال ۸۴ھ میں ہدایہ اولین، قطبی، اصول الشاشی آئیں لیکن اسی سال ذی الحجہ میں حضرت استاذی مولانا امیر احمد صاحب صدر المدرسین کا انتقال ہو گیا تو مشکوۃ شریف حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کے یہاں سے منتقل ہو کر بندہ کے پاس آئی اور باب الکبائر وعلامات النفاق سے پڑھائی، آئندہ سال شوال ۸۵ھ میں مشکوۃ شریف شرح وقایہ قطبی پڑھائی۔

شوال ۸۶ھ میں دورہ حدیث شریف میں سے ابوداؤد نسائی ابن ماجہ موطائین اور دوسری نیچے کی کتابیں آئیں، شوال ۸۷ھ میں مسلم شریف نسائی شریف ابن ماجہ موطا امام مالک وموطا امام محمد ہوئیں۔

۲۵ شوال ۸۸ھ روز بدھ سے بخاری شریف بندہ کے یہاں منتقل ہوئی، **فالحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه على جزيل نعمائه وتواتر آلائه۔**

اللہ تعالی محض اپنے فضل وکرم سے آئندہ زندگی بھی اس مباک کتاب کی تدریس کے شرف سے نوازے اور اہلیت پیدا فرمائے، آمین۔

محمد یونس عفی عنہ

۵؍رمضان ۱۴۰۲ھ

◆ ◆ ◆

نبذة عن حياة الشيخ أسعد الله الرامفورى

ناظم الجامعة مظاهر العلوم سهارنفور الهند

حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے حالات مولانا عبدالحق صاحب مدنی نقشبندی نے معلوم فرمائے تھے، حضرت نے احقر کو تحریر کرنے کا حکم دیا جو وہاں لکھا گیا وہی ادنیٰ تصرف سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

اسمه ونسبه:

هو العلامة المحدث جامع المعقول والمنقول محمد أسعد الله بن مولَانا رشيد الدين بن مولَانا المفتى بشارت الله بن العلامة المفتى سعد الله الرامفورى صاحب التأليفات الشهيرة۔

ولَادته ونشأته:

ولد بمصطفى آباد المعروف برياست رامفور يوم الإثنين فى شهر............ سنة أربعة عشر وثلاثمائة وألف وسمّى بـ"أسعدالله" واسمه التاريخى "مرغوب الله" سمّاه بذلک جدّه كما أخبره بذلک عمّه مولَانا فضل الله الطبيب، وكانت بيته بيت علم فقرأ القرآن علىٰ والدته، وتعلّم الفارسيّة فى زمن الصبا، ثم دخل هناک فى بعض المعاهد العصريه فتعلّم الرياضى وشيئا من العلوم المروّجة۔

ثمّ نقله عمّه مولَانا فضل الله فى أواخر ۱۳۲۹ھ وذلک حين كان عمره خمسة عشر سنة من رامفور إلى تهانه بهون البلدة المعروفة فى مضافات مظفر نكر مَسقط رأس العارفين والكاملين فوصل الى الخانقاه الإمدادية عند حكيم الأمة الإمام العارف مولَانا أشرف على

التهانوى المتوفى ۱۳۶۲ھ، فقرأ هناک فى مدرسة إمداد العلوم على العلامة مولَانا عبد الله الكنكوهى المتوفى ۱۵/رجب ۱۳۳۹ھ من الاِبتداء الى المتوسّطات وقرأ عليه دروساً من مشكاة المصابيح، وقرأ دروساً من ترجمة القرآن الحكيم ودروساً من المشكاة على حكيم الأمة التهانوى۔

ثمّ انتقل فى ۲۲/شوال ۱۳۳۲ھ إلى سهارنفور فدخل فى شهر شوال فى المدرسة المباركة الشهيرة بمظاهر العلوم فقرأ على أساتيذها بقيّة الكتب فقرأ مختصر المعانى وغيره على مولَانا ثابت على المتوفى ۲۰/ ربيع الثانى ۱۳۴۲ھ، ومشكاة المصابيح وغيرها على العلامة مولَانا السيد عبد اللطيف مدير الجامعة مظاهر العلوم سابقاً المتوفى يوم الاِثنين ثانى ذى الحجّة ۱۳۷۳ھ، وتفسير الجلالين وبعض الكتب الآلية على العلامة مولَانا عبد الوحيد السنبهلى المتوفى فى رمضان ۱۳۵۵ھ، وقرأ المجلدين الأوّلين من الهداية فى الفقه على مولَانا العلامة المحدث ظفر أحمد التهانوى شيخ الحديث فى دارالعلوم أشرف آباد تندواللّٰه يار التابعة لحيدرآباد السند مؤلف الكتب الشهيرة كإعلاء السنن وغيره المتوفى فى ذى القعدة ۱۳۹۴ھ، والتصريح شرح الچغمينى على العلامة المحقق المحدث المفسر الأصولى الفقيه مولَانا عبد الرحمٰن الكاملفورى صدر المدرسين بمظاهر العلوم سابقاً المتوفى ۲۷/شعبان ۱۳۸۵ھ، وقرأ كتب الحديث من الصحاح الستة وغيرها فى ۱۳۳۴ھ، فقرأ الجامع الصحيح للإمام البخارى وسنن أبى داود والترمذى والنسائى على العلامة المحدث مولَانا محمد يحيى الكاندهلوى المتوفى ۱۳۳۴ھ، وبقية كتب الصحاح على غيره من الأساتذه كالشيخ العلامة ثابت على وغيره، وقرأ شيئاً من كتب الحديث على العلامة مولَانا خليل أحمد السهارنفورى المحدث المشهور شارح أبى داود المتوفى يوم الأربعاء ۱۶/ربيع الآخر ۱۳۴۶ھ، وقرأ فى ۱۳۳۵ھ الكتب الأخرى من الفنون المختلفة۔

عمله وتدريسه:

ولما فرغ من الكتب الدراسيّة جُعل مديراً لجمعية هداية الرشيد (شعبة التبليغ والدعوة) بمظاهر العلوم سهارنفور ثمّ عيّن فى ۱۳۳۷ھ معيناً للمدرسين وجعل فى رجب ۱۳۳۸ھ مدرّساً

مستقلّاً، ودرّس على الطلبة جميع الكتب من الفنون المختلفة من التفسير والحديث والفقه والنحو والصرف والمعانى والبيان والأدب والمنطق والفلسفة والمناظرة والطبّ، ودرّس من كتب الحديث تماماً سنن أبى داود والنسائى ومعانى الآثار للطحاوى والموطأ للإمام مالك وللإمام محمد وصحيح الإمام مسلم ودرّس بعض صحيح البخارى وبعضاً من سنن الترمذى، وكان يلقى الدروس بعبارة موجزة جامعة وتحقيق تامّ۔

ولمّا وقع الاِرتداد ۱۳۴۱ھ فى نواحى آجره بسعى سوامى دیانند۔ حامل ديانة الآريّة۔ وأعوانه كشردهانند ومدن موهن مالويه جال الشيخ المؤمٰى إليه فى تلك الديار بقمع هذه الفتنة الهائلة، وسعى فيه سعياً حثيثاً۔ تقبّله الله تعالى بمنّه وكرمه۔ وكان مناظراً جيّداً قوىّ العارضة شديد المعارضة، حديد الذهن، سريع الجواب، فناظر الآريين والمسيحيين والقادنيين والمبتدعين وغيرهم، وردّ عليهم كيدهم، وفاز فى جميع المناظرات۔

ولمّا ألّف الحافظ هدايت حسين الكانفورى تأليفاً فى الوقف وقدّمه إلى الحكومة وزاغ فيه عن جادة الصواب، ردّ عليه فى بيان له فى ۱۳۵۲ھ و بيّن بالدلَائل العقلية والنقلية أنّ هذا الكتاب لَايعتمد عليه، ولم ينطق أحد من الحاضرين بحرف من الردّ۔

أسفاره:

كان الشيخ ملازماً لمدرسة مظاهرالعلوم لَا يسافر إلّا للمناظرة أو التبليغ والدعوة والوعظ، ولمّا أصرّ أهل رنغون (مملكة برما) كالحاج داود هاشم يوسف فذهب إلى رنغون فى ربيع الثانى ۱۳۴۸ھ فأقام هناك مديراً للمدرسة المحمدية إلى شوّال ۱۳۴۸ھ ثمّ رجع إلى مظاهر العلوم، ثم سافر إلى رنغون ۱۳۵۴ھ مديراً للمدرسة المذكورة وأقام هناك عاماً، ثمّ أقام فى السنة التالية بسبب إلحاحهم ورجع إلى سهارنفور فى آخر ۱۳۵۵ھ ثمّ لم يذهب إلى أىّ مدرسة وإن كان عارضيّاً۔

حجّه:

حجّ الشيخ مرّة واحدة، سافر لأداء فريضة الحجّ فى ذى القعده ۱۳۵۴ھ وحصل هناك الاِجازة فى كتب الحديث من بعض الأعيان۔

عميد المدرسة:

عيّن نائب المدير فى غرّة صفر ۱۳۶۵ھ، ولمّا توفى العلامة المفضال السيّد عبد اللطيف مدير الجامعة سابقاً عيّن مديراً للمدرسة فى غرّة محرم الحرام ۱۳۷۴ھ وهو إلى الآن - بحمد الله سبحانه و تعالٰى - على منصبه الجليل - أبقاه الله برغد عيش ورقاه مدارج القرب -

تأليفاته:

كان الشيخ المؤمى إليه المترجم له كثيراً يشغل بالتدريس والمناظرة والتبليغ والوعظ، ولذا لم يتفرّغ للتأليف، ولكنّه ألّف رسائل عديدة وعلّق حواش، منها: (۱) إسعاد النحو، (۲) والتحفة الحقيرة فى نسبة سبع الشعيرة، (۳) والقطائف من اللطائف فى اللطائف الستة، (۴) والفيصلة شرح لمقالة لحكيم الأمة التهانوى، (۵) والمسالمة فى المكالمة (فى مسئلة إمكان الكذب)، (۶) وتكميل العرفان فى شرح حفظ الإيمان، (۷) وشرح التقصير فى التفسير، (۸) وحاشية مختصرة على شرح معانى الآثار للطحاوى، (۹) وأجوبة علٰى أسئلة متعلقة بشرح معانى الآثار للطحاوى، (۱۰) والعروض مع القافية شرح لرسالة للمفتى سعد الله، (۱۱) وشرح الحماسة ولم يكمل، (۱۲) وفتنة الإرتداد وفرض المسلمين، (۱۳) وصحائف أسعد (۱۴) وكلام أسعد مجموعان لأبياته.

الإرشاد والسلوك:

كان الشيخ المترجم له بايع فى زمن طلب العلم على يد العارف الكبير والمربّى الشهير حكيم الأمة التهانوى وأجازه الشيخ التهانوى فى بعض السنين لأخذ البيعة والتلقين والإرشاد فى السلاسل الأربعة.

أولَاده:

لما فرغ من الكتب الدراسية زوّجه عمّه مولَانا محمد فضل الله الطبيب ببنته وذلك ۱۳۳۶ھ غالباً، فولد له تسعة أولَاد، بنتان وسبعة ذكور، والباقى منهم الآن أربعة: مولَانا محمد الله وهو الآن مدرس بجامعة مظاهر العلوم، وأحمد الله، وهومقيم بباكستان، وأمجد الله، وأجود الله.

حرره الأحقر محمد یونس عفی عنه

٢٠ ذی الحجة ١٣٩٧ھ

وفاته:

ثم توفّی إلی رحمة الله تعالی لیلة الاِثنین الخامس عشر من شهر رجب الفرد سنة تسع وتسعین وثلاثمائة وألف ۔ رحمه الله تعالیٰ ۔

* * *

نبذة عن حياة الشيخ أمير أحمد الكاندهلوىؒ

صدر المدرسين بمظاهر العلوم سهارنفور

سوال:

حضرت مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ اور کب وفات ہوئی؟ کہاں تعلیم پائی؟ اساتذہ کون تھے؟ کب تک درس دیا؟ ان کے بعض مشہور تلامذہ کے نام بھی درج کریں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

از امیر احمد ہمی پرسی سخن   آنکہ بودہ شہر یار علم و فن
در تمامی علم او را دستگاہ   بہر ہر فن سینہ اش جائے پناہ
در حدیثِ مصطفیٰ بودہ امام   من چہ گویم وصف آں عالی مقام

نام ونسب

حضرت الاستاذ العلامۃ المحدث مولانا الحافظ الحاج امیر احمد صاحب بن جناب عبدالغنی صاحب قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے، آپ کے اہل خاندان گوشت فروش (یعنی قصائی) تھے مگر حضرت مولانا سے ملکر کبھی یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

ولادت

قصبہ کاندھلہ ہی میں ۵ رصفر المظفر ۱۳۲۷ھ میں دوشنبہ کے دن بوقت صبح صادق ولادت ہوئی۔

سنا ہے کہ آپ کے والد ماجد نے ولادت سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ میرے گھر سے ایک دودھ کی ندی جاری ہے اور لوگ اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔

نشو ونما وطالب علمی

مولانا مرحوم کا نشو ونما اپنے خاندانی طرز پر ہوا، مگر مزاج نہایت شریف، طبیعت بہت ہی سادہ تھی، حق تعالی نے مقدر میں بڑے بڑے علماء کی استاذی لکھی تھی، ابتداء میں اپنے قصبہ کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں کچھ ابتدائی اردو وغیرہ اور ناظرہ قرآن شریف پڑھا، وہاں کے بعض بااثر حضرات کے توجہ دلانے پر مزید تعلیم کا شوق پیدا ہوا، پندرہ سال کی عمر میں کاندھلہ سے سہارنپور آئے، اور شوال ۱۳۴۲ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، اور بالکل ابتداء سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، مفید الطالبین، نور الایضاح، کافیہ، قدوری وغیرہ پڑھی، اور ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، ۱۳۴۷ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھا اور ساری جماعت میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے، مدرسہ کی طرف سے دس روپے اور متعدد کتابیں جیسے بذل المجہود جلد رابع، ادب القرآن، ثلاثیات بخاری، سراجی، تذکرۃ الرشید، لطائف رشیدیہ، حجۃ الاسلام، دلائل الخیرات وغیرہ انعام میں ملیں، ۱۳۴۸ھ میں فنون کی کتابیں پڑھیں۔

اساتذہ

چونکہ مولانا نے از اول تا آخر ساری تعلیم جامعہ ہذا میں ہی پائی اس لئے اس وقت کے سارے اساتذہ مولانا کے اساتذہ تھے، جن کے نام معلوم ہوسکے وہ حضرات یہ ہیں:

حضرت اقدس مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم اعلی مدرسہ ہذا، حضرت اقدس مولانا العلامۃ عبدالرحمٰن کامل پوری سابق صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم، حضرت اقدس العلامۃ المحدث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم، حضرت اقدس العلامۃ ذوالفنون مولانا محمد اسعد اللہ صاحب حال ناظم اعلی مظاہر علوم، متّع اللہ المسلمین بحیٰوتہ، حضرت اقدس مولانا العلامۃ منظور احمد السہارنپوری نور اللہ مرقدہ، حضرت اقدس مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوری

مرحوم، حضرت اقدس السید ظہور الحق صاحب دیوبندی ثم السہارنپوری، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی کشمیری مرحوم، مولانا عبدالمجید صاحب مہیسروی سہارنپوری مرحوم۔

اساتذہ حدیث شریف

مولانا نے صحیح بخاری جلد اول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اور جلد ثانی حضرت مولانا السید عبداللطیف صاحب سے اور صحیح مسلم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور ابوداود شریف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اور ترمذی حضرت مولانا السید عبداللطیف صاحب سے سنن نسائی وابن ماجہ اور مشکوۃ شریف حضرت مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوری سے پڑھی۔

مشغلہ تدریس وتعلیم

فراغت کے بعد ہی مدرسہ خلیلیہ شاخ مظاہر علوم میں ۱۳۴۹ھ میں ابتدائی مدرس مقرر ہوئے اور مسلسل چھ سال وہیں رہے، اور وہاں ہونے والی سبھی کتابیں پڑھائیں، وہیں کے دوران قیام میں چھ ماہ میں قرآن پاک حفظ کیا، ۲۶؍شوال ۱۳۵۵ھ سے مظاہر علوم میں منتقل ہوئے اور اصول الشاشی وغیرہ کتابیں سپرد کی گئیں، نہایت قابلیت اور مقبولیت کے ساتھ درس دیتے تھے اور ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے، ۱۳۶۳ھ میں ہدایہ اولین پہلی مرتبہ پڑھائی اور ۱۳۶۶ھ میں جلالین شریف پڑھائی، اور ۱۳۶۷ھ میں مشکوۃ شریف کا آغاز ہوا اور شعبان ۱۳۸۱ھ تک مسلسل کامل پندرہ سال مشکوۃ شریف کا درس دیا، اور ۱۳۷۴ھ میں پہلی مرتبہ نسائی شریف پڑھائی اور شعبان ۱۳۸۳ھ تک پڑھاتے رہے، صرف ۱۳۸۱ھ میں مفتی مظفر حسین صاحب کے پاس ہوئی، صفر ۱۳۷۷ھ میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب سابق مفتی اعظم مظاہر علوم کی وفات پر ۱۳۷۷ھ میں ترمذی شریف آپ کے یہاں منتقل ہوئی، اور اواخر ۱۳۸۴ھ تک پڑھاتے رہے، ۱۳۸۱ھ میں ایک مرتبہ طحاوی شریف کا درس دیا اور ۸۱ھ ہی میں بخاری کی کتاب التفسیر وغیرہ پڑھائی۔

بحیثیت صدر مدرس

یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ مولانا مرحوم کے یہاں ۱۳۷۷ھ سے ترمذی شریف کا درس شروع ہوگیا تھا جو اس علاقہ کی صدر مدرس کی کتاب سمجھی جاتی ہے لیکن مولانا ۶؍شوال ۱۳۷۸ھ کو باضابطہ صدر مدرس بنائے گئے اور تاوفات اسی

عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔

فضل وکمال

مولانا کو تمام علوم میں کامل دسترس تھی اور خاص کر فن حدیث سے بہت ہی ذوق ومناسبت تھی، درس میں جو بیان فرماتے حفظ کہتے چلے جاتے اور حوالے دیتے جاتے۔

اخلاق وشمائل

مولانا نہایت برد بار حلیم اور باوقار تھے، مزاج میں کسی سے از خود تعرض کرنے کی عادت نہیں تھی، فطری طور پر مرنجاں مرنج تھے، کبھی کسی کی کوئی غیبت یا برائی کرتے نہیں سنا گیا، لیکن حق بات اگر آ جاتی تھی تو مولانا پھر بے لاگ بات کہہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک طالب علم نے میری موجودگی میں پوچھا کہ مدرسہ مظاہر علوم بڑا ہے یا دار العلوم؟ فرمایا دار العلوم دیوبند، ایک مدرس کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ مدرسہ میں دو مصری علماء تشریف لائے ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، مولانا سے حلق لحیہ کے مسئلہ پر گفتگو ہوگئی، مولانا نے فرمایا حلق اللحیۃ فسق ہے، انمیں جو بڑے تھے کہنے لگے یا شیخ أنحن فسّاق؟ حضرت مولانا نے بے خوف فرمادیا أنتم فسّاق، اور پھر اس سلسلے میں بحث شروع ہوگئی، حضرت مولانا نے احادیث مقدسہ کی روشنی میں مسئلہ کو مدلل فرمایا، آخر میں اس مصری عالم نے مولانا کے دونوں بازو پکڑ کے بار بار کہا مولانا امیر شیخ کبیر۔

مولانا نے طبیعت بالکل سادہ پائی تھی، لباس نہایت سادہ پہنتے تھے، وہ سادہ لباس ہی مولانا پر زیب دیتا تھا،

ع حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

کبھی کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے خصوصاً دوران درس میں جب یہ محسوس فرماتے کہ اب طلبہ کو دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے بار ہو رہا ہوگا تو کوئی مزاحیہ فقرہ یا کوئی قصہ سنا دیتے جس سے طلبہ ہنس پڑتے اور تازہ دم ہو جاتے۔

انداز تدریس

مولانا کو حق تعالی نے فہم رسا سے نوازا تھا اور زبان نہایت سادہ اور شیریں تھی، قوت حافظہ بھی خوب تھی، جس وقت درس دیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کتابیں کھلی ہیں اور مولانا ان کے علمی موتیوں کی لڑی پرو رہے ہیں، درس میں نہایت ہی ترتیب ہوتی تھی، رک رک کر آہستہ آہستہ تقریر فرماتے تھے اور جب کلام فرماتے تو مسئلہ کے سارے گوشوں پر کلام کرتے، لیکن جو مسائل دور کا تعلق رکھتے ان سے کم تعرض فرماتے، بس جس کا حدیث سے تعلق ہو اس پر کلام

فرماتے تھے۔

احقر نے مولانا کی درسِ ترمذی ضبط کی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں مشق نہ ہونے کی وجہ سے بعض باتیں ضبطِ تحریر میں نہیں آتی تھیں، پھر بعد میں تو بحمد اللہ ساری ہی ضبط کرلی تھی،

اگر کوئی طالب علم سوال کرتا اگر معقول سوال ہوتا جواب دیتے، ورنہ عامۃً تفریحی انداز میں اعراض فرماتے، اکثر یہ فقرہ فرمایا کرتے ''ارے تیرے دماغ میں خشکی ہے ارے تیل کی مالش کرلیا کر''۔

وعظ: مولانا کو وعظ گوئی سے بھی مناسبت تھی اکثر مدرسہ کی طرف سے جلسوں میں اور تبلیغی اجتماعات میں بھیجا جاتا تھا۔

مولانا اور اکابر:

حضرت مولانا سارے ہی مشائخ و اکابر سے تعلق رکھتے تھے، اور سبھی کا ذکر احترام ومحبت سے کرتے تھے۔

بیعت کا تعلق بانی تبلیغ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی ثم دہلوی سے تھا اور ان کی وفات کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی سے مربوط ہوگئے تھے، اور ان سے بے انتہا محبت و اعتقاد رکھتے تھے، ایک مرتبہ مجھے اپنی ابتدائی تدریس میں ایک حدیث کی تلاش تھی رات میں کئی بار تقلیبِ اوراق کی نہیں ملی، صبح حضرت شیخ سے پوچھا تو فرمایا کہ فلاں جگہ دیکھو فوراً مل گئی، میں نے حضرت مولانا مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا تو برجستہ پڑھا ؎ عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔

مشکوۃ پڑھنے کے دور میں مولانا نے ایک مذہب نقل کیا، درس سے فراغ پر میں نے عرض کیا کہ فلاں کتاب میں اس کے خلاف لکھا ہے، تو فرمانے لگے پھر کیا ہوا؟ میں مولانا کی اس قدر بے اعتنائی کو سمجھ نہ سکا، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے جو مذہب نقل کیا تھا وہ اوجز سے نقل کیا تھا اسی لئے دوسرے مصنف کی نقل کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

اشعار

مولانا کو عربی و فارسی کے بہت سے اشعار یاد تھے جو برمحل پڑھا کرتے تھے، ایک مرتبہ مسئلہ متعۃ النکاح پر تقریر فرماتے ہوئے جب اہل تشیع کا مسلک بیان کیا تو ان کے مذہب کی ترجمانی میں یہ شعر پڑھا ؎

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو مذہب وہ چاہئے کہ زنا بھی حلال ہو

اسی مسئلہ کے متعلق جب ابن عباسؓ کا مذہب نقل کیا تو فرمایا کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ یہ آپ نے کیا فتوی دیدیا سارت بها الرکبان وقالت فیه الشعراء (یعنی تمام شہروں میں پہونچ چکا اور شعراء نے طنزیہ اشعار کہے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا: ما قالت الشعراء؟ (شعراء نے کیا کہا) سعید بن جبیر نے فرمایا کہتے ہیں ؎

قد قلت للشیخ لما طال مجلسه   یا صاح هل لک فی فتیا ابن عباس
وهل لک فی رخصة الأطراف آنسة   تکون مثواک حتی مصدر الناس

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ما هو إلّا کالمیتة والخنزیر،

جب ترمذی شریف میں حدیث المؤمن الذی یخالط الناس ویصبر علی أذاهم خیر من المؤمن الذی لَا یخالط الناس ولَا یصبر علی أذاهم آئی تو فرمایا کہ ڈاکٹر ٹیگور نے اخبار میں اپنی تصویر شائع کی کہ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا بانسری بجا رہا ہے، تو ڈاکٹر اقبال نے لکھا ؎

میاسا بر لب ساحل کہ آنجا   ہوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا خلط وبا موجش در آویز   حیات جاوداں اندر ستیز است

اور پھر فرمایا یعنی لوگوں سے مل جل کر رہنا اور ان کی اصلاح کرنا اس سے بہتر ہے کہ گوشۂ تنہائی اختیار کرلے۔

ایک بار مجلس مناظرہ متعلقہ انجمن ہدایت الرشید میں ایک صاحب نے کوئی تقریر ایسی کی جو منقح نہیں تھی اور دعوی ودلیل میں کچھ ربط نہیں تھا تو برجستہ پڑھا ؎

کلامِ میر سمجھے داغ سمجھے مرزا سمجھے   مگر ان کا کہا یا آپ سمجھے یا خدا سمجھے

بعض اوقات مجلس وعظ میں یہ قطعہ بھی پڑھتے ہوئے سنا ؎

اے صوفی شراب آنگہ شود صاف   کہ درشیشہ بماند اربعینے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا ذکر جب شمائل میں آیا تو یہ شعر پڑھا ؎

لواحی زلیخا لو رأین جبینه   لآثرن بالقطع القلوب علی الید

کبھی کبھی یہ اشعار پڑھتے سنا ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر   من وجهک المنیر لقد نور القمر
لَا یمکن الثناء کما کان حقه   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مسئلہ جرّ جوار کی مثال دیتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

فظلّ طهاة اللحم من بین منضج   صفیف شواء أو قدیر معجّل

مسئلہ اشربہ ونبیذ بیان کرتے ہوئے پڑھا ؎

دع الخمر یشربها الغواة   فإننی رأیت أخاها مغنیا بمکانها

مرض ووفات

مولانا مرحوم ۱۳۸۲ھ میں بیمار ہوئے اخیر میں سل ہوگئی تھی اور نہایت لاغر ونحیف ہوگئے تھے، علاج مسلسل چلتا رہا لیکن پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا، ۱۳۸۴ھ میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں اپنے وطن کاندھلہ تشریف لے گئے، وہاں پہونچکر طبیعت روز بروز گرتی رہی اور گیارہ ذی الحجہ کو ستاون سال ڈیڑھ ماہ کی عمر میں یہ ماہتابِ علم وفن ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، غفر الله له ورحمه رحمة واسعة، کاندہلہ ہی میں اپنے جدی قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

ماکنت أحسب قبل دفنک فی الثری   إنّ اللحود منازل الأقمار
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے   سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مبشرات ومنامات

کاندہلہ میں کوئی حکیم صاحب تھے انہوں نے مولانا کو خواب میں دیکھا تو کہا کہ مولانا! ابھی تو آپ کی عمر زیادہ نہیں تھی بہت جلدی چلدیئے، مولانا نے فوراً یہ آیت پڑھی ﴿إذا جاء أجلُهم لَا یستأخرون ساعة ولَایستقدمون﴾ پھر ایک مرتبہ خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ مولانا! کیا حال ہے؟ فرمایا ﴿ولِمَن خاف مَقام ربِّه جنّتان﴾۔

اولاد

مولانا مرحوم کے کئی لڑکے اور لڑکیاں ہیں حافظ محمد اکرام، مولوی محمد ایوب، مولوی محمد ادریس، محمد یعقوب،

باقی کا نام معلوم نہیں۔

تلامذہ

مولانا مرحوم کو اللہ تعالی نے بڑے اچھے اچھے فاضل تلامذہ عطا فرمائے جن کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے، ان سب کا احصاء یہاں مشکل ہے، صرف ان لوگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو مدرسہ مظاہر علوم میں درس دیتے ہیں یا کہیں اور کوئی مخصوص شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نائب ناظم، مفتی محمد یحی صاحب سہارنپوری، مفتی عبد العزیز صاحب، مولانا محمد عاقل صاحب صدر مدرس، مولانا عبد القیوم صاحب، مولانا وقار علی صاحب، مولانا اطہر حسین صاحب، مولانا محمد یامین صاحب، مولانا قطب الدین صاحب، مولانا حافظ فضل الرحمٰن صاحب، یہ سارے حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں، اور سب نے مولانا مرحوم سے مشکوۃ شریف اور اسی طرح دیگر کتب پڑھی ہیں، اس حقیر راقمِ سطور نے حضرت مولانا سے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی، موطا امام مالک، مشکوۃ شریف، نزھۃ النظر، مقدمۂ شیخ عبد الحق محدث دہلوی پڑھیں اور ہدایہ رابع کتاب القسمۃ تک۔

مدرسین کے علاوہ مولانا کے تلامذہ میں حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی بانی مدرسہ اسلامیہ عربیہ ہتورا باندہ، مولانا عبید اللہ بلیاوی مبلغ، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی، قاری امیر حسن صاحب چھپروی، مولانا سعید احمد صاحب کھیڑوی مقیم حال مدینہ منورہ، مولانا عامر انصاری رامپوری، مولانا محمد منظور صاحب جونپوری استاذ حدیث جامع العلوم کانپور، مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی مفتی حیات العلوم ومولف کتب عدیدہ، مفتی محمود داود یوسف مفتی برما، مولانا عبد القیوم بستوی مجاز بیعت حضرت ناظم صاحب مدرس مدرسہ شاہی، مولانا عبد الستار صاحب بستوی سابق مدرس مدرسہ ضیاء العلوم، مولانا عبد القیوم صاحب بارہ بنکوی مدیر نظام جدید و مولف تذکرہ شاہ ولی اللہ، مولانا عبد الوہاب بستوی مجاز حضرت ناظم صاحب، مولانا عبد الرحمٰن صاحب حیدر آبادی مدرس جامعہ عثمانیہ حیدر آباد و استاذ حدیث، مولانا عبد الرشید صاحب بستوی سابق مدرس مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں و مدرس حدیث، مولانا عبد الرؤوف صاحب پورنوی مدرس دار العلوم لطیفی کٹیہار مولف رسائل عدیدہ، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کلیانوی مدرس دار العلوم کراچی مدیر البلاغ ومولف کتب مختلفہ، مولانا نسیم احمد صاحب بجنوری سابق استاذ حدیث مدرسہ حیات العلوم و مدرسہ امدادیہ مراد آباد و استاذ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد و حال استاذ جامع الہدیٰ ومصنف رسال عدیدہ، مولانا وارث علی صاحب سیتاپوری مدرس خیر آباد و خلیفہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ،

مولانا اقبال احمد صاحب چھپروی بانی مدرسہ عربیہ چھپرہ، مولانا عثمان غنی صاحب بردوانی مدرس مدرسہ عربیہ پنڈوہ، مولانا احسان الحق صاحب لاہوری خلیفہ حضرت شیخ مدرس مدرسہ رائیونڈ پاکستان، مولانا قاری مشتاق احمد صاحب گوالیاری مدرس مدرسہ اتراوں الہ آباد، مولانا شجاع الدین صاحب حیدرآبادی مدرس مدرسہ عربیہ لاتور عثمان آباد، مولانا محمد ہارون صاحب بن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رئیس المبلغین، مولانا محمد ہاشم صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریڑھی تاجپورہ سہارن پور، مولانا ابوالحسن صاحب بھٹپوری مدرس مدرسہ عربیہ حیات العلوم، مولانا محمد رفیق صاحب پرتاپ گڈھی سابق مدرس شاخ مظاہر علوم، مولانا محمد ہاشم صاحب جوگواڑی گجراتی صدر مدرس دارالعلوم بری وخلیفہ حضرت شیخ الحدیث۔

ان کے علاوہ سیکڑوں علماء وفضلاء ہیں جو اپنے علاقوں میں درس وتدریس وعظ وافتاء وغیرہ کی خدمات انجام دے رہے ہیں، طول کے خوف سے قلم کو یہیں روک لیا گیا۔

تالیف

حضرت مولانا کو تدریسی مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے کوئی کتاب لکھنے کا موقع نہیں مل سکا، مشکوۃ شریف اور نسائی و ترمذی پر مولانا مرحوم نے کچھ یادداشتیں تقریر کے نام سے تحریر فرمائی تھیں جو اب بھی بعض مدرسین کے پاس موجود ہے، اور ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں، ایک مختصر سا حاشیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی عجالہ نافعہ پر ہے جس میں اپنی اسانید اور بعض رجال کے مختصر سے حالات لکھے ہیں۔

بندہ محمد یونس غفرلہ
۲؍صفر ۱۳۹۸ھ

* * *

مولانا امیر احمد صاحبؒ کی سند مشکوۃ المصابیح

سوال:

استاذ محترم حضرت مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سندِ مشکوۃ بالتفصیل مطلوب ہے، تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

جمیل احمد، مدرسہ خادم العلوم باغونوالی۔

جواب:

حضرت اقدس استاذی مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سند مشکوۃ شریف یہ ہے:

أنه قال: قرأت مشكاة المصابيح على مولَانا منظور أحمد السهارنفوری، وهو على مولَانا عبداللطيف ناظم مظاهر العلوم سابقاً، وهو على عمّه مولَانا ثابت علی، وأجازه مولَانا خليل أحمد السهارنفوری، وهما قرء ا علی مولَانا محمد مظهر النانوتوی، وهو علی مولَانا مملوک العلی النانوتوی، وهو على مولَانا رشيد الدين الدهلوی، وهو على مولَانا الشاه عبد العزيز المحدّث الدهلوی، وهو علی أبيه الشّاه ولی الله المحدّث الدهلوی، وهو يروی عن الشيخ أبی طاهر الكردی، وهو عن أبيه الشيخ إبراهيم الكردی، وهو عن الشيخ أحمد القشاشی، وهو عن الشيخ أحمد بن عبدالقدوس الشنّاوی، وهو عن السيد غضنفر بن السيد جعفر النهروالی، و هو عن الشيخ محمد سعيد المعروف بمِيْر كلاں شيخ مكة فی وقته، وهو قرأ على السيد نسيم الدين مِيْرَک شاه، وهوعلی أبيه جمال الدين عطاء الله بن السيّد غياث الدين، وهو على عمّه السيد أصيل الدين عبد الله بن عبد الرحمن الشيرازی الحسينی، وهو يروی عن مسند وقته شرف الدين عبد الرحيم بن عبد الكريم الجرهی الصدّيقی، وهو عن العلامة إمام الدين مبارک الشاه الساوجی الصديقی، وهو عن مؤلف الكتاب ولیّ الدين محمد بن عبد الله الخطيب التبريزی- رحمهم الله-.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۲۷ شوال ۱۴۰۴ھ

* * *

کیا گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے؟

قرآن پڑھتے ہوئے جنت کے درجات طے کرنے کا مطلب؟

سوال (۱): حدیث ”فانّ شدّة الحرّ من فیح جهنّم“ سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے تو پھر ساری دنیا میں یکساں گرمی پڑنی چاہئے۔

سوال (۲): بعض واعظین نے یہ حدیث بیان کی کہ قاریٔ قرآن سے جنت کے درجات پر چڑھنے کو کہا جائیگا اور وہ پڑھتا جائیگا اور چڑھتا جائیگا، لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کو وہی آیات یاد رہیں گی جن پر وہ عمل کرتا تھا، یہ کہاں ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(از سورت)

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ و الصلاة و السلام علیٰ سیّدنا محمد المصطفیٰ و آلہ و صحبہ نجوم الھدی

أمّا بعد

(۱): ارشاد عالی نبی کریم ﷺ ”فانّ شدّة الحرّ من فیح جهنّم“ پر کوئی اشکال نہیں ہے،

اس لئے کہ علماء نے اس حدیث کے دو محمل بتائے ہیں،

ایک تو یہ کہ یہ ظاہر پر محمول ہے، دوسرا یہ کہ یہ مجاز ہے،

گویا کہ شدّتِ گرمی نارِ جہنم ہے، اگر یہ کلام مجاز پر محمول ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی وغیرہ کی رائے ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے، اور حدیث پاک کی غرض تحریض علی الطاعۃ ہے، کہ جب یہ گرمی جو جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے برداشت نہیں ہوتی تو جہنم کی گرمی کی کیا انتہاء ہوگی لہٰذا اس سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے،

اور اگر حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ علامہ توربشتی، قاضی عیاض، امام نووی، حافظ ابن حجر وغیرہم رحمہم اللہ کی رائے ہے تو بھی کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ کسی شئ کا اثر کسی دوسری شئ تک پہونچنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ کوئی

مانع نہ ہو، چنانچہ یہ عقلی بات ہے کہ کسی دوسری شئ کا وجود اسی وقت ہوگا جبکہ اس کے شرائط واسباب موجود ہوں اور موانع مرتفع ہوں، ورنہ اگر ایک شخص خمیرۂ ابریشم استعمال کرتا ہے مگر ساتھ ہی مضرّات سے پرہیز نہیں کرتا جو خمیرۂ ابریشم کے مؤثر ہونے سے مانع ہیں تو اس کو کوئی اثر نہیں ہوگا، اسی طرح گرمی وسردی کا تعلق سمومِ جہنم اور زمہریرِ جہنم سے ضرور ہے، مگر حق تعالیٰ نے کرۂ ارض کو کچھ اس طرح بنایا ہے کہ کہیں تو اس کا اثر شدت سے پہونچتا ہے اور کہیں کمی کیساتھ، جیسے کہیں نہر جاری ہو اور میلوں جاری ہو اور اس کے اطراف وحوالی کی زمین کہیں زیادہ نم ہو اور کہیں کم تو یہ زمین کی وجہ سے ہوگا، کہیں زمین نرم ہوگی تو وہاں نمی زیادہ ہوگی اور کہیں زمین سخت ہوگی تو وہاں نمی کم ہوگی گو نہر ساری جگہوں پر برابر چل رہی ہے، تو اسی طرح بہت ممکن ہے کہ سموم وزمہریرِ جہنم تو سارے عالم میں برابر ہوں مگر خاصۂ ارضی کہیں کچھ ہو اور کہیں کچھ، جس کے مختلف اثرات پڑ رہے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس مالک نے سردی وگرمی کا تعلق جہنم سے قائم فرما رکھا ہے بہت ممکن ہے کہ جہنم کا تعلق شمس سے ہو اور چونکہ مطلع ومغربِ شمس میں فرق ہے اس لئے اس اختلاف کی بناء پر گرمی وسردی میں بھی فرق ہو۔ واللہ اعلم

(۲): حدیث میں تو صرف اتنا ہے **”یقال لصاحبِ القرآن: إقرأ وارتق ورتّل كما كنت ترتّل فی الدنیا فإن منزلک عند آخر آیة تقرؤها“ هكذا أخرجه أبو داود والترمذی وأحمد والحاكم وغیرهم من حدیث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ۔**

ملاعلی قاریؒ وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ ثواب اس شخص کیلئے ہے جو قرآن کی تلاوت پر مداومت کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، وہ شخص مراد نہیں جو قرآن کو پڑھتا ہے مگر قرآن اس پر لعنت کرتا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ العبد محمد یونس
بحکم الاستاذ العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ
وسمعہ الشیخ و قرّرہ

◆◆◆◆◆◆ ○○○ ◆◆◆◆◆◆

آپ ﷺ کے کرتے کی لمبائی

سوال : حضور اقدس ﷺ کا کرتا شریف کتنا لمبا ہوتا تھا۔

جواب : حضرت اقدس ﷺ کے کرتے کے طول میں روایات مختلف ہیں۔

ففی سنن ابن ماجه (ص ۲۶۴) عن ابن عباسؓ قال: كان رسول الله ﷺ يلبس قميصاً قصير اليدين والطول۔ وأخرج البيهقی فی الشعب كما فی شرح الشمائل للمناوی (ص ۱۳۴ / ۱) من طريق مسلم الأعور عن أنسؓ أنّه ﷺ كان له قميص من قُطن قصير الطول قصير الكمّ۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ کا کرتا مبارک زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا۔

وأخرج الحاكم وصحّحه وأبو الشيخ كما فی شرح المواهب (ص ۵ / ۵) عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ لبس قميصاً، وكان فوق الكعبين، وكان كمّه إلى الأصابع، وأخرجه ابن عساكر كما فی الجامع الصغير، ولفظه: كان يلبس قميصاً فوق الكعبين مستوى الكمّين بأطراف أصابعه، وبهذا اللفظ عزاه ابن الجوزی فی الوفاء إلى أبی الشيخ كما فی شرح الشمائل للقاری (ص ۱۳۵ / ۱)، وأخرجه البيهقی فی الشعب بنحوه كما فی شرح المناوی للشمائل۔ اس روایت سے حضرت ﷺ کی قمیص کا لمبا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

انھیں روایات کے اختلاف کی بنا پر علماء کے اقوال بھی مختلف ہوگئے، علامہ ابن القیم زاد المعاد فی هدى خير العباد میں لکھتے ہیں (ص ۱/۳۶) وكان قميصه من قُطن وكان قصير الطول قصير الكمّين۔ اور علامہ قسطلانی مواهب لدنيه میں تحریر فرماتے ہیں (ص ۵/۵) وكان ذيل قميصه ورداءه إلى أنصاف الساقين۔

لیکن دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی ایسا کرتا پہنا کبھی ویسا، جیسا کہ حاکم کے لفظ لبس قميصًا سے صاف واضح ہے، اور یہی بات بھی ہے کہ جو میسر آجائے پہن لیں۔

لیکن فقہاء نے نصف ساق تک ہونے کو مسنون لکھا ہے جیسا کہ شامی نے كتاب الكراهية میں تحریر فرمایا ہے، غالبًا یہ حضرات روایت ثانیہ کو راجح قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اسمیں تستّر زیادہ ہے، مگر یہ اسوقت ہے جبکہ کوئی تکلف نہ کرنا پڑے، ورنہ جو میسر ہو وہی پہننا چاہئے، وهو الثابت كما نبّه عليه ابن القيم۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد یونس ۱۲ رجب ۱۳۸۴ھ

* * *

سوال : انبیاءؑ واولیاءؒ سے ان کی وفات کے بعد دعاؤں کے ذریعہ مدد طلب کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب :

یہ مسئلہ استمداد من اھل القبور سے متعلق ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

اول صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ فلاں کے طفیل میں میرا یہ کام کردے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود مُردے سے اپنی مراد مانگے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اہل قبر سے دعا کرنے کی درخواست کرے۔

اول صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے، لما أخرج الطبرانی فی المعجم الصغیر (ص ۱۰۳) عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف عن عمّه عثمان بن حنیفؓ: أنّ رجلاً کان یختلف إلی عثمان بن عفانؓ فی حاجة له، فکان عثمانؓ لَا یلتفت إلیه ولَاینظر فی حاجته، فلقی عثمان بن حُنیفؓ فشکا ذلک إلیه، فقال له عثمان بن حنیفؓ: اِئت المیضأة فتوضّأ، ثم ائت المسجد فصلّ فیه رکعتین، ثمّ قل: اللّهم اِنّی اَسئلک وأتوجّه إلیک بنبیّنا محمّدﷺ نبّی الرحمة، یا محمّد! اِنّی أتوجّه بک إلی ربّک جلّ وعزّ فیقضٰی لی حاجتی، وتذکر حاجتک، ورح الیّ حتّٰی أروح معک، فانطلق الرجل فصنع ماقال له عثمانؓ، ثم أتی باب عثمانؓ فجاء البوّاب حتّٰی أخذ بیده فأدخله علی عثمان بن عفانؓ فأجلسه معه علی الطنفسة وقال: حاجتک؟ فذکر حاجته فقضاها له، ثم قال له: ماذکرت حاجتک حتّٰی کانت هذه الساعة؟ وقال: ماکانت لک من حاجة فأتنا، ثمّ إنّ الرجل خرج من عنده فلقی عثمان بن حنیفؓ فقال له: جزاک الله خیراً، ماکان ینظر فی حاجتی ولَا یلتفت إلیّ حتّٰی کلّمته، فقال عثمان بن حنیفؓ: والله ما کلّمته ولکن شهدت رسول الله ﷺ وأتاه ضریر فشکا إلیه ذهابَ بصره فقال له النبیﷺ : ”إئت المیضأة فتوضّأ، ثم صلّ رکعتین، ثمّ ادع بهذه الدعوات“ قال عثمان بن حنیفؓ: فوالله ماتفرّقنا وطال بنا الحدیث حتّی دخل علینا الرجل کأنّه لم یکن به ضرر قطّ۔ قال الطبرانی والحدیث صحیح، قلت:

و أصله فی الترمذی و ابن ماجه ۔

اس حدیث میں حضرت عثمان بن حنیفؓ نے حاجتمند کو حضور اکرم ﷺ کے توسّل سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔

اور دوسری صورت یعنی صاحب قبر سے اپنی حاجت روائی چاہنا قطعاً حرام وشرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اور حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا: **إذا سألتَ فاسأل الله وإذا استعنتَ فاستعن بالله۔ رواه أحمد والترمذی و ابن أبی الدنیا۔**

وفی الترمذی عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الدعاء مخّ العبادة۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے، اور عبادت غیر اللہ کی شرک ہے اس لئے غیر اللہ سے مراد مانگنا بھی شرک ہے۔

تیسری صورت یعنی صاحبِ قبر سے یہ درخواست کرے کہ وہ دعا کردے تاکہ حاجت مند کی حاجت برآری ہوجائے، یہ موقوف ہے اس بات پر کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ دلائل کے پیشِ نظر مختلف فیہ ہے، اگر سنتے ہیں تو جائز ہے اور اگر نہیں تو یہ ایک فعل لغو ہوگا۔

مگر حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامه علیهم اجمعین کا حیات وسماع احادیث میں مصرّح ہے۔

ففی المشکاة عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”من صلّی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلّی علیّ نائیاً اُبلغته“۔ رواه البیهقی فی شعب الإیمان۔

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے تو میرے پاس اس کو پہونچایا جاتا ہے۔

یہ حدیث گو مختلف فیہ ہے مگر اس کے شواہد ومؤیدات ہیں، اور جب سماعِ انبیاء علیہم السلام ثابت ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے تو پھر یوں کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یارسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں۔ خود صحابہؓ کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری (ص ۴۱۴/۴) میں لکھتے ہیں:

روی ابن أبی شیبة بإسناد صحیح من روایة أبی صالح السمّان عن مالک الدار –وکان خازن عمرؓ– قال: أصاب الناس قحط فی زمن عمرؓ فجاء رجل إلی قبر النبی ﷺ فقال: یارسول الله! استسق لِاُمّتک فإنّهم قد هلکوا، فاُتی الرجل فی المنام فقیل له: ائت عمر، الحدیث۔

وأخرجه ابن أبی خیثمة من هذاالوجه کما فی الإصابة (ص ۴۸۴/۳) فی ترجمة مالک الدار قال: أصاب الناس قحط فی زمن عمرؓ فجاء رجل إلی قبر النبی ﷺ فقال: یارسول الله !

استسق اللّه لِأمّتک، فأتاه النبی ﷺ فی المنام فقال له: ”ائت عمر فقل له: إنّکم مستسقون فعلیک الکفّین“، قال فبکیٰ عمرؓ وقال: یا ربّ ما آلو إلّا ما عجزت عنه۔

قلت: کذا فی أصل الِاصابة لفظ: ”فعلیک الکفّین“ ولعّله: الکیس، ثم رأیت أخرجه فی منتخب الکنز (ص۳۲۳/۳) بروایة البیهقی فی الدلَائل بلفظ: ”فعلیک الکیس الکیس“ فالحمد لله۔

وفی الوفاء (ص ۴۴۱) روی ابن أبی شیبة بسند صحیح عن مالک الدار قال: أصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطابؓ فجاء رجل إلی قبر النبیﷺ فقال: یارسول الله! استسق الله لِأمّتک فإنهم قد هلکوا، فأتاه رسول اللهﷺ فی المنام فقال: ائت عمر فاقرئه السلام وأخبره أنّهم مسقیّون وقل له: ”علیک الکیس الکیس“ فأتی الرجل عمرؓ فأخبره فبکیٰ عمرؓ، ثم قال: یا ربّ ماآلو إلّا ما عجزت عنه، وهکذا رواه ابن عبد البر فی الاِستیعاب (ص ۴۲۹/۲)، کما فی قرّة العینین فی تفضیل الشیخین للشاه ولی الله (ص ۱۹)۔

یہ وہی قصہ ہے جس کو حضرت شیخ مدظلہ نے فضائل حج میں نقل فرمایا ہے، اسکو حافظ ابن حجر نے ابن ابی شیبہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے، اگر یہ صورت مستنکر ہوتی تو حضرت عمرؓ اس آدمی کو ہرگز نہ بخشتے جبکہ حضرت عثمانؓ جیسے کو ترکِ غسلِ جمعہ پر مجمع میں ٹوک دیا تو دوسرے بیچارے کو پَر مارنے کی کیا گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد شرح مواہب (ص۶۸/۸) میں دیکھا اس میں لکھا ہے والرجل هو بلال بن الحارث المزنی الصحابیؓ کما عند سیف فی کتاب الفتوح، اب تو بات اور قوی ہوگئی کہ خود صحابی نے ایسا کیا اور حضرت اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو حضرت عمرؓ کے پاس جانے کو کہا جیسا کہ بروایت ابن ابی خیثمہ اوپر گزرا۔

حررہ العبد محمد یونس عفی عنہ
بامر الاستاذ المولی محمد زکریا شیخ الحدیث بمظاہر العلوم
وقد سمعہ الشیخ مدظلہ، ۲۷ شعبان ۱۳۸۴ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

من سمع الأذان والإقامة ولم یحضر الجماعة، الخ کی تخریج

من أعان تارک الصلوٰة متعمّداً بذرّة، الخ کی تخریج

سیأتی زمان علیٰ أمّتی یأکل الدخان، الخ کی تخریج

من أکل البنج مرّة فکأنّما زنیٰ، الخ کی تخریج

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں ایک سوال آیا جس کا جواب لکھنے کو حضرت موصوف نے بندہ کو ارشاد فرمایا۔

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ محمد شاہ پناہ تقریباً دوسو سال قبل لاہور سے آکر بسلسلۂ تبلیغ کچھ (گجرات) میں مقیم ہوئے، نہایت باشرع تھے، ان کے کتبخانہ کی باقی ماندہ کتابوں میں ایک کتاب میں تارکِ نماز اور شاربِ دخان کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی گئی ہیں جو غیر معروف ہونے کے ساتھ مضمون کے اعتبار سے بھی غریب ہیں۔

اگر یہ احادیث کتبِ حدیث میں آپ نے دیکھی ہوں تو تحریر فرمائیں، وہ احادیث یہ ہیں۔

(۱) قال النبی ﷺ: ”من سمع الأذان والإقامة ولم یحضر الجماعة فکأنما زنیٰ مع أمّه ألف مرّات“۔

(۲) قال النبی ﷺ: ”من أعان تارک الصلوٰة متعمّدا بذرّة فکأنما زنیٰ مع أمّه ألف مرّات“۔

(۳) قال النبی ﷺ: ”سیأتی زمان علی أمّتی یأکل الدخان فی فم، ولیس من أمّتی ولیس شفاعة له یوم القیٰمة ۔

(۴) قال النبی ﷺ: ”من أکل البنج مرّة فکأنما زنیٰ مع أمّه سبعین مرّة“ ۔

جــــواب: یہ احادیث باوجود کثرتِ تتّبع وتلاش کے کہیں نظر سے نہیں گزریں، حتی کہ کتبِ موضوعہ للاحادیث الموضوعۃ میں بھی ان کا پتہ نہیں چلتا ہے، واللہ اعلم۔

حررہ محمد یونس عفی عنہ

٨ ربیع الثانی ١٣٨٤ھ

(تتمہ) پھر بہت دنوں کے بعد مجموعۂ فتاوی لمولانا عبد الحیؒ (ص ١٤١ ج ٣) دیکھنے کی نوبت آئی اس میں یہ عبارت ملی:

سوال: ”کلّ دخان حرام، ومن أکل البنج لقمة فکأنما زنیٰ بأمّه“۔ حدیث است یانہ؟

جواب: در کتبِ معتبرہ حدیث بنظر نرسیدہ وکسیکہ ایں را حدیث نوشتہ نہ باشد، مجرد نوشتن آں قابل اعتبار نیست، اعتبار بر قولِ محدّث معتبر است کہ حدیث را باسند بیان نماید، وبعض وعّاظ احادیثِ غیر معتبرہ را برائے تخویف وترغیب ذکر می کنند واز حال آں احادیث مطلع نمی باشند، انتہی۔

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

کالا جوتا پہننا کیسا ہے

سوال: حضرت! میں نے آپ سے یہ سنا کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے، یہ کہاں ہے اور وجہ کیا ہے؟

(عبد الرزاق کریم گنجی)

جــــواب: مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ میں نے یہ کبھی کہا ہو کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے، البتہ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ علامہ سخاویؒ نے بعض سے نقل کیا ہے کہ کالا جوتا مورثِ نسیان ہے۔

علامہ مذکور اپنی کتاب المقاصد الحسنة (ص ٤٠٨) میں تحریر فرماتے ہیں: وتزعم العامّة أنّ لبس النعال السود یورث النسیان۔ اس بارے میں کوئی حدیث وغیرہ نظر میں نہیں ہے نہ علامہ مذکور نے تحریر فرمائی ہے، یہ سب چیزیں تجرباتی ہیں۔

اگر اس کے علاوہ آپ کو کوئی تحقیق ہو تو تحریر فرمائیں ممنون ہوں گا۔ والسلام۔

العبد محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

سوال:

حسبِ ذیل احادیث کی تخریج کی ضرورت ہے:

السائل مولانا حسین احمد بنارسی

(۱) الصلوۃ معراج المؤمن

(۲) لَا صلوۃ إلّا بحضور القلب

(۳) لولَاک لما خلقت الأفلاک

(۴) أوّل ما خلق اللہ نوری

(۵) موتوا قبل أن تموتوا

(۶) ربّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنه

(۷) المؤمن أعظم حرمة من الکعبة

(۸) من أرسل نفقة فی سبیل اللہ وأقام فی بیته فله بکل درهم سبعمائة درهم، ومن غزا، الخ

(۹) جو آدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے اور نہ جاسکے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا؟

جواب:

(۱) حدیث: "الصلوة معراج المؤمن"

اشتهر علی ألسنة العوام أنّه حدیث مرفوع، وقد أوغلت فی طلبه فی مظانّه فلم أعرفه ولم أعثر له علی سند، والظاهر أنّه من کلام بعض السلف، وإن ثبت فمعناه أن الصلوة یحصل بها غایة القرب للمصلّی بالربّ تبارک وتعالی، کما حصل للنبی ﷺ فی المعراج ویحصل المحادثة والمناجاة کما ورد فی الصحیحین وغیرهما "أن المصلّی یناجی ربّه"، والله أعلم۔

(۲) حدیث: " لَا صلوة الّا بحضور القلب"

هذا من حدیث القصّاص والوعّاظ، ولم أقف له علیٰ أصل بهذا اللفظ، واستدلّ به بعض الصوفیة علی أنّه لَایصحّ صلوة من لَایحضره قلبه، وقد یرویه بعضهم بلفظ: " لَا ینظر الله إلی صلوة لَا یحضر الرجل فیها قلبه مع بدنه"۔

وکذا أورده الغزالی فی الاِحیاء (ص ۱/۱۳۴) لکن قال العراقی فی تخریج الاِحیاء: لم أجده بهذا اللفظ، وروی محمد بن نصر فی کتاب الصلوة من روایة عثمان بن أبی دهرش مرسلاً :"لَا یقبل الله من عبد عملاً حتّی یشهد قلبه مع بدنه" ورواه أبومنصور الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث أبی بن کعبؓ، وإسناده ضعیف، انتهی۔

وقد یرویه بعضهم بلفظ "لیس للمرء من صلوته الّا ماعقل" هکذا ذکره الدمیری فی حیاة الحیوان وذکرعن جماعة من المتصوّفة أنّهم استدلّوا به علی أنّ السهو مفسد للصلوة۔

قلت: وهذا تجاوز ولم یرد به الشرع قط، وقد شرعت سجود السهولدرک النقصان الواقع بالسهو، فإن کان السهومفسداً فلغت شرعیّة سجودالسهو(نعوذ بالله منها)۔

وقد وقع للنبی ﷺ سهووتدارکه بالسجود کما هومدوّن فی الصحاح والمسانید وجاء ت بها أخبارشهیرة وعمل به السلف والخلف، فإن کان هذا الصوفی القائل لذاک القول من أهل الحقّ فمع کون هذا الکلام مخالفاً للنصوص یمکن تأویله: بأنّه أراد بذلک أنّ من غلب علیه الوسواس وهو لَایدری ما یقول وما یفعل فصلوته فاسدة، کما قدذهب إلیه بعض الفقهاء۔

قال الحافظ ابن تيمية فى منهاج السنة (ص ٣/۴٩): الوسواس الخفيف لَا يبطل الصلوة باتّفاق العلماء، واما إذا كان هوالأغلب فقيل: عليه الإعادة، وهو اختيار أبى عبدالله بن حامد۔ وقال فى فتاواه: (ص ١٥/٢٣٦) وهو قول طائفة من العلماء والصوفية من أصحاب أحمد و غيره كأبى عبد الله بن حامد، وقال فى موضع آخر (ص ٢٢/٦١٢) : هذا قول أبى عبد الله بن حامد و أبى حامد الغزالى وغيرهما۔

قال ابن تيمية: والصحيح الذى عليه الجمهور وهوالمنصوص عن أحمد وغيره أنّه لَا إعادة عليه، ففى الصحيحين عن أبى هريرةؓ عن النبى ﷺ أنّه قال: ”إذا أذّن المؤذن أدبر الشيطان وله ضراط حتّى لَا يسمع التأذين، فإذا قضٰى التأذين أقبل، فإذا ثوّب بالصلٰوة -يعنى الاِقامة- أدبر، فإذا قضى التثويب أقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول: اذكر كذا اذكر كذا لما لم يكن يذكر، حتّى يظلّ الرجل إن يدرى كم صلّٰى، فإذا وجد ذلک أحدكم فليسجد سجدتين“۔

وهو عام مطلق فى كلّ وسواس، ولم يؤمر بالاِعادة لكن ينقص أجره بقدر ذالک،

قال ابن عباسؓ: ”ليس لک من صلوتک إلّا ما عقلت منها“ وفى السنن عن عمّار بن ياسرؓ أنه صلّى صلوةً فخفّفها، فقيل له فى ذالک فقال: هل نقصتُ منها شيئا؟ قالوا: لَا، قال: فإنّى بدرتُ الوساوس، وأنّ النبى ﷺ قال: ”إن الرجل ينصرف من صلوته ولم يكتب منها إلّا عُشرها أو تُسعها أو ثُمنها حتى قال الّا نصفها“ وهذا الحديث حجّة على ابن حامد فإن أدنى ما ذكر نصفها وقد ذكر أنه يكتب له عُشرها، انتهى۔ على أن الحديث الذى ذكره هذا الصوفى ذكره الغزالى فى الاِحياء (ص ١/١۴٣) لكن قال العراقى فى تخريجه: لم أجده مرفوعاً وذكر بعد ذالک ما تقدّم من قوله: روى محمد بن نصر إلى آخره وزاد، ولِابن المبارک فى الزهد موقوفاً على عمّارؓ ”لَا يكتب للرجل من صلوته ما سهىٰ عنه“ انتهى۔ وقد تقدم فى كلام ابن تيمية، ويحمل قول ابن عباسؓ ”ليس لک من صلوتک إلّا ما عقلت منها“ على نقصان الثواب كما تقدم فى كلام الاِمام ابن تيمية، وسرّ ذالک أن الاِخلاص سرّالعبادة وهو يفوت بالوسواس ، والله اعلم۔

(۳) حدیث: ”لولَاک لما خلقت الأفلاک“

وهو حدیث مشهور علی الألسنة لَا یعرف له إسناد بهذا اللفظ، وقد ورد بلفظ آخر ولکنه لیس بثابت، وذکر العلامة محمد بن طاهر الفتنی الگجراتی فی کتابه ”تذکرة الموضوعات“ هذا الحدیث وقال: قال الصغانی: موضوع، انتهی۔

وأخرج ابن الجوزی فی الموضوعات فی آخر حدیث طویل أخرجه عن سلمانؓ مرفوعاً: ”لولَاک ما خلقت الدنیا“ قال ابن الجوزی: موضوع، أبوالسکّین، وإبراهیم، ویحیی البصری ضعفاء متروکون، وقال الفلاس: یحیی کذّاب یحدّث بالموضوعات، کذا فی اللآلی (ص۱/۲۷۲)۔

وفی الخصائص للسیوطی (ص۱/۷) أخرج الحاکم وصحّحه عن ابن عباسؓ قال: أوحی اللّٰه إلی عیسیٰؑ ”آمن بمحمد ومُر من أدرکه من أمّتک أن یؤمنوا به، فلولَا محمد ما خلقت آدم ولَا الجنة ولَا النار، ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیه ’لَا إله إلّا الله محمد رسول الله‘ فسکن“، قال الذهبی: فی سنده عمرو بن أوس لَا یدریٰ من هو، انتهی۔

وأخرج الحاکم والبیهقی والطبرانی (ص۲۰۷) وأبو نعیم عن عمربن الخطابؓ مرفوعاً فی حدیث قال –أی الله–: ” یا آدم! صدقت، ولولَا محمد ما خلقتک“، ذکره السیوطی فی خصائصه (ص۱/۶)، وأنکره ابن تیمیة (ص۱۱/۹۶) أن یکون حدیثاً، قال الطبرانی فی الصغیر: حدّثنا محمد بن داود بن أسلم الصدفی المصری حدثنا أحمد بن سعید المدنی الفهری حدثنا عبد الله بن اسماعیل المدنی عن عبد الرحمٰن بن زید بن أسلم عن أبیه عن جده عن عمر بن الخطابؓ، قال الطبرانی: لَا یروی عن عمر إلّا بهذا الحدیث، تفرّد به أحمد بن سعید، انتهی۔

(۴) حدیث: ”أوّل ما خلق الله نوری“

هذا حدیث مشهور علی ألسنة العوام یذکره القصّاص والوعّاظ، وقد ذکره علیّ القاری فی

المرقاة ولم يذكر من خرّجه۔

وذكر القسطلانى فى المواهب حديث جابر بن عبد اللهؓ قال: ”قلت يارسول الله ! –بأبى أنت وأمى– أخبرنى عن أوّل شىء خلقه الله تعالى قبل الأشياء؟ قال: يا جابر ! إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيک ﷺ من نوره“، فذكرحديثاً طويلاً وعزاه لعبد الرزّاق، وركّة لفظه تدلّ على أنه موضوع وإن سلّمه القسطلانى والزرقانى وذهبا يؤلّان ما ورد فى الأخبار الأخر فى أشياء أخرى أنها أول المخلوقات۔

وذكر فى العرف الشذى أن حديث أوّلية النور أرجح من حديث ”أوّل ما خلق الله القلم“ الذى خرّجه الترمذى وغيره وهو من غير مسلم، وقدكنت أتقاعد عن حكم الوضع حتى وقفت على التعليقات الحافلة للشيخ عبد الفتاح فقد صرّح فيها بكون الحديث موضوعاً، والعلم عند الله۔

(۵) حديث ”موتوا قبل أن تموتوا“

هذا الحديث من أحاديث المتصوفة، معناه: إماتة الشهوات والاِنقطاع عن لذائذ الدنيا، ولَا أعرفه من كلام النبى ﷺ، ثم رأيت السخاوى قال فى المقاصد: قال شيخنا –يعنى الحافظ ابن حجر–: أنه غير ثابت، انتهى۔

(٦) حديث ”ربّ تالٍ يقرء القرآن والقرآن يلعنه“

هذا الكلام اشتهر على ألسنة القرّاء فى القرون المتأخرة، وقد أوغلت فى طلبه فلم أقف له على سند ولَا ذكره أحد من المخرّجين غير قول الشيخ زكريا الأنصارى فى شرح المقدمة الجزرية المسمى بالدقائق المحكمة فى شرح المقدمة الجزرية فى خبر: ”ربّ قارئ يقرء القرآن والقرآن يلعنه“ وقول القارى فى المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية ”روى عنه ﷺ ربّ قارئ للقرآن والقرآن يلعنه“ ولكن لم يذكر من خرّجه۔

واستدلّ به غير واحد على أن علم التجويد لَازم، وهذا الحديث وإن لم يثبت ولكن نصّ

العلماء المحققون على أصل المسئلة۔

قال الحافظ شمس الدين الجزرى فى مقدمته المعروفة بالجزرية ۔

والأخذ بالتجويد حتم لَازم
مَن لم يجوّد القرآن آثم

قال القارى فى شرح المقدمة: ثم هذا العلم لَا خلاف فى أنّه فرض كفاية، والعمل به فرض عين فى الجملة على صاحب كلّ قراءة ورواية، ولو كانت القراء ة سنّة۔

وأما دقائق التجويد فإنما هو من مستحسناته، فإنّ اللحن على نوعين: جلىّ و خفىّ،

فالجلىّ خطأ يعرض اللفظ و يخلّ بالمعنى والإعراب كرفع المجرور ونصبه ونحوهما سواء تغير المعنىٰ به أم لَا،

والخفىّ خطأ يخلّ بالحروف، كترك الإخفاء، والقلب، والإظهار، والإدغام، والغنّة، وكترقيق المفخّم وعكسه، ومدّ المقصور، وقصر الممدود وأمثال ذلک، ولَا شکّ أن هذا النوع ممّا ليس بفرض عين يترتّب عليه العقاب الشديد، وإنما فيه خوف العقاب والتهديد، انتهىٰ باختصار۔

وما تعارفه قرّاء هذا الزمان من قراءة القرآن بالتمطيط حتى يخرج الحرف من هيئته فلا خلاف فى منعه۔

قال النووى فى كتابه التبيان: أجمع العلماء على استحباب تحسين الصوت بالقرآن ما لم يخرج عن حدّ القراءة بالتمطيط، فإن خرج حتى زاد حرفاً او أخفاه حرم، كذا نقله الحافظ ابن حجر فى الفتح (ص ٦٤/ ٩ وص ٧٢/ ٩ طبع ابن الباز)۔

أما القراء ة بالألحان فالخلاف فيه مشهور، ذكره النووى وابن القيم والحافظ ابن حجر والسيوطى والعينى وغيرهم، قال الحافظ ابن حجر بعد ذكر الإختلاف: والذى يتحصّل من الأدلّة أن حسن الصوت بالقرآن مطلوب، فإن لم يكن حسناً فليحسنه ما استطاع كما قال ابن أبى مليكة، وقد أخرج ذلک عنه أبو داود بإسناد صحيح۔

ومن جملة تحسينه أن يراعىٰ فيه قوانين النغم فإن الحسن الصوت يزداد حسناً بذلک، وإن خرج عنها أثّر ذلک فی حسنه، وغير الحسن ربما انجبر بمراعاتها ما لم يخرج عن شرط الأداء المعتبر عند أهل القراءات، فإن خرج عنها لم يف تحسين الصوت بقبح الأداء، ولعل هذا مستند من كره القراءة بالأنغام، لأن الغالب على من راعىٰ الأنغام أن لَا يراعى الأداء، فإن وجد من يراعيهما فلا شکّ فی أنه أرجح من غيره لأنه يأتی المطلوب من تحسين الصوت ويجتنب الممنوع من حرمة الأداء، انتهی۔

(٧) حديث: ”المؤمن أعظم حرمة من الكعبة“

لَا أعرفه بهذا اللفظ وورد معناه، أخرجه ابن ماجه (ص ٢٩٠) قال: حدثنا أبو القاسم ابن أبی ضمرة نصر بن محمد بن سليمان الحمصی، ثنا أبی، ثنا عبد الله بن أبی قيس النصری، ثنا عبد الله بن عمروؓ قال: ”رأيت رسول الله ﷺ يطوف بالكعبة ويقول: ما أطيبکِ وأطيب ريحکِ، ما أعظمکِ وأعظم حرمتکِ، والذی نفس محمد بيده لَحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منکِ مالِه ودمِه، وأن نظنّ به الّا خيرًا“ قال السندی (ص ٢/٢٣٩) وفی الزوائد فی إسناده مقال، ونصر بن محمد شيخ ابن ماجه ضعّفه أبو حاتم، وذكره ابن حبان فی الثقات۔

وله شاهد أخرجه ابن أبی شيبة من طريق مجالد عن الشعبی عن ابن عباسؓ أنّ النبی ﷺ نظر إلی الكعبة فقال: ”ما أعظمکِ وأعظم حرمتکِ والمسلم أعظم حرمةً منکِ، قد حرّم الله دمه وماله وعِرضه وأن يظنّ به ظنّ السوء“ و مجالد فيه مقال، وذكر السخاوی فی المقاصد: له شواهد۔

(٨) حديث: ”من أرسل نفقة فی سبيل الله وأقام فی بيته فله بكلّ درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه فی سبيل الله وأنفق فی وجهه ذلک فله بكل درهم سبعمائة الف درهم، ثم تلا هذه الآية ﴿وَاللهُ يُضاعِفُ لِمَن يَّشَاء﴾“

أخرجه ابن ماجه حدّثنا هارون بن عبد الله الحمّال ثنا ابن أبی فديک عن الخليل بن عبد

الله عن الحسن عن عليّ بن أبى طالبؓ و أبى الدرداءؓ وأبى هريرةؓ وأبى أمامة الباهليؓ وعبد الله بن عمرؓ وعبد الله بن عمروؓ وجابر بن عبد اللهؓ وعمران بن الحصينؓ كلّهم يحدّث عن رسول الله ﷺ أنه قال: ”من أرسل“، الحديث۔

قال الذهبى فى الميزان: خليل بن عبد الله لَا يعرف ما روى عنه سوى ابن أبى فديک، وقال الحافظ ابن كثير (ص۱/۳۱۷): هذا حديث غريب، وعزاه لِابن أبى حاتم من حديث عمران بن الحصينؓ وإسناده إسناد ابن ماجه، وعزاه السيوطى فى الدرّ المنثور لِابن ماجه وابن أبى حاتم كليهما من حديث جماعة الصحابة المذكورين وسكت عنه، ونقل السندى (ص۲/۹۰) عن زوائد الحافظ البوصيرى أنّه قال: فى إسناده خليل بن عبد الله، قال الذهبى: لَا يعرف، وكذا قال ابن عبد الهادى۔

والتضعيف إلى سبع مائة ثابت بالقرآن والأحاديث الكثيرة التى ذكرها ابن كثير (ص۱/۳۱۶) والسيوطى والشوكانى وغيرهم، والزيادة على السبع مائة يؤيّده قوله تعالى ﴿وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَّشَاءُ﴾ وقوله تعالى ﴿مَن ذا الذى يُقرِضُ اللّٰهَ قَرضاً حَسَناً فَيُضَاعِفَهٗ لَهٗ أضعَافاً كَثِيرَةً﴾۔

ولكن التحديد إلى السبعمائة ألف فى صورة الخروج وإلى السبعمائة فقط فى صورة عدم الخروج، لَا أعلمه فى غير هذا الحديث، وهو مراد الحافظ ابن كثير بقوله ”هذا حديث غريب“ والله أعلم۔

ومن الأحاديث الدالّة على الزيادة على سبعمائة ما أخرجه البخارى ومسلم (ص۱/۷۸) عن ابن عباسؓ عن رسول الله ﷺ فى ما يروى عن ربّه عزّ وجلّ قال: ”إن الله كتب الحسنات والسيئات، ثم بيّن ذلک، فمن همّ بحسنة فلم يعملها كتبها الله له حسنة كاملة، فإن همّ بها فعملها كتبها الله له عشر حسنات إلى سبعمائة ضعف إلى أضعاف كثيرة“ الحديث۔

قال النووى: فيه تصريح بالمذهب الصحيح المختار عند العلماء أن التضعيف لَا يقف على سبعمائة ضعف۔

وما حكىٰ أبو الحسن أقضى القضاة الماوردى عن بعض العلماء أن التضعيف لَا يتجاوز

سبعمائة ضعف فهو غلط لهذا الحديث، انتهى۔

(۹) جو آدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے اور نہ جاسکے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔

قلت: لم أقف إلى الآن على ذلک صراحةً لأنی کتبت ذلک عجلاً، نعم ! هو داخل فی عموم حديث "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لکلّ امرئ ما نویٰ" وحديث "نيّة المؤمن خير من عمله" ورد عن جمع ذکرهم السخاوی، وقال فی آخره: وهی -يعنی الطرق- وإن کانت ضعيفة فبمجموعها يتقوّی الحديث۔ وحديث: "من طلب الشهادة صادقاً أعطيها ولو لم تُصبه" أخرجه مسلم عن أنسؓ، وحديث سهل بن حنيفؓ "من سأل الله الشهادة بصدق بلّغه الله منازل الشهداء وإن مات على فراشه" أخرجه مسلم أيضاً۔

ومن أقرب ما يستدلّ به للمطلوب ما رواه البخاری عن أنس بن مالکؓ قال: "رجعنا من غزوة تبوک مع النبی ﷺ فقال: إن أقواماً خلفنا بالمدينة ما سلکنا شعباً ولَا وادياً إلّا وهم معنا فيه حبسهم العذر" ورواه أبو داود ولفظه: "أنّ النبی ﷺ قال: لقد ترکتم بالمدينة أقواماً ما سِرتم مسيراً ولَا أنفقتم نفقةً ولَا قطعتم وادياً إلّا وهم معکم فيه، قالوا: يا رسول الله ! يکونون معنا وهم بالمدينة؟ قال: حبسهم المرض"۔

وفی هذا الباب روايات کثيرة صحاح وحسان، مبسوطة فی کتاب الترغيب للمنذری وغيره، والله أعلم۔

کتبه محمد یونس عفی عنه
۸ شوال ۱۳۸۷ھ چہارشنبہ

* * *

صلوٰۃ الاوّابین کی تحقیق

سوال: صلوٰۃ الأوّابین حین ترمض الفِصال۔ کس کتاب میں ہے؟ اور اگر یہ حدیث ثابت ہے تو رکعاتِ ستہّ بعد المغرب (مغرب کے بعد چھ رکعات) کو اوّابین کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہے تو وجہ کیا ہے؟ اوّابین کیوں کہتے ہیں؟

السائل (مولانا) عبداللہ طارق دہلوی

جواب: بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين،

أما بعد۔

صلوٰۃ الأوّابین کی تفسیر میں علماء کے دو مشہور قول ہیں:

اول صلوٰۃ الضحیٰ، دوم نوافل فیما بین العشائین۔

قولِ اول متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

فأخرج الإمام أحمد و مسلم (ص۲۵۷ ج۱) عن زيد بن أرقمؓ ”أنّه رأى قوماً يصلّون من الضحىٰ فقال: أما لقد علموا أنّ الصلوٰة فى غير هذه الساعة أفضل، إن رسول اللهﷺ قال: صلوٰة الأوّابين حين ترمض الفصال“ وفى لفظ ”حين رمضت الفصال“

وأخرج عبد بن حميد وسمويه عن عبد الله بن أبى أوفىؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ”صلوٰة الأوّابين حين ترمض الفصال“، كذا فى الحاوى (ص۴۳)۔

وأخرج حمزة بن يوسف السهمى فى تاريخ جرجان والبيهقى فى الشعب (ص۴۲۷/۶) فى الحادى والستّين، والثعلبى من طريق اليسع بن زيد القرشى عن سفيان بن عيينة عن حميد الطويل عن أنس بن مالكؓ قال: ”خدمت النبىﷺ فما قال لى لشئ فعلتُه ’لِم فعلتَه؟‘ ولَا قال

لشئ كسرتُه ’لِم كسرتَه؟‘ وكنت واقفاً على رأس رسول الله ﷺ أصبّ على يديه الماء فرفع رأسه إليّ فقال يا أنس بن مالک! هل أعلّمک ثلاث خصال تنتفع بهنّ؟ فقلت: بأبى أنت وأمّى يا رسول الله بلىٰ! فقال لى: من لقيت من أمّتى فسلّم عليهم يطل عمرک، وإذا دخلت إلى بيتک فسلّم عليهم يكثر خير بيتک، صلّ صلٰوة الضحىٰ فإنّها صلٰوة الأبرار الاَوّابين“۔

هكذا عزا الحافظ ابن حجر فى تخريج الكشاف (ص ۱۲۰) ولكن لم أر لفظ ”الأوّابين“ فى تاريخ جرجان فإنّه أخرجه فى ترجمة اليسع وليس هذا اللفظ هناک وليس هذا اللفظ فى شعب الإيمان أيضاً۔

ثم قال الحافظ ابن حجر: اليسع آخر من زعم أنّه سمع من ابن عيينة، مات بعد الثمانين والمائتين، وهو واهى الحديث۔

قال الحافظ ابن حجر: وأصل الحديث دون القصة التى فيه فى الصحيح من حديث أنس بن مالکؓ وباقيه مروى عن أنسؓ من أوجه۔

منها مارواه البزّار من طريق عويد بن أبى عمران الجونى عن أبيه عن أنسؓ قال: ”أوصانى النبى ﷺ بخمس خصال، قال: أسبغ الوضوء يزد فى عمرک، وسلّم علىٰ من لقيت من أمّتى تكثُر حسناتک، وإذا دخلت بيتک فسلّم علىٰ أهلک يكثُر خير بيتک، وصلّ صلٰوة الضحىٰ فإنّها صلٰوة الأوّابين، وارحم الصغير تكن من رفاقى“۔

وعويد قال ابن حبان: يروى من أبيه ما ليس من حديثه، ورواه أبو يعلىٰ من رواية عمرو بن أبى خليفة عن ضرار بن عمرو عن أنسؓ، وإسناده ضعيف جداً۔

وكذا رواه الطبرانى فى الصغير (ص۱۶۸)من رواية عمرو بن دينار عن أنسؓ، والراوى عنه ساقط، ورواه العُقيلى من رواية الفضل بن العباس عن ثابت عن أنسؓ، والفضل مجهول، قال العقيلى لم يتابعه عليه إلّا من هو دونه أو مثله۔

ورواه ابن عدى من طريق أزور بن غالب عن سليمان التيمى عن أنسؓ، قال ابن طاهر: أزور منكر الحديث، وله طريق أخرىٰ عن أنسؓ أشدّ ضعفاً من هٰذا، انتهىٰ كلام الحافظ ابن حجر۔

وأخرج البخارى فى التاريخ (ص۳۶۶ ج۱) والحاكم فى المستدرک (ص۳۰۴ ج۱) من طريق إسماعيل بن عبد الله بن زُرارة الرقّى عن خالد بن عبد الله الطحان عن محمد بن عمرو

عن أبی سلمة عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”لا یحافظ علیٰ صلوٰة الضحیٰ الّا أوّاب، قال وهی صلوٰة الأوّابین“۔

قال الحاکم: هٰذا حدیث صحیح علی شرط مسلم وأقرّه الذهبی، لکن قال المنذری: رواه الطبرانی وابن خزیمة فی صحیحه وقال: لم یتابع إسماعیل بن عبد الله یعنی ابن زرارة الرقّی علیٰ اتّصال هٰذا الخبر، ورواه الدراوردی عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة مرسلاً، ورواه حماد بن سلمة عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة قوله، انتهی کلام المنذری۔

قلت: وصوّب البخاری أنّه من قول أبی سلمة، لکن قال الحاکم فی جزء صلوٰة الضحیٰ فی ما نقل عنه ابن القیم فی الهدی (ص۹۳) هٰذا إسناد قد احتجّ بمثله مسلم بن الحجاج وأنّه حدّث عن شیوخه عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی هریرةؓ عن النبی ﷺ ”ما أذن الله لشیء ما أذن لنبیّ یتغنّیٰ بالقرآن“ قال: ولعلّ قائلاً یقول :قد أرسله حماد بن سلمة وعبد العزیز بن محمد الدراوردی عن محمد بن عمرو، فیقال له خالد بن عبد الله ثقة، والزیادة عن الثقة مقبولة، انتهیٰ کلام الحاکم۔

وسکت علیه ابن القیم مع أنّ البخاری صوّب أنّه من قول أبی سلمة وقد تقدّم، وأیضاً إسماعیل بن عبد الله الراوی عن خالد وإن وثّقه ابن حبان فقد قال فیه الأزدی: منکر الحدیث، کما نقل عنه فی المیزان ۔

وأخرج ابن أبی شیبة عن أبی هریرةؓ قال: ”أوصانی خلیلیﷺ أن أصلّی صلوٰة الضحیٰ فإنّها صلوٰة الأوّابین“ کذا فی الحاوی۔

وأخرج زاهر بن طاهر فی سُداسیّاته بإسناد صحیح عن أنسؓ مرفوعاً: ”صلّ الصبح والضحیٰ فإنّها صلوٰة الأوّابین“ (من الجامع الصغیر و شرحه للمناوی)۔

وأخرج الدیلمی فی مسند الفردوس عن أبی هریرةؓ بإسناد ضعیف مرفوعاً: ”صلوٰة الضحی صلوٰة الأوّابین“ (من الجامع الصغیر وشرحه للمناوی)

وأخرج ابن أبی شیبة فی المصنف عن أبی رملة الأزدی عن علیؓ أنّه رآهم یصلّون الضحیٰ عند طلوع الشمس فقال: ”هلا ترکوها حتی إذا کانت الشمس قید رمح أو رمحین صلّوها فتلک صلوٰة الأوّابین“ کذا فی الحاوی۔

وأخرجه ابن جرير فى تهذيب الآثار كما فى منتخب الكنز (ص۳۱۲ ج۳) بلفظ عن أبى رملة قال: "خرج عليؓ فقال أين الناس؟ قالوا: فى المسجد من بين قائم يصلّى وقاعد، فقال نحروها نحرهم الله، ألّا تركوها حتى تكون قيد رمح أو رمحين ثم صلّوا ركعتين فتلك صلٰوة الأوّابين".

قول ثانی یعنی صلوٰۃ الأوّابین نوافل فیما بین العشائین کو کہتے ہیں،

یہ قول بعض مراسیل وآثار واقوالِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

فأخرج ابن المبارک فى الرقائق كما فى تخريج الإحياء للعراقى (ص۱۷۷ ج۱) ومحمد بن نصر المروزى كما فى الإتحاف وشرح النقاية للقارى عن محمد بن المنكدر قال: قال رسول الله ﷺ: "من صلّى بين المغرب والعشاء فانها صلٰوة الأوّابين" وهو مرسل۔

وقال البغوى فى تفسيره وروى عن ابن عباسؓ قال: إن الملائكة لتحفّ بالذين يصلّون بين المغرب والعشاء وهى صلٰوة الأوّابين۔

وأخرج البيهقى (ص۱۹ ج۳) من طريق ابن لَهيعة قال: وقال أبو عُقيل زهرة بن معبد سمعت ابن المنكدر وأبا حازم يقولَان ﴿تتجافى جنوبهم عن المضاجع﴾: هى ما بين المغرب وصلٰوة العشاء صلٰوة الأوّابين۔

قال ابن الهمام: واعلم أنّه ندب إلى ستّ بعد المغرب لما روى ابن عمرؓ أنّه ﷺ قال: "من صلّى بعدالمغرب ستّ ركعات كُتب من الأوّابين، وتلا قوله تعالى ﴿إنّه كان للاوّابين غفوراً﴾".

قلت: وهذا الحديث الذى ذكره ابن الهمام عن ابن عمرؓ مرفوعاً لم أجده، ولَا ذكره أحد من المفسرين كابن جرير وابن كثير والسيوطى والآلوسى والشوكانى وغيرهم فى تفسير الآية، والله أعلم۔

وفى المرقاة قال ابن الملک عن ابن عباسؓ: الصلٰوة بين المغرب والعشاء صلٰوة الأوّابين۔

قال ابن حجر: وفيها حديث آخر وهو" أنه ﷺ يصلّيها عشرين ويقول هذه صلٰوة الأوّابين فمن صلّاها غفر له" انتهىٰ۔

قلت: لم أجد هٰذا الحديث، ولَا ذكره من جمع هدى النبیﷺ كابن القيّم والعسقلانی والزرقانی وغيرهم، والله أعلم۔

اس کےعلاوہ بکثرت احادیث نوافل فیما بین العشائین کی فضیلت میں وارد ہیں اورصوفیاءومحدثین نے اِحیاءما بین العشائین کا مستقل عنوان قائم فرمایا ہے، اگر ان نوافل کا صلوٰۃ الاوّابین ہونا ثابت ہوجائے تو وہ ساری احادیث جن میں نوافل فیما بین العشائین کا ذکر ہے اس میں داخل ہوجائیں گی۔ حضرت حافظ ابن کثیرؒ نے جہاں ﴿إنّهٗ كانَ للأوّابين غَفُوراً﴾ کی تفسیر میں بہت سارے اقوال نقل فرمائے ہیں وہیں یہ دونوں مذکورہ بالا اقوال بھی ذکرفرمائے ہیں، لکھتے ہیں:

قال بعضهم: هم الذين يصلّون بين العشائين، وقال بعضهم: هم الذين يصلّون الضحیٰ۔

قولِ ثالث یہ ہے کہ صلوٰۃ الأوّابين ركعتين قبل الظهر ہیں، حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

أخرج محمد بن نصر فی كتاب الصلوٰة عن -------- قال: يقال ”صلوٰة الأوّابين وصلوٰة المنيبين وصلوٰة التوّابين“ فصلوٰة الأوّابين ركعتان قبل الظهر، وصلوٰة المنيبين الضحیٰ، وصلوٰة التوّابين ركعتان قبل المغرب، كذا فی الحاوی۔

ہمارے فقہاء نے عامۃً اوّابین کے مصداق میں رکعات ستّہ بعدالمغرب ہی کا ذکرفرمایا ہے، مگر روایات کے پیش نظر صلوٰۃ الضحیٰ کا اوابین ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ساری ہی نمازیں صلوٰۃ الأوابین کا مصداق ہوں، اس لیے کہ اوّاب صیغۂ مبالغہ ہے اَوب سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنے کے آتے ہیں، اور یہ معنی تینوں ہی نمازوں پر صادق آتے ہیں۔

صلوٰۃ الضحیٰ پر تو اس لیے کہ یہ وقت لوگوں کا اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کا وقت ہے، لیکن اوّابین یعنی راجعین إلى الله تعالىٰ بالتوبة والإنابة اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسکی طاعت وعبادت میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

اور رکعات فیما بین العشائین پر اس لئے کہ یہ راحت وآرام اور کھانے پینے کا وقت ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

یہی بات تقریباً رکعتین قبل الظہر میں بھی پائی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ وقت قیلولہ اور استراحت کا ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اسکی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، واللہ اعلم۔

قولِ رابع ان سب کے لکھ لینے کے بعد ایک چوتھا قول بھی معلوم ہوا، وہ یہ کہ **صلٰوۃ الأوّابین رکعتین عند دخول البیت وعند الخروج منه** کو کہتے ہیں۔

ففی الجامع الصغیر وشرحه للمناوی: "صلٰوۃ الأوّابین وصلٰوۃ الأبرار رکعتان إذا دخلت بیتک ورکعتان إذا خرجت"، أخرجه ابن المبارک عن عثمان ابن أبی أسود مرسلاً، انتهیٰ۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

* * *

اس جواب کے بعد مکتوب الیہ کا دوسرا خط آیا جس میں اوّابین سے متعلق مزید استفسار تھا نیز چند سوالات اور بھی تھے، اسکا جواب حضرت الاستاذ مدّ ظلّہ نے حسبِ ذیل عنایت فرمایا۔ (مرتب)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب ملا، ناشکری کے انداز والفاظ سے آپ کا شکریہ پہونچا، جس نے

ع درشتی ونرمی بہم روا است

کا مزہ دیا، آپ نے لکھا ہے کہ تمہارے مکتوب میں اشکال کی توضیح اور طرفین کے اقوال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، حالانکہ ضرورت فیصلہ اور ترجیح القوی علی الضعیف کی ہے۔

اے مخلص محترم! اقوالِ متعارضہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہد یا جائے تو یہ اسوقت ہوسکتا ہے جب کہ دلائل سے ایک کی صحت اور دوسرے کا خطا ہونا واضح ہو جائے، اور یہ صورت یہاں ممکن نہیں۔

آخر ایک جماعت علماء کی صلوٰۃُ الضحیٰ کو صلوٰۃ الاوّابین کا مصداق ٹھہراتی ہے، اور دلائل مذکورہ فی المکتوب السابق انکا مستدل ہیں، اور دوسری جماعت رکعات فی ما بین العشائین کو مصداق صلوٰۃ الاوابین قرار دیتے ہیں، اور انکی دلیل محمد بن المنکدر کی حدیث مرسل ہے، اور مراسیل جمہور کے نزدیک قابل احتجاج ہیں۔

لہٰذا جب انکے ہاتھوں میں ایک شئی قابل اعتماد ہے گو پہلے کے بنسبت کمزور ہی سہی تو بالکلیہ غلط کیسے کہہ سکتے ہیں؟ رہ گیا صرف نفسِ دلیل کے اعتبار سے رجحان! تو میں اسکو مکتوب سابق میں لکھ چکا ہوں۔

اوراگر ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ ایک کو قوی دوسرے کو ضعیف قرار دیا جائے جیسا کہ آپ کی عبارت سے ظاہر ہے تو اسکی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ضعیف کا بالکل اعتبار نہ ہو اور متروک ہو جائے تو یہ تو عملاً شقّ اول میں داخل ہو گیا،

اوراگر اعتبار کیا جائے جیسا کہ ضابطہ کا تقاضہ ہے تو پھر جمع کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے،

اسکے بعد یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ترجیح وغیرہ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں جمع ناممکن ہو اور یہاں ممکن ہے، لہٰذا کیا اشکال ہے، علاوہ ازیں میں مکتوبِ سابق میں لکھ چکا ہوں کہ از روئے دلیل صلوٰۃ الضحیٰ ہی راجح معلوم ہوتی ہے،

غالبًا آپ نے اس پر غور نہیں کیا، محض سرسری طور سے طالب علمانہ انداز میں دیکھ لیا جس کی وجہ سے توضیحِ اقوالِ طرفین کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئی، بندہ نے جو جمع کی صورت لکھی ہے اگر تلاش کریں گے تو اکابر کے یہاں بھی مل جائے گی۔

رہ گیا ہمارے بعض مشائخ سے جو صرف صلوٰۃ الضحیٰ ہی کا اَوّابین ہونا منقول ہے تو دوسرے مشائخ نے اس پر کلام کیا ہے۔

اس کے بعد میں اپنے مکتوبِ سابق کی بات پھر دہراتا ہوں کہ صلوٰۃ الضحیٰ دلائل کے پیش نظر صلوٰۃ الاوابین ہونے کے زیادہ لائق ہے، **قال الشیخ شهاب الدين القليوبی الشافعی فی حاشية شرح المنهاج للمحلّی** (ص ۲۱۴ ج ۱)

صلٰوة الضحیٰ هی صلٰوة الأوّابين، وصلٰوة الاِشراق علی المعتمد عند شيخنا الرملی وشيخنا الزيادی، وقيل كذا فی الاِحياء: ”أنها صلٰوة ركعتين عند ارتفاع الشمس“ انتهیٰ۔ والله أعلم بالصواب۔

◆◆◆

شارحِ مشکوٰۃ ابن حجر عسقلانی ہیں یا مکی؟

بعدہ آپ نے لکھا ہے کہ کیا مشکوٰۃ کی شرح ابن حجر مکی کی ہے جیسا کہ صاحب **اکلیل علی مدارک التنزیل** کی عبارت سے ظاہر ہے یا غلطی سے ابن حجر عسقلانی کی شرح کو ابن حجر مکی کی طرف منسوب کردیا۔

اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ بندہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیفات میں شرح مشکوٰۃ معلوم نہیں، ہاں انھوں نے مشکوٰۃ کی احادیث کی تخریج کی ہے جس کا نام **هداية الرواة فی تخريج احاديث المصابيح والمشكوٰة** ہے جو دراصل صاحبِ کشف الظنون کے بیان کے مطابق علامہ مناوی کی کتاب **لباب الصدر** کی تلخیص ہے، ہاں شیخ ابن حجر مکی کی شرحِ مشکوٰۃ کا ذکر مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی تالیفات (السعایہ ص ۱۲۷ ج ۲ وغیرہ) میں ملتا ہے، اسی طرح **دليل الفالحين شرح رياض الصالحين** میں جگہ جگہ اس شرح کا ذکر ملتا ہے اور اس کا نام **فتح الاِلٰه** لکھا ہے اور جہاں بھی ملّا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں قال ابن حجر کہتے ہیں اس سے ابن حجر مکی ہی مراد ہوتے ہیں اور اکثر انکی شرح مشکوٰۃ ہی سے لیتے ہیں، بخلاف حافظ ابن حجر کے کہ انکو العسقلانی سے یاد کرتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ ابن حجر مکی ہیتمی میں فرق یہ ہے کہ حافظ ابن حجر شیخ ابن حجر مکی کے استاذ الاستاذ ہیں، حافظ ابن حجر کا سلسلۂ نسب انکے بیان کے مطابق یہ ہے: **أحمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن أحمد بن حجر الكنانی النسب العسقلانی الأصل المصری المولد والمنشأ،** حافظ ابن حجر نے یہ سلسلہ خود فتح الباری کے اخیر میں لکھا ہے، حافظ ابن حجر کی ولادت مصر میں شعبان کی ۱۳ رتاریخ ۷۷۳ھ میں ہوئی اور وفات ۲۸ ذی الحجہ کی شب شنبہ میں ۸۵۲ھ میں ہوئی۔

اور شیخ ابن حجر مکی کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: **أحمد بن محمد بدر الدين بن محمد شمس الدين بن علی نور الدين بن محمد،** اسی طرح یہ نسب انکے فتاویٰ کبریٰ کے مقدمہ میں انکے بعض تلامذہ نے لکھا ہے، شیخ ابن حجر کی ولادت ۹۰۹ھ میں محلّہ ابی الہیتم میں ہوئی اور وفات دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ۱۳ رجب ۹۷۴ھ میں ہوئی اور مکہ میں مدفون ہوئے، مکی اس لیے کہا جاتا ہے کہ مکہ میں اقامت کرلی تھی جیسا کہ ملا علی قاریؒ کو باوجود ہروی ہونے کے اقامت بمکۃ المشرّفۃ کی وجہ سے مکی کہتے ہیں، اور ہیتمی محلّہ ابوالہیتم کی طرف نسبت ہے۔

فتاوی کبریٰ کے ابتداء میں طابع نے شیخ ابن حجر مکی کا مختصر ترجمہ لکھنے کے بعد لکھا ہے **(تنبيه) الهيتمی بالمثناة الفوقية نسبة إلى محلة أبی الهيتم قرية فی إقليم الغربية من أقاليم مصر خلافا لما اشتهر من قرائته بالمثلثة كما ذكره الفاكهی فی ترجمته، انتهی۔**

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ ابن حجر مکی کی نسبت میں جب ہیتمی کہیں گے تو بالتاء المثناۃ پڑھیں گے، اور صاحبِ مجمع الزوائد حافظ علامہ علی ابن ابی بکر بن سلیمان ابوالحسن الہیثمی بالثاء المثلثۃ ہے جیسا کہ حسن المحاضرہ وغیرہ میں ثاء سے لکھا ہے اور لحظ الالحاظ کے حاشیے میں الضوء اللامع للسخاوی سے بالثاء المثلثۃ ہونا ضبط کیا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابن حجر مکی تو ہیتمی بالتاء المثناۃ ہیں اور حافظ نورالدین ہیثمی بالثاء المثلثۃ ہیں۔

حافظ نورالدین کی ولادت ماہ رجب ۷۳۵ھ میں ہوئی اور وفات منگل کی رات ۱۹/رمضان ۸۰۷ھ میں ہوئی اور یہ حافظ نورالدین الہیثمی صاحبِ مجمع الزوائد حافظ عراقی کے داماد اور حافظ ابن حجر کے استاذ ہیں۔

◆ ◆ ◆

ثعلبہ بن عنمہ ہے یا ثعلبہ بن غنم؟

بندہ کو اس وقت عجلت نیز عدیم الفرصتی کی وجہ سے مفحمات القرآن نہ مل سکی، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ ثعلبہ بن عنمہ بفتح العین المہملۃ ہے، اس لیے کہ ثعلبہ بن غنم کوئی صحابی نہیں ہے۔

ابن الاثیر نے ثعلبہ بن عنمہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ **روىٰ أبو صالح عن ابن عباس** رضؓ **فی قوله تعالیٰ ﴿يَسئلُونکَ عن الأهِلّة﴾ قال: ”نزلت فی معاذ بن جبل، وثعلبة بن عنمة، وهما من الأنصار، قالَا: يا رسول الله! ما بال الهلال يبدو فيطلع رقيقاً، ثم يزيد حتىٰ يعظم ويستوى ويستدير، ثم لَا يزال ينقص حتىٰ يعود كما كان؟ فنزلت الآية“۔**

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں **ثعلبة بن عنمة بفتح المهملة والنون ابن عدى بن نائى بن عمرو بن سواد بن غنم بن كعب بن سلمة الأنصارى السلمى الخزرجى، ذكر ابن الكلبى أنّه ممّن سأل عن الهلال كيف يبدو صغيراً ثم يكبر، فنزل قوله تعالىٰ ﴿يسئلونک عن الأهلة﴾**

یہاں پر ایک بات قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ **الاِستیعاب لِابن عبدالبرّ** کے مطبوعہ نسخے میں اور اسی طرح **أسد الغابة** میں بعض جگہ ثعلبہ بن غنمۃ نقطہ کی زیادتی سے **بالغین** لکھا گیا ہے جو غلط ہے، حافظ ابن حجر کے کلام میں **بالعین المهملة** ہونا گزر چکا ہے۔

حافظ ذہبی تجرید میں لکھتے ہیں **عنمة بمهملة**، علامہ شیخ طٰہٰ بن مہنا شرح اسماء بدریین میں لکھتے ہیں: **ثعلبة بن عنمة بعين مهملة ونون وميم وتاء تانيث بوزن قصبة**، اور اتقان میں ثعلبۃ بن غنم جو واقع ہے اگر یہ کاتب کی غلطی نہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جد اعلیٰ کی طرف نسبت ہے، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ کسی نے انکو جدّ اعلیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ کاتب کی غلطی ہے یا سبقت قلم ہے، واللہ اعلم۔

حرره العبد محمد يونس عفى عنه

ليلة الثلاثاء ۲۵ ذی القعده ۱۳۸۴ھ

◆ ◆ ◆

حدیث التوسعۃ علی العیال کی کیا حقیقت ہے؟

صرف صومِ عاشوراء کیوں مکروہ ہے؟

(سوال بنامِ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدّ ظلّہ)

آپ کا یہ خط جواب کے لئے عزیز مولوی محمد یونس صاحب سلمہ مدرس حدیث مظاہر علوم کے پاس بھیج رہا ہوں، آئندہ بھی حدیث کے سلسلے میں جو کچھ پوچھنا ہو عزیز موصوف سے براہ راست پوچھا کریں، اس ناکارہ کو ۶/۷/سال سے نزول آب کی شکایت ہے خط وکتابت بھی دوسرے ہی کرتے ہیں فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

بقلم عبدالرحیم ۱/صفر ۸۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و كفىٰ والصلوة والسلام على سيدنا محمد المصطفىٰ واله وصحبه نجوم الهدى

أما بعد!

جناب کا مکتوب حضرت اقدس سیدی شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے بندہ کو عرصہ ہوا جواب کے لئے مرحمت فرمایا تھا مگر اپنے امراض ومشاغل کی وجہ سے تاخیر ہوگئی جس کی معافی چاہتا ہوں امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔

جناب کے ملفوف میں دوسوال مذکور ہیں۔

اول حدیث توسعہ علی العیال کے متعلق

اور ثانی کراہت صوم عاشوراء مفرداً کے بارے میں، ہر ایک کا جواب علی الترتیب درج ذیل ہے،

أما حديث التوسعة على العيال فأخرجه الطبرانى فى الكبير والبيهقى فى الشعب من حديث ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ: ”من وسّع على عياله يوم عاشوراء، وسّع الله عليه سائر سنته“ وفيه الهيصم بن شداخ، قال العقيلى: مجهول، والحديث غير محفوظ۔

وقال الحافظ ابن حجر فى أماليه: اتفقوا على ضعف الهيصم بن شداخ، وعلى تفرّده به۔

وقال ابن طاهر المقدسی فی تذكرة الموضوعات: فيه الهيصم بن شداخ يروی الطامّات ولَا يحتجّ به۔

وأخرجه ابن عدی من حديث أبی هريرةؓ، وفی سنده سليمان بن أبی عبد الله، قال العقيلی: هو مجهول والحديث غير محفوظ، وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات من هٰذين الطريقين وذكر كلام العقيلی، وقال ابن تيمية فی المنهاج (ص ۱۸۱ ج۴): هذا الحديث كذب علی النبی ﷺ۔

قال حرب الكرمانی سئل أحمد بن حنبل عن هذا الحديث، فقال: لَا أصل له، والمعروف عند أهل الحديث أنه يرويه سفيان بن عيينة عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر عن أبيه أنه قال: ”بلغنا أنه من وسّع علی أهله يوم عاشوراء وسّع الله عليه سائر سنته“۔ قال ابن عيينة جرّبناه من ستين سنة فوجدناه صحيحاً۔

قال ابن تيمية: ومحمد بن المنتشر هذا من فضلاء الكوفيين، لكن لم يكن يذكر ممّن سمعه ولَا عمّن بلغه، ولَا ريب أن هذا أظهره بعض المتعصّبين علی الحسين ليتّخذ يوم قتله عيداً، فشاع هذا عند الجهّال المنتسبين إلی السنّة حتی روی فی حديث ”أنّ يوم عاشوراء جری كذا وجری كذا“ حتی جعلوا أكثر حوادث الأنبياء كانت يوم عاشوراء، مثل مجئ قميص يوسفؑ إلی يعقوبؑ، وردّ بصره، وعافية ايوبؑ، وفداء الذبيح وأمثال هذا، وهذا الحديث كذب موضوع۔

وقد ذكره ابن الجوزی فی الموضوعات وإن كان قد رواه هو فی كتاب النور فی فضائل الأيام والشهور، وذكر عن ابن ناصر شيخه أنه قال: حديث صحيح وإسناده علی شرط الصحيح، فالصواب ما ذكره فی الموضوعات وهو آخر الأمرين منه، وابن ناصر راج عليه ظهور حال رجاله وإلّا فالحديث مخالف للشرع والعقل لم يروه أحد من أهل العلم المعروفين فی شئ من الكتب، وإنما دلّس علی بعض الشيوخ المتأخرين كما جری مثل ذالک فی أحاديث أخری، انتهی۔

قلت: هكذا قال هؤلَاء أعنی ابن الجوزی وابن طاهر وابن تيمية أن الحديث موضوع۔

وقال الزركشى: لَا يثبت هذا الحديث، إنما هو من كلام محمد بن المنتشر۔

وتعقّب السيوطى على الزركشى فقال فى الدرر المنتشرة: كلا، بل هو ثابت صحيح۔

وأخرجه البيهقى فى الشعب من حديث أبى سعيد الخدرىؓ وأبى هريرةؓ وابن مسعودؓ وجابرؓ، وقال: أسانيد كلّها ضعيفة ولكن إذا ضمّ بعضها إلى بعض أفاد قوّة، وهكذا نقل المنذرى فى الترغيب كلام البيهقى، وكذا السخاوى فى المقاصد الحسنة (ص ۲۰۳)۔

وفى جواهر العقدين لنور الدين السمهودى: لَا يلزم من قول أحمد أنه لَا يصحّ أن يكون باطلا، فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به، إذ الحسن رتبة بين الصحيح والضعيف، انتهى۔

وفى تنزيه الشريعة: قول الإِمام أحمد "لَا يصحّ" لَا يلزم منه أن يكون باطلاً كما فهمه ابن القيّم، فقد يكون الحديث غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسناً، اھ۔

ونقل الحافظ السخاوى فى المقاصد الحسنة عن شيخه الحافظ ابن حجر أنه تعقّب اعتماد ابن الجوزى فى الموضوعات قولَ العقيلى فى هيصم بن شداخ –راوى حديث ابن مسعودؓ– أنه مجهول بقوله :"بل ذكره ابن حبّان فى الثقات والضعفاء"۔

وقال الحافظ زين الدين العراقى فى أماليه: ورد هذا الحديث من طرق صحّح بعضها الحافظ أبوفضل بن ناصر وسليمان الذى قال فيه ابن الجوزى: "أنه مجهول" ذكره ابن حبّان فى الثقات، فالحديث حسن علىٰ رأيه۔

وقد روى من حديث أبى سعيد الخدرىؓ عند البيهقى فى شعب الإِيمان، وابن عمرؓ عند الدارقطنى فى الأفراد –إسناده فى ترجمة يعقوب بن خرة الدباغ من اللسان، قال الدارقطنى: الحديث منكر، وقال الذهبى: باطل ولعله وهم– وجابرؓ رواه البيهقى من رواية ابن المنكدر عنه، وقال: إسناده ضعيف، ورواه ابن عبد البرّ من رواية أبى الزبير عنه، وهى على شرط مسلم، ورواه أبو نعيم فى تاريخ أصبهان (ص۱۹۸/۱) من حديث أبى هريرةؓ۔

قال البيهقى: هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة فهى إذا ضمّ إلى بعض أحدث قوة، هذا مع كونه لم يقع رواية أبى الزبير عن جابرؓ التى هى أصحّ طرق الحديث۔

وقد ورد موقوفاً على عمرؓ أخرجه ابن عبد البرّ بسند رجاله ثقات لكنه من رواية ابن المسيّب عنه، وقد اختلف سماعه منه، ورواه فی الشعب من قول إبراهيم بن محمد بن المنتشر۔

وأما قول الشيخ تقی الدين ابن تيمية: أن حديث التوسعة ما رواه أحد من الأئمة وأنّ أعلىٰ ما بلغه من قول ابن المنتشر، فهو عجيب منه كما ترىٰ، وقد جمعت طرقه فی جزء، انتهی۔

قلت: طريق أبی الزبير عن جابرؓ الذی قال فيه العراقی أنه على شرط مسلم ذكره الحافظ فی اللسان وقال: إنه منكر، وقال علیّ القاری فی جمع الوسائل: للحديث طرق، قال البيهقی: أسانيدها كلّها ضعيفة لكن إذا انضمّ بعضها إلى بعض أفاد قوة، وصحّح الحافظ ابن ناصر بعضها، وأقرّه الزين العراقی وقال: هو حسن عند ابن حبّان۔

وله طريق أخرىٰ علىٰ شرط مسلم، وهی أصحّ طرقه، فقول ابن الجوزی أنه موضوع، ليس فی محله، على أن العمل بالضعيف فی الفضائل جائز إجماعاً، انتهی۔

وقد تعقّب الحافظ السيوطی فی كتبه كالتعقّبات واللآلی المصنوعة والنكت البديعات على ابن الجوزی وصرّح أن الحديث صحيح۔

وتناقض كلام الشوكانی فی الفوائد المجموعة فقال أولاً: ذكره ابن الجوزی فی الموضوعات وابن تيمية فی فتوىٰ له فحكما بوضع الحديث من تلك الطرق والحقّ ما قالَا۔ ثمّ قال فی آخر كلامه: ”وقد أطال الكلام عليه فی اللآلی بما يفيد أن طرقه يقوّی بعضها بعضاً“ وقد ردّ العلامة عبد الحیّ اللكهنوی فی الآثار المرفوعة على الشوكانی وغيره۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث مختلف فیہ ہے، ابن الجوزی ابن تیمیہ ابن طاہر اس کو موضوع کہتے ہیں، زرکشی نے بے اصل کہا ہے اور حافظ ابن ناصر نے بعض طرق کو صحیح کہا ہے، عراقی بعض کو صحیح علی شرط مسلم کہتے ہیں اور بعض کو ابن حبان کی رائے پر حسن قرار دیتے ہیں، عقیلی غیر محفوظ کہتے ہیں جو حدیث ضعیف کی قسم ہے، اور کلام امام بیہقی مفید ثبوت ہے، حافظ منذری، سخاوی وسیوطی اور قسطلانی وغیرہم نے بیہقی کا کلام نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے، اور حافظ سیوطی نے اللآلی المصنوعة میں نقل کیا ہے کہ وعرفت جلالة البيهقی فی كونه لَا يخرج فی كتبه شيئاً من الموضوع كما التزمه۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث بیہقی کے نزدیک موضوع نہیں ہے، اور علامہ سیوطی کی رائے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، لہذا جب یہ اساطینِ امت اس کو موضوع نہیں قرار دیتے ہیں تو پھر وضع کا حکم مشکل ہے، اس لئے کہ ابن الجوزی وابن تیمیہ وغیرہما متشددین میں ہیں، اور ابن طاہر نے تذکرۃ الموضوعات میں موضوعات کے ساتھ ہی ضعاف کو بھی داخل کیا ہے۔

رہ گیا حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں سیئ الحفظ ہونے کا دعوی کرنا! یہ بڑی جسارت ہے، بلکہ وہ حفاظِ حدیث میں ہیں **كما لا يخفى على من طالع ترجمته من كتب الرجال** اور اگر محض دعوی نسیان سے ان کی اس حدیث کو رد کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کی ساری حدیثوں میں یہی احتمال قائم ہوجاتا ہے، پھر حدیث تشہد بھی ناقابل اعتماد ہوجائے گی، حالانکہ وہ بالاتفاق صحیح ہے، لیکن احتمال سابق قائم ہے الا یہ کہ کوئی یہ ثابت کردے کہ سیئ الحفظ ہونے سے پہلے کی روایت ہے، **و دونه خرط القتاد** محض دعوی کافی نہ ہوگا۔

نیز حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اس روایت کے نقل کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہے کما سبق، اور ابن تیمیہ کا یہ دعوی کہ متعصبین حسینؓ کی من گھڑت ہے بے بنیاد ہے بلا دلیل معتبر نہیں ہے، جبکہ حدیث طرق متعددہ سے مروی ہے پھر ان کا دعوی کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

اور رہ گیا یہ دعوی کہ حنفیہ حدیث کو توسیع طعام پر حمل کرتے ہیں حالانکہ اس سے مراد توسیع نفقہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ توسیع نفقہ کے عموم میں توسیع طعام بھی داخل ہے، ہم نے کب طعام کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اور حنفیہ ہی اس پر عمل کی دعوت نہیں دیتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ صاحب الروض المربع حنبلی اور علامہ دردیر مالکی بھی ہیں، اور علامہ عبد الملک بن حبیب مالکی کا اس کے بارے میں ایک قصیدہ بھی ہے جس کے نقل کے بعد سیوطی فرماتے ہیں: **وهذا من الإمام الجليل دليل على صحّة الحديث، والله أعلم.**

۲ کراہتِ افرادِ صومِ عاشوراء کی دلیل ہمارے فقہاء نے تشبّہ بالیہود قرار دیا ہے، اور جامع ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: **صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود،** اور اس میں تو ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ نویں دسویں کا روزہ رکھنا مستحب ہے اور ابن عباسؓ کی روایت مفید مدعا ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

من صلّٰی علیٰ رُوح محمّد فی الأرواح، الخ

پوری حدیث لکھیں

سوال:

(بنام حضرت شیخ زکریا صاحب مدظلہ العالی)

آپ کی کتاب فضائل درود شریف مطبوعہ یحیوی کتب خانہ کے (ص ۶۲) پر قول بدیع سے جو ذیل کی حدیث نقل کی ہے اس کی عربی عبارت سے آگاہ فرما کر شکرگزار فرمائیں۔

’اور جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ مجھے قیامت میں دیکھے گا، اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی سفارش کروں گا، اور جس کی میں سفارش کروں گا وہ میرے حوض سے پانی پئے گا‘ الخ۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

جواب از حضرت سیدی شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون

عنایت نامہ پہونچا، یہ ناکارہ اپنی آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے اب خط وکتابت سے اور مراجعتِ کتب سے بالکل معذور ہوگیا ہے اس لئے آپ کا کارڈ مکرم مولانا محمد یونس صاحب مدرس حدیث مظاہر علوم کے حوالہ کررہا ہوں، وہ اس کا جواب لکھیں گے۔ فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب
بقلمِ عبدالرحیم، ۱۴؍شعبان ۸۸ھ

مکرم محترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب سیدی ومرشدی حضرت شیخ مدظلہ العالی نے بندہ کو حدیث پاک کے الفاظ نقل فرمانے کے لئے عنایت فرمایا، بندہ حضرت اقدس مدظلہ کی کتاب القول البدیع (ص ۳۳) سے اس کی عبارت نقل کرتا ہے:

وھی ھذہ:

ویروی عنه صلى الله عليه وسلم أنّه قال: من صلّى على روح محمد فى الأرواح وعلى جسد محمد فى الأجساد وعلى قبر محمد فى القبور رآنى فى منامه، ومن رآنى فى منامه رآنى يوم القيٰمة، ومن رآنى يوم القيٰمة شفعت له، ومن شفعت له شرب من حوضى وحرّم الله علىٰ جسده النار۔

ذكره أبو القاسم البستى فى كتابه الدرّ المنظّم فى المولد المعظّم له، لكنى لم أقف على أصله إلى الآن، انتهى۔ والسلام

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۲؍شعبان ۱۳۸۸ھ

◆◆◆

کیا انبیاءکرام صغائر وکبائر سے معصوم ہیں؟

کیا قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو پہونچتا ہے؟

بسم الله الرحمن الرحيم ۔

الحمد لله الذى هدانا للإسلام، وأرسل الرسل والأنبياء لهداية الأنام، وختمهم بمحمد ﷺ فكان مسک الختام ﷺ. ما تعاقبت الليالى والأيام، وعلى آله وأصحابه الغرّ الكرام. الذين أحيوا سنّته واستهدوا بهديه فى كلّ مقام، من الأمصار والقرىٰ والبوادى والخيام.

أمّا بعد : فقد سئل شيخنا لَازالت عتبته مشفوهة الطالبين ومستعذبة الواردين .

ما حاصله:

ا : ما الدليل على عصمة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام عن الصغائر كما هوقول أهل الحق ؟ مع أنه ورد عند الترمذى مرفوعاً: " كل بنى آدم خطّاء وخيرالخطّائين التوّابون"

۲ : وهل يصل ثواب القرآن للأموات أم لَا ؟ فإن كان يصل فما الدليل على ذلک ؟

فأمرنى أن أكتب الجواب فبادرت امتثاله، فكتبت:

الجواب:

الحمد لله ملهم الصواب، والصلوة والسلام على من أوتى الحكمة و فصل الخطاب، وعلى جميع الآل والأصحاب ۔ أما بعد:

ا : حديث: "كلّ بنى آدم خطّاء وخيرالخطّائين التوّابوْن"

أخرجه أحمد (ص۱۹۸/۳) والدارمى (ص۳۶۶) والترمذى (ص۷۷/۲) وابن ماجه (ص۳۲۳) والحاكم (۲۴۴/۴) من طريق على بن مسعدة الباهلى عن قتادة عن أنسؓ به مرفوعاً، قال الترمذى: هذا حديث غريب لَانعرفه إلاّ من حديث علىّ بن مسعدة الباهلى عن قتادة ، وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، وتعقّبه الذهبى فقال: علىّ ليّن، وقال

العراقی فی تخریج الاِحیاء :علیّ بن مسعدة الباهلی ضعّفه البخاری ، قلت: قال البخاری: فیه نظر، وقال أبوداود الطیالسی : ثقة ، وقال ابن معین :صالح، وقال مرّة :لیس به بأس فی البصریین، وقال أبوحاتم: لَابأس به ، وقال النسائی: لیس بالقوّی، وقال ابن عدی: أحادیثه غیر محفوظة، وقال ابن حبّان: لَایحتجّ بما لَایوافق فیه الثقات، وذکره العقیلی فی الضعفاء تبعاً للبخاری، قال الحافظ فی التقریب :صدوق له أوهام ، وقال صاحب الاِتحاف (ص ۵۹۶/۸)، وفی أمالی أبی زرعة : حدیث فیه ضعف، فکأنّه تبع فیه والده یعنی الحافظ العراقی ، ومال ابن القطّان إلی تصحیح الحاکم، وقال: ابن مسعدة صالح الحدیث وغرابته إنما هی فیماانفرد به عن قتادة۔

قلت : قال الحافظ فی بلوغ المرام: أخرجه الترمذی وابن ماجه وسنده قوّی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور علی ابن مسعدہ کو اسکے کسی لفظ میں وہم نہیں ہوا، تو اپنے عموم الفاظ کی بنا پر حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بھی شامل ہوگی۔

جو لوگ انبیاءؑ کو صغائر سے معصوم نہیں مانتے ہیں وہ تو حدیث کو صغیرہ پر محمول کر لینگے، مگر قول مختار پر اشکال واقع ہوگا کیونکہ مختار یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر و کبائر سبھی سے پاک ہیں۔

قاضی عیاض مالکیؒ کتاب الشفاء میں طویل کلام کرتے ہوئے اور مخالفین کے استدلالات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

وقد استبان لک أیّها الناظر بما قرّرناه ماهو الحقّ من عصمته ﷺ عن الجهل بالله تعالی و صفاته أو کونه علی حالة تنافی العلم بشیء من ذلک کلّه جملة بعد النبوّة عقلاً وإجماعاً وقبلها سماعاً ونقلاً ، ولَابشیءٍ ممّا قرّرناه من أمور الشرع وأدّاه عن ربّه من الوحی قطعاً وعقلاً وشرعاً، وعصمته عن الکذب وخُلف القول منذ نبّأه اللّه تعالی وأرسله قصداً أوغیر قصد، واستحالة ذلک علیه شرعاً وإجماعاً ونظراً وبرهاناً، وتنزیهه عنه قبل النبّوة قطعاً، وتنزیهه عن الکبائر إجماعاً، وعن الصغائر تحقیقاً الخ۔

وقد استدلّ بعض الأئمة علی عصمتهم علیهم الصلوة والسلام من الصغائر بالمصیر إلی امتثال أفعالهم واتّباع آثارهم وسیرتهم مطلقاً، وجمهور الفقهاء علی ذالک من أصحاب

مالک والشافعی وأبی حنیفة وإن اختلفوا فی حکم ذلک ، قال: فلو جوّزنا علیهم الصغائر لم یمکن الاِقتداء بهم فی أفعالهم إذ لیس کلّ فعل من أفعاله یتمیّز مقصده به من القربة أو الاِباحة أو الحظر أو المعصیة ، ولَا یصح أن یؤمر المرء بامتثال أمر لعلّه معصیة، اھ مختصراً وملتقطاً من موضعین۔ راجع شرح مسلم (ص۱۰۸/۱) حدیث الشفاعة، وفتح الباری (ص۳۸۳/۱۱) فی باب صفة الجنة والنّار والمواهب وشرحه للزرقانی (ص۲۵۴/۶)۔

اب جبکہ یہ بات محقق ہوگئی کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر وکبائر سبھی سے معصوم ہیں تو پھر حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟

علامہ طیبی شرح مشکوۃ (ص۳۰۵/۳) میں فرماتے ہیں:

قوله: "خطّاء" فی النهایة یقال: "رجلٌ خطّاءٌ" إذا کان ملازماً للخطایا غیر تارک لها، وهو من أبنیة المبالغة ۔

أقول: إن أرید بلفظ: "الکلّ" الکلّ من حیث هو کلّ، کان تغلیباً، لأنّ فیهم الأنبیاء ولیسوا بمبالغین فی الخطاء۔

وإن أرید به الاِستغراق، وأن کلّ واحد خطّاء، فلا یستقیم إلّا علی التوزیع، کما تقول: "هو ظلّام للعبید" ای یظلم کلّ واحد واحد، فهو ظالم بالنسبة إلیٰ کلّ واحد، فظلّام بالنسبة إلی المجموع، وإذا قلت "هو ظلّام لعبده" کان مبالغاً فی الظلم، قال المظهر: فیه تعمیم جمیع بنی آدم حتّٰی الأنبیاء لکنّهم خصّوا منه لکونهم معصومین۔

واختلفوا فی أنهم معصومون عن الصغائر والکبائر أو عن الکبائر؟

فمن قال هم غیر معصومین عن الصغائر، استدلّوا بعصیان آدم وکذبات إبراهیم علیهما الصلوة والسلام، ومن قال هم معصومون عن الصغائر، حملوا زلّات الأنبیاء علیٰ النسیان والخطأ، وهذا هو الأولٰی لما فیه من تعظیم الأنبیاءً وقد أمرنا بتعظیمهم۔

قال الطیبی: أقول: إخراجه الأنبیاء من هذا الحدیث بالنظر إلیٰ بناء المبالغة، و إثبات الخطأ لهم بالنظر إلی التوزیع، انتهی ۔

وقال القاری فی المرقاة (ص۷۰/۳) قیل: أراد الکلّ من حیث هو کلّ أو کلّ واحد، وأمّا

الأنبياء عليهم الصلوة والسلام فإمّا مخصوصون عن ذلک، وإمّا أنهم أصحاب صغائر، والأوّل أولٰی، فإنّ ما صدر عنهم من باب ترک الأولٰی، أو من قبيل "حسنات الأبرار سيئات المقرّبين" أويقال: الزلّاتُ المنقولة عن بعضهم محمولةٌ على الخطأ والنسيان من غير أن يكون لهم قصد إلى العصيان۔

وفی الكوكب الدری (ص٢/١٠٧): قوله "كلّ ابن آدم خطّاء" أی خطاء تنافی منزلته عندالله، فدخل فيه كلّ الناس حتّى الأنبياء عليهم الصلوة والسلام، قال شيخنا فی الحاشية: فإنّ ما يعدّ خطاءً فی حقّهم لَايجب أن يكون خطاءً فی حقّنا، فإنّه "حسنات الأبرار سيئات المقرّبين" ولذا قالوا فی شرح: قوله عليه الصلوة والسلام "إنه ليغان على قلبی": أی إنّه وإن لم يكن ذنباً لكنّه بالنسبة إلٰی سائر أحواله العالية هبوط ونزول فناسبه الإستغفار۔

٢: السؤال الثانی فی وصول ثواب قراء ة القرآن إلى الميت۔

فيه اختلاف بين العلماء، فمذهبنا ومذهب الإمام أحمد جوازه، وعزاه ابن القيّم فی كتاب الروح (ص١٨٩) لجمهورالسلف، وبه قال بعض أصحاب الشافعی كما قال النوویؒ (ص١/١٣)، والمشهورمن مذهب الشافعی ومالک أن ذلک لَا يصل كما قال ابن القيّم، وقال السيوطی فی شرح الصدور (ص٢٠٩): جمهورالسلف والأئمة الثلاثة على الوصول، وخالف فی ذلک الشافعی، وفی العرف الشذی (ص٢٩۵) فی باب ما جاء فی المتصدّق يرث صدقته: ثم أفتى الشافعية بجواز إهداء ثواب التلاوة۔

واستدلّ المانعون بقوله تعالٰی ﴿وَ أَن لَيسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ وبقوله عليه الصلاة والسلام "إذا مات ابن آدم انقطع عمله الّا من ثلاث، صدقة جارية أوعلم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له"، رواه مسلم وغيره۔

وأجاب المثبتون عن الآية بأجوبة بسطها العينی (ص١/٨٧٦) وابن القيّم وغيرهما كالسيوطی فی شرح الصدور (ص٢٠٩) والزبيدی فی الإتحاف (ص١٠/٣٧٢)۔

منها: أنّه ليس له إلّا سعيه، غير أنّ الأسباب مختلفة، فتارة يكون سعيه فی تحصيل الشیء

بنفسه، وتارة يكون سعيه فی تحصيل سببه، مثل سعيه فی تحصيل قراءة ولد يترحّم عليه وصديق يستغفر له، وتارة يسعىٰ فی خدمة الدين والعبادة فيكتسب محبّة أهل الدين فيكون ذلک سبباً حصل بسعيه، حكاه أبوالفرج، عن شيخه ابن الزاغونی، ذكره العينی۔

قال ابن القيم(۲۰۵): قال أبوالوفاء بن عقيل: الجواب الجيّد عندی أن يقال: الإنسان بسعيه وحسن عِشرته اكتسب الأصدقاء و أولد الأولَاد ونكح الأزواج وأسدى الخير وتودّد الى الناس، فترحّموا عليه وأهدوا له العبادات وكان ذلک أثرسعيه، كما قال عليه الصلوة والسلام: ”إنّ أطيب ما أكل الرجل من كسبه وإنّ ولده من كسبه“۔

قلت: أخرجه أحمد (ص ۶/۳۱) والبخاری فی التاريخ (ص۱/۴۰۷) وأبو داود والدارمی وحمزة بن يوسف فی تاريخ جرجان وغيرهم يدل عليه قوله فی الحديث الآخر ”إذا مات العبد انقطع عمله الّا من ثلاث، علم ينتفع به من بعده، وصدقة جارية عليه، أو ولد صالح يدعو له“

ومن هنا قال الشافعی إذا بذل له ولده طاعة الحجّ كان ذلک سبباً لوجوب الحجّ عليه، حتّى كأنّه فی ماله زاد وراحلة بخلاف بذل الأجنبی۔

قال ابن القيّم: وهذا جواب متوسط يحتاج إلى تمام، فإن العبد بإيمانه وطاعته للّه ولرسوله ﷺ قد سعىٰ فی انتفاعه بعمل إخوانه المومنين مع عمله كما ينتفع بعملهم فی الحياة مع عمله، فإن المؤمنين ينتفع بعضهم بعمل بعض فی الأعمال التی يشتركون فيها، كالصلوٰة فی جماعة، فإن كلّ واحد منهم تضاعف صلوٰته إلٰى سبعة وعشرين ضِعفاً لمشاركة غيره له فی الصلوٰة فعمل غيره كان سبباً لزيادة أجره كما أن عمله سبب لزيادة اجرالآخر، بل قد قيل أن الصلوة يضاعف ثوابها بعدد المصلين۔

وكذالک اشتراكهم فی الجهاد والحجّ والأمر بالمعروف والنهی عن المنكر والتعاون على البرّ والتقوىٰ، وقد قال النبی ﷺ: ”المؤمن للمومن كالبنيان يشدّ بعضه بعضاً، وشبّک بين أصابعه“۔ ومعلوم أن هذا بأمور الدين أولٰى منه بأمورالدنيا، فدخول المسلم مع جملة المسلمين فی عِقد الإسلام من أعظم الأسباب فی وصول نفع كلّ من المسلمين إلى صاحبه فی

حياته وبعد مماته، ودعوة المسلمين تحيط من ورائهم۔

وقد أخبر الله سبحانه عن حملة العرش ومن حوله أنهم يستغفرون للمؤمنين ويدعون لهم، وأخبر عن دعاء رسله واستغفارهم للمؤمنين كنوح وإبراهيم ومحمد عليهم الصلوة والسلام، فالعبد بإيمانه قد تسبّب إلى وصول هذا الدعاء إليه فكأنّه من سعيه يوضحه أن الله سبحانه جعل الإيمان سبباً لإنتفاع صاحبه بدعاء إخوانه من المؤمنين وسعيهم، فإذا أتٰى به فقد سعٰى به فى السبب الذى يوصل إليه ذلك۔

وقد دلّ علٰى ذلک قول النبى ﷺ لعمرو بن العاصؓ: ”إن أباک لو أقرّ بالتوحيد نفعه ذلک“۔ يعنى العتق الذى فعل عنه بعد موته، فلوأتى بالسبب لكان قد سعٰى فى عمل يوصل إليه ثواب العتق، قال وهذه طريقة لطيفة حسنة جدّاً۔

ومنها: أن القرآن لم ينف انتفاع الرجل بسعى غيره، وإنما نفى ملكه لغير سعيه، وبين الأمرين من الفرق ما لَا يخفٰى، فأخبر تعالى أنه لَايملک الّاسعيه، وأمّا سعى غيره فهوملک لساعيه، فإن شاء أن يبذله لغيره وإن شاء أن يبقيه لنفسه، وهوسبحانه وتعالى لم يقل لَا ينتفع الّا بما سعى، قاله ابن القيم، وكان شيخنا يعنى شيخ الإسلام ابن تيميةؒ يختار هذه الطريقة ويرجّحها۔

قلت حكى لى بعضهم عن بعض المشايخ وهو العارف الكبير والمحدث الشهيررشيد أحمد الجنجوهى أنّ المراد بالسعى فى الآية الإيمان۔

وللآية أجوبة كثيرة مبسوطة فى المطوّلات، وفى هذا القدركفاية إن شاء الله تعالى للطالب اللبيب۔

وأمّا الجواب عن ما استدلّوا به من قوله ﷺ ”إذا مات ابن آدم انقطع عمله“ الحديث، فبأن المتصف بالإنقطاع العمل لَا الإنتفاع، فإنه ﷺ لم يقل انقطع انتفاعه وإنما أخبرعن انقطاع عمله، وأمّا عمل غيره فهو لعامله، فإن وهبه له فقد وصل إليه ثواب عمل العامل، لَا ثواب عمله هو، فالمنقطع شيء، والواصل إليه شيء آخر، قاله ابن القيّم، وأجاب ابن القيم عن كلّ دليل المانعين۔

وأمّا المثبتون من أصحاب أبی حنیفة وأحمد فاستدلّوا بالمنقول والمعقول۔

أمّا المنقول فقال العینی فی شرح البخاری (ص۱/۸۷۵): روی أبو بکر النجّار فی کتاب السنن عن علی بن أبی طالبؓ أنّ النبی ﷺ قال: ”من مرّ بین المقابر فقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ أحد عشر مرة ثمّ وهب أجرها للأموات أعطی من الأجر بعدد الأموات“۔

قلت: حدیث علیؓ هذا أخرجه أبو محمد السمرقندی فی فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾ کما فی شرح الصدور، والرافعی کما فی کنز العمال و منتخبه، و فی الاِتحاف (ص ۱۰/۳۷۱): رواه النسائی و الرافعی فی تاریخه، و أبو محمد السمرقندی فی فضائل سورة الاِخلاص۔

وفی سنن أبی بکر النجّار أیضاً عن أنسؓ یرفعه: ”من دخل المقابر فقرأ سورة یٰسٓ خفّف اللّٰه عنهم یومئذٍ“۔

وعن أبی بکر الصدیقؓ قال قال رسول الله ﷺ : ”من زار قبر والدیه أو أحدهما فقرأ عندهما أوعنده یٰسٓ غفر له“۔

وأمّا المعقول: فلأنّ ثواب الصلوٰة والصوم والحجّ والصدقة یصل إلی المیّت فأیّ شیء یمنع عن وصول ثواب القراء ة إلیه، فکما أنّ الصوم والصلوٰة وغیرهما من أعمال البرّ یصل ثوابه فکذلک یصل ثواب القراء ة أیضاً فإنّها أیضاً أحد أعمال البرّ۔

قال ابن القیم فی کتاب الروح (ص ۲۲۹): وسرّ المسئلة أن الثواب مِلک العامل فإذا تبرّع به وأهداه إلی أخیه المسلم أوصله اللّٰه تعالی إلیه، فما الذی خصّ من هذا ثواب قراء ة القرآن وحجر علی العبد أن یوصله إلی أخیه اهـ۔ والله تعالی أعلم۔

ثم وقفت علی حدیث آخر فی الباب، قال البیهقی فی سننه الکبیر (ص۴/۴۵۶): ”أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن یعقوب ثنا العباس بن محمد قال سألت یحی بن معین عن القراء ة عندالقبرفقال حدثنا مبشر بن اسماعیل الحلبی عن عبد الرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن أبیه أنه قال لبنیه: إذا أدخلتمونی قبری فضعونی فی اللحد وقولوا: ”بسم الله وعلی سنة رسول الله ﷺ، وسَنّوا علیّ التراب سنّا، واقرأوا عند رأسی أوّل البقرة وخاتمتها، فإنی رأیت ابن عمرؓ یستحبّ ذالک“۔

وأخرجه الخلّال فی الجامع كما فی كتاب الروح (ص ۱۳) عن العباس بن محمد الدوری عن يحی بن معين به۔

وأخرجه أيضاً الطبرانی فی الكبير قال: حدثنا الحسين بن إسحاق التستری ثنا علی بن بحر ثنا علی بن بشر بن إسمعيل (هكذا فی نصب الراية ۔ وفی نسخة بحذفِ’ علی بن ‘ والصواب عندی ’مبشر‘ اسم فاعل من التبشير ابن اسماعيل كما فی إسناد البيهقی) حدثنی عبد الرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه قال: قال لی أبی اللجلاج أبو خالد: ’’يا بُنیّ إذا أنا متُّ فألحدنی فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم الله وعلی ملة رسول الله ثم شنّ علیّ التّراب شنّاً، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإنی سمعت رسول الله ﷺ يقول ذالک، كذا فی نصب الرأية (ص ۲/۳۰۲)، قال الهيثمی فی المجمع (ص ۵/۳۱۰): رجاله موثّقون، وقال النيموی فی آثار السنن (ص ۲/۱۲۵): إسناده صحيح، وذكره ابن رسلان (ص ۳/۳۱۲) فی باب الدعاء للميت إذا وضع فی قبره، وسكت عليه، والحافظ فی التلخيص كما فی شرح الصدور (ص ۶۸)، والاِتحاف (ص ۳۷۰)۔

[قال المصحح: ’’ثم شنّ علیّ التّراب شنّاً‘‘ هكذا فی نصب الراية بالشين المعجمة، لكن الصواب ’’ثم سنّ علیّ التّراب سنّاً‘‘ بالسين المهملة، كما فی المعجم الكبير (ص ۱۹/۲۲۰) وآثار السنن وتاريخ دمشق (ص ۵۰/۲۹۷) والمجمع (ص ۵/۳۱۰) والتلخيص (ص ۲/۳۰۱)]۔

قلت: وله شاهد أخرجه الطبرانی والبيهقی فی الشعب عن ابن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ’’إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلی قبره وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، (ولفظ البيهقی فاتحة البقرة) وعند رجليه بخاتمة سورة البقرة فی قبره‘‘، قال النيموی (ص ۱۲۵) قال البيهقی والصحيح أنّه موقوف عليه ،اھ ۔ وكذا قال قبله صاحب المشكوة (ص ۱۴۹)، قلت: وفی الباب أحاديث اُخر۔

قال السيوطی فی شرح الصدور (ص ۳۱۰) و نقله عنه القاری فی المرقاة (ص ۲/۳۸۲): أخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال كانت الأنصار إذا مات لهم الميّت اختلفوا إلی قبره

يقرأون عنده القرآن، كذا فى كتاب الروح (ص ۱۴)۔

قلت: أخرجه أبو بكر المروزى فى كتاب الجنائز كما فى التلخيص (ص ۱۵۳) بلفظ ”كانت الأنصار يستحبّون أن يقرأوا عند الميت سورة البقرة“، و كذلک رواه ابن أبى شيبة كما فى الاِتحاف (ص ۱۰/۲۷۹)۔

وأخرج أبو محمد السمرقندى فى فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾، فذكر حديث علىّ السابق فى كلام العينى۔

وأخرج أبو القاسم سعد بن على الزنجانى فى فوائده عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب ﴿وقل هو الله أحد﴾ و﴿ألهٰكم التكاثر﴾ ثم قال ‘اللهم إنى جعلت ثواب ما قرأت من كلامک لِاهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات’ كانوا شفعاء له إلى الله تعالى۔

وأخرج القاضى أبوبكر بن عبد الباقى الأنصارى فى مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكى: ”خرجت ليلة إلى مقابر مكة فوضعت رأسى علٰى قبر فنمت فرأيت أهل المقابر حلقة حلقة، فقلت: قامت القيامة ؟ قالوا: لَا، ولكن رجل من إخواننا قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة“۔

وأخرج عبد العزيز صاحب الخلّال بسنده عن أنسؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفّف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات“۔

قال السيوطىؒ (ص ۲۰۹): وهذه الأحاديث وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدلّ علٰى أنّ لذلک أصلاً۔

فائده (۱): ثمّ هنا مسئلة أخرى ينبغى الاِشارة إليها، وهى هل يشترط فى وصول الثواب أن يهديه بلفظٍ أم يكفى فى حصوله مجرد نية العامل أن يهديه إلى الغير؟

قال ابن القيّم فى كتاب الروح (ص ۳۲۶) قيل: السنّة لم تشترط التلفّظ بالاِهداء فى حديث واحد، بل أطلق ﷺ الفعل عن الغير كالصوم والحجّ والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلک قل: اللهم هذا عن فلان بن فلان، والله سبحانه وتعالى يعلم نيّة العبد وقصده بعمله، فإن ذكره

جاز وإن ترک ذکره واکتفی بالنیّة والقصد وصل إلیه ، راجع الإتحاف (ص۳۷۳/۱۰).

فائده (۲): وهنا مسئلة أخری وهی الإهداء إلی رسول الله ﷺ۔

فیها اختلاف، فمن المتأخرین من استحبّه کالسبکی والحافظ ابن حجر العسقلانی والحافظ ابن حجر المکی، وإلیه یشیر کلام الحلیمی والبیهقی والنووی وابن الهمام وغیرهم۔

ومنهم من أنکره کشیخ الإسلام ابن تیمیة وشیخ الإسلام السراج البلقینی وولده شیخ الإسلام علم الدین والشیخ الإمام ابن القیّم وغیرهم ، راجع کتاب الروح (ص ۲۳۹) والفتاوی الحدیثیة (من ص۸ الی ۱۴)۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

۱۲ ربیع الأول ۱۳۸۳ھ

* * *

(اسی موضوع پر جواب کی مزید تشریح کرتے ہوئے دوسرا مکتوب تحریر فرمایا)

مسئلۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام

حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے سلسلے میں ہم پہلے جواب میں تحریر کر چکے ہیں کہ حضراتِ محققین کی رائے یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر و کبائر سے قبل النبوۃ وبعد النبوۃ بالکلّیہ معصوم ہیں، اور ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی کیا تحریر فرماتے ہیں،

حضرت امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر (ص۴۰۸ ج۱) ﴿فأزلّهما الشیطانُ عنها فأخرجهما ممّا کانا فیه﴾ کی تفسیر میں اور کتاب الأربعین فی أصول الدین (ص۳۳۰)، اور اپنی دیگر تالیفات میں، اسی طرح قاضی بیضاوی نے اور قاضی عضد الدین نے مواقف میں اور سید شریف وغیرہ نے شرح مواقف (ص ۲۶۳ ج۸) میں اور حافظ ابن حزم الظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل (ص۲ ج۴) میں اور

دوسرے علماء نے اس مسئلے پر مفصل کلام کیا ہے اور دلائل کثیرہ ذکر فرمائے ہیں، اور مخالفین کے جوابات تحریر کئے ہیں، ان میں سے ہم صرف سات دلیلیں تحریر کرتے ہیں، والله الموفّق الهادی إلى السبيل القويم۔

الدليل الأول

لو صدر الذنب عنهم لكانوا أقلّ درجةً من عصاة الأمة، وذٰلک غير جائز،

بيان الملازمة أن درجة الأنبياء عليهم السلام كانت فى غاية الجلال والشرف، وكلّ من كان كذلک كان صدور الذنب عنه أفحش، ألَا ترى إلى قوله تعالىٰ ﴿ يٰنساءَ النّبىِّ من يّأتِ منكنّ بفاحشةٍ مُبيِّنةٍ يُضٰعَفْ لها العذابُ ضِعفَين﴾ والمحصَن يُرجم، وغيره يُحدّ، وحدّ العبد نصف حدّ الحرّ، وأمّا أنه لَا يجوز أن يكون النبىّ أقلّ حالاً من الأمّة فذاک بالاِجماع۔

الدليل الثانی

قوله تعالى: ﴿وَإنّهم عندَنا لَمِنَ المُصطَفَينَ الأخيَار﴾، وهذا يتناول جميع الأفعال والتروک بدليل جواز الاِستثناء، فيقال فلان من المصطفين الأخيار إلّا فى الفعلة الفلانية، والاِستثناء يخرج من الكلام ما لولَاه لَدَخلَ تحته، فثبت أنّهم كانوا أخياراً فى كلّ الأمور، وذلک ينافى صدور الذنب عنهم۔

وقال الله تعالىٰ: ﴿اللّٰهُ يَصطفِى مِنَ الملٰئكةِ رُسُلاً ومِنَ الناس﴾،

وقال الله: ﴿إنّ اللّٰه اصْطَفٰى آدمَ ونُوحاً وآلَ إبراهيمَ وآلَ عِمرانَ على العٰلمين﴾،

وقال فى إبراهيم: ﴿ولقد اصْطَفَيناه فى الدّنيا﴾،

وقال فى موسىٰ: ﴿ إنّى اصْطَفيتُک على الناسِ بِرسالَاتى وبكلامى﴾،

وقال: ﴿ واذْكُر عِبادَنا إبراهيمَ وإسحٰقَ ويعقوبَ أولِى الأيدى والأبصار، إنّا أخلصناهم بخالصةٍ ذِكرى الدار، وإنّهم عندنا لَمِنَ المُصطفَينَ الأخيار﴾،

فكلّ هذه الآيات دالّة على كونهم موصوفين بالاِصطفاء والخيريّة، وذلک ينافى صدور الذنب عنهم۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ اصطفاء گناہ کرنے کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ أورَثنا الكتابَ الذينَ

اصطَفینا مِن عِبادِنا فمنهم ظالمٌ لِّنفسِه ومِنهم مقتصد ومنهم سابقٌ بالخیرات﴾ الآیة۔

(ترجمہ: پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے ہم نے منتخب کیا، پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض ان میں متوسط درجہ کے ہیں، اور بعض ان میں وہ ہیں جو نیکیوں میں ترقی کرنے والے ہیں)

تو دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے مصطفین کو تین حصوں میں منقسم فرمادیا: ظالم، مقتصد، سابق بالخیرات۔

امام فخر الدین رازیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ فمنهم کی ضمیر من عِبادنا کی طرف راجع ہے اصطفینا کی طرف راجع نہیں ہے، کیونکہ جب ضمیر کے دو مرجع ہوں تو جو اقرب المذکورین ہوگا اس کی طرف عودِ ضمیر واجب ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ آیۂ کریمہ ﴿وإنّهم عندنا لَمِنَ المُصطَفَینَ الأخیار﴾ صرف حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کے بارے میں ہے، لہٰذا اس سے سارے انبیاء کی عصمت کس طرح ثابت ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ آیۂ کریمہ ﴿اللّٰهُ یَصطَفِی مِنَ المَلٰئِکة رُسُلاً وَّمِنَ الناس﴾ سارے رسولوں کے بارے میں ہے، اسی طرح دوسری آیۂ ﴿إنّ اللّٰهَ اصطفیٰ آدمَ ونوحاً وآلَ إبراهیمَ وآلَ عمرانَ علی العٰلمین﴾ میں آل ابراہیم اور آل عمران کی برگزیدگی کی خبر دی ہے، لہٰذا جو بھی آل ابراہیم میں داخل ہوں گے وہ سارے اس حکم میں داخل ہوں گے، اور اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ توصیف بوجہ نبوت کے ہے، اور نبوت میں سارے شریک ہیں، لہٰذا اس حکم میں سب داخل ہونگے۔

الدلیل الثالث:

قوله تعالی: ﴿إنّهم کانوا یُسارِعُون فی الخیرات﴾، ولفظ: الخیرات للعموم، فیتناول الکلّ، ویدخل فیه فعل ما ینبغی وترک ما لَا ینبغی، فثبت أنّ الأنبیاء کانوا فاعلین لکلّ ما ینبغی فعله، وتارکین کلّ ما ینبغی ترکه، وذالک ینافی صدور الذنب عنهم۔

الدلیل الرابع:

إن اللّٰه تعالی حکیٰ عن إبلیس قوله: ﴿لأُغوِیَنَّهم أجمعین إلّا عبادَکَ مِنهُم المُخلَصِین﴾، فاستثنٰی من جملة من یُغویهم المخلصین وهم الأنبیاء علیهم السلام، قال تعالی فی صفة إبراهیم وإسحٰق ویعقوب: ﴿إنّا أخلصناهم بخالصةٍ ذکرَی الدار﴾، وقال فی یوسف: ﴿إنّه مِن

عِبَادِنا المُخلَصِين﴾، وإذا ثبت وجوب العصمة فی حق البعض ثبت وجوبها فی حقّ الكلّ۔

الدلیل الخامس

قوله تعالی: ﴿ولقد صَدَّقَ عليهم إبليسُ ظَنَّهُ فَاتَّبعُوه إلّا فريقاً من المؤمنين﴾، فأولٰئک الذين ما تبعوه، فوجب أن يقال: ما صدر الذنب عنهم، وإلّا فقد كانوا متّبعين له، وإذا ثبت فی ذلک الفريق أنّهم ما أذنبوا، فذلک الفريق إما الأنبياء أو غيرهم، فان كانوا هم الأنبياء فقد ثبت فی النبیّ أنه لَا يذنب، وإن كانوا غير الأنبياء، فلو ثبت فی الأنبياء أنّهم أذنبوا، لكانوا أقلّ درجةً عند الله من ذلک الفريق، فيكون غيرُ النبی أفضل من النبی وذلک باطل بالاِتفاق، فثبت أن الذنب ما صدر عنهم۔

الدلیل السادس

قال تعالٰی فی حق ابراهيم عليه السلام: ﴿إنّی جاعِلُکَ لِلناس إماماً﴾، والاِمام من يؤتمّ به، فأوجب على كل الناس أن يأتمّوا به، فلو صدر الذنب عنه لوجب عليهم أن يأتمّوا به فی ذلک الذنب، وذلک يُفضی إلى التناقض۔

الدلیل السابع

أنّ محمداً ﷺ لو أتیٰ بالمعصية لوجب الاِقتداء به فيها، لقوله تعالی: ﴿فاتّبِعونی﴾ فيفضی إلى الجمع بين الحرمة والوجوب وهو محال، وإذا ثبت فی حق محمد ﷺ ثبت أيضا فی سائر الأنبياء ضرورةً، إذ لَا قائل بالفرق۔

علماء نے بالخصوص امام رازیؒ نے اس کے علاوہ بھی دلائل تحریر فرمائے ہیں جیسا کہ ہم ابتداء میں لکھ آئے ہیں، لہٰذا بسط کیلئے ان کتابوں کی مراجعت کی جائے،

قاضی عیاضؒ نے جو استدلال فرمایا تھا اسکو ہم سابقاً تحریر کر چکے ہیں، مگر پھر بھی اتماماً للفائدہ اسے یہاں لکھتے ہیں، قاضی صاحب کتاب الشفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد استدلّ بعض الأئمّة علٰى عصمتهم من الصغائر بالمصير إلى امتثال أفعالهم واتّباع آثارهم وسيرتهم مطلقاً، وجمهور الفقهاء على ذٰلک من أصحاب مالک والشافعی وأبی

حنيفة وإن اختلفوا فى حكم ذٰلك، قال فلو جوّزنا عليهم الصغائر لم يمكن الاِقتداء بهم فى أفعالهم، إذ ليس كلّ فعل من أفعاله يتميّز مقصده من القربة، أو الاِباحة أو الحظر أو المعصية، ولَا يصحّ أن يؤمر المرء بامتثال أمر لعلّه معصية، انتهٰى۔

قاضی عیاض نے جو دلیل ذکر فرمائی ہے ان کے بعد والوں نے عام طور سے اسی کو ذکر فرمایا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی نے اور ان سے قبل امام نووی (ص۱۰۸ ج۱) حافظ ابن حجر (ص۳۸۳ ج۱۱) وغیرہ نے اسی دلیل کو قاضی عیاض سے نقل فرمایا ہے۔

اور امام کبیر حافظ ابن حزم ظاہری کتاب الفصل (ص۲۸) میں تحریر فرماتے ہیں:

وأيضاً فإنّنا مندوبون إلى الاِقتداء بالأنبياء عليهم السلام وإلى الاِيتساء بهم فى أفعالهم كلّها، قال الله تعالى: ﴿لَقَد كان لكم فى رسولِ اللهِ أُسوةٌ حسنةٌ لِمَن كان يرجُو اللهَ واليومَ الآخرَ﴾ وقال تعالى: ﴿أولٰئك الذين هَدى اللهُ فبهدٰهم اقتَدِه﴾ فصحّ يقيناً أنّه لو جاز أن يقع من أحد من الأنبياء عليهم السلام ذنب تعمّد صغيراً أو كبيراً كان الله عز وجل قد حضّنا على المعاصى وندبنا إلى الذنوب، وهذا كفر مجرّد ممّن أجازه، وقد صحّ يقيناً أن جميع أفعال الأنبياء التى يقصدونها خير وحقّ۔

ایک دوسری جگہ حافظ مذکور کتاب مذکور (ص۲۹) میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو جاز من الأنبياء عليهم السلام شيء من المعاصى وقد نُدِبنا إلى الاِيتساء بهم بافعالهم، لكنا قد أبيحت لنا المعاصى وكنا لَا ندرى لعلّ جميع ديننا ضلال وكفر ولعلّ كلّ ما عمله عليه السلام معاص، ولقد قلت يوماً لبعضهم ممّن كان يجيز عليهم الصغائر بالعمد: أليس من الصغائر تقبيل المرأة الأجنبية وقرصها؟ فقال: نعم، قلت: تجوّز أنه يُظنّ بالنبى ﷺ أنه يُقبّل امرأة غيره متعمّداً؟ فقال: معاذ الله من هٰذا، ورجع إلٰى الحقّ من حينه، والحمد لله رب العلمين۔

* * *

مسئلۂ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مسئلہ حیاۃ الانبیاء پر علامہ تقی الدین سبکی اور علامہ نور الدین سمہودی اور علامہ مازری اور استاذ ابو منصور بغدادی اور حافظ ابن حجر عسقلانی (ص ۳۵۳/۶) اور علامہ عینی (ص ۵۴۲/۴) اور علامہ قسطلانی وغیرہم نے مفصل کلام فرمایا ہے، اور حافظ کبیر ابوبکر بیہقی اور حافظ جلال الدین سیوطی وغیرہما نے مستقل رسائل تالیف فرمائے ہیں، اس لئے اسپر کچھ لکھنے کی چنداں حاجت نہیں ہے اور علامہ سیوطی کے رسالہ کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، تاہم مختصراً تحریر کیا جاتا ہے ممکن ہے اللہ تعالی کسی کو اس سے نفع پہونچائے، واللہ الموفق للصواب۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہیں جن سے قدر مشترک مسئلۂ حیات متواتر ہو جاتا ہے، ہم یہاں پر بعض احادیث ذکر کرتے ہیں۔

الحديث الأول

عن أنسؓ أن النبیّ ﷺ قال: ”الأنبياء أحياء فی قبورهم يصلّون“، رواه أبويعلى والبيهقی فی كتاب حياة الأنبياء، والبزّار وغيرهم وصحّحه البيهقی وشاهده، وقال الذهبی فی الميزان فی ترجمة حجّاج بن الأسود عن ثابت البنانی: نكرة، ماروى عنه فيما أعلم إلّا مستلم بن سعيد فأتى بخبر منكر عنه عن أنسؓ فی ”أن الأنبياء أحياء فی قبورهم يصلّون“ رواه البيهقی، انتهٰى۔

قلت بسط الكلام عليه السخاوی فی القول البديع۔

الحديث الثانی

عن أنس بن مالكؓ قال: ”إنّ رسول الله ﷺ قال مررت على موسٰى ليلة أسرى بی عندالكثيب الأحمر وهو قائم يصلّی فی قبره“ رواه مسلم۔(ص ۸۰ / ۲)

الحديث الثالث

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : لقد رأيتنی فی الحِجر وقريش تسألنی عن مسرای إلى أن قال : وقد رأيتنی فی جماعة من الأنبياء فإذا موسى عليه السلام قائم يصلّی فإذا رجل ضرب جعد كأنّه من رجال شنوءة، وإذا عيسٰى ابن مريم عليه السلام قائم يصلّی، أقرب الناس

به شبهاً عروة بن مسعود الثقفيؓ، وإذا إبراهيم عليه السلام قائم يصلّى، أشبه الناس به صاحبكم -يعنى نفسهﷺ- فحانت الصلوة فأمّمتهم الحديث، رواه مسلم وهو شاهد للحديث السابق.

الحديث الرابع

عن أوس بن أوسؓ قال: قال رسول الله ﷺ :"إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا عليّ من الصلوة فيه، فإنّ صلوتكم معروضة عليّ، قالوا: يا رسول الله ! وكيف تعرض صلوتنا عليك وقد أرِمتَ؟ قال: يقولون بليتَ، قال؛ إن اللّٰه حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء" رواه أحمد وأبوداود والنسائى وابن ماجه وابن أبى شيبة و الحاكم وصحّحه على شرط الشيخين، وأقرّه الذهبى والبيهقى فى البعث وكتاب حياة الأنبياء وأبو نعيم فى دلَائل النبوة، وقد صحّحه ابن خزيمة وابن حبّان والدارقطنى والنووى وحسّنه عبد الغنى، وقال ابن دحية: إنه صحيح محفوظ بنقل العدل عن العدل.

الحديث الخامس

عن عبادة بن نسيّ عن أبى الدرداءؓ قال: قال رسول الله ﷺ:" أكثروا الصلٰوة عليّ يوم الجمعة، فإنّه مشهود يشهده الملا ئكة، وأنّ أحداً لم يصلّ عليّ إلّا عُرِضت عليّ صلٰوته حتّٰى يفرغ منها، قال قلت: وبعد الموت؟ قال: إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبيّ الله حيّ يُرزق" رواه ابن ماجه بإسناد جيّد قاله المنذرى، وقال ابن كثيرفى تاريخه: هذا من أفراد ابن ماجه -رحمه الله-، وقال فى تفسيره: هذا حديث غريب من هذا الوجه، وفيه انقطاع بين عُبادة بن نُسيّ وأبى الدرداءؓ فإنه لم يدركه، وقال السبكى فى إسناده زيد بن أيمن عن عبادة بن نُسيّ مرسل إلّا أنه يتقوّٰى باعتضاده بغيره.

الحديث السادس

عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : "صلّوا عليّ فإنّ صلوتكم تبلغنى حيثما كنتم"

رواه أحمد وأبوداود، قال النووی فی شرح المهذّب والأذكار: رواه أبوداود بإسناد صحيح، وقال الحافظ ابن القيم فی إغاثة اللهفان: رواه أبوداود وإسناده حسن، رواته كلّهم ثقات مشاهير، وقال ابن عبد الهادی فی الصارم المنكی (ص۲۹۷): حديث حسن جيّد الإسناد، وله شواهد كثيرة يرتقی بها إلٰی درجة الصحة، وقال الحافظ فی الفتح (ص ۶/۳۸۲) سنده صحيح۔

الحديث السابع

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”من صلّٰی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلّٰی علیّ نائياً بُلّغته“۔

رواه البيهقی فی شعب الإيمان، والأصبهانی فی الترغيب، قال ابن كثير: فی إسناده نظر، تفرّد به محمد بن مروان السدّی الصغير وهو متروک۔

قلت: وقال الحافظ فی الفتح: أخرجه أبوالشيخ فی كتاب الثواب بسند جيّد۔

الحديث الثامن

عن عمارؓ سمعت النبیﷺ يقول: ”إن للّٰه ملَكاً أعطاه أسماع الخلائق قائم علی قبری فما من أحد يصلّی علیّ صلوٰةً إلّا بُلّغتها“۔

رواه البخاری فی التاريخ، وابن عساكر من طرق، وعيسٰی بن علی الوزير، وعثمان بن فرزاز، والرويانی فی مسنده، قال ابن عبد الهادی فی الصارم المنكی (ص ۱۸۱): هو حديث غريب، تفرّد به نعيم عن عمران بن الحميری عن عمّارؓ۔

فائده: لوگوں کے کان عطا فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے اندر ایسی قوت رکھی ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوق کے درود کو دنیا کے گوشے گوشے سے سن لیتا ہے، اور ایک روایت میں اسماء وارد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فرشتے کو لوگوں کے نام بتا رکھے ہیں لہٰذا وہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں ان کے نام سے وہ درود پیش کرتا ہے۔

الحديث التاسع

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ : "إن للّٰه ملٰئكة سيّاحين فى الأرض يبلّغون عن أمّتى السلام" رواه أحمد والنسائى والدارمى والحاكم وصحّحه، والبزّار برجال الصحيح كما قال السمهودى فى الوفاء۔

الحديث العاشر

عن الحسن البصرى قال: قال رسول الله ﷺ: "لَا تأكل الأرض جسد من كلّمه روح القدس" رواه إسمٰعيل القاضى، قال ابن كثير: مرسل حسن۔

تلک عشرۃ کاملہ

یہ دس حدیثیں ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں، ان سے صاف اور واضح طور سے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا اپنی قبورِ مطہرہ کے اندر بجسد عنصری باحیات ہونا ثابت ہوتا ہے، بعض میں تو صاف طور پر بجسد عنصری زندہ ہونے کی تصریح ہے اور بعض میں لوازمات حیات مذکور ہیں جیسے درود کا سننا جبکہ کوئی قریب سے پڑھے اور درود شریف کا پیش کیا جانا جبکہ کوئی دور سے پڑھے۔

لہٰذا وہ ساری روایات اس باب میں مؤید ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ پر عرضِ اعمال کا ذکر ہے یا حضور اقدس ﷺ پر درود کے پیش ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح قبر میں نماز پڑھنا اور لیلۃ الاسراء میں حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا یہ سب خواص حیات میں سے ہیں۔

نیز آیاتِ قرآنیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، حق تعالیٰ شہداء کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَا تقولوا لِمن يُّقتل فى سبيل اللهِ أموات، بَل أحياءٌ﴾،

ترجمہ: ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے راستے میں شہید ہوگئے یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، اب جبکہ نص قرآنی سے حیاتِ شہداء ثابت ہوتی ہے اور حضرات انبیاءؑ شہداء سے بدرجہا افضل ہیں، لہٰذا ان کو بدرجۂ اولیٰ حیات حاصل ہوگی،

پس حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں بحیاتِ جسمانی زندہ ہیں۔

علامہ اُبّی فرماتے ہیں (ص ۱۶۷ ج ۶) **ونصّ علىٰ حياتهم ابن عطية والقضاعى فى شرح موازنة الأعمال للحميدى۔**

چند شبہات اور ان کا ازالہ

پہلا شبہ یہ ہے کہ پھر حیاتِ شہداء وحیاتِ انبیاءؑ میں کیا فرق ہے جبکہ دونوں کی حیات نصوص شرعیہ سے ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حیاتِ انبیاءؑ بہ نسبت حیاتِ شہداء کے قوی ہے جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے، مثلاً دو آدمی ہیں حیات کا تعلق دونوں سے ہے مگر ایک قوی ہے دوسرا ضعیف ہے، اسی طرح آنکھیں وغیرہ ہر شخص کو ہیں مگر ایک کی نظر تیز ہے دوسرے کی کمزور ہے،

یہیں سے ایک دوسرے شبہ کا بھی ازالہ ہوگیا کہ جسطرح نصوص شرعیہ سے حیات انبیاء وشہداء ثابت ہے اسی طرح عام اموات کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ ان کا منعَم ومعذَّب ہونا اور سلام کا سننا جواب دینا وغیرہ احادیث میں وارد ہے اور یہ لوازماتِ حیات میں ہیں اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ انواعِ حیات متفاوت ہیں، ایک حیات اشقیاءِ معذَّبین کی ہے، دوسرے حیات مومنینِ منعَمین کی ہے، اور تیسری حیات شہداء کی ہے، اور چوتھی حیات حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم کی ہے، اور ظاہر ہے کہ حیاتِ شہداء اکمل واعلی ہے، اور حیات انبیاء ان سے اکمل واعلیٰ ہے، نیز حیاتِ انبیاء حیاتِ عنصری ہے، اور حیاتِ عامۂ مومنین وغیرہ برزخی ہے، (وراجع الفیض ص ٦٥ ج ٢)۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ نصِ قرآنی اس بات پر شاہد ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام زندہ نہیں ہیں، اللہ تعالی حضور اقدس ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ﴿إنّک میّت وإنّھم میّتون﴾، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ’’إنّی مقبوض‘‘، حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: فإنّ محمّداً قد مات، نیز لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا کہ حضور عالی ﷺ کا انتقال ہوا اور مدینہ منوّرہ میں بیت عائشہ میں دفن ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص سے صرف موت ثابت ہوتی ہے استمرارِ موت ثابت نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسری نصوص حیات کو مقتضی ہیں، پس لامحالہ کہا جائے گا کہ موت کے بعد پھر حیاتِ مستمرہ عطا فرمائی گئی۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ حدیثِ ابی ہریرہؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ’’ما من أحد یسلّم علیّ الّا ردّ اللہ علیّ روحی حتّی أردّ علیہ السلام‘‘ رواہ أحمد وأبو داود والبیھقی فی الشعب والدعوات وحیاۃ الأنبیاء وصحّحہ النووی فی الأذکار۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شخص جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے مگر اللہ تعالی میری روح مجھ کو لوٹاتے ہیں تا کہ میں اس کو سلام کا جواب دوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحِ مبارک جسدِ عالی میں نہیں ہوتی ہے بلکہ سلام کے وقت آجاتی ہے، اور موت تو یہی ہے کہ روح جسم میں باقی نہ رہے، تو اس حدیث سے صاف موت معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ حضور ﷺ زندہ نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مشاہدۂ جناب باری تعالی میں ہر وقت استغراق رہتا ہے، جب کوئی شخص سلام بھیجتا ہے اس وقت اس کیفیتِ استغراقیہ میں تخفیف ہو جاتی ہے تاکہ حضور اقدس ﷺ اس سلام پڑھنے والے کو جواب دیں، تو روح کے لوٹانے کا مطلب یہ ہیکہ اس کو حالتِ استغراقیہ سے لوٹایا جاتا ہے۔

علماء نے اس کے علاوہ دسیوں جوابات لکھے ہیں، بلکہ بعض علماء نے تو اس حدیث کو حیات کی دلیل قرار دیا ہے، اسلئے کہ عالم کے اندر کوئی آن (گھڑی) ایسی نہیں کہ جس میں حضور اقدس ﷺ پر کوئی نہ کوئی صلوۃ وسلام پڑھنے والا نہ ہو، پھر اب ردّ رُوح کا کیا مطلب ہے؟

فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب "الّا وقد ردّ اللہ إلیّ روحی" یعنی سلام پڑھنے والے کا سلام پڑھنے سے پہلے روح لوٹائی جا چکی ہوگی اور پھر روحِ عالی ہر وقت جسدِ اطہر میں موجود ہے، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد سے ہر وقت کوئی نہ کوئی صلوۃ وسلام پڑھتا ہی رہتا ہے،

ورنہ اگر حدیث کا ظاہر مراد ہو تو لازم آئے گا کہ حضور اقدس ﷺ دن میں ہزاروں مرتبہ مرتے جیتے ہیں اور اس میں حضور ﷺ کے اعزاز کے بجائے حضور کو ایذاء وتکلیف دینی ہے، واللہ اعلم۔

چوتھا شبہ جس کا فی الجملہ مسئلہ مذکورہ سے تعلق ہے یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سارے لوگوں کے کیسے جواب دیتے ہیں؟ حالانکہ ایک مشرق میں ہے تو دوسرا مغرب میں، ایک شمال میں ہے تو دوسرا جنوب میں،

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی استعجاب نہیں ہے، سورج وچاند آسمان میں ہیں اور ان کی کرنیں سارے عالم کو منور کئے ہوئے ہیں، اور حضور اقدس ﷺ کا حالِ سامی تو شمس وقمر سے بھی بڑھ کر ہے۔

پھر آخرت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے، وہاں تو ساری چیزیں ہی خلافِ عادت ہوں گی، واللہ اعلم۔

مسئلۂ حیاۃ النبی ﷺ پر شیخ المشائخ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک مستقل رسالہ مسمّی بہ 'آبِ حیات' ہے، جس میں حضرتؒ نے مسئلۂ مبحوث عنہا کو عقلاً ونقلاً ثابت فرمایا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ کا رسالہ تنویر الحلک فی رؤیۃ النبیّ والملک قابل مطالعہ ہے۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

سوال :

کیا حضور ﷺ پر امت کے اعمال دن میں دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں؟

جواب : ایک منقطع اثر میں اس کا ذکر آیا ہے۔

ففی المدخل (ص ۱۲۶ / ۱) لابن الحاج قال الإمام أبو عبد الله القرطبی فی تذکرته ولفظه ذکر: ابن المبارک أخبرنا رجل من الأنصار عن المنهال بن عمرو أنه سمع سعید بن المسیّب یقول: ’’لیس من یوم إلّا وتعرض علی النبیّ ﷺ أعمال أمّته غدوةً وعشیّةً فیعرفهم بسیماهم وأعمالهم فلذلک یشهد علیهم، قال الله تعالی ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا ﴾‘‘۔

قلت: هذا الأثر أخرجه ابن المبارک فی الزهد(ص ۴۲ زوائد)۔

قال القرطبی: وقد تقدّم أنّ الأعمال تعرض علی الله تبارک وتعالی یوم الخمیس ویوم الاثنین وعلی الأنبیاء والآباء والأمهات یوم الجمعة، ولا تعارض، فإنه یحتمل أن یختصّ نبینا ﷺ بالعرض کلّ یوم ویوم الجمعة مع الأنبیاء اهـ۔

ثم رأیت الحافظ ابن کثیر (ص ۴۹۹/ ۱) ذکره فی تفسیر هذه الآیة عن أبی عبدالله القرطبی وقال: إنه أثر فیه انقطاع، فإن فیه رجلاً مبهماً لم یسمّ، وهو من کلام سعید بن المسیّب لم یرفعه وقد قبله القرطبی فقال بعد إیراده: وقد تقدّم...الخ فذکر کلام القرطبی المذکور۔

فائدة : وقد ورد عرض أعمال الأحیاء علی الأحیاء ، راجع الإتحاف (ص ۳۸۵/ ۱۰) وفی شرح الصدور (ص ۱۱۰)۔ والله اعلم

کتبه محمد یونس عفی عنه

◆◆◆

حضرت سعد بن معاذ ؓ کو عذاب قبر کیوں ہوا؟

مکرمی مولانا محمد یونس صاحب سلّمکم اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ایک سوال حدیث کے متعلق ارسال ہے، اس کا جواب تحریر فرمادیں۔

سوال: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عذابِ قبر کیوں ہوا؟
بعض اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ وہ عذاب نہیں تھا بلکہ ضغطہ تھا یعنی دبوچنا تھا اور وہ ازروئے محبت تھا، جیسا کہ ماں اپنے بچے کو دبوچتی ہے اور یہ ہر مومن کو ہوگا۔

اس پر دو شبہ ہوتے ہیں، اول یہ کہ اگر ہر مومن کو ہوگا تو پھر حدیثِ پاک میں حضرت سعد بن معاذ ؓ کی وجہ تخصیص کیا ہے؟ (یعنی اور کسی کی قبر پر جاکر تکبیر وتہلیل نہیں فرمائی اور نہ عذاب کی خبر اس طرح دی)۔

نیز بعض روایات میں عذاب کی تصریح ہے، اس تصریح کے ہوتے ہوئے ”اهتزّ له عرش الرحمٰن“ کے پیش نظر عذاب کی نفی کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ مفصّل جواب سے محظوظ وشاکر فرمائیے۔

حضرت مولانا (محمد یحییٰ) صاحب

جواب:

مکرمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عذاب قبر اور ضغطۃ القبر میں فرق ہے، حضرت سعد بن معاذؓ کو ضغطۃ القبر ہوا تھا، نسائی میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں صاف وارد ہے:

هذا الذی تحرّک له العرش، وفتحت له أبواب السماء، وشهده سبعون ألفاً من الملائكة، لقد ضمّ ضمّة ثم فرّج عنه، بیہقی نے کتاب عذاب القبر میں اس کے آگے "**یعنی سعد بن معاذؓ**" کا اضافہ کیا ہے، اور یہ ضغطہ ہر شخص کے لئے عام ہے۔

عن عائشةؓ عن النبی ﷺ قال: "إنّ للقبر ضغطة، لو كان أحد منها ناجياً لنجا منها سعد بن معاذ" أخرجه أحمد وابن جرير فی تهذيب الآثار والبيهقی.

ضمّۃ القبر کے متعلق بکثرت روایات وارد ہیں جن سے عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

طبرانی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینبؓ اور سنن سعید بن منصور میں حضرت رقیہؓ حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں کے متعلق ضغطۃ القبر کا ذکر ہے، اسی طرح بچوں کے ضغطہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۴۵) میں تفصیل سے لکھا ہے، اور بعض روایات **زهر الربی** حاشیۂ نسائی میں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

چونکہ سعد بن معاذؓ سے پیشاب سے بچنے میں کوتاہی ہوگئی تھی اس لئے یہ ضغطہ ہوا تھا، جب کہ بعض روایات میں ہے جس کو ابن سعد نے بطریق ابی معشر سعید مقبری سے نقل کیا ہے کہ:

"لمّا دَفن رسول الله صلى الله عليه وسلم سعدَ بن معاذؓ قال: لو نجا أحد من ضغطة القبر لنجا سعد ولقد ضُمّ ضمّةً اختلفت عنها أضلاعه من أثر البول"

اور حکیم ترمذی اور امام بیہقی نے بطریق ابن اسحاق امیہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے **"أنّه سأل عن بعض أهل سعد ما بلغكم عن قول رسول الله ﷺ فی هذا؟ فقالوا: ذكر لنا أنّ رسول الله ﷺ سئل عن ذٰلک، فقال: كان يقصر في بعض الطهور عن البول"**

ابو القاسم سعدی کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

لَا ینجو من ضغطة القبر صالح ولَا طالح، غير أن الفرق بين المسلم والكافر فيها دوام

الضغطة للكافر، وحصول هذه الحالة للمؤمن فى أوّل نزوله إلى قبره، ثم يعود إلى الاِنفساح له فيه، قال: والمراد بضغطة القبر التقاء جانبيه على جسد الميّت۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

وسبب هذه الضغطة أنّه ما من أحد إلّا وقد ألمّ بخطيئة مَّا وإن كان صالحاً، فجعلت هذه الضغطة جزاءً له، ثم تدركه الرحمة، ولذالک ضُغط سعد بن معاذؓ فى التقصير من البول۔

چونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کبار صحابہ میں تھے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو خاص طور سے ذکر فرمایا کہ ضمّۃ القبر تو عام چیز ہے، اگر کوئی اس سے بچ سکتا ہے تو حضرت سعد بن معاذؓ اس کے مستحق تھے کہ ان کی موت پر تو عرشِ الٰہی بھی خوشی میں جھوم گیا مگر وہ بھی نہ بچ سکے، اور اگر کسی روایت میں عذاب کا ذکر ہے تو اس سے بھی ضغطۃ القبر ہی مراد ہے، متعارف عذاب جو فرشتوں کے ذریعہ اور آگ وغیرہ سے ہوگا وہ مراد نہیں۔

اور ابن ابی الدنیا نے جو محمد تیمی سے نقل کیا ہے 'كان يقال: إنّ ضمّة القبر إنّما أصلها أنها أمّهم ومنها خلقوا فغابوا عنها الغيبة الطويلة فلمّا رُدّوا إليها أولَادها ضمّتهم ضمّ الوالدة غاب عنها ولدها ثمّ قدم عليها، فمن كان لله مطيعاً ضمّته برأفة ورفق، ومن كان عاصياً ضمّته ضمّة بعنف سخطاً منها عليه لربّها' یہ اثر حکیم ترمذی کے بیان کے خلاف نہیں ہے کیونکہ زمین کا محبت سے دبانا اس کے منافی نہیں ہے کہ سابقہ کوتاہیوں کا اس دبانے میں تدارک بھی ہوجائے، واللہ اعلم۔

کتبہ محمد یونس عفی عنہ

شب سہ شنبہ ۳۰ ذی القعدہ ۱۳۹۶ھ

⁂

سوال:

کیا یہ کوئی حدیث ہے "أنا أحمد بلا ميم"

السائل ـــــــــــــ

الجواب:

یہ لفظ نہ تو کتبِ مشہورہ میں ہے اور نہ ہی کتبِ غیر مشہورہ میں، حتی کہ وہ کتابیں جو صرف احادیثِ موضوعہ کے لئے

خاص ہیں ان میں بھی اس کا وجود نہیں ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ
۲۵/۶/۸۸ھ

* * *

بول فی المسجد فی الاناء کی تحقیق

(مسجد میں بحالتِ اعتکاف کسی برتن (پیشاب دانی وغیرہ) میں پیشاب کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟
یہ سوال حضرت اقدس شیخ مدظلہ نے کیا تھا جس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔)

بخدمت حضرت اقدس شیخی وسیدی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ علی کل حال! خیریت حضرت عالی مع جملہ رفقاء بدل نیک خواستگار ہوں۔

تقریباً ایک ہفتہ ہوگیا حضرت عالی کا پرچہ مسئلہ بول فی المسجد فی الاناء کے سلسلے میں بہت تلاش کیا کہ کہیں بھی مل جائے۔

مگر یہ مسئلہ مفید جواز ملتا ہی نہیں ہے، بلکہ صاحب بحر نے الأشباہ والنظائر میں حرمت ہی لکھی ہے۔

احکام المساجد میں لکھتے ہیں "منها تحريم البول فيه ولو فی إناء" (ص۵۵۷)۔

خود حضرتِ عالی نے لامع الدراری (ص ۱۲۱/۱) میں لکھا ہے:

قال صاحب الدر المختار (ص ۶۱۴/۱) : لايجوز البول والفصد فيه ولو فی إناء ۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی (ص ۱۵۲/۳) میں لکھا ہے:

إذا أراد أن يبول فی المسجد فی طست لم يبح ذلک، لأنّ المساجد لم تبن لهذا، وهو ممّا يقبح و يفحش و يستخفىٰ به فوجب صيانة المسجد عنه، هكذا فی الشرح الكبير۔

امام نووی شرح مسلم (ص۱۳۹/۱) میں حدیث انسؓ "إن هذه المساجد لَا تصلح لشئ من هذا البول ولَا القذر، إنما هى لذكر الله والصلوٰة وقراءة القرآن" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وإن بال فى إناء فى المسجد ففيه وجهان، أصحّها أنّه حرام، والثانى مكروه۔

شرح مہذب (ص۹۲/۲) میں لکھتے ہیں:

و يحرم البول فى المسجد فى غير إناء، و أمّا فى إناء ففيه احتمالَان لِابن الصبّاغ: أحدهما الجواز، و الثانية التحريم، لأن البول مستقبح فنزّه المسجد عنه، وهذا هو الذى اختاره الشاشى وغيره، وهو الأصح المختار، وجزم به صاحب التتمّة، ونقله العبدرى عن الأكثرين۔

رہ گئی سلَا جزور والی روایت، تو یہ مشرکین کا فعل ہے۔

اور مسجد میں اخراجِ ریح کا مسئلہ ہمارے یہاں مختلف فیہ ہے، صاحبِ بحر الأشباه میں لکھتے ہیں (ص۵۶۰)

و إخراج الريح فيه من الدبر، قال الحموى: اى يكره، أقول: وفى شرح الجامع الصغير للتمرتاشى: اختلف السلف فى الذى يفسو فى المسجد، فلم ير بعضهم بأساً و بعضهم لَا يفسو بل يخرج إذا احتاج اليه وهو الأصحّ، انتهى۔

والعلّة "أنّ الملائكة تتأذّى بما تتأذّى به بنو آدم" كما ورد فى الحديث، وكذا نقله الشامى عن الأشباه والحموى، وكذا نقله فى الهندية (ص۳۵۵) عن التمرتاشى ونقله فى الأوجز (ص۱۲۷/۲) عن البحر والشامى وليراجع۔

البتہ امام نووی کے کلام سے جواز معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں (ص۱۷۸/۲):

لَا يحرم للإنسان أن يخرج الريح فى المسجد من الدبر لكن الأولى اجتنابه، لقوله ﷺ: فإن الملائكة تتأذّى مما يتأذّى منه بنو آدم، وفى حاشية شرح المهذّب عن الأزرعى: وينبغى أن يكره ذلك إذا تعاطاه، لَاسيّما إذا كان عن غير حاجة بل ينبغى أن يحرم، والحديث نصّ فى النهى، وقال الحلبى فى الكبيرى (ص۵۶۸/۱) بعد نقل كلام النووى: وقال السروجى: وهذا عندنا مكروه۔

یہ عبارات ساری کی ساری مفید ممانعت ہیں سوائے ایک وجہ کے جو شافعیہ کے نزدیک ہے۔

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب سے مراجعت کی انہوں نے فرمایا کہ گنجائش نظر نہیں آتی۔

خود فقہاء نے صبیان (بچوں) کو مساجد میں خوفِ تلویث کی وجہ سے لیجانے کو منع کیا ہے اور یہاں بھی یہ احتمال قائم ہے۔ والسلام۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کا شکار ہوتے ہیں؟

بخدمت شریف جناب حضرت استاذ نا صاحب مدّ ظلّہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال: گذارش خدمتِ اقدس یہ ہے کہ

ایک حدیث کے بارے میں معلوم کرنا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اس کی طرف سے فاقہ (بھوک) زیادہ دوڑتی ہے، أو کما قال علیه الصلوة والسلام، یہ حدیث ہے یا نہیں؟

اگر ہے تو مشکوۃ میں کہاں ہے؟ یا کون سی کتاب میں ہے؟

السائل ــــــــــــــــ

جواب: عزیزم سلّمہ

حدیثِ مذکور مشکوٰۃ (ص ۴۴۸) باب فضل الفقراء میں وارد ہے اور وہ اس طرح ہے

"عن عبد الله بن مغفلؓ قال جاء رجل إلى النبيﷺ فقال: إني أحبّک قال: أنظر ما تقول؟ فقال: والله إني لأحبّک - ثلاث مرات - قال: "إن كنت صادقاً فأعدّ للفقر تجفافاً، لَلفقر أسرع إلٰى من يحبّني من السيل إلٰى منتهاه" رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب، انتهىٰ.

قلت: ورواه أحمد والطبراني، والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

’من ترک سنّتی لم ینل شفاعتی ‘ کیا حدیث ہے؟

سوال: سئل شيخنا ۔ أدامه الله ۔ هل ورد فى الحديث ”من ترک سنّتى لم ينل شفاعتى“؟ فأمرنى بكتابة الجواب۔

الجواب:

فأجبت :بأنّى لم أر هذا اللفظ فى شئى من الكتاب، نعم ورد مايؤدى معناه۔

وهوما أخرجه البخارى (ص۷۵۷/۲) ومسلم (ص۴۴۹/۱) من حديث أنس‏ؓ فى حديث”فمن رغب عن سنّتى فليس منّى“ والمراد بالسنّة الطريقة لَا التى تقابل الفرض، والرغبة عن الشىء الاِعراض عنه، والمراد من ترک طريقتى وأخذ بطريقة غيرى فليس منّى۔

وفى قوله ”فليس منّى“ تأويلان۔

الأول: من ترک سنّتى معرضاً عنها غيرمعتقد لها على ما هى عليه فليس على ملّتى، أى فهو خارج عن الاِسلام۔

والثانى: من ترک سنّتى بالتكاسل أوبضرب من التأويل فليس على طريقتى، ولَايلزم أن يخرج عن الملّة، والله أعلم۔

ثم رأيت بعد برهة من الزمان قال الغزالى فى الاِحياء (ص۷۲/۱): قال رسول الله ﷺ: إن للّه عزّوجلّ ملَكاً ينادى كل يوم ”من خالف سنّة رسول الله ﷺ لم تنل شفاعته“ ۔

قال الحافظ العراقى مخرّج أحاديث الاِحياء: لم أجد له أصلاً انتهى، وذكره التاج السبكى فى الطبقات (ص۱۴۶/۳) فى فصل الأحاديث التى ذكرها الغزالى فى الاِحياء ولَايوجد۔

ثم رأيت فى العرف الشذى (ص۵۲۳) قال تحت حديث ”شفاعتى لِاهل الكبائرمن أمّتى“: استدلّ التفتازانى بحديث الباب على أن ترک السنّة كبيرة، لأن فى الحديث ”من ترک سنّتى لَا يرد حوضى ولم ينل شفاعتى“ والشفاعة تكون لِأهل الكبائر۔ فهذا أفاد ورود الحديث، ولكن فى طورالاِستدلَال نظر۔

ثم رأیت ابن عابدین الشامی نقل فی ردّالمحتار (ص ۱/۷۱) عن التلویح الحدیث المذکور فی السؤال بلفظه، ولکن لم یذکر من خرّجه، ولم أقف إلی الآن علی من خرّجه، والله أعلم۔

ثم وقفت علی ذالک فذکره صاحب الدر المختار فی کتاب الکراهیة، ولکن لم یذکر من خرّجه۔

کتبه العبد محمد یونس عفی عنه

* * *

السؤال:

کیا جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا اللہ کے فضل سے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

إن العبد یدخل الجنة بفضل الله سبحانه وتعالی۔ فعاد قائلا۔ فما معنی النصوص التی نیط فیها دخول الجنة بالأعمال؟

فأجبت: بأنّ تعلّق الأعمال بالجنّة کالأسباب بالمسبّبات، ولَایجب من تحقّقِ الأسباب تحقّقُ المسبّبات من دون إرادة الله وفضله، کالدواء سبب للشفاء ولکن لَایلزم من استعمال الدواء حصول الشفاء۔

ثم رأیت بعد شهر الحافظ ابن القیم فی حادی الأرواح (ص ۱/۱۴۱) قال: وههنا أمر یجب التنبیه علیه وهو: أن الجنّة إنما تُدخل برحمة الله تعالی، ولیس عمل العبد مستقلّاً بدخولها وإن کان سبباً، ولهذا أثبت الله تعالی دخولها بالأعمال فی قوله ﴿بِمَا کُنتُم تَعمَلُونَ﴾، ونفٰی رسول الله ﷺ دخولها بالأعمال بقوله ”لَن یدخل احد منکم الجنة بعمله“ ولَا تنافی بین الأمرین لوجهین:

أحدهما ماذکره سفیان وغیره قال: کانوا یقولون: النجاة من النار بعفوالله تعالی، ودخول

الـجنة برحمته، واقتسام المنازل والدرجات بالأعمال، ويدلّ علٰى هذا حديث أبى هريرةؓ الذى سيأتى ـ إن شاء الله تعالى ـ أن اهل الجنة إذا دخلوها نزلوا فيها بفضل أعمالهم، رواه الترمذى۔

والثانى: أن الباء التى نفت الدخول هى باء المعاوضة التى تكون فيها أحد العوضين مقابلا لـلآخر، والباء التى أثبتت الدخول هى باء السببية التى تقتضى سببية مادخلت عليه لغيره وإن لم يكن مستقلاً بحصوله، وقد جمع النبى ﷺ بين الأمرين بقوله "سدّدوا وقاربوا وأبشروا، واعلموا أن أحدا منكم لن ينجو بعمله، قالوا: ولَا أنت يا رسول الله؟ قال: ولَا أنا إلّا أن يتغمّدنى الله برحمته"۔

ومن عرف الله تعالى وشهد مشهد حقّه عليه وشهد تقصيره وذنوبه وأبصر هذين المشهدين بقلبه عرف ذلک وجزم به، والله سبحانه وتعالى المستعان، انتهى۔

وراجع شرح المواهب (ص ٨/٤٠٥) وشرح المواقف ۔

كتب العبد محمد يونس عفى عنه

◆ ◆ ◆

(١) "ما من دابّة فى البحر إلّا وقد ذكّاها" كی تحقیق

(٢) "لَا تتّخذوا شيئاً فيه الرّوح غرَضاً" کی تحقیق

(٣) "منَسأة فى الأثر" والی حدیث کی تحقیق

سوال: ان تین حدیثوں کی تحقیق اوران کامفہوم کیا ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

(۱) حضرت جابرؓ کی حدیث ’’ما من دابّة فی البحر إلاّ وقد ذکّاها الله لبنی آدم‘‘ رواه الدارقطنی۔

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر دریائی جانور حلال ہے، مالکیہ کے نزدیک راجح یہی ہے، حنفیہ، شافعیہ وحنابلہ نے اس میں تخصیص کی ہے۔

شافعیہ علی الوجہ الراجح ضفدع (مینڈک) کی تخصیص فرماتے ہیں اوراس کے ماسوا کو جائز بتاتے ہیں، وجہِ تخصیص حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان کی یہ حدیث ہے

’’أنّ طبيباً سأل النبی صلّی الله علیه وسلم عن ضفدع یجعلها فی دواء، فنهاه النبیﷺ عن قتلها‘‘ رواه الإمام أحمد، وأبو داود، والنسائی، والطحاوی والحاکم وغیرهم۔

ممانعت کی چندوجوہ ہوسکتی ہیں، کرامت، مضرت، نجاست،

ظاہر ہے کہ کرامت نہیں ہے، اب یا تو مضرت ہوگی یا نجاست، بہرصورت ضفدع (مینڈک) حرام ہوگا۔ کیونکہ مضرّ ونجس کا استعمال حرام ہے۔

حنابلہ ضفادع (مینڈک) کے ساتھ تمساح (مگرمچھ) اورحیہّ (سانپ) کی بھی تخصیص فرماتے ہیں، تمساح کو ذوناب ہونے کی وجہ سے اورحیہ کو خبائث میں ہونے کے سبب۔

بعض حنابلہ نے اس کے علاوہ بھی کچھ استثناء کیا ہے جیسا کہ اوجز المسالک (ص۱۸۹/ ۴) میں بالتفصیل مذکور ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ دریائی جانوروں میں مچھلی کے علاوہ اورکوئی جانور حلال نہیں ہے، لحدیث ابن عمرؓ مرفوعاً ’’أحلّت لنا میتتان ودمان، المیتتان: الحوت والجراد، والدمان: الکبد والطحال‘‘ (یعنی ہمارے لئے دو مردہ اور دو خون حلال کئے گئے، دو مردہ جانور ایک تو مچھلی ہے اور دوسرے ٹڈی اور دو خون، جگر وتلّی)

رواه الإمام الشافعی وأحمد وابن ماجه والدار قطنی والبیهقی وغیرهم ، وفی سنده

عبدالرحمن بن زيد بن أسلم وهو ضعيف، وتابعه أخوه عبدالله بن زيد بن أسلم وهو وإن ضعّفه ابن معين فقد وثّقه أحمد بن حنبل و على بن المدينى، فالحديث حسن۔

اور حدیث ”**والحلّ ميتته**“، میں میتہ کا مصداق مچھلی کو بتاتے ہیں اور اس کے علاوہ جتنے دریائی جانور ہیں وہ آیت کریمہ ﴿**ويحرّم عليهم الخبائث**﴾ کے تحت داخل ہوکر **محرّم الأكل** ہیں، شافعیہ کی یہی ایک وجہ بھی ہے۔

(۲) حديث ابن عباسؓ مرفوعاً ”لاَ تتخذوا شيئاً فيه الرُّوح غَرَضاً“ رواه مسلم۔

مطلب یہ ہے کہ کسی جاندار کو نشانہ نہ بناؤ، یعنی کسی جاندار کو باندھ کر اس پر نشانہ آزمائی نہ کرو، جیسے نشانہ درست کرنے کے لئے یا بطورِ تفریح کے بعض حضرات خاص مقامات پر غُلّہ مارتے ہیں، ایسا کسی جانور کے ساتھ نہ کرو، کیونکہ اس میں تعذیبِ حیوان کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے یہ ایک ادب سکھلایا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ایسا دستور تھا کہ جانور کو باندھ کر اس پر نشانہ آزماتے تھے، **ففى المعجم الصغير للطبرانى** (ص ۸۲) **عن سعيد بن جبير قال: ”كنت أمشى مع ابن عمرؓ فمرّ علٰى قوم قد نصبوا طائراً اتخذوه غَرَضاً، فقال ابن عمرؓ: لعن الله من فعل هذا؟ سمعت رسول الله ﷺ ينهٰى عن هذا“۔**

بخاری شریف میں یہ روایت بایں الفاظ وارد ہے، **عن سعيد بن جبير قال: كنت عند ابن عمرؓ، فمرّ بفتية أو بنفر نصبوا دجاجة يرمونها، فلمّا رأوا ابن عمرؓ تفرّقوا عنها، وقال ابن عمرؓ: من فعل هذا؟ إن النبى ﷺ لعن من فعل هذا۔**

ابن عباسؓ کی حدیث کا حلّت وحرمتِ صید سے کوئی تعلق نہیں ہے، رہی یہ بات کہ پھر صاحبِ مشکوٰۃ نے اسکو کتاب الصید میں کیوں ذکر فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر شکاری لوگ ہی ایسا کرتے ہیں، نشانہ آزمائی کرتے ہیں، اس لئے کتاب الصید میں ذکر فرمایا۔

(۳) صلہ رحمی کو حدیث میں منسأۃ فی الاثر فرمایا گیا ہے، یہ لفظ ترمذی وحاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، صحیحین میں حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث ”**من أحبّ أن يبسط له فى رزقه وينسأ له فى أثره فليصل**

رحمہ ''وارد ہے، نسأ لغت میں تاخیر کرنے کو کہتے ہیں، بولتے ہیں نسأت الشئ وأنسأته جب آپ کسی چیز کو مؤخر کردیں۔ اور اثر سے مراد اجل ہے کیونکہ موت عمر کے پیچھے آتی ہے، جیسے اثر شئ کے پیچھے آتا ہے۔

کعب بن زہیر کہتا ہے:

یسعی الفتٰی لِأمور لیس یدرکها والنّفس واحدة والهمّ منتشر
والمرء ما عاش ممدود له أمل لَاینقضی العمر حتی ینتهی الأثر

اور فی الحقیقت اثر نشانات اقدام کو کہتے ہیں، کیونکہ جو شخص مرجاتا ہے اسکی حرکت ختم ہوجاتی ہے اسکے ساتھ نشاناتِ قدم بھی معدوم ہوجاتے ہیں، نیز بعض روایات میں اثر کے بجائے اجل کا لفظ وارد ہے،

فقد روی الطبرانی عن العلاء بن خارجة أنّ رسول الله ﷺ قال: ''تعلّموا من أنسابکم ما تصلون به أرحامکم، فإنّ صلة الرحم محبّة للأهل مثراة فی المال منسأة فی الأجل''،

قال الهیثمی (ص ۱۵۲/۸): رجاله قد وثّقوا۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ صلہ رحمی تأخیر موت کا سبب ہے یعنی زیادۃ فی العمر کا باعث ہے،

اس پر اشکال یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِذَا جَاءَ أَجَلُهُم لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْساً إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾

اسکے مختلف جوابات دئے گئے ہیں،

اول جواب یہ ہے کہ تأخیر اجل سے مراد برکت فی العمر ہے یعنی حق تعالیٰ عمر میں برکت عطاء فرماتے ہیں ضائع نہیں جاتی، ہمہ اوقات عبادات وطاعات خیرات وبرّات میں گزرتے ہیں، جو کام مدتوں میں ہوتا ہے وہ تھوڑے دنوں میں انجام پاتا ہے، علامہ نووی (ص ۳۱۵/۲) نے اس جواب کو صحیح کہا ہے،

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد حقیقی زیادتی ہے مگر حدیث پاک کا محمل اور ہے اور قرآن پاک کا محمل اور ہے،

حدیث پاک کا محمل علمِ ملائکہ ہے جو اعمال پر مقرر ہے، اور قرآن پاک کا محمل علم الٰہی ہے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو لوح محفوظ وغیرہ میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مثلاً فلاں شخص کی عمر ۶۰ سال ہے اور اگر اس نے صلہ رحمی کی تو ۴۰ سال کا اور اضافہ ہوجائے گا، اور علمِ الٰہی میں یہ بات قطعی ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا اور اسکی عمر ۱۰۰ سال ہوگی یا قطع رحمی کرے گا اور اسکی عمر ۶۰ سال ہوگی، تو علم الٰہی کے اعتبار سے کوئی کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ علم ملائکہ کے اعتبار سے واقع ہوئی،

آیۃ کریمہ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ میں علم ملائکہ ہی کی طرف اشارہ ہے، انہیں کے اعتبار سے محو واثبات واقع ہوتا ہے، شیخ عبد الحق دہلویؒ نے اسی کو محقق قرار دیا ہے۔

تنبیہ۔ حنفیہ واشاعرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مقدرات میں تغیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور اشعریہ اسکے خلاف کہتے ہیں،

اشاعرہ۔ حدیث ابن مسعودؓ مرفوعاً: "إنّ أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتّى ما يكون بينه وبينها إلّا ذراع، فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها، وإنّ أحدكم ليعمل بعمل أهل النار، حتّٰى ما يكون بينه وبينها الّا ذراع، فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة فيدخلها، رواه البخاری ومسلم وأبوداود والترمذی وابن ماجه وأحمد ، اور اسکے امثال سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فیسبق علیه الکتاب" معلوم ہوا کہ جو کتاب میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

اور حنفیہ آیۃ کریمۃ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ کے امثال سے استدلال فرماتے ہیں

مگر حق یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، علم الٰہی میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے تغیر مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ حدیث ابن مسعودؓ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں (ص۴۲۷/۱۱) "فالحق أن النزاع لفظی، وأن الذی سبق فی علم الله تعالی لَايتغيّر ولَايتبدل" وأنّ الذی يجوز عليه التغيير والتبديل مايبدو للناس من عمل العامل، ولَايبعد أن يتعلق ذلک بما فی علم الحفظة والموكّلين بالآدمی فيقع فيه المحو والإثبات كالزيادة فی العمر والنقص ، وأمّا ما فی علم الله فلا محو فيه ولَا إثبات، والعلم عند الله، انتهی۔

تنبیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارا جواب ثانی میں یہ کہنا کہ کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا ہے حنفیہ کے خلاف ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے کا ذکر جمیل باقی رہتا ہے، گویا کہ اس کی موت ہی نہیں ہوئی۔ امام نووی فرماتے ہیں: حكاه القاضی وهو ضعيف أو باطل،

مگر علامہ طیبی (ص۵۹ ۳ ج۵) میں فرماتے ہیں:

كأنّ هذا الوجه أظهر، فإنّ أثر الشئ هو حصول ما يدلّ على وجوده، فمعنىٰ يؤخّر فى أثره اى يؤخّر ذكره الجميل بعد موته أو يجرى له ثواب عمله الصالح بعد موته،

قال الله تعالىٰ: ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ﴾ وعليه كلام صاحب الفائق حيث قال: ويجوز أن يكون المعنىٰ أن الله يُبقى أثر واصل الرحم فى الدنيا طويلاً فلا يضمحلّ سريعاً كما يضمحلّ أثر قاطع الرحم، ولمّا أنشد أبو تمّام أبا دلف ما رثىٰ به محمد بن حميد:

تُوفّيت الآمال بعد محمّد وأصبح فى شغل عن السفر السفر

(ترجمہ: محمد کے بعد تمام امیدیں ختم ہوگئیں اور سفر نے دوسرے اسفار سے غافل کردیا۔)

فقال له أبو دلف: لم يمت من قيل فيه، وعليه قول الخليل عليه وعلى نبينا صلوات الله وسلامه ﴿وَاجْعَلْ لِّى لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْآخِرِيْنَ﴾

اور زیادتی عمر کی تفسیر ایک حدیث میں ذرّیتِ صالحہ کے ساتھ وارد ہے،

عن أبى الدرداءؓ قال: ”ذكروا عند رسول الله ﷺ الأرحام، فقلنا: من وصل رحمه أنسئ له فى أجله، قال: إنه ليس زيادة فى عمره، قال الله تعالىٰ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ولكنه الرجل تكون له الذرّيّة الصالحة فيدعون له من بعده فيبلغه ذلک فذلک الذى ينسأ فى أجله“، رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط بإسناد ضعيف، قال الهيثمى فى مجمع الزوائد (ص ۱۵۳ ج ۱): ليس فى إسناده متروک ولكنهم ضعّفوا،

وأخرج ابن أبى حاتم كما ذكره ابن كثير (ص ۵۷۳ ج ۲) و (ص ۳۷۳ ج ۴) فى تفسير سورة النحل وسورة المنافقين عن أبى الدرداءؓ بلفظ: قال: ”ذكرنا عند رسول الله ﷺ الزيادة فى العمر فقال: إن الله لَا يؤخّر نفساً إذا جاء أجلها وإنما الزيادة فى العمر أن يرزق الله العبد ذرّيّة صالحة يدعون له فيلحقه دعاؤهم فى قبره“، قال الشوكانى فى تفسيره (ص ۱۹۴): فيه نكارة وقد جاءت الأحاديث الصحيحة فى الصحيحين و غيرهما۔

حافظ ابن حجر (ص ۳۴۹ ج ۱۰) میں فرماتے ہیں:

وجزم ابن فورک: بأن المراد بزيادة العمر نفى الآفات عن صاحب البرّ فى فهمه وعقله، وقال غيره: فى أعمّ من ذالک وفى وجود البركة فى رزقه وعمله ونحو ذلک، انتهىٰ۔

قلت: فيه نظر، فإنّ ابن فورک لم يجزم به بل حكاه عن قائلين كما حكى الأقوال الأخر عن قائلين آخرين، راجع مشكل الحديث (ص ١٠٨).

بندہ کے نزدیک اس زیادتی کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ صلہ رحمی میں اپنے خویش واقارب کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے جوان کے بقاء ونمو کا سبب ہے، اور چونکہ خلق خدا عیال اللہ ہے جیسا کہ حدیثِ بیہقی وغیرہ میں وارد ہے، اور چونکہ صلہ رحمی کرنے والا خلقِ خدا کے بقاء کا سبب بنتا ہے اس لئے حق تعالیٰ بھی اس کو بقاء عمر وذکر وفہم وعلم وعمل کے ساتھ نوازتے ہیں، واللہ اعلم۔ حرره العبد محمد يونس غفر له

بأمر شيخنا ومولَانا محمد زكريا صاحب۔ متّعنا الله ببقائه۔

يوم الثلثاء ١٩ جمادى الأولى ١٣٨٣ھ

◆◆◆

سوال:

تعلّمنا الاِيمان قبل أن نتعلّم القرآن کس جگہ ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب: ابن ماجہ (ص ۷) نے اس طریق سے نقل کیا ہے، عن حمّاد بن نجيح عن أبی عمران الجونی عن جندب بن عبد اللهؓ قال: ”كنا مع النبیﷺ ونحن فتيان حزاورة، فتعلّمنا الاِيمان قبل أن نتعلّم القرآن، ثمّ تعلّمنا القرآن فازددنا به إيماناً“ وإسناده صحيح كما قال العراقی، و زاد الطبرانی فيه ”وأنتم اليوم تعلّمون القرآن قبل الاِيمان“ وهو صحيح أيضاً۔

وله شاهد من حديث ابن عمرؓ أخرجه الحاكم وصححه على شرط الشيخين والبيهقی ”لقد عشنا برهة من الدهر وإنّ أحدنا يؤتى الاِيمان قبل القرآن“، كذا فی تخريج الاِحياء (ص ١/٦٨) و راجع الاِتحاف (ص ۴۲۴)۔

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

◆◆◆

۱۹ احادیث کی تحقیق

بھوپال کے ایک مشہور شاعر نے احادیث کے ایک اہم ذخیرہ کو منظوم کیا تھا، بعد میں انہوں نے ان احادیث کا مقام روایت ودرایت کے اعتبار سے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

اکثر روایات مل گئیں، چند روایات نہیں مل سکیں۔

ان سوالات کو نقل کیا جارہا ہے اور ہر سوال کیساتھ اسکا جواب بھی ہے۔

ان میں سے بہت سی روایات ہمارے پاس موجودہ کتابوں میں نہیں مل سکیں، اور جو ملی ہیں ان کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

سوال (۱): قال أبوذرؓ: ”أوصانی خلیلی ﷺ بأربع کلمات هنّ أحبّ إلیّ من الدنیا و مافیها، قال: یا أبا ذر! أحکم السفینة فإنّ البحر عمیق، واستکثر الزاد فإن السفر طویل، وخفّف ظهرک فإن العقبة کئود، وأخلص العمل فإن الناقد بصیر“۔

جواب (۱): یہ روایت اب تک باوجود تلاش بسیار کے نہیں ملی۔

……

سوال (۲): ”یا أیها الناس! أصلحوا بینکم وبین الله یصلح لکم وبین الناس“۔

جواب (۲): یہ روایت تو اس لفظ سے اب تک نہیں ملی، ہاں اس کے قریب قریب ایک دوسری روایت منتخب کنز العمّال میں نقل کی گئی ہے ولفظه: ”من أصلح فیما بینه و بین الله أصلح الله فیما بینه و بین الناس، و من أصلح جوّانیّه أصلح الله برّانیّه، و من أراد وجه الله أناله الله وجهه ووجوه الناس، ومن أراد وجوه الخلق منعه الله وجهه ووجوه الخلق“۔ الدیلمی عن قدامة بن عبدالله بن عمّار رجل له صحبة۔ (منتخب ص ۱/۱۳۶)۔

ایک روایت مستدرک (ص ۴/۴۵۶) میں حضرت انسؓ کی حدیث میں ”اتقوا الله وأصلحوا ذات بینکم

فإن الله يصلح بين المسلمين“ وارد ہے۔

سوال (۳): ”أربع خصال من كنّ فيه كمل إيمانه، ولو كان له من قرنه إلى قدمه خطايا، الصدق والشكر والحياء وحسن الخُلق“.

جواب (۳): یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی ہے۔

……

سوال (۴): ”إدخال السرور فى قلب مؤمن خير من عبادة ستّين سنة“.

جواب (۴): یہ حدیث بایں لفظ تو اب تک نہیں ملی، ہاں ”إدخال السرور فى قلب المسلم“ کی روایتیں کتب حدیث میں وارد ہیں، امام زکی الدین المنذری نے الترغیب میں (ص ۱۴۶/ ۲) اور علی متقی نے منتخب الکنز (ص ۵۳۰/ ۲) اور عراقی نے تخریج احیاء میں اور نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد (ص ۱۹۳) میں ”إدخال السرور على المسلم“ کی فضیلت کی متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں، لیکن کسی حدیث میں اس حدیثِ مسئول کا مضمون نہیں ملا، غالبًا یہ مضمون ایک حدیث سے مأخوذ ہے جسے المنذری نے الترغيب فى إطعام الطعام میں (ص ۶۵/ ۲) بحوالۂ ابن حبان ابوذرؓ سے روایت کیا:

قال رسول الله ﷺ: ”تعبّد عابد من بنى إسرائيل فعبد الله فى صومعته ستّين عاماً، وأمطرت الأرض فاخضرّت، فأشرف الراهب من صومعته فقال: لو نزلت فذكرت اللّٰه فازددت خيراً، فنزل و معه رغيف أو رغيفان، فبينما هو فى الأرض لقيته امرأة، فلم يزل يكلّمها و تكلّمه حتى غشيها، ثمّ أغمى عليه فنزل الغدير يستحمّ، فجاء سائل، فأومأ إليه أن يأخذ الرغيفين، ثم مات فوزنت عبادة ستّين سنة بتلك الزنية، فرجحت الزنية بحسناته، ثمّ وضع الرغيف أو الرغيفان مع حسناته فرجحت حسناته فغُفر له“ رواه ابن حبان فى صحيحه۔

……

سوال (۵): قال: ”أنا قائد المرسلين ولَا فخر، وأنا خاتم النبيين ولَا فخر، وأنا أوّل شافع ومشفّع ولَا فخر“.

جواب (۵): یہ حدیث دارمی (ص ۱۶) اور امام بخاری نے اپنی تاریخ (ص ۲۸۷/ ۲) میں روایت کی ہے۔

……

سوال (٦): ”إن الله تعالیٰ ينظر إلى وجه الشيخ صباحاً ومساءً ويقول: عبدى! قد كبر سنّک ورقّ جلدک ورقّ عظمک واقترب أجلک وحان قدومک إلیّ، فاستحي من شيبتک أن أعذّبک فی النار“.

جواب (٦): یہ حدیث بھی اب تک نہیں مل سکی۔

……

سوال (۷): ”الذنب لَاينسٰى، والبرّلَا يبلٰى، والديّان لَا يموت، فكن كما شئت“.

جواب (۷): هذا الحديث أخرجه أبو نعيم والديلمى من طريق مكرم بن عبدالرحمن الجوز جانى عن محمد بن عبدالملک الأنصارى عن نافع عن ابن عمرؓ رفعه قال: ”البرّلَايبلٰى، والذنب لَاينسٰى، والديّان لَايموت، فكن كما شئت، فكما تدين تدان۔

و من هذا الوجه أورده ابن عدى فی الكامل وضعف محمداً وأخرجه البيهقى فی الأسماء والصفات (ص٦٠) وفی الزهد من جهة عبدالرزاق عن معمر عن أيوب عن أبی قلابة مرسلاً وقال: والإثم لَاينسٰى، ووصله أحمد فرواه فی الزهد (ص۱۴۲) له من هذا الوجه بإثبات أبی الدرداء وجعله من قوله، وهو منقطع على وقفه وقال: ”والديّان لَا ينام“ كذا فی المقاصد (ص۳۲۵) بزيادة۔

……

سوال (۸): قال: ”الفاجر الراجی برحمة الله تعالیٰ أقرب إلى الله تعالیٰ من العابد المقنط“۔

جواب (۸): هذا الحديث أخرجه الحكيم الترمذى والشيرازى فی الألقاب عن ابن مسعود بلفظ: الفاجر الراجی لرحمة الله تعالیٰ أقرب منها من العابد المقنط، كذا فی منتخب الكنز (ص۱۷۱/۱)۔

……

سوال (۹): ”صل من قطعک، وعزّ من قنع“۔

جواب (۹): یہ حدیث اب تک اس لفظ سے نہیں ملی، مسند احمد میں (ص ۴/۱۵۸) حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مرفوعاً اس طرح منقول ہے: ’’صل من قطعک، وأعط من حرمک، واعف عمّن ظلمک‘‘۔

……

سوال (۱۰): ’’أکرموا أولَادکم، فمن أکرم أولَادھم أکرمه الله فی الجنّة‘‘۔

جواب (۱۰): یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی، ابن ماجہ اور حافظ خطیب بغدادی (ص۸/۲۸۸) نے حارث بن نعمان لیثی کے طریق سے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے قال: قال رسول الله ﷺ: ’’أکرموا أولَادکم، وأحسنوا أدبھم‘‘۔

……

سوال (۱۱): ’’الصدق یُنجی، والکذب یُھلک‘‘۔

جواب (۱۱): یہ لفظ بھی تلاش کے باوجود اب تک نہیں ملا، مولانا الشاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے خطبۂ جمعہ میں یہ لفظ ذکر کیا ہے، حضرت کعبؓ کا غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا اور پھر سچ سچ خدمت نبویہ میں عرض کر دینا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں بحوالہ خطیب بغدادی ایک روایت نقل کی ہے: ’’علیکم بالصدق، فإنه باب من أبواب الجنّة، وإیاکم والکذب فإنه باب من أبواب النار‘‘، لیکن اس کی سند میں ایک راوی کذّاب ہے۔

اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معٰویہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ’’علیکم بالصدق، فإنه یھدی إلی البرّ وھما فی الجنّة، وإیاکم والکذب، فإنّه یھدی إلی الفجور وھما فی النار‘‘، قال المنذری سندہ حسن۔

……

سوال (۱۲): ’’سؤر المؤمن شفاء‘‘۔

جواب (۱۲): یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن علامہ سخاوی وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا مضمون صحیح ہے، ففی الصحیحین ’’أنه ﷺ کان إذا اشتکی الإنسان الشیٔ أو کانت به قرحة أو

جرح قال بإصبعه هكذا، -يعنى وضع سبابته الأرض ثمّ رفعها- وقال: بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا ليشفٰى سقيمنا بإذن ربنا"۔

……

سوال (۱۳): "الخُلق السيّئة يُفسد العمل كما يُفسد الخلّ العسل"۔

جواب (۱۳): هذا الحديث أخرجه الطبرانى فى الكبير والأوسط والبيهقى فى الشعب عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "الخُلق الحسن يذيب الخطايا كما يذيب الماء الجليد، والخُلق السوء يفسد العمل كما يفسد الخلّ العسل"۔

وفى إسناده عيسٰى بن ميمون المدنى، قال الهيثمى (ص ۸/۲۴): وهوضعيف، وأشار المنذرى فى الترغيب(ص ۲/۱۵۱) إلى كونه واهياً لأجل عيسٰى، قال البخارى: إنه منكر الحديث، وقال العراقى فى تخريج الاحياء (ص ۳/۴۴): أخرجه ابن حبان فى الضعفاء من حديث أبى هريرةؓ والبيهقى فى الشعب من حديث ابن عباسؓ وأبى هريرةؓ أيضا، وضعّفهما ابن جرير انتهى۔

……

سوال (۱۴): "أنا حبيب الله ولَا فخر، وأنا حامل لواء الحمد يوم القيٰمة و لَا فخر، وأنا أكرم الأوّلين والآخرين على الله ولَا فخر، و أنا أوّل شافع و أوّل مشفّع يوم القيٰمة ولَا فخر، وأنا أوّل من يحرّك حلق الجنّة يفتح الله لى فيه فيدخلنيها ومعى فقراء المؤمنين ولَا فخر"۔

جواب (۱۴): هذا الحديث أخرجه الترمذى (ص ۲/۲۰۲) والدارمى (ص ۱۶) وابن مردويه من طريق زمعة بن صالح عن سلمة بن وهرام عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال: "جلس ناس من أصحاب النبّى ﷺ ينتظرونه، فخرج حتّى إذا دنا منهم سمعهم يتذاكرون فتسمّع حديثهم، فإذا بعضهم يقول: عجباً إن الله اتّخذ من خلقه خليلاً فإبراهيم خليله، وقال آخر: ماذا بأعجب مِن ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيْماً﴾؟ وقال آخر: فعيسٰى كلمة الله وروحه، وقال آخر: وآدم اصطفاه الله، فخرج عليهم، فسلّم وقال: قد سمعت كلامكم وعجبكم، إن ابراهيم خليل الله وهو كذلک، و موسى نجيّه وهوكذلک، وعيسٰى روحه وكلمته وهو كذلک،

وآدم اصطفاه الله تعالیٰ وهو كذلك، الا ! وأنا حبيب الله ولَا فخر، وأنا حامل لواء الحمد يوم القيامة تحته آدم فمن دونه ولَا فخر، وأنا أوّل شافع و أوّل مشفّع يوم القيامة ولَا فخر، وأنا أوّل من يحرّك بحلق الجنة ولَا فخر، فيفتح الله فيدخلنيها ومعی فقراء المؤمنين ولَا فخر، وأنا أكرم الأوّلين والآخرين على الله ولَا فخر''۔

قال الترمذی: هذا حديث غريب، وقال ابن كثير (ص۱۷۰/۱): غريب من هذا الوجه، وله شواهد من وجوه أُخر انتهی۔

……

سوال (۱۵): ''السعيد من وعظ بغيره''۔

جواب (۱۵): هذا الحديث أخرجه مسلم (ص۳۳۳/۲) من حديث عمرو بن الحارث عن أبی الزبير المكی عن عامر بن واثلة عن ابن مسعودؓ قال: ''الشقیّ من شقی فی بطن أمّه والسعيد من وُعظ بغيره'' وأخرجه العسكری فی الأمثال والقضاعی والبيهقی فی المدخل مرفوعاً كما فی المقاصد، وأخرجه أحمد فی الزهد (ص۱۴۱) موقوفاً على أبی الدرداءؓ وأخرجه الحاكم والبيهقی فی الدلَائل وابن عساكر من حديث عقبة بن عامر مرفوعاً فی حديث طويل ذكره ابن القيّم فی الهدی (ص۷/۲) والسيوطی فی الجامع الصغير۔

وأخرج البزار والطبرانی فی الصغير عن أبی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال: ''الشقیّ من شقی فی بطن أمّه، والسعيد من سعد فی بطنها'' قال الهيثمی (ص۱۹۳): رجال البزّار رجال الصحيح، وقال السخاوی سنده صحيح۔

……

سوال (۱۶): ''من تزوّج لله توّجه الله تاج الملك''۔

جواب (۱۶): هذا الحديث أخرجه أبوداود (ص۲۳۶/۵ بذل) من طريق سويد بن وهب عن رجل من أبناء أصحاب النبیّ ﷺ عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: ''من زوّج لله'' الحديث۔

……

سوال (۱۷): ”سیّد القوم خادمهم“.

جواب (۱۷): هذا الحدیث أخرجه أبوعبد الرحمن السلمی فی آداب الصحبة عن عقبة بن عامرؓ مرفوعاً، وفی سنده ضعف وانقطاع، کذا فی المقاصد (ص۲۴۶)، وأخرجه الخطیب عن أبی قتادة وإسناده ضعیف.

……

سوال (۱۸): ”لَافقر أشدّ من الجهل، ولَا مال أعود من العقل، ولَا وحشة أشدّ من العجب“.

جواب (۱۸): هذا الحدیث أخرجه الطبرانی وابن حبّان فی الضعفاء (ص۳۰۰/۲) من طریق الحارث الأعور عن علیؓ مرفوعاً فی حدیث طویل ولفظه: ”ولَا وحشة أوحش من العجب“، قال الهیثمی (ص۳۸۳/۱۰): فیه أبورجاء الحبطی واسمه محمد بن عبدالله کذّاب، وفی ترجمته ذکره ابن حبان فی الضعفاء والذهبی فی المیزان ولفظهما: ”ولَا وحدة أوحش من العجب“.

……

سوال (۱۹): ”من عرف نفسه فقد عرف ربّه“.

جواب (۱۹): هذا الحدیث ذکره الشیخ الأکبر فی الفتوحات (ص۵۰۳/۳) وجعله حدیثاً، ولکن قالت ائمة الحدیث: لَاأصل له، قال أبوالمظفر بن السمعانی: إنه لَا یعرف مرفوعاً إنما یحکی عن یحییٰ بن معاذ الرازی یعنی من قوله، وقال النووی: لیس بثابت، وقال ابن تیمیة: لیس هذا من کلام النبیﷺ، ولَا هو فی شئ من کتب الحدیث، ولَایعرف له إسناد، وقال الصغانی: موضوع، وقال السیوطی فی التدریب: باطل لَااصل له.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شب دوشنبہ ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

* * *

فصل کے بیاض میں کیا لفظ ہے؟

سوال: كتاب الشفاء (ص ۲۲۲) فصل.........التى يستحبّ فيها الصلوة و السلام على النبيّ ﷺ، فصل کے بعد بیاض ہے، میرے نسخہ میں اسی طرح ہے۔

یہاں کیا لفظ ہے؟ نیز اسی صفحہ کے اخیر میں ’’ثمّ يصلّى على النبى ﷺ ثمّ يسأل حاجته فإنه ....ينجح‘‘ اس بیاض (خالی جگہ) میں کیا لفظ ہے؟

محمد ابراہیم غازیپوری

جواب:

فصل کے بعد في المواطن ہے، اسی طرح ملا علی قاری، علامہ خفاجی (ص ۴۵٦/ ۳) کے نسخہ میں ہے، اور دوسرے مقام میں بیاض کی جگہ أجدر ہے، ملا علی قاری کے نسخہ میں عبارت حسب ذیل ہے:

’’ ثمّ يصلّى على النبيّ صلى الله عليه وسلم ثمّ يسأل فإنه أجدر أن ينجح‘‘، لیکن شہاب خفاجی کے نسخہ میں ’’ثم يسأل‘‘، نہیں ہے، قاضی عیاض نے ابن مسعودؓ کی روایت ذکر کی ہے اور اس میں یہ لفظ ہے۔

نور الدین الہیثمی نے مجمع الزوائد (ص ۱۵۵/ ۱۰) میں یہ روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: ’’إذا أراد أحدكم أن يسأل فليبدأ بالمدحة و الثناء على الله عزّوجلّ بما هو أهله، ثمّ ليصلّ علٰى النبيّ ﷺ ثمّ ليسأل بعد، فإنّه أجدر أن ينجح‘‘، رواه الطبرانى ورجاله رجال الصحيح إلّا أن أبا عبيدة لم يسمع من أبيه، لیکن ایک دوسری جگہ (ص ۱۷۰/ ۱۰) فرماتے ہیں وهو حديث جيد۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

حدیث قدسی کی تعریف

مکرمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث قدسی وہ احادیث ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں، کبھی تو خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتادی جاتی تھیں، اور کبھی بذریعۂ الہام معلوم ہوتا تھا، اور کبھی جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے علم ہوتا تھا، انہیں حدیثِ الٰہی اور حدیث ربّانی بھی کہتے ہیں،

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ سے نقل کی تصریح ہوتی ہے اور بقیہ احادیث میں اللہ تعالیٰ سے نقل کی تصریح نہیں ہوتی ہے، گو وہ بھی بمقتضائے ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحىٰ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

قرآن پاک اور حدیث قدسی میں فرق یہ ہے کہ قرآن تو لفظاً ومعنیً دونوں طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہے، بخلاف حدیث قدسی کے کہ اس میں الفاظ حضور پاک ﷺ کے ہوتے ہیں،

اسی لئے نماز قرآن کی تلاوت پر موقوف ہے، اگر کوئی حدیث قدسی پڑھے تو نماز نہیں ہوگی،

قرآن کو بلا وضو ہاتھ لگانا ائمۂ اربعہ کے یہاں جائز نہیں ہے، حدیث قدسی کو چُھو سکتے ہیں،

اس کے علاوہ اور بھی وجوہ فرق علماء نے بیان فرمائے ہیں،

احادیث قدسیہ کے سلسلے میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے ابوالحسن مقدسی کی أربعین إلٰهيه، شیخ ابن العربی کی کتاب مشكٰوة الأنوار جس میں ایک سو ایک حدیثیں ہیں، اور شیخ محمد المدنی کی الاِتحافات السنية فی الأحاديث القدسية، جس میں ۸۵۸ حدیثیں ہیں، حیدرآباد سے طبع ہوچکی ہے، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب برہانپوری کی کتاب احادیث قدسیہ مشتمل بر ۱۲۶۸ احادیث مع ترجمہ ۱۳۱۵ھ میں مطبع مجتبائی سے شائع ہوئی تھی، اب معلوم نہیں دستیاب ہوتی ہے یا نہیں؟ اہل مطالعہ سے معلوم کرلیں، جس طرح دوسری حدیثیں بالأسانید مروی ہوتی ہیں اسی طرح احادیث قدسیہ بھی۔ فقط والسلام۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

بامر شیخنا ومولانا محمد زکریا صاحب مدّ ظلّہ

* * *

ابوداؤد شریف میں ثلاثی حدیث ہے یا نہیں؟

بخدمتِ اقدس حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدّ اللہ فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیم، ایک بات دریافت کرنا ہے، تکلیف معاف فرمائیں،

سوال: کیا ابوداؤد شریف کی سنن میں کوئی حدیث ثلاثی بھی ہے، جبکہ محدثین کے نزدیک سندِ عالی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

براہ کرم یہ بتلا کر مشکور فرمائیں کہ یہ حدیث ابوداؤد شریف کے کونسے نسخے میں ہے؟ مع عبارت جواب تحریر فرمادیں۔

احقر محمد سورتی
متعلّم دارالعلوم دیوبند

جواب: عزیزم سلمہ

بندہ کی طبیعت بہت خراب ہے اس لئے مفصل جواب سے معذوری ہے،

مختصر یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں صرف ایک حدیث رباعی فی حکم الثلاثی واقع ہوئی ہے۔

الحدیث الرباعی فی حکم الثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس کے سلسلۂ سند میں دو تابعی یا دو صحابی واقع ہوجائیں جن کو نفس تابعیت یا صحبت میں اشتراک کی وجہ سے ایک شمار کرلیا جائے،

وہ حدیث **کتاب السنّة** کے **باب فی الحوض** کی آخری حدیث ہے **قال أبوداود: حدثنا مسلم بن إبراهيم قال حدثنا عبد السلام بن أبی حازم أبو طالوت قال شهدت أبا برزة دخل على عبيد الله بن زياد فحدثنی فلان سمّاه مسلم وكان فی السماط، قال فلما رآه عبيد الله قال: ”إن محمديكم هذا الدحداح، ففهمها الشيخ، فقال: ما كنت أحسب أن أبقى فی أمّة يعيّرونی بصحبة محمدﷺ، فقال له عبيد الله: إن صحبة محمدﷺ لک زين غير شين، ثم قال: إنما بعثت إليک لأسألک عن الحوض، سمعت رسول اللهﷺ يذكر فيه شيئاً؟ قال أبوبرزة: نعم، لَا مرّةً ولَا مرّتين ولَا ثلاثاً ولَا أربعاً ولَا خمساً، فمن كذب به فلا سقاه الله منه، ثم خرج مغضباً“۔**

یہ حدیث بظاہر ثلاثی معلوم ہوتی ہے لیکن واقع یہ ہے کہ رباعی فی حکم الثلاثی ہے، اس لئے کہ ابوطالوت نے براہ راست یہ حدیث ابوبرزہ سے نہیں سنی بلکہ فرماتے ہیں: حدثنی فلان، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوطالوت ابوبرزہ کے ساتھ سماط میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس نہیں گئے بلکہ کسی وجہ سے باہر ہی رہے جیسا کہ ”فحدثنی فلان“ کا تقاضہ ہے، مسند احمد میں اس رجل مبہم کی تعیین ”حدثنا العباس الجریری“ کے ساتھ واقع ہوئی، واللہ اعلم۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

۱۷ صفر ۱۳۹۰ھ

◆ ◆ ◆

فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد کا جواب

(حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے فضائل ذکر کی ایک حدیث پر کچھ نقد سا کیا، اس سلسلہ میں لکھا گیا)

باسمہ سبحانہ

حدیث عبداللہ بن أبی أوفیٰؓ قال؛ قال رسول اللہﷺ: ”من قال لا إله إلّا الله وحده لا شريك له أحداً صمداً لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد، كتب الله له ألفي ألف حسنة“۔

رواه الطبرانی وفيه فائد أبو الورقاء وهو متروك، كذا فی مجمع الزوائد (ص ۸۵ ج۱۰) وقال المنذری فی الترغيب (ص ۲۷۸ ج۱): روی عن عبد الله بن أبی أوفیؓ فذكر الحديث وقال: رواه الطبرانی۔

حافظ منذری نے اس حدیث کو عام احادیث کے خلاف رُوی سے شروع فرمایا اور اس کے بعد اس کی سند پر کوئی حکم نہیں لگایا، اس طریق کار کیلئے امام منذری نے مقدمۂ ترغیب وترہیب میں ایک ضابطہ لکھا ہے فرماتے ہیں (ص ۳):

وإذا كان فی الإسناد من قيل فيه كذّاب أو وضّاع أو متّهم أو مجمع على تركه أو ضعفه أو ذاهب الحديث أو هالك أو ساقط أو ليس بشئی أو ضعيف جداً أو ضعيف فقط أو لم أرَ فيه توثيقاً بحيث لا يتطرّق إليه احتمال التحسين صدرتُه بلفظة ”رُوی“ ولا أذكر ذلك الراوی ولا ما قيل فيه البتة، فيكون للاسناد الضعيف دلالتان، تصديره برُوی وإهمال الكلام عليه فی آخره، انتهی۔

ان کے اس ضابطہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث بھی ایسی ہے جو اس ضابطہ میں داخل ہے،

اس حدیث کے ضعیف ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے، اس لئے کہ فائد بن عبدالرحمٰن الکوفی ابوالورقاء کا ضعف

کلمۂ اجماع ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یہ حدیث فائد حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت کرتا ہے،

حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اپنے والد حافظ ابوحاتم سے نقل فرماتے ہیں: **وأحادیثه عن ابن أبی أوفیٰ بواطیل لَا تکاد تری لها أصلاً، کأنه لَا یشبه حدیث ابن أبی أوفیٰؓ، ولو أن رجلاً حلف أن عامّة حدیثه کذب لم یحنث، انتهیٰ۔**

حافظ ابوحاتم کا یہ مقولہ حافظ جمال الدین المزی نے **تهذیب الکمال** میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے **تهذیب التهذیب** میں نقل فرمایا ہے لیکن حافظ شمس الدین الذہبی نے **میزان الاِعتدال** میں اور حافظ ابن حجر نے **تهذیب التهذیب** میں حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں **ومع ضعفه یکتب حدیثه۔**

اس عبارت سے کچھ معاملہ اَہون ہوجاتا ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ حافظ زکی الدین منذری کا مرتبۂ نقد فی الحدیث معلوم ہے اور انہوں نے اس حدیث کو **کتاب الترغیب** میں ذکر کیا ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ قابل عمل ہے، حافظ منذری مقدمۂ ترغیب وترہیب میں رقمطراز ہیں: **وأضربت عن ذکر ما قیل فیه من الأحادیث المتحققة الوضع،** اس سے پہلے لکھتے ہیں **من تقدّم من العلماء أساغوا العمل فی أنواع من الترغیب والترهیب۔**

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام منذری کے نزدیک مقطوع الوضع نہیں ہے اور اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اور جب ضعیف ہی ٹھہری تو عمل میں تو گنجائش ہے ہی۔

امام نووی **کتاب التبیان فی آداب حملة القرآن** (ص۸) میں فرماتے ہیں: **اعلم أن العلماء من أهل الحدیث وغیرهم جوّزوا العمل بالضعیف فی فضائل الأعمال،** اھ۔ اور شرح مہذب (ص ۱۲۴ ج ۳) میں لکھتے ہیں **لکن الضعیف یعمل فی فضائل الأعمال باتفاق العلماء،** اھ۔ **وحکی نحو ذلک عن عبد الرحمٰن بن مهدی وأحمد بن حنبل وابن معین وابن المبارک والسفیانین کما بسط العراقی فی شرح الألفیة (ص ۱۲۰)، ومنع ابن العربی العمل بالضعیف ۔**

ممکن ہے کہ معترض کو یہ شبہ ہو کہ عمل قلیل پر ثواب کثیر کا وعدہ علاماتِ وضع میں سے ہے، حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں (ص ۱۱۴) **قال ابن الجوزی: وکلّ حدیث رأیته یخالف العقول أو یناقض الأصول فاعلم أنه موضوع، فلا یتکلف اعتباره أی لَا تعتبر رواته ولَا تنظر فی جرحهم، أو یکون مما**

يدفعه الحسّ والمشاهدة أو مباينًا لنصّ الكتاب أو السنة المتواترة أو الإجماع القطعي حيث لَا يقبل شيء من ذلك التأويل أو يتضمّن الإفراط بالوعيد الشديد على الأمر اليسير أو بالوعد العظيم على الفعل اليسير، وهذا الأخير كثير موجود فی حديث القُصّاص والطرقيّة، انتهى۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں پر ہے جہاں اس کے شواہد موجود نہ ہوں۔ ومن شواهده حديث تميم الداری رضی اللہ عنہ عن رسول اللهﷺ أنّه قال: ”من قال: أشهد أن لَا إلٰهَ إلّا الله وحده لَا شريک له إلٰهاً واحدًا أحدًا صمدًا لم يتّخذ صاحبةً ولَا ولدًا ولم يكن له كفوًا أحد عشر مرّات، كتب الله له أربعين ألف ألف حسنةٍ“ رواه الترمذی (ص ١٨٥/٢) من طريق الخليل بن مرّة عن أزهر بن عبد الله عن تميم رضی اللہ عنہ، وقال هذا حديث غريب لَا نعرفه إلّا من هذا الوجه، والخليل بن مرّة ليس بالقوی عند أصحاب الحديث، وقال محمد بن إسماعيل هو منكر الحديث، انتهى۔

نیز حدیث متفق علیہ ”كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فی الميزان، حبيبتان إلى الرحمٰن، سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم“۔ حدیث بالا کیلئے شاہدِ عظیم ہے، کیونکہ اس حدیث میں صرف ”سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم“ کو ثقل فی الميزان کا سبب قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ثقل فی الميزان حسناتِ کثیرہ کو مقتضی ہے، نیز حسنات میں بھی تو فرق ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ اعداد زیادہ ہوں قیمت کم ہو۔

جیسے کسی کے پاس دس لاکھ کی ایک بلڈنگ ہو اور دوسرے کے پاس ایک لاکھ کے دس مکانات ہوں، تو اول قیمتاً زائد عدداً کم اور ثانی اس کا عکس ہے۔

مقصود حدیث پاک میں ترغیب دینا ہے، باقی یہ شبہ کہ یہ بات تو ہم ہر جگہ کہہ سکتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مؤید اور شاہد کے بغیر یہ دعوی بلا دلیل اور نا قابلِ اعتبار ہوگا۔

تنبیہ: بندہ کے نزدیک یہ حدیث از قبیلِ حدیثِ مطروح معلوم ہوتی ہے، حدیثِ مطروح ضعیف سے کم درجہ اور موضوع سے اعلیٰ ہوتی ہے، حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں (ص ١١٥) تتمة: يقع فی كلامهم المطروح وهو غير الموضوع جزماً، وقد أثبته الذهبی نوعاً مستقلّاً وعرّفه بأنّه ما نزل عن الضعيف وارتفع عن الحديث الموضوع، ومثّل له لحديثِ عمرو بن شَمّر عن جابر الجعفی عن الحسن عن علیّ رضی اللہ عنہ، وبجويبر عن الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال شيخنا: وهو المتروک فی

التحقیق یعنی الذی زادہ فی نخبتہ وتوضیحها، وعرّفه بالمتّهم راویه بالکذب، انتهی۔

تعریف مذکور بعینہ اس حدیث پر صادق آتی ہے اسلئے کہ فائد اور جو یبر اور عمرو بن شمر سب متروکین میں سے ہیں، واللہ اعلم۔ حررہ العبد محمد یونس عفی عنہ

اسکے بعد حضرت شیخ مدظلہ نے خود جواب لکھوایا جو بعینہ درج ذیل ہے۔

مکرم محترم مدفیوضکم، بعد سلام مسنون

اسی وقت گرامی نامہ پہونچا اس نا کارہ کو ماہ مبارک میں ڈاک کا وقت نہیں ملتا اور اس وقت اعتکاف کی حالت میں کتابوں کی مراجعت بھی مشکل ہے،

جناب نے بہت اچھا کیا کہ تنبیہ فرمادی کہ علامہ ابن جوزی کے مسلک کے حضرات کی بھی ضرورت ہے تا کہ اعتدال قائم رہے، لیکن اس پر تعجب ہوا کہ اس واعظ کو تو آپنے اتنی بات پر معاف فرمادیا کہ اس نے اس نا کارہ کی کتاب کا حوالہ آپ کو دکھلادیا ، لیکن اس نا کارہ کو آپنے اس پر معاف نہ فرمایا کہ میں نے تو بہت اونچے شخص کا حوالہ یعنی ترغیب کا لکھ دیا تھا۔

ترغیب معتمد کتابوں میں ہے، فضائل میں اکابر کے یہاں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اسلاف سے فضائل کے بارے میں ضعیف روایتوں پر عمل متعارف ہے، نیز فائد کے متعلق باوجود اس کے متروک ہونے کے ابن عدی کی رائے یہ ہے کہ **ومع ضعفه يكتب حديثه** ، ابن عدی خود بھی متشددین میں سے ہیں، اس کے علاوہ خود اس روایت کے متعدد شواہد اس جگہ پر موجود ہیں،

اور جو ثواب اس حدیث میں لکھا ہے وہ بھی کچھ اتنا نہیں جبکہ ”**سبحان الله والحمد لله تملآن ما بين السماء والأرض**“ وارد ہے، تو یہ مقدار تو اس سے بہت درجہ کم ہے، اگر غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، مگر ابتک ذہن میں یہ ہے کہ ان الفاظ کے فضائل اس کثرت سے ہیں کہ شواہد سے تائید بہت زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ فقط والسلام۔

قدوتی وشیخی حضرت مولانا (محمد زکریا) صاحب شیخ الحدیث مدّظلّہم العالی
۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

* * *

خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم

سوال:

آج کل خطیب خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھتے ہیں اس کا کسی صحیح روایت سے ثبوت ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

أخرج أحمد (ص۲۱۲ ج۴) وأبويعلیٰ وأبوداود (ص۱۸۲ ج۲) والبيهقی (ص ۲۰۶ ج۳) من طريق شهاب بن خراش حدثنا شعيب بن رزيق الطائفی قال: جلست إلی رجل له صحبة من رسول الله ﷺ يقال له الحكم بن حزن الكلفی، فأنشأ يحدثنا قال: "وفدت إلی رسول الله ﷺ سابع سبعة أو تاسع تسعة فدخلنا عليه فقلنا؛ يا رسول الله! زُرناک فادع الله لنا بخير، فأمر بنا وأمر لنا بشیء من التمر، والشأن إذ ذاک دُون، فأقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله ﷺ فقام متوكئاً علی عصاً أو قوس، فحمد الله وأثنی عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات، ثم قال: ايّها الناس إنكم لن تطيقوا أو لن تفعلوا كل ما أمرتم به، ولكن سدّدوا وأبشروا"۔

شهاب بن خراش مختلف فيه، وثّقه الأكثرون، قال الحافظ فی التلخيص (ص ۶۴ ج ۲): وقد صحّحه ابن السكن وابن خزيمة۔

وأخرج أحمد (ص ۲۸۲ ج۴) وابن أبی شيبة (ص۱۵۸ ج۲) وأبوداود (ص۲۰۴ ج۲) وعبد الرزاق (ص۲۸۷ ج۳) من طريق أبی جناب حدثنی يزيد بن البراء عن أبيه قال: "كنا جلوساً فی المصلی يوم أضحیٰ، فأتانا رسول الله ﷺ فسلّم علی الناس، ثم قال: إن أوّل نسک يومكم هذا الصلوة، قال: فتقدم فصلّی ركعتين ثم سلّم ثم استقبل الناس بوجهه، وأعطی قوسا

أو عصا فاتّكأ عليه، فحمد الله وأثنى عليه وأمرهم ونهاهم“ الحديث۔

هذا لفظ أحمد ولفظ أبی داود: ”أن النبیﷺ نوول يوم العيد قوساً فخطب عليه“ انتهی۔

وأخرج الطبرانی والبزار(ص۳۰۶) وابن سعد (ص۳۷۷) وأبوالشيخ بن حيان فی الأخلاق والبغوی فی شرح السنة (ص۲۴۳ ج۴) من طريق ابن لهيعة عن أبی الأسود عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن أبيه ”أن رسول الله ﷺ كان يخطب بمخصره فی يده“ ولفظ البزار ”كان يشير بمخصره إذا خطب“۔

وأخرج الطبرانی فی الكبير عن ابن عباسؓ: ”أن رسول الله ﷺ كان يخطبهم فی السفر متكئاً على قوس“ قال الهيثمی (ص ۱۸۷ ج۲): وفيه أبو شيبة وهو ضعيف۔

وأخرجه أبوالشيخ فی أخلاق النبیﷺ والبغوی فی شرح السنة (۲۴۸ ج۲) وفيه الحسن بن عمارة وهو متروک۔

وأخرج الطبرانی فی الكبير والبيهقی فی السنن (ص۲۰۶ ج۳) عن سعد القرظؓ مؤذن رسول اللهﷺ فی أثناء حديث طويل ”أن النبیﷺ كان إذا خطب فی الجمعة خطب على عصاً“ قال الهيثمی (ص ۱۸۷ ج۲): إسناده ضعيف۔

وأخرج عبد الرزاق (۱۸۵ ج۳) عن رجل من أسلم عن أبی جابر البياضی عن ابن المسيّب ”أن النبی ﷺ كان يتوكّأ على عصاً وهو يخطب يوم الجمعة إذ كان يخطب إلى الجذع، فلما صنع المنبر قام عليه وتوكّأ على العصا أيضا“ وإسناده واه، فإنّ الرجل الأسلمی هو ابن أبی يحيیٰ شيخ الشافعی متروک، وأبو جابر البياضی هو محمد بن عبد الرحمٰن مدينی ليس بثقة۔

وأخرج الشافعی فی الأم (ص ۲۳۸ ج ۱): أخبرنا ابراهيم عن ليث عن عطاء ”أن رسول الله ﷺ كان إذا خطب يعتمد على عنزته اعتماداً“ إبراهيم هو ابن أبی يحيیٰ الأسلمی متروک، وليث هو ابن أبی سليم مضعّف، قال الشافعی: وبلغنا ”أن رسول اللهﷺ كان إذا خطب اعتمد على عصاً“ وقد قيل: ”خطب معتمداً على عنزة وعلى قوس“۔

وأخرج الشافعی فی مسنده (ص۳۵۸ ج۸) عن عبد المجيد بن عبد العزيز عن ابن جريج قال قلت لعطاء: أكان النبیﷺ يقوم على عصاً إذا خطب؟ قال: نعم، كان يعتمد عليها اعتماداً،

أخرجه البيهقى (ص۲۰٦ ج۳) من طريق جعفر بن عون عن ابن جريج، وأخرجه عبد الرزاق فى مصنفه (ص۱۸۳ ج۳) عن ابن جريج، وأخرج (ص ۲۸۸ ج۳) عن معمر قال سمعت بعض أهل المدينة يذكر ”أن النبیﷺ كان إذا خطب اعتمد على عصاه اعتماداً“۔

وأخرج أحمد (ص۳۳۵ ج۴) وابن خزيمة فى صحيحه (ص ۱۴۱ ج۳) والبخارى فى تاريخه (ص ۱۳۸ ج۲) عن عبد الله بن عبد الرحمٰن الطائفى عن عبد الرحمٰن بن خالد العدوانى عن أبيہؓ ”أنه أبصر رسول اللهﷺ فى مشرق ثقيف وهو قائم على قوس أو عصا حين أتاهم يبتغى عندهم النصر، قال فسمعته يقرأ ﴿والسمَاءِ وَالطارِق﴾ حتى ختمها، قال: فوعيتها فى الجاهلية وأنا مشرک ثم قرأتها فى الاِسلام، قال فدعتنى ثقيف فقالوا: ماذا سمعت من هذا الرجل؟ فقرأتها عليهم، فقال من معهم من قريش نحن أعلم بصاحبنا لو كنا نعلم ما يقول حقاً لتبعناه“ عبد الرحمٰن بن خالد الطائفى قال الحسينى مجهول، قال ابن حجر: صحّح ابن خزيمة حديثه، ومقتضاه أن يكون عنده من الثقات، والطائفى يخطىء ويهم كما قال الحافظ، وترجم عليه ابن خزيمة استحباب الاِعتماد فى الخطبة على القسىّ أو العصا استناناً بالنبیﷺ، انتهى ۔

وأخرج مسلم (ص۴۰۵ ج۲) عن فاطمة بنت قيس فى قصة الجسّاسة قال رسول اللهﷺ وطعن بمخصرته فى المنبر :هذه طيبة هذه طيبة هذه طيبة –يعنى المدينة– ۔

اس باب کی جتنی روایات مجھے معلوم تھیں سب ہی لکھ دیں، ان کا مجموعہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خطبہ کے وقت حضور اکرم ﷺ کی عادت تھی کہ کوئی لاٹھی یا کمان یا نیزہ دستِ شریف میں ہوتا تھا، اور یہ باتفاق المذاہب الاربعۃ مستحب ہے۔

بعض فقہاء احناف نے روایت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کے استحباب کا انکار کیا ہے، لیکن محقق ابن امیر الحاج الحلبی وغیرہ نے اسکی تردید کی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شبِ سہ شنبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

◆ ◆ ◆

لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟

السائل ــــــــــــــــــــــ

جواب: اولاً حدیث کی تخریج کرتا ہوں

أخرج أحمد فی مسنده قال: حدثنا يزيد ثنا همام عن منصور عن سالم بن أبی الجعد عن جابان عن عبد الله بن عمروؓ عن النبی ﷺ قال: ”لَا يدخل الجنة منّان ولَا مدمن خمر“۔

ورواه عبدالرزاق: أنبأنا الثوری عن منصور به بلفظ: ”لَا يدخل الجنة عاقّ، ولَا مدمن خمر، ولَا منّان، ولَا ولد زنی، ولَا من أتی ذات محرم، ولَا من ارتدّ أعرابيّاً بعد هجرة“۔

وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات وساق له طرقاً وأعلّها كلّها، وذكر من طريق عبد بن حميد حدثنا عبدالرحمٰن بن سعد الرازی حدثنا عمرو بن أبی قيس عن إبراهيم بن مهاجر عن مجاهد عن محمد بن عبد الرحمٰن بن أبی ذئاب عن أبی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال: ”لَا يدخل الجنّة ولد الزنا، ولَا شیء من نسله إلی سبعة آباء“۔

قال الدارقطنی: اختلف علی مجاهد فی هذا الحديث علی عشرة أوجه، فتارة يروی عن مجاهد عن أبی هريرةؓ، وتارة عن مجاهد عن ابن عمرؓ، وتارة عن مجاهد عن ابن أبی ذئاب، وتارة عن مجاهد عن ابن عمروؓ موقوفاً إلی غير ذلک، وكلّه من تخليط الرواة۔

قال السيوطی فی اللآلی (ص ۱۶۴/۲) وكذا قال أبونعيم فی الحلية: وسرد العشرة، وقال زيادةً علی الخمسة المذكورة: وتارة عن مجاهد عن مولی لأبی قتادة عن أبی قتادة، وتارة عن مجاهد عن أبی سعيد الخدریؓ، وتارة عن مجاهد عن ابن عباسؓ، وتارة عن مجاهد عن أبی زيد الجرمی، وتارة عن مجاهد مرسلاً، ثم ذكر أسانيد العشرة فأفاد وأجاد، انتهی۔

قال ابن الجوزی: إن هذه الأحاديث مخالفة للأصول وأعظمها قوله تعالی ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ انتهی۔

وقال الحافظ ابن حجر فی القول المسدد (ص ۴۲) بعد رواية أحمد: و رواه أيضاً غندر وحجّاج عن شعبة عن منصور عن سالم عن نبيط بن شريط عن جابان به، ورواه النسائی من طريق شعبة كذلک، ومن طريق جرير والثوری كلاهما عن منصور كرواية همام، وقال: لَا

نعلم أحداً تابع شعبة على نبيط بن شريط، وذكرالدارقطنی الاِختلاف فيه فی كتاب العلل علی مجاهد، وقال البخاریؒ فی التاريخ: لَا يعرف لجابان سماع عن عبدالله بن عمرو ولَا لسالم من جابان، انتهی۔

وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات من طريق سفيان الثوری، تارةً كرواية النسائی، وتارةً من روايته عن عبدالكريم عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو، وأخرجه أيضاً من رواية عمر بن عبد الرحمٰن أبی حفص الأبار عن منصور عن عبد الله بن مرّة عن جابان، وأعلّه بما أشارإليه الدارقطنی من الاِضطراب، وليس فی شیء من ذلک ما يقتضی الحكم بالوضع، انتهی۔

قلت: ليس حكم ابن الجوزی بسبب الاِضطراب الذی ذكره الدارقطنی، بل سببه ثلاثة أمور: الأوّل: الاِضطراب، والثانی: الكلام فی رُواته فإنه لَايخلوسند من أسانيده عن مقال، والثالث: مخالفتها للأصول وهوأعظم الأوجه، ومن أعظم الأُصول قوله تعالی ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾.

قال السيوطی فی اللآلی (ص ۱۶۴/ ۲): قال الرافعی فی تاريخ قزوين: رأيت بخط الاِمام أبی الخير أحمد بن إسمعيل الطالقانی سألنی بعض الفقهاء فی المدرسة النظامية ببغداد فی جمادی الأولی سنة ستّ وسبعين وخمسمائة عمّا ورد فی الخبر ''إنّ ولد الزنا لَا يدخل الجنة'' وهناک جمع من الفقهاء، فقال بعضهم: هذا لَا يصحّ ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾، وذكر أن بعضهم قال فی معناه: أنه إذا عمل عمل أصليه (أبويه) وارتكب الفاحشة لَا يدخل الجنة، وزيف ذلک بأنّ هذا لَا يختصّ بولد الزنا بل حال الرشدة مثله۔

ثمّ فتح الله تعالی علیّ جواباً شافياً لَا أدری هل سبقت إليه؟ فقلت: معناه أنه لَا يدخل الجنة بعمل أصليه، بخلاف ولد الرشدة، فإنّه إذا مات طفلا وأبواه مؤمنان ألحق بهما وبلغ درجتهما بصلاحهما علٰی ما قال تعالی ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوْا واتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾۔ وولد الزنا لَايدخل الجنة بعمل أصليه، أمّا الزانی فنسبه منقطع، وأمّا الزانية فشؤم زناها، وإن صلحت يمنع من وصول بركة صلاحها إليه، انتهی۔

كتبه العبد محمد يونس عفی عنه

* * *

سوال:

کیا مسجد العشّار کی فضیلت والی حدیث موضوع ہے ؟

السائل-----------------

الجواب:

حدیث مسجد العشار کو امام ابوداود نے اپنی سنن مین روایت کیا ہے (ص۱۰۸/۵ بذل) فرماتے ہیں:

حدثنا محمد بن المثنی نا إبراهيم بن صالح بن درهم قال: سمعت أبی يقول: انطلقنا حاجّين فإذا رجل! فقال لنا: إلى جنبكم قرية يقال لها "الأبّلة" ؟ قلنا: نعم، قال: من يضمن لی منكم أن يصلّی فی مسجد العشّار ركعتين أو أربعاً، ويقول: "هذه لِأبی هريرة" سمعت خليلی أبا القاسم ﷺ يقول :"إن الله يبعث فی مسجد العشّار يوم القيامة شهداء، لَايقوم مع شهداء بدر غيرهم" قال أبوداود: وهذا المسجد مما يلی النهر۔

قلت: محمد بن المثنی أخرج له الستّة، وإبراهيم بن صالح ابن درهم أبومحمد البصری قال البخاری: لَا يتابع علی حديثه، وقال العقيلی: إبراهيم وأبوه ليسا بمشهورين بنقل الحديث، والحديث غير محفوظ۔ وقال الدار قطنی: ضعيف۔ وذكره ابن حبّان فی الثقات۔ وقال الحافظ ابن حجر فی التقريب: فيه ضعف ، وأبوه صالح بن درهم أبو الأزهر البصری ، قال الآجری: قلت لِأبی داود: هو قدری؟ قال: لَا أدری، وقال عباس عن يحی: صالح بن درهم ثقة، وقال الدارقطنی فی ترجمة إبراهيم بن صالح: أبوه صالح ثقة۔

ان اقوال ائمہ کے نقل کرنے سے یہ محقق ہوگیا کہ قابل التفات کلام صرف ابراہیم بن صالح کے بارے میں ہے، مگر کسی نے ان کو وضاّع یا متّہم بالکذب وغیرہ نہیں کہا ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صرف امام بخاری کا قول 'لَا یتابع علیہ' کہکر چھوڑ دیا ہے، اگرچہ دارقطنی نے ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر نے 'فیہ ضعف' فرمایا ہے۔

لہذا قولِ فیصل حافظ ابن حجر کا قول ٹھہرا، اور یہ بات اصول حدیث میں ثابت ہے کہ محض راوی کا ضعیف ہونا یا

اسمیں کچھ ضعف ہونا حدیث کے موضوع ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ احادیث کے موضوع ہونے کیلئے اسبابِ مخصوصہ ہیں، حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

فالقسم الأوّل: وهو الطعن بكذب الراوى فى الحديث النبوى هو الموضوع، والحكم عليه بالوضع إنما هو بطريق الظنّ الغالب لَا بالقطع، إذ قد يصدق الكذوب، لكن لأهل العلم بالحديث ملكة قويّة يميزون بها ذلک ، وقد يعرف الوضع بإقرار واضعه، قال ابن دقيق العيد: لكن لَا يقطع بذلک لِاحتمال أن يكون كذب فى ذلک الاِقرار، انتهى۔

قال الحافظ: ولَا يلزم من نفى القطع نفى الحكم، لأنّ الحكم يقع بالظنّ الغالب وهو هنا كذلک، ولو لَا ذلک لما ساغ قتل المقرّ بالقتل، ولَا رجم المعترف بالزنا، لِاحتمال أن يكونا كاذبين فيما اعترفا به، ومن القرائن التى يدرک بها الوضع ما يؤخذ من حال الراوى، كما وقع لمأمون بن أحمد أنّه ذكر بحضرته الخلاف فى كون الحسن سمع من أبى هريرة أو لَا ؟

فساق فى الحال إسناداً إلى النبى ﷺ أنّه قال: سمع الحسن من أبى هريرة۔

وكما وقع لغياث بن إبراهيم حيث دخل على المهدى فوجده يلعب بالحمام، فساق فى الحال إسناداً إلى النبى ﷺ أنه قال : "لَا سبق إلّا فى نصل أو خفّ أو حافر أوجناح" فزاد فى الحديث "أو جناح" ، فعرف المهدى أنّه كَذب لِأجله، فأمر بذبح الحمام۔

ومنها ما يؤخذ من حال المروى كأن يكون مناقضا لنصّ القرآن أو السنّة المتواترة أو الاِجماع القطعى أو صريح العقل، حيث لَا يقبل شىء من ذلک التأويل، انتهى۔

حافظ ابن حجرؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسبابِ وضع معدود ہیں، اول راوی کا متہم بالکذب ہونا، ثانی اقرار وضع، ثالث حال راوی دلالت کرے، رابع مروی نص قرآن کے خلاف ہو، خامس سنۃ متواترۃ کے خلاف ہو، سادس اجماع قطعی کے خلاف ہو، سابع صریح عقل کے خلاف ہو اور تأویل ناممکن ہو، یہ سات اسبابِ وضع ہیں، انمیں سے کوئی بھی اس حدیث میں موجود نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ اتنا ثواب اس عمل قلیل پر صریح عقل کے خلاف ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ خود اس قسم کا ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

صحیح مسلم ترمذی نسائی وغیرہ میں حضرت ابومالک اشعریؓ کی روایت ہے،

قال رسول الله ﷺ : ”الطهور شطر الإيمان ، والحمدلله تملأ الميزان ، وسبحان الله والحمدلله تملآن أو تملأ مابين السماوات والأرض“ الحديث۔

وفى جامع الترمذى: عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جدهؓ قال: قال رسول الله ﷺ:”من سبّح لله مائة بالغداة ومائة بالعشىّ كان كمن حجّ مائة حجّة،و من حمد الله مائة بالغداة ومائة بالعشىّ كان كمن حمل على مائة فرس فى سبيل الله ، ومن هلّل الله مائة بالغداة ومائة بالعشىّ كان كمن أعتق مائة رقبة من ولد إسمعيل، ومن كبّرالله مائة بالغداة ومائة بالعشىّ لم يأت فى ذلك اليوم أحد بأكثر مما أتى به إلّا من قال مثل ذلك أوزاد على ما قال“۔ قال الترمذى: هذا حديث حسن غريب۔

قلت: فى إسناده الضحّاك بن حمزة، قال النسائى: ليس بثقة ، وقال البخارى : مُنكرُ الحديث مجهول، وقال ابن معين: ليس بشىء، وذكره ابن حبان فى الثقات، ورواه الذهبى فى الميزان فى ترجمته بإسناده وقال: رواه الترمذى وحسّنه، فلم يصنع شيئاً۔

قلت : وهو إذن ضعيف، شاهد فى أصل زيادة الثواب إلى هذا المقدار لحديث الباب، وأخرج الترمذى فى جامعه (ص ۷۶/۱) عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ : ”من صلّى الفجر فى جماعة، ثمّ قعد يذكر الله حتّٰى تطلع الشمس، ثم صلّى ركعتين كانت له كأجر حجّة وعمرة، قال: قال رسول الله ﷺ : تامّة، تامّة، تامّة “۔ قال الترمذى: هذا حديث حسن غريب۔

وغير ذلك من الأحاديث كحديث الصحيحين المعروف : ”كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فى الميزان، حبيبتان إلى الرحمٰن، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم“۔

ائمۂ مذکورین یعنی حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر وغیرہ میں سے کسی نے بھی اسکو موضوع نہیں کہا ہے، اگر موضوع ہوتی تو حافظ ذہبی جیسا آدمی تو چوک ہی نہیں سکتا تھا، **كما لَا يخفٰى علٰى من طالع كتبه۔**

خود امام ابوداود نے اس حدیث کی تخریج کے بعد اس پر سکوت فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صالح ہے، **كما صرّح به فى رسالته إلى أهل مكة۔**

حافظ سیوطی حاوی (ص ۱/۳۳۸) میں تحریر فرماتے ہیں: **وقال أبوداود: إنّ ما رويته في هذا الكتاب ولم أضعّفه فهو صالح يعني للاحتجاج، والصالح له إمّا صحيح أو حسن۔**

نیز بغوی نے مصابیح میں ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث انکے نزدیک قابل اعتبار ہے، کیونکہ انہوں نے مقدمۂ مصابیح میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ مناکیر کو اپنی کتاب میں نہیں ذکر فرمائیں گے۔

اسی طرح محبّ طبری نے حدیث مذکور بحوالۂ ابوداود اپنی کتاب **القِرٰی لقاصد أم القُرٰی** (ص ٦۴۷) میں ذکر فرمایا ہے اور کوئی کلام نہیں کیا۔

رہ گیا عقیلی کا یہ کہنا **حديثه غير محفوظ**، اس سے وضع لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ محفوظ کا مقابل شاذ ہے، **كما هو المشهور، والشاذ لَايلزمه الضعف فضلًا عن أن يكون موضوعاً۔**

وبعد البحث المذكور فالظاهر عند هذا العبد: أنّ هذا الحديث من الضعيف المتماسك۔ والله أعلم۔

كتبه العبد محمد يونس

◆◆◆

غزوات وسرایا میں حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟
نیز عید کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟
خلفاء راشدین کے زمانے میں جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ

(۱) غزوات وسرایا میں جو لواء (جھنڈے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عنایت فرماتے تھے ان کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس کے اوپر کیا لکھا ہوا تھا؟

(۲) نیز عید کے موقع پر جب آپ ﷺ نماز عید کے لئے تشریف لے جاتے تھے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آگے جو عصا لے کر چلتے تھے بتایا جاتا ہے کہ اس پر رمح (نیزہ) لگا ہوا تھا، کیا اس کے اوپر کوئی جھنڈا بھی ہوتا تھا؟ اگر ہوتا تھا تو اس کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟

حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرماتے ہوئے اس حدیث کو عربی متن اور حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

(۳) علاوہ ازیں خلفاء راشدین کے زمانے میں کیا جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟ اگر ایک ہی قسم کے تھے تو ان کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟ اور اگر الگ الگ تھے تو ان کی نوعیت کیا تھی؟

بیّنوا توجروا عند الله۔

عبدالکریم پاریکھ، ناگپور، الہند
۲۹/ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

جواب:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کے لئے کتب حدیث وسیر میں عام طور پر دو لفظ آئے ہیں لواء اور راية،

ففی شرح المواهب (ص ۲۷۶ ج۳): أول راية عقدها عليه الصلوٰة والسلام كانت لحمزةؓ،

وأوّل سريّة بعثها كانت له لواء، كما جزم ابن عقبة وأبو معشر والواقدی وابن سعد فی آخرين، وصحّحه ابن عبد البر، انتهیٰ۔

بعضوں کا خیال ہے کہ دونوں مترادف ہیں، لیکن قاضی ابن العربی کی رائے ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔

لواء وہ جھنڈا ہے جس میں نیزے کے اوپر کپڑا لپیٹ دیا جائے اور رایہ میں نیزہ یا کسی لمبی چیز میں کپڑا باندھ دیا جاتا ہے اور وہ ہوا میں اڑتا اور حرکت کرتا رہتا ہے۔ بعضوں نے اور بھی فرق کیا ہے، روایات کے عام الفاظ سے بھی تفریق ہی معلوم ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جھنڈے صحابہ کو عنایت فرمائے اور ان کو لواء سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارے تتبع و تلاش میں ایک روایت کو چھوڑ کر سب جگہ ان کا رنگ سفید ہی ملتا ہے۔

ابن سعد نے سریّۂ حمزہ (ص۶ ج۲) سریّۂ عبیدۃ بن الحارث (ص۷ ج۲) سریّۂ سعد بن ابی وقاص (۷ ص۷ ج۲) غزوۃ الابواء (ص۸ ج۲) غزوۂ بواط (ص۸ ج۲) غزوۂ طلبِ کرز بن جابر الفہر ی (ص۹ ج۲) غزوۂ ذی العشیر ۃ (ص۹ ج۲) غزوۂ بنو قینقاع (ص۲۹ ج۲) غزوۂ خیبر (ص۱۰۶ ج۲) سریّۂ موتہ (ص۱۲۸ ج۲) سریّۂ عمرو بن العاص الی ذات السلاسل (ص۱۳۱ ج۲) سریّۂ علی بن ابی طاب الی القلس صنم طی (ص۱۶۴ ج۲) میں لواء ابیض لکھا ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے، بعض جگہ ماتن نے تصریح کی ہے اور بعض جگہ شارح نے (ص۳۹۰/ ۳۹۱/ ۳۹۳/ ۳۹۴/ ۳۹۵/ ۳۹۷/ ۴۵۷ ج۱)، (ص۲۲۲/ ۲۶۹/ ۲۷۸ ج۲)، (ص۵۳ ج۳) اسی طرح غزوہ بنی سلیم (ص۴۵۵) میں بھی لکھا ہے، اور ابن ہشام (ص۳۵۱ ج۱) میں غزوۂ بدر میں اور رایات کے متعلق کتبِ سیر میں سیاہ رنگ وارد ہے، اور کتب حدیث میں سوداء صفراء حمراء بیضاء مختلف رنگ مذکور ہیں۔ اب آگے کچھ احادیث الویہ ورایات کے رنگ کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔

(۱) عن جابرؓ: ”أنّ النبی ﷺ دخل مكة ولواؤه أبيض“۔ رواه الترمذی (ص۲۰۱ ج۱) وأبو داود (ص۴۳۸ ج۳ بذل) وابن ماجه (ص۲۰۷) والحاكم (ص۱۰۴ ج۱) والبيهقی (ص۳۶۲ ج۶) من طريق يحيی بن آدم عن شريک عن عمار الدهنی عن أبی الزبير عنه، قال الترمذی: هذا حديث غريب لَا نعرفه إلّا من حديث يحيی بن آدم عن شريک، وسألت محمداً (البخاری) عن هذا الحديث فلم يعرفه إلّا من حديث يحيی بن آدم عن شريک، و قال: حدثنا

غير واحد عن شريک عن عمار عن أبى الزبير عن جابرؓ: ”أن النبى ﷺ دخل مكة وعليه عمامة سوداء“۔ قال محمد –البخارى– :والحديث هو هذا، إنتهى۔

(٢) عن جابر بن عبد اللهؓ :”أنّ راية النبى ﷺ كانت سوداء“۔ رواه الطبرانى فى المعجم الصغير (ص ١١١ ج٢) بسند حسن رجاله ثقات، وقال الهيثمى (٣٢١ج٥): رواه الطبرانى فى الثلاثة، وفى إسناد الكبير شريک النخعى، وثّقه النسائى وغيره، وفيه ضعف، وبقيّة رجاله ثقات۔

(٣) عن يونس بن عبيد مولىٰ محمد بن القاسم قال: بعثنى محمد بن القاسم إلى البراء بن عازبؓ يسأله عن راية رسول الله ﷺ فقال: ”كانت سوداء مربّعة من نمرة“۔ رواه أحمد (ص٢٩۷ ج۴) و أبوداود (ص۴٣٨ ج٣ بذل) والترمذى (ص ٢٠١ ج ١) والبخارى فى التاريخ والطبرانى فى الاوسط (ص٣٦٨ ج٥) والبيهقى (ص٣٩٣ ج٩)، قال الترمذى: هذا حديث حسن، وكذا حسّنه الذهبى۔

(۴) عن الحارث بن حسان البكرىؓ قال: ”قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر وبلال قائم بين يديه متقلد السيف وإذا رايات سود، وسألت ما هذه الرايات؟ قالوا: عمرو بن العاصؓ قدم من غزاة“۔ أخرجه أحمد (ص ۴٨١ ج٣) وابن ماجه (ص٢٠۷) والبيهقى (ص٣٦٣ ج٦) من طريق أبى بكر بن عياش عن عاصم عن الحارث به، قال البيهقى: ورواه سلام بن المنذر عن عاصم عن أبى وائل عن الحارث بن حسان، وقال فى متنه: ”فإذا راية سوداء تخفق، فقلت: ما شأن الناس؟ قالوا: هذا رسول الله ﷺ يريد أن يبعث عمرو بن العاص وجهاً“۔ قلت: أخرجه احمد هكذا من هذا الوجه۔

وروى عبدالرزاق (٢٨٨ ج٥) عن ابن جريج قال: حدثت عن شقيق بن سلمة عن رجل ”رأى راية رسول الله ﷺ التى عقدها لعمرو بن العاصؓ سوداء“۔

(٥) عن سماک عن رجل من قومه عن آخر منهم قال: ”رأيت راية رسول الله ﷺ صفراء“۔ رواه أبوداود (ص۴٣٨ ج٣ بذل) والبيهقى (ص٣٦٣ ج٦) وفى إسناده مبهم۔

(٦) عن مزيدة العبدىؓ: ”أن النبى ﷺ عقد رايات الأنصار فجعلهن صُفراً“۔ رواه

الطبرانی (ص۳۴۷ج۲) وفیہ محمد بن اللیث ولم أعرفہ، وبقیة رجالہ ثقات، کذا فی مجمع الزوائد (ص۳۲۱ج۵)۔

قلت: فیہ هود العقری مجهول الحال۔

(۷) عن کریز بن سامة: ”أنّ النبی ﷺ عقد رایة لبنی سلیم حمراء“۔ رواہ الطبرانی (ص۱۸۹ ج۱۹) وفیہ من لم أعرفهم، کذا فی المجمع (ص۵/۳۲۱)۔

قلت: ورواہ أبونعیم فی الصحابة من طریق الرحال بن المنذر العامری حدثنا أبی عن أبیہ عن کریز کما فی الإصابة، قال ابن عبد البر (ص۲۳۴ ج۱): حدیثہ یدور علی هذا الإسناد۔

قلت: والرحال بن المنذر وأبوہ وجدہ لا یعرفون، لم یذکرهم أحد فی الرجال۔

(۸) عن ابن جریج قال: أخبرنی رجل من أهل المدینة أن رایة النبی ﷺ کانت تکون بیضاء، ولواءہ أسود“۔ رواہ عبد الرزاق (ص۲۸۹ ج۵)۔

(۹) عن ابن عباسؓ قال: ”کانت رایة النبی ﷺ سوداء، ولواؤہ أبیض“۔ رواہ الترمذی (۲۰۱ ج۱) وابن ماجہ (ص۲۰۷) والحاکم (ص۱۰۵ ج۲) والبیهقی (۳۶۳ج۶) من طریق یحیی بن إسحاق السیلحینی عن یزید بن حیان عن أبی مجلز عنہ، قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجہ من حدیث ابن عباسؓ، انتهی۔ وقال الذهبی: یزید بن حیان ضعیف، قلت: قال ابن الجنید عن ابن معین: لیس بہ بأس، وقال البخاری: عندہ غلط کثیر، وذکرہ ابن حبان فی الثقات، وقال: یخطئ، ورواہ أبویعلیٰ والطبرانی من طریق حیان بن عبید اللہ عن أبی مجلز عن ابن عباسؓ بہ، قال ابن أبی حاتم فی حیان هذا سمعت أبی یقول: هو صدوق، وسیأتی فیہ بقیة کلام الأئمة فی الحدیث الذی بعدہ۔

(۱۰) عن بریدةؓ: ”أنّ رایة رسول اللہ ﷺ کانت سوداء، ولواؤہ أبیض“۔ رواہ أبو یعلیٰ والطبرانی وابن عدی من طریق حیان بن عبیداللہ المذکور فی الحدیث السابق عن عبداللہ بن بریدة عن أبیہ، قال البخاری فی راویہ حیان: ذکر الصلت منہ الإختلاط، وذکرہ ابن عدی فی الضعفاء، وقال: عامة حدیثہ أفراد انفرد بها، وذکر العقیلی لہ حدیثاً، وقال: لا یتابع علیہ۔ وقال أبوحاتم: صدوق۔ وقال إسحاق بن راهویہ: حدثنا روح بن عبادة ثنا حیان بن عبید اللہ وکان

رجل صدق۔ وذكره ابن حبان فى الثقات۔

(تنبيه) كلّ من أخرج هذا الحديث فجمعه مع حديث ابن عباسؓ، لأنهم أخرجوه من طريق حيان المذكور، قال: حدثنا أبو مجلز عن ابن عباسؓ، وحدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه،

قال الهيثمى رواه أبو يعلى والطبرانى، وفيه حيان بن عبيد الله، قال الذهبى: بيّض له ابن أبى حاتم فهو مجهول، وبقية رجال أبى يعلىٰ ثقات، انتهى۔

قلت: الذى قال فيه الذهبى: بيّض له ابن أبى حاتم، هو رجل آخر، وهو حيان بن عبدالله أو عبيد الله المروزى، والراوى للحديث حيان بن عبيدالله بن حيان أبو زهير العدوى البصرى، ونقل فيه الذهبى قول البخارى، وقال فيه ابن أبى حاتم عن أبيه: صدوق، كما تقدّم، وذكر الذهبى هذا الحديث فى الميزان، فلعلّه أشار إلى ضعفه، والله أعلم۔

(۱۱) عن ابن عباسؓ قال: "كان مكتوباً على راية رسول الله ﷺ لا إله إلّا الله محمد رسول الله"، رواه أبوالشيخ وسنده واهٍ، كذا فى الفتح۔

(۱۲) عن ابن عباسؓ قال: "كانت راية رسول الله ﷺ سوداء، ولواؤه أبيض، مكتوب عليه 'لا إله إلّا الله محمد رسول الله"۔ رواه الطبرانى فى الأوسط (ص ۱۷۱/۱) وفيه حيان بن عبيدالله المذكور سابقاً، وبقية رجاله رجال الصحيح، قال الهيثمى: رواه الترمذى وابن ماجه انتهى، فكأنه أشار إلى شذوذ ذكر الكتابة۔

وقال ابن سعد فى غزوة خيبر (ص۱۰۶/۲): "ولم تكن الرايات إلّا يوم خيبر، إنما كانت الألوية، فكانت راية النبى ﷺ سوداء من برد لعائشةؓ تدعىٰ: العقاب ولواؤه أبيض"۔

ولـمّا بعث عليّاؓ إلى اليمن عقد له لواء، قال الواقدى: "أخذ عمامةً فلفّها مثنية مربعة فجعلها فى رأس الرمح ثمّ دفعها إليه"۔ كذا فى شرح المواهب (ص۱۰۳/۳)۔

وقال فى سريّة عمرو بن العاصؓ إلى ذات السلاسل (ص ۱۳۱/۲): "فدعا رسول الله ﷺ عمرو بن العاصؓ، فعقد له لواءً أبيض، وجعل معه راية سوداء"۔

وقال فى سرية على بن أبى طالبؓ إلى القلس صنم طيّ (ص۱۶۴/۲): "بعث رسول الله ﷺ على بن أبى طالبؓ فى خمسين ومائة رجل من الأنصار على مائة بعير وخمسين فرساً

ومعه راية سوداء، ولواء أبيض"۔

وقال ابن إسحاق فی غزوة بدر: "ودفع اللواء إلی مصعب بن عميرؓ"۔ قال ابن هشام (ص ۱/۶۱۱۲): "وكان أبيض" قال ابن إسحاق: "وكان أمام رسول الله ﷺ رايتان سوداوان، أحدهما مع علی بن أبی طالبؓ يقال لها: العقاب، والأخری مع بعض الأنصار"۔ وقال ابن هشام: وكانت راية الأنصار مع سعد بن معاذؓ۔

ان تمام روایات سے آں حضرت ﷺ کے الویہ ورایات کے الوان کی تفصیل معلوم ہوگئی اور حدیث نمبر ۱۱ اور ۱۲ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رایہ پر "**لَا إله إلّا الله محمد رسول الله**" لکھا ہوا تھا۔

(۲) کسی روایت میں یہ نہیں ملا کہ حضرت بلالؓ عصا لیکر عید کے موقع پر آپ ﷺ کے آگے چلتے تھے، ہاں نیزہ کا تذکرہ ضرور وارد ہے۔

اتنا تو صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ عید میں آپ ﷺ کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا، **ولفظه: "أن رسول الله ﷺ إذا خرج يوم العيد أمر بالحربة فتوضع بين يديه، فيصلّی إليها والناس وراءه، وكان يفعل ذلک فی السفر، فمن ثمّ اتّخذها الأمراء" قال الحافظ: وقد روی عمر بن شبّة فی أخبار المدينة من حديث سعد القرظؓ: "أن النجاشی أهدی إلی النبی ﷺ حربةً فأمسكها لنفسه فهی التی يمشی بها مع الإمام يوم العيد" انتهی۔**

وأخرج الطبرانی فی الكبير من حديث سعد القرظؓ: "أن النجاشی بعث إلی النبی ﷺ بثلاث عنزات فأمسكها النبی ﷺ واحدة لنفسه، وأعطی علياً ؓ واحدة، وعمرؓ واحدة، وكان بلَالؓ يمشی بها بين يديه فی العيدين فيصلّی إليها" قال الهيثمی (ص ۲/۵۸): فی إسناده من لم يسمّ۔

کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس پر کوئی جھنڈا لگا ہوا تھا ، بظاہر جھنڈا وغیرہ کچھ نہیں تھا اور نہ ہی اس پر کچھ لکھا ہوا تھا، **والعلم عند الله سبحانه وتعالی۔**

(۳) خلفاء راشدین کے جھنڈے کس رنگ کے تھے؟ اس کے متعلق کہیں کوئی چیز نظر سے نہیں گذری،

ان حضرات کی سیر وسوانح دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے یا کسی اور سے معلوم کرلیا جائے، صرف ایک روایت سے کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

قال سعید بن منصور فی سننه (ص ۲۲۲/ ۲): حدثنا عبدالله بن وهب أخبرنی عمرو بن الحارث أن یزید بن أبی حبیب حدثه: ”أن أوّل من عقد اللواء الأبیض معاویة بن أبی سفیان، إنما کانت الرایات سُوداً“ انتهی۔

لیکن یہ حدیث بظاہر مشکل ہے، ماقبل میں متعدد روایات سے دور نبوی میں الویہ کا ابیض ہونا معلوم ہو چکا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر محمد یونس عفی عنہ

شب ۳۰ ذی الحجۃ ۱۳۹۷ھ

◆◆◆

ایک روایت میں ابن عُمر یا ابن عَمرو کیا صحیح ہے؟

سوال: ایک حدیث کے سلسلے میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

حضرت حسن بصری متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت فرماتے ہیں:

”من أرسل نفقة فی سبیل اللّٰه و أقام فی بیته......“ الخ رواه ابن ماجه (ص ۲۰۳)

اس روایت میں ترغیب (ص ۲۵۳/ ۲) جمع الفوائد (۳/ ۲) درمنثور (ص ۳۳۶/۱) تفسیر فتح القدیر (ص ۲۵۸/۱) روح المعانی (ص ۲۸/ ۳) وغیرہ میں متعدد صحابہ کے ناموں میں عبداللہ بن عمرؓ کا ایک نام ہے، مگر ابن ماجہ اور مشکوٰۃ شریف (ص ۳۳۵) میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو دونوں ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں نے ایک نام لکھا ہے ان مین کسی نے ’عبداللہ بن عمر‘ لکھا ہے اور کسی نے ’عبداللہ بن عمرو‘ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس روایت میں دونوں صحیح ہیں یا ایک؟ اور ایک ہے تو کونسا؟

(مولانا) محمد عبداللہ طارق (صاحب)

۷/ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

جواب:

احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں ہی حضرات سے مروی ہے، اور صاحب مشکوٰۃ کی نقل راجح ہے اور اس کے کئی قرائن ہیں۔

پہلا تو یہ کہ اصل سنن ابن ماجہ میں دونوں کا تذکرہ ہے،

اور دوسرا یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ حدیث **النکت الظراف علی الأطراف** میں مسانید ابن عمر (ص ۳۳۲/۵) اور مسانید عبداللہ بن عمرو بن العاص (ص ۲۸۵/۶) دونوں ہی میں ذکر کی ہیں اور حافظ جمال الدین المزی کے تحفۃ الاشراف میں ذکر نہ کرنے پر نقد کیا ہے،

اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ علامہ علی المتقیؒ نے منتخب کنز العمال میں (ص ۲۶۴/۲) میں دونوں کا نام ذکر کیا ہے،

اور چوتھا قرینہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں (ص ۱۹۹/۴) میں صاحب مشکوٰۃ پر کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شب شنبہ ۱۱/صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

◆◆◆

اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرلے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟

سوال:

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی جنات صحابی سے ملاقات ہوتی ہے اور ان سے وہ لوگ بیعت واکتساب فیض کرتے ہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ان سے بشکل انسانی کوئی آدمی ملاقات کرے تو وہ تابعین میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور ان سے دینی فیض بذریعہ بیعت وغیرہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور خیر القرون میں باہم جنات وانسان میں اس طرح بیعت اور رشد وہدایت اور فیض رسانی کا سلسلہ قائم ہوا ہے یا نہیں؟ اور اب ہوسکتا ہے یا نہیں؟

ظہور الحسن سالیروی سہارنپور

مقیم جامع مسجد نجیب آباد

جواب:

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: **”صلّی النبی ﷺ صلوٰة العشاء فی آخر حیاته فلمّا سلّم قام النبی ﷺ فقال: أرأیتکم لیلتکم هذه ! فإنّ رأس مائة سنة لَا یبقی ممّن هو الیوم علی ظهر الأرض أحد“۔ رواه البخاری (ص ۸۴) ومسلم (۲/۳۱۰)۔**

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: **”لمّا رجع النبی ﷺ من تبوک سألوه عن الساعة، فقال رسول الله ﷺ: لَا تأتی مائة سنة وعلی الأرض نفس منفوسة الیوم“۔ رواه مسلم۔**

اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: **”سمعت النبی ﷺ یقول قبل أن یموت بشهر: ما علی الأرض من نفس منفوسة تأتی علیها مائة سنة“۔ رواه مسلم (۲/۳۱۰)۔**

ان احادیث کی وجہ سے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ جو شخص وفاتِ نبوی کے سو سال بعد صحابیت کا دعوی کرے وہ کاذب ہے، حضرت عیسی علیہ السلام چونکہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ فرما کر مہلت دیدی اس لئے ان کا استثناء ذکر کیا ہے، اسی طرح حضرات صوفیہ اور بعض محدثین جیسے ابو القاسم السہیلی، حافظ ابن الصلاح، امام نووی حضرت خضر علیہ السلام کو مستثنی مانتے ہیں کیونکہ ان حضرات کی رائے پر وہ زندہ ہیں، امام نووی فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ حضرت خضر ارشاد نبوی کے وقت سمندر میں ہوں۔

جنات بھی اس قسم کی احادیث کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟

کسی روایت سے اس کی نفی یا اثبات معلوم نہیں ہوتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی داخل ہیں لہٰذا محدثین کے اصول کے مطابق کسی جن کا مدت مذکورہ کے بعد صحابیت کا دعوی غیر معتبر ہے، اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جن حدیث کے عموم میں داخل نہیں ہیں اس لئے کہ حدیث میں بظاہر انسانوں کو مراد لیا گیا تو جن کا قول مانا جاسکتا ہے۔

لیکن جنّات بکثرت دروغ گوئی کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کے صدق وکذب کا کوئی قطعی قرینہ نہیں ہے اس لئے اس میں توقف کرنا چاہئے، ہاں قرائن سے تصدیق وتکذیب کا رجحان حاصل ہوسکتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین تھے، اس لئے جیسے آدمیوں کو آپ ﷺ کی صحبت سے صحابیت کا رتبۂ عالیہ حاصل ہوا اسی طرح جنات کو بھی یہ مرتبہ ملا، اسی لئے محدثین نے ان بعض جن صحابہ کے اسماء اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں جن کا کسی طرح پتہ چل گیا، اب جس طرح انسانی صحابی کی رویت وصحبت سے تابعیت کا شرف حاصل ہوجاتا ہے اسی طرح جن صحابی کی رویت وصحبت سے بھی یہ شرف حاصل ہوگا۔

لیکن قرنِ صحابہ گذر جانے کے بعد کسی جن صحابی کے دیکھنے سے بر تقدیرِ صحت میری ناقص رائے میں تابعیت کا شرف حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ فضیلت قرن کے ساتھ خاص ہے جو ایک مخصوص زمانہ چالیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال پر علی اختلاف الاقوال بولا جاتا ہے، اور بعض کی رائے پر قرن ایک زمانہ کے ان متقارب لوگوں پر بولا جاتا ہے جو کسی امر مقصود میں شریک ہوں،

ان دونوں تفسیروں پر حدیث "**خیر القرون قرنی ثمّ الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**" کی فضیلت مابعد کے زمانوں میں بظاہر حاصل نہ ہوگی، ہاں ملاقات موجب برکت ہوگی۔

جنات سے بیعت وغیرہ کی ہمارے علم میں کوئی اصل نہیں ہے، اور نہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی پتہ چلتا ہے، ویسے کسی جن سے اعتماد و یقین و تجربہ کے بعد اکتسابِ علوم و فوائد میں بظاہر کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

والعلم عند اللہ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ
۲۱ر صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

* * *

بعض روایات کی تحقیق وتخریج

ایک سوال آیا تھا اور اس میں بہت سی روایات کتابوں کے نام کے ساتھ تھیں، اور بعض کا حوالہ نہیں تھا، سائل نے یہ معلوم کیا تھا کہ یہ روایتیں مذکورہ کتابوں میں کس صفحہ اور کس باب میں ہیں؟

اور جن کا مخرج مذکور نہیں ان کا حوالہ چاہئے۔

اس میں بعض متقدمین کی ایسی کتابوں کے حوالے تھے جو اپنے پاس نہیں ہیں اس لئے ان کتابوں کے متعلق کوئی بات نہیں کہی جاسکتی، اور جو روایتیں مل سکیں وہ درج کی جاتی ہیں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فضل المدينة

سوال (۱): فی صحیح البخاری من حدیث ابن عمرؓ: ”أن النبی ﷺ قال: رأیت امرأة سوداء ثائرة الرأس خرجت من المدینة حتی نزلت بمهیعة، فتأوّلتها أن وباء المدینة نقل إلی مهیعة“۔

الجواب (۱): أخرجه البخاری فی التعبیر (ص ۱۰۴۲) فی باب المرأة السوداء، وکذا فی الباب الذی قبله، والباب الذی بعده۔

……

سوال (۲): وفی روایة: ”لمّا أمره بالهجرة إلیها قال: أللهم إنک أخرجتنی من أحبّ بلادک إلیّ، فأسکنّی فی أحبّ بلادک إلیک“۔

الجواب (۲): الحدیث الثانی أخرجه الحاکم فی مستدرکہٖ (ص۳/۳) فی کتاب الهجرة عن أبی هریرةؓ أن رسول اللهﷺ قال: ”اللهم إنک أخرجتنی من أحبّ البلاد إلیّ، فأسکنّی أحبّ البلاد إلیک، فأسکنه الله المدینة“۔ قال الحاکم: رواته مدنیون من بیت أبی سعید المقبری،

قال الذهبی: لکنه موضوع، فقد ثبت أنّ أحبّ البلاد إلی الله مکة، وسعد لیس بثقة۔

……

سوال (۳): وفی روایة لِابن زبّالة: ”إن المدینة تنفی خبث الرجال کما ینفی الکیر خبث الحدید“۔

الجواب (۳): الحدیث الثالث لم أقف علیه، فإن کتاب ابن زبالة لیس عندنا، وأشار إلی هذه الروایة السمهودی فی وفاء الوفاء (ص ۲۹/۱)۔ وقد ورد معناه فی الصحیحین من حدیث أبی هریرةؓ قال: قال رسولﷺ: ”أمرت بقریة تأکل القریٰ یقولون: یثرب –وهی المدینة– تنفی الناس کما ینفی الکیر خبث الحدید“۔ رواه البخاری فی باب فضل المدینة، وأنّها تنفی الناس۔ ومسلم فی الحج (ص ۴۴۴)۔ وفی البخاری فی باب المدینة تنفی الخبث من حدیث زید بن ثابت قال: قال النبیﷺ: ”إنها تنفی الرجال کما تنفی النار خبث الحدید“۔

……

سوال (۴): روی ابن النجار عن محمد بن عبد الرحمٰن بن زید بن أسلم عن أبیه فی قوله تعالیٰ ﴿وقُلْ رَبِّ أدْخِلْنِی مُدْخَلَ صِدْقٍ وأخْرِجْنِی مُخْرَجَ صِدْقٍ و اجْعَلْ لِّی مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِیْراً﴾۔

الجواب (۴): الحدیث الرابع لم أصادفه فی کتاب، ولیس کتاب ابن النجار عندی۔

وقد أخرج معنیٰ ذلک الزبیر بن بکار کما نقل عنه السیوطی فی الدر المنثور (ص ۱۹۹/۱) عن زید بن أسلم فی الآیة قال: ”جعل الله ﴿مُدخلَ صدق﴾ المدینة، ﴿ومُخرجَ صدق﴾ مکة، ﴿سلطاناً نصیراً﴾ الأنصار“۔

وأخرج الحاکم فی مستدرکه (ص ۳/۳) عن ابن عباس قال: ”کان رسول اللهﷺ بمکة فأُمر بالهجرة، وأُنزل علیه ﴿وقُل رَبّ أدخِلنی مُدخل صِدق وأخرِجنِی مُخرج صدقٍ واجعل لی من لّدنکَ سلطاناً نصیراً﴾“۔ قال الحاکم: صحیح الإسناد وأقرّه الذهبی۔

قلت: فیه نظر، فإن مداره علی قابوس بن أبی ظبیان، وقابوس فیه لین، کما قال الحافظ ابن حجر فی التقریب، وقال أحمد: لم یکن بذاک ولم یکن من النقد الجیّد، وأحسن أحوال هذا الإسناد أن یکون حسناً۔

وأخرج الحاکم أیضاً (ص ۳/۳) والبیهقی فی الدلَائل عن قتادة قوله تعالیٰ ﴿قُلْ رَبِّ

أَدْخِلْنِی مُدْخَلَ صِدْقٍ وأَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ فأخرجه اللّٰه من مكة إلى المدينة مُخرج صدق وأدخله المدينة مُدخل صدق، قال: ونبی اللّٰهﷺ قد علم أنّه لَا طاقة له بهذا الأمر الّا بسلطان، فسأل سلطاناً نصيراً لكتاب الله وحدود الله ولفرائض الله ولاِقامة كتاب الله، وأن السلطان عزّة من الله جعله بين أظهر عباده، ولولَا ذلک لأغار بعضهم على بعض وأكل شديدهم ضعيفهم۔

……………………………………

سوال (۵): عن أم المؤمنين عائشةؓ قالت: ”كلّ البلاد فتحت بالسيف وافتتحت المدينة بالقرآن“۔

الجواب (۵): الحديث الخامس أخرجه البيهقی فی الشعب، كما فی منتخب الكنز فی فضائل المدينة (ص۳۵۳/۵)، وكذا أخرجه البزار، وفيه محمد بن الحسن بن زبالة وهو ضعيف، كما فی مجمع الزوائد (ص۲۹۸) فی باب فضل المدينة۔

……………………………………

سوال (۶): سالم بن عبد الله بن عمر قال: سمعت أبیؓ يقول: اشتدّ الجهد بالمدينة وغلا السعر فقال رسول الله ﷺ :”اصبروا يا أهل المدينة وأبشروا فإنی قد باركت علىٰ صاعكم و مدّكم، كلوا جميعاً ولَا تفرّقوا، فإنّ طعام الرجل يكفی الاثنين، فمن صبر على لَاوائها وشدّتها كنت له شفيعاً وكنت له شهيداً يوم القيامة، ومن خرج عنها رغبة عمّا فيها أبدل الله عزوجل فيها من هو خير منه، ومن نواها أوكادها بسوء أذابه الله كما يذوب الملح فی الماء“۔

الجواب (۶): الحديث السادس ذكره صاحب منتخب الكنز (ص۳۵۶/۵) وقال: تفرّد به عمرو بن دينارالبصری، وهو لين، وسقط اسم المخرج، وذكرالهيثمی فی مجمع الزوائد (ص۳۰۵/۳) فی آخر الحج فی باب الصبر على جهد المدينة عن مسند البزار بنحوه وقال: رجاله رجال الصحيح۔

……………………………………

سوال (۷): نقل ابن النجّار أن النبی ﷺ قال: ”من أخاف أهل المدينة ظلماً أخافه الله

وعليه لعنة الله والملٰئكة والناس أجمعين“۔

الجواب (۷): الحديث السابع هكذا نقله السمهودی فی وفاء الوفاء (ص۳۲/ ۱) عن ابن النجار۔

……

سوال (۸): وفی رواية: ”من أخاف أهلها فقد أخاف ما بين هٰذين ووضع يديه على جنبيه تحت ثدييه“۔

الجواب (۸): الحديث الثامن لم أصادفه فی كتاب۔

……

سوال (۹): وفی رواية ابن زبالة: ”من أخاف أهل المدينة أو ظلمهم أخافه الله يوم الفزع الأكبر وعليه لعنة الله“ الحديث۔

الجواب (۹): الحديث التاسع لم أرهٗ، وروي معنىٰ الحديث فی أحاديث اُخر۔

……

سوال (۱۰): ابن النجار عن معقل بن يسارؓ قال: قال رسول الله ﷺ : ”المدينة مهاجَری فيها مضجعی“۔

الجواب (۱۰): هذالحديث ذكره السمهودی فی الفصل الثالث من الباب الأوّل من وفاء الوفاء (ص۳۳/ ۱) وزاد: ”ومنها مبعثی، حقيق علیٰ اُمتی حفظ جيرانی ما اجتنبوا الكبائر، فمن حفظهم كنت لهٗ شهيداً أوشفيعاً يوم القيامة، ومن لم يحفظهم سقی من طينة الخبال“

قيل للمزنی ماطينة الخبال؟ قال: عصارة أهل النار، انتهىٰ۔

قيل المراد بالمزنی معقل بن يسار الصحابی راوی الحديث۔

……

سوال (۱۱): عن علی بن أبی طالبؓ قال: ”خرجنا مع رسول الله ﷺ حتى إذا كنّا بحرّة السقيا التی كانت لسعد بن أبی وقاصؓ فقال رسول الله ﷺ : إيتونی بوَضوء! فلمّا توضأ قام واستقبل القبلة ثم كبّر، قال: اللّٰهم إن ابراهيم كان عبدك وخليلك دعاك لأهل

مكة بالبركة وأنا محمد عبدك ورسولك أدعوك لأهل المدينة أن تبارك لهم فى مدّهم وصاعهم مثل ما باركت لأهل مكة ومع البركة بركتين''۔

الجواب (۱۱): الحديث الحادى عشر أخرجه أحمد (ص۱۱۵/۱) والترمذى (ص۲۳۰/۱) ولفظهما ''مثلَى مابارکت'' قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح، وذكر السمهودى فى وفاء الوفاء ألفاظه المختلفة (ص۳۷/۱)۔

……

سوال (۱۲): وفى رواية ابن زبالة ''فيها قبرى وفيها مبعثى حقيق على أمّتى حفظ جيرانى ما اجتنبوا الكبائر، من حفظهم كنت له شهيداً أو شفيعاً يوم القيامة، ومن لم يحفظهم سقى من طينة الخبال''۔

سئل المزنى عن طينة الخبال؟ قال: عصارة أهل النار۔

الجواب (۱۲): الحديث الثانى عشر ذكره السمهودى فى وفاء الوفاء (ص۳۳/۱) برواية ابن زبالة وهو الحديث العاشر المتقدم۔

……

سوال (۱۳): نقل ابن زبالة عن سعيد بن المسيّب: ''أن رسول الله ﷺ أشرف على المدينة فرفع يديه حتى رُؤى عفرة إبطيه، ثم قال: اللهم من أرادنى وأهل بلدى بسوء فعجّل هلاكه۔

الجواب (۱۳): الحديث الثالث عشر نقله السمهودى فى وفاء الوفاء(۳۱/۱) فى الفصل الثانى من الباب الأوّل برواية ابن زبالة۔

……

فى فضل المسجد النبوى

سوال (۱۴): فى رواية عن عائشةؓ: ''أنا خاتم الأنبياء ومسجدى خاتم مساجد الأنبياء، أحقّ المساجد أن يزار، وتركب إليه الرواحل، صلٰوة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلٰوة فيما سواه من المساجد إلّا المسجد الحرام''۔

الجواب (۱۴): الحديث الرابع عشر أخرجه البزّارولفظه: "يشدّ إليه الرواحل، المسجد الحرام ومسجدى وصلوة الخ"۔ كذا نقله العلامة السمهودى فى وفاء الوفاء (۲۹۸/۱) فى الفصل الخامس من الباب الرابع، قال الهيثمى (ص۴/۴): فيه موسى بن عبيدة وهو ضعيف۔

……

سوال (۱۵): نقل ابن زبالة: "هو مسجدى هذا وفى كل خير"۔

الجواب (۱۵): الحديث الخامس عشر لم أقف على هذا اللفظ، وليس عندى كتاب ابن زبالة، ولم أقف عليه فى كتاب آخر، وقد سرّحت النظر فى وفاء الوفاء من مواضع شتّٰى۔

……

سوال (۱۶): روينا من حديث أحمد أن رسول الله ﷺ قال: "من صلّى فى مسجدى أربعين صلٰوة كتب له براءة من النار، وبراءة من العذاب، وبَرِئَ من النفاق"۔

الجواب (۱۶): الحديث السادس عشر أخرجه أحمد (ص۱۵۵/۳) عن أنس بن مالكؓ عن النبى ﷺقال: "من صلّى فى مسجدى أربعين صلوة لَا تفوته صلوة كتبت له براءة من النار، ونجاة من العذاب، وبرئ من النفاق"۔ قال الهيثمى فى مجمع الزوائد (ص۸/۴) فى كتاب الحج فى باب من صلّى بالمدينة أربعين صلوة، رواه أحمد والطبرانى فى الأوسط، ورجاله ثقات۔

……

سوال (۱۷): روينا فى تحفة الذاكرين لِابن عساكر من حديث عطاء عن جابرؓ أن رسول الله ﷺ قال: "صلٰوة فى مسجدى أفضل من ألف صلٰوة فيما سواه إلّا المسجد الحرام، وصلٰوة فى المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلٰوة فيما سواه۔

الجواب (۱۷): الحديث السابع عشر أخرجه أحمد (۳۴۳/۳) وابن ماجه (ص۱۰۲) وإسناده صحيح۔

……

سوال (۱۸): وفى رواية: "صلٰوة فى مسجدى أفضل من ألف صلٰوة فى غيره إلّا

المسجد الحرام، وصلٰوۃ فی المسجد الحرام تعدل مائة ألف صلٰوۃ"۔

الجواب (۱۸):الحدیث الثامن عشر لم أقف علی لفظه، وقد تقدم معناه فی الحدیث السابع عشر۔

……………………………………

سوال (۱۹): ابن النجار عن أبی أمامة بن سهل بن حنیفؓ أن رسول الله ﷺ قال: "من خرج علی طهر لَا یرید إلّا الصلٰوۃ فی مسجدی حتی یصلی فیه کان بمنزلة حجّة"۔

الجواب (۱۹): الحدیث التاسع عشر ذکره السمهودی فی وفاء الوفاء (۱/۳۰۱) وقال أسند ذلک ابن زبالة ومن طریقه ابن النجار، وفی إسناده یوسف بن طهمان، وهو ضعیف عند البخاری وابن عدی، وذکره ابن حبان فی الثقات إنتهی۔ وقال الذهبی فی المیزان: هو واهٍ۔

……………………………………

سوال (۲۰): وبه إلی سهل بن سعدؓ أن النبی ﷺ قال: "من دخل مسجدی هذا یتعلّم فیه خیراً أو یعلّمه کان بمنزلة المجاهد فی سبیل الله، ومن دخله لغیر ذلک من أحادیث الناس کان کالذی یریٰ ما یعجبه وهو لغیره"۔

الجواب (۲۰): الحدیث العشرون أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن سهل بن سعدؓ عن النبی ﷺ قال: "من دخل مسجدی هذا لیتعلّم خیراً أو یعلّمه کان بمنزلة المجاهد فی سبیل الله، ومن دخله بغیر ذلک من أحادیث الناس کان بمنزلة الذی یری مایعجبه وهو شئ لغیره"، وفیه یعقوب بن حمید بن کاسب، قال الهیثمی (۱/۱۲۳): وثّقه البخاری وابن حبان، وضعّفه النسائی وغیره، ولم یستندوا فی ضعفه إلّا إلی أنه محدود وسماعه صحیح، انتهی۔

واللفظ الذی ذکر فی السوال عزاه السمهودی فی الوفاء (ص ۱/۳۰۱)لِابن زبالة ویحیی بن الحسین، وللحدیث شاهد من حدیث أبی هریرةؓ أخرجه ابن ماجه (ص ۲۰)۔

……………………………………

فی فضل ما بین القبر والمنبر

سوال (۲۱): وفیهما من حدیث ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: "ما بین قبری ومنبری

روضة من رياض الجنة‘‘۔

الجواب (۲۱): الحديث الحادى والعشرون هكذا نقله نور الدين السمهودى فى وفاء الوفاء (ص۱/۳۰۲) وعزاه للشيخين، وهو وهم، فإنّهما لم يخرجاه من حديث ابن عمرؓ بل أخرجاه (ص۱۵۹ و۴۴۶) من حديث عبد الله بن زيد بن عاصم المازنیؓ وأبى هريرةؓ، وليس عندهما لفظ قبرى بل عندهما لفظ بيتى، وزاد ابو هريرةؓ فى روايته ’’ومنبرى علىٰ حوضى‘‘، وحديث ابن عمرؓ بلفظ ’’ما بين قبرى‘‘ أخرجه الطبرانى كما فى فتح البارى (۴/۴۷۱)، ولكن نقل الحافظ نور الدين الهيثمى فى مجمع الزوائد حديث ابن عمرؓ معزيّا للطبرانى بلفظ ’’ما بين بيتى ومنبرى‘‘، فالله أعلم۔

والظاهر أن لفظ قبرى غير ثابت عنه ﷺ، لأنه قاله فى حيٰوته، ولو كان قال لفظ ’’قبرى‘‘ لَاحتجّ الصحابة علىٰ دفنه فى حجرته بهٰذا اللفظ، ولم ينقل احتجاج أحد بهٰذا اللفظ، والله أعلم۔ وقد جزم القرطبى وابن تيمية وابن حجر العسقلانى بأن لفظ ’’قبرى‘‘ خطأ من بعض الرواة۔

……………………………………

سوال (۲۲): وبه إلى جابر بن عبد اللهؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: ’’ما بين حجرتى إلىٰ منبرى روضة من رياض الجنة، وإن منبرى علىٰ ترعة من ترع الجنة‘‘۔

الجواب (۲۲): الحديث الثانى والعشرون أخرجه أحمد (۳/۳۸۹) بلفظ ’’أن ما بينى منبرى إلى حجرتى‘‘۔ وفى إسناده على بن زيد بن جدعان، وفيه كلام من جهة حفظه وقد وثّق۔

……………………………………

سوال (۲۳): ما نقله رزين من حديث أم سلمةؓ أنها سمعت رسول الله ﷺ يقول يعنى وهو على المنبر: ’’إنى لَعلىٰ حوضى الآن‘‘۔

الجواب (۲۳): الحديث الثالث والعشرون لم أقف عليه تامّاً، وأشار إليه نورالدين السمهودى (ص۳۰۳ج ۱) وعزاه لِابن عساكر ويحيى بن الحسين۔

……………………………………

فی فضل أهل قباء ومسجدهم

سوال (۲۴): روی ابن النجار بسنده إلی عویم بن ساعدةؓ أن النبی ﷺ قال لِاهل قباء: ”إن الله قد أحسن الثناء علیکم فی کتابه العزیز فقال ﴿فِیْهِ رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ أَنْ یَتَطَهَّرُوْا﴾ الآیة۔

الجواب (۲۴): الحدیث الرابع والعشرون أخرجه أحمد (ص ۳/۴۲۲)، وابن خزیمة (ص ۱/۴۵)، والطبرانی (ص ۲/۲۳)، والحاکم (۱/۱۵۵) من طریق شرحبیل بن سعد عن عویم بن ساعدة الأنصاری أن النبی ﷺ قال لأهل قباء: ”إن الله قد أحسن الثناء علیکم فی الطهور وقال ﴿فِیْهِ رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ أَنْ یَتَطَهَّرُوْا﴾ حتّٰی انقضت الآیة، فقال لهم: ما هذا الطهور؟ فقالوا: ما نعلم شیئا إِلّا أنّه کان لنا جیران من الیهود وکانوا یغسلون أدبارهم من الغائط، فغسلنا کما غسلوا“۔ صحّحه الحاکم وأقرّه الذهبی۔

قلت شرحبیل بن سعد قال ابن معین والنسائی: ضعیف، وقال الدارقطنی: ضعیف یعتبر به، وذکره ابن حبان فی الثقات، وقال الحافظ فی التقریب: صدوق اختلط بآخرة، وقال فی تهذیب التهذیب: وفی سماعه من عویم بن ساعدة نظر، لأن عویما مات فی حیاة رسول الله ﷺ ویقال: فی خلافة عمر، انتهیٰ۔

قلت: هذا الثانی هو الراجح، فقد أخرج البخاری (ص ۱۰۰۹) فی قصة سقیفة بنی ساعدة حین توفّی الله نبیه ﷺ ”أن الأنصار اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعدة فقلت لِابی بکر: انطلق بنا إلی إخواننا من الأنصار، فانطلقنا فلمّا دنونا منهم لقیَنا منهم رجلان صالحان“۔ الحدیث۔ والرجلان هما عویم بن ساعدةؓ ومعن بن عدیؓ کما فی حدیث السقیفة، هذا عند أحمد (ص ۱/۵۶) وابن سعد (ص ۳/۴۶۰) وابن حبان (ص ۱/۲۹۲)۔

……

سوال (۲۵): وفی روایة ابن حبان ”کلّ یوم سبت“۔

الجواب (۲۵): الحدیث الخامس والعشرون ذکره السمهودی فی وفاء الوفاء (۲/۱۹) بروایة ابن حبان۔

……

سوال (٢٦): حكى ابن النجار: أن عمر بن الخطابؓ كان يأتى قباء يوم الاثنين ويوم الخميس، فجاء يوماً فلم يجد فيه أحداً من أهله، فقال: ”والذى نفسى بيده لقد رأيت رسول الله ﷺ و أبا بكرؓ فى أصحابه ننقل حجارته على بطوننا ويؤسُّسه رسول الله ﷺ و جبريلؑ يؤمّ به البيت“۔

الجواب (٢٦): الحديث السادس والعشرون نقلهٗ نورالدين السمهودى فى وفاء الوفاء (ص٢٠/ج٢) فى الفصل الثانى من الباب الخامس، وعزاه ليحيىٰ بن الحسين بروايته عن أبى غزيّة قال: ”كان عمر بن الخطابؓ يأتى قباء يوم الاثنين ويوم الخميس، فجاء يوماً من تلك الأيام فلم يجد فيه أحداً من أهلهٖ فقال: والذى نفسى بيدهٖ لقد رأيت رسول الله ﷺ وأبا بكرؓ فى أصحابهٖ ننقل حجارته على بطوننا يؤسّسه رسول الله ﷺ بيدهٖ وجبريل يؤمّ بهٖ البيت، ومحلوف عمر بالله لو كان مسجدنا هذا بطرف من الأطرافِ لضربنا إليه أكباد الإبل، ثم قال: اكسروا لى سعفة واجتنبوا العواهن أى ما يلى القلب من السعف، فقطعوا السعفة فأتى بها فأخذ رزمة، فربطها فمسحه، قالوا: نحن نكفيك يا أمير المؤمنين قال لَا تكفونيه“۔ انتهى۔

……………………………………

سوال (٢٧): روى البخارى فى الصحيح: ”كان سالم مولى أبى حذافةؓ يؤمّ المهاجرين الأوّلين من أصحاب النبى ﷺ فى مسجد قباء فيهم أبوبكرؓ و عمرؓ“۔

الجواب (٢٧): الحديث السابع والعشرون أخرجه البخارى فى الأحكام فى باب استقضاء الموالى (ص١٠٦٤)۔

……………………………………

سوال (٢٨): عن (أبى أمامة بن) سهل بن حنيف عن أبيهؓ أن النبى ﷺ قال: ”من توضّأ فأسبغ الوضوء وجاء مسجد قباء فصلّى فيه ركعتين كان له أجر عمرة“۔

الجواب (٢٨): الحديث الثامن والعشرون أخرجه ابن ماجه (ص١٠٣) فى الصلٰوة فى باب ما جاء فى الصلٰوة فى مسجد قباء وأحمد فى مسنده (ص٤٨٧/٣) من طريق محمد بن سليمان الكرمانى عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف قال: قال سهل بن حنيفؓ: قال رسول الله

ﷺ : ”من تطهّر فی بیته ثم أتیٰ مسجد قباء فصلّی فیه صلٰوة کان له کأجر عمرة“۔

محمد بن سلیمان ذکره ابن حبان فی الثقات، وأخرجه الحاکم فی المستدرک (٣/١٢) من هذا الوجه بنحوه وصحّحه، وأقرّه الذهبی، وأخرجه النسائی أیضاً (ص١/١١٣ کتاب المساجد، فضل مسجد قباء والصلوة فیه) من هذا الوجه بنحوه۔

واللفظ المذکور فی السؤال کأنه لِابن زبالة أو غیره ولم أجده۔

……

سوال (٢٩): نقل الطبرانی فی معجمه عنه أن رسول الله ﷺ قال: ”من توضّأ فأحسن وضوءه ثم دخل مسجد قباء یرکع فیه أربع رکعات کان ذلک عدل رقبة“۔

الجواب (٢٩): الحدیث التاسع والعشرون أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن سهل بن حنیفؓ قال: قال رسول الله ﷺ : ”من توضأ فأحسن وضوءه ثم دخل مسجد قباء فرکع فیه أربع رکعات کان ذلک عدل رقبة“۔

قال الهیثمی فی المجمع (۴/١١): فی إسناده موسی بن عبیدة وهو ضعیف، قلت: رواه ابن أبی شبّة من طریق موسی بن عبیدة بلفظ: ”کان له عدل عمرة“۔ کذا نقله السمهودی (٢/١٨)۔

……

سوال (٣٠): روت عائشة بنت سعد بن أبی وقاص عن أبیهاؓ قال: ”والله لأن أصلّی فی مسجد قباء رکعتین أحبّ إلیّ من أن آتی بیت المقدس مرّتین، ولو یعلمون ما فیه لضربوا إلیه أکباد الإبل“۔

الجواب (٣٠): الحدیث الثلاثون أخرجه ابن شبّة فی أخبارالمدینة بسند صحیح کما فی وفاء الوفاء (٢/١٩) فی الفصل الثانی من الباب الخامس ولیس فیه ”والله“۔

……

سوال (٣١): روی نافع عن ابن عمرؓ: ”أنّ النبی ﷺ صلّی إلی الأسطوان“۔

الجواب (٣١): الحدیث الحادی والثلاثون الظاهر أنّ هذا الحدیث مختصر من حدیث

ذكره العلامة نور الدين السمهودى فى وفاء الوفاء (ص ۱۲/۲)، وعزاه لعمر بن شبّة مؤرخ المدينة عن ابن رقيش قال: ”بنىٰ رسول الله ﷺ مسجد قباء وقدم القبلة إلى موضعها اليوم، وقال: جبرئيل يؤمّ بى البيت“، قال ابن رقيش: فحدثنى نافع: أن ابن عمرؓ كان بعدُ إذا جاء مسجد قباء صلّى إلى الأسطوان المخلّقة يقصد بذلک مسجد النبى ﷺ الأول۔

متفرقات

سوال (۳۲): نقل رزين عن نعيم بن عبد الله عن أبيهؓ أنّه سمع رسول الله ﷺ يقول وهو على منبره: ”إن قدمى الآن على ترعة من ترع الجنة، أتدرون ما الترعة؟“

الجواب (۳۲): الحديث الثانى والثلاثون لم أره، ولعل صاحب جامع الأصول نقله عن رزين۔

……

سوال (۳۳): ورواه أبوداود فى سننه، وقيل: عمله غلام لسعيد بن العاصؓ يقال له ’باقول‘ وقيل: عمله غلام لرجل من بنى مخزوم، حكاهما ابن زبالة أيضاً۔

الجواب (۳۳): الحديث الثالث والثلاثون الذى أشير إليه بقول السائل: أخرجه أبو داود، هو ما أخرجه فى الجمعة فى باب اتّخاذ المنبر (ص۱۷۷/۲) من طريق أبى عاصم عن ابن أبى روّاد عن نافع عن ابن عمرؓ أنّ النبى ﷺ لما بدن قال لهٗ تميم الدارى ألَا أتخذ لک منبراً يا رسول الله! يجمع أو يحمل عظامک؟ قال بلىٰ، فاتّخذ لهٗ منبراً مرقاتين۔

قال السمهودى فى الفصل الرابع من الباب الرابع من وفاء الوفاء (ص۲۸۰/۱): نقل ابن زبالة الإختلاف فى الذى عمل المنبر، فقيل: غلام نصيبة المخزومى، وقيل: غلام للعباسؓ، وقيل: غلام لسعيد بن العاصؓ يقال لهٗ ’باقول‘ (بموحّدةٍ وقاف مضمومة)، وقيل: غلام لِامرأة من الأنصار من بنى ساعدةَ، أو لِامرأةٍ لرجلٍ منهم يقال لهٗ ’مينا‘۔

وقوله ”يقال لهٗ مينا“ يحتمل المولىٰ وزوج المرأة، لكن عند يحيىٰ قال إسماعيل بن عبد الله: الذى عمل المنبرغلام الأنصارية واسمه ’ميناء‘، وعند ابن بشكوال عن ابن أبى أويس:

عمل المنبر غلام لِامرأة من الأنصار من بنی سلمة أو بنی ساعدة أو امرأة لرجل منهم يقال لهٗ ’مینا‘، وهذا محتمل کالأوّل، وقيل: عمله تميم الداری، هذا حاصل ما ذکرهٗ ابن زبالة، انتهیٰ۔

وفی اسم صانع المنبر أقوال ذکرها السمهودی، وقبلهٗ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری فی الجمعة فی باب الخطبة علی المنبر (ص۳/۴۸)، ورجّح الحافظ ابن حجر أن اسمه میمون، کما وقع فی رواية قاسم بن أصبغ وأبی سعد فی شرف المصطفیٰ۔

……

سوال (۳۴): أخرجه أبوداود، وروی البیهقی أيضا من حديث أنس ؓ قال قال رسول الله ﷺ: إنّ أقربکم منّی یوم القيامة فی کلّ موطن أکثرکم علیّ صلوٰة فی الدنيا، فمن صلّی علیّ یوم الجمعة وليلة الجمعة قضی الله له مائة حاجة، سعبين من حوائج الآخرة وثلاثين من حوائج الدنیا۔

الجواب (۳۴): الحديث الرابع والثلاثون الذی أشير إليه فی قول السائل: أخرجهٗ أبو داود، لم يتعيّن ما أراد بہ، وليس عندی الکتاب الذی نقلت عبارة السؤال منه۔

وظنّی أنهٗ أراد به حديث أبی هريرة ؓ قال قال رسول الله ﷺ: لَا تجعلوا بيوتکم قبوراً، ولَا تجعلوا قبری عيداً، وصلّوا عليّ فإن صلوٰتکم تبلغنی حيث کنتم۔

أخرجه أبو داود فی آخر الحجّ فی باب زيارة القبور (ص۳/۲۰۷ بذل) وأحمد (ص۲/۳۶۷)، قال النووی فی الأذکار وشرح المهذب (ص۹/۲۷۵) والحافظ ابن حجر فی الفتح (ص۷/۲۹۷): إسنادهٗ صحيح، وقال ابن القيم فی إغاثة اللهفان: إسناده حسن رواتهٗ کلهم ثقات مشاهير، وتبعهٗ ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص۱۷۴)، وقال فی موضع آخر من الصارم (ص۲۹۷): وهو حديث حسن جيد الاِسناد، وله شواهد کثيرة يرتقی بها الیٰ درجة الصحة۔

(تنبيه) هذا الحديث عزاه صاحب المشکوٰة (ص۸۶)للنسائی وهو وهم، فإنّ النسائی لم يخرجه۔

وحديث أنس ؓ أخرجه البيهقی فی حياة الأنبياء بسند ضعيف، وکذا ابن بشکوال وأبو اليمن

بن عساكر وهو عند التيمى فى ترغيبهٖ، والديلمى فى مسند الفردوس له وأبى عمرو بن مندة فى الأول من فوائدهٖ بلفظ: ”من صلّى علىّ يوم الجمعة وليلة الجمعة مأة من الصلوٰة قضى الله له مأة حاجة، سبعين من حوائج الآخرة وثلاثين من حوائج الدنيا، ووكّل الله بذلک ملکاً يدخلهٗ على قبرى كما تدخل عليكم الهدايا، إن علمى بعد موتى كعلمى فى الحياة“، كذا فى القول البديع (ص۱۵۶) فى الباب الرابع۔

……

سوال (۳۵): روينا فى سنن أبى داود قال: ”كنت قايد أبى كعب بن مالکؓ حين ذهب بصره، فكنت إذا خرجت به إلى الجمعة فسمع الأذان بها صلّى علىٰ أبى أمامة أسعد بن زرارةؓ، فمكثت حيناً على ذلک لَا يسمع الأذان للجمعة إلّا صلّى عليه واستغفر له، فسألته عن ذلک“، الخ۔

الجواب (۳۵): الحديث الخامس والثلاثون أخرجه أبو داود (ص۱۷۱/۲بذل) فى أبواب الجمعة فى باب الجمعة فى القرىٰ من طريق محمد بن إسحاق عن محمد بن أبى أمامة بن سهل عن أبيه عن عبدالرحمٰن بن كعب بن مالک، وكان قائد كعب أبيه بعد ما ذهب بصرهٗ، عن أبيه كعب بن مالکؓ ”أنّه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحّم لأسعد بن زرارةؓ، فقلت لهٗ: إذا سمعت النداء ترحّمت لأسعد بن زرارةؓ؟ قال: لأنهٗ أول من جمع بنا فى هزم النّبيت من حرّة بنى بياضة فى نقيع يقال له نقيع الخضمات، قلت: كم أنتم يومئذ؟ قال: أربعون“، وصحّحهٗ ابن خزيمة وابن حبان وابن حزم، وقال البيهقى (ص۱۷۷/۳) هذا حديث حسن الإسناد صحيح، واللفظ المذكور فى السوال أخرجه ابن اسحاق فى سيرته (ص۲۳۷ تهذيب السيرة لِابن هشام) إلّا قولهٗ ”فسألته عن ذلک“، فكأنه مختصر من لفظ ابن اسحاق، والله أعلم۔

……

سوال (۳۶): وفى رواية النسائى ”يأتينى وهو معتكف فى المسجد فيتّكئ علىٰ عتبة باب حجرتى فأغسل رأسه وأنا فى حجرتى وسائره فى المسجد“۔

الجواب (۳۶): الحديث السادس والثلاثون أخرجه أحمد (ص۶/۸۶) حدثنا أبو المغيرة ثنا الأوزاعى قال ثنا الزهرى عن عروة عن عائشةؓ قالت :”كان رسول اللهﷺ يأتينى وهو معتكف فى المسجد حتىٰ يتّكئ على باب حجرتى فأغسل رأسه وأنا فى حجرتى وسائر جسده فى المسجد“، وأخرجه أيضاً (ص۶/۲۷۲) من وجه آخر قال حدثنا يعقوب أنا ابن أخى ابن شهاب عن عمّه قال أخبرنى عروة عن عائشةؓ: ”أنها كانت ترجّل رسول الله ﷺ وهى طامث ورسول الله ﷺ عاكف فى المسجد، فيتّكئ إلى أسكفّة باب عائشةؓ فتغسل رأسه وهى فى حجرتها“۔

الإسنادان صحيحان، ولم أجده فى السنن الصغرىٰ للنسائى ولعله فى السنن الكبرىٰ له فى الاِعتكاف۔

……

سوال (۳۷): وروى من حديث الدار قطنى عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”من زار قبرى و جبت له شفاعتى“۔

الجواب (۳۷): الحديث السابع والثلاثون أخرجه الدارقطنى فى كتاب الحجّ من سننه (ص۲۸۰)، من طريق موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمرؓ مرفوعاً، وكذا أخرجه العقيلى وابن عدى والبيهقى من هذا الوجه، ولكن اختلفت الرواة فقال بعضهم: عن عبيد الله بن عمر مصغراً كما فى الدار قطنى والعقيلى، وقال بعضهم: عن عبد الله بن عمر مكبراً۔

وأخرجه ابن عدى والبيهقى بالوجهين، ورجّح ابن عدى أنه من رواية عبد الله المكبر المضعّف لَا من رواية عبيد الله المصغّر الثقة، قال البيهقى: هوعلى الوجهين منكر عن نافع عن ابن عمرؓ، ورواه ابن خزيمة فى صحيحه من طريق موسى بن هلال وقال: إن صحّ الخبر فإنّ فى القلب من إسناده، ثم رجّح أنه من رواية عبد الله بن عمر العمرى المكبّر لَا المصغّر، وصرّح بأن الثقة لَا يروى هذا الخبر المنكر، وقال العقيلى: لَا يصح حديث موسى ولَا يتابع عليه، والرواية فى هذا الباب فيها لين، وجعله الذهبى فى الميزان منكراً فقال فى ترجمة موسىٰ

المذکور: أنکر ما روی فذکر هذا الحدیث، وکذا عدّهٔ ابن عبد الهادی منکراً، لکن صحّحه ابن السکن فی إیراده إیاه فی أثناء السنن الصحاح له، وعبد الحق فی الأحکام فی سکوته عنه، والشیخ تقی الدین السبکی من المتأخرین باعتبار مجموع طرقه، وبسط الکلام علیها ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی والحافظ ابن حجر فی التلخیص الحبیر (ص ۲۲۱)۔

……

سوال (۳۸): وفی الحدیث: ”فإن صلوٰتکم تبلغنی أینما کنتم“۔

الجواب (۳۸): الحدیث الثامن والثلاثون طرف من حدیث أبی هریرةؓ المتقدم فی الرابع والثلاثین بلفظ ”حیث کنتم“، وأخرجه أحمد بلفظ ”حیثما کنتم“، وأما لفظ ”أینما کنتم“ فلم أقف علیه فی هذا الحدیث۔

نعم ولفظ ”أینما“ فی حدیث آخر أخرجه أبویعلی فی مسنده حدثنا أبوبکر بن أبی شیبة حدثنا زید بن الحباب حدثنا جعفر (وهو جعفر بن إبراهیم بن محمد بن علی بن عبدالله بن جعفر ابن أبی طالب ذی الجناحین، روی عن علی بن عمر بن علی بن الحسین، روی عنه زید بن الحباب و إسمعیل بن أبی أویس سمعت أبی یقول ذلک، کذا فی الجرح والتعدیل) بن إبراهیم من ولد ذی الجناحین حدثنا علی بن عمر عن أبیه عن علی بن الحسین: أنه رأی رجلاً یجیئ إلی فرجة کانت عند قبر النبی ﷺ یدخل فیها فیدعو فنهاه فقال: ”ألَا أحدثک حدیثاً سمعته من أبی عن جدی عن رسول الله ﷺ قال: لَا تتخذوا قبری عیداً ولَا بیوتکم قبوراً فإن تسلیمکم تبلغنی أینما کنتم“۔

وهذا الحدیث هکذا نقله الحافظ ابن عبدالهادی فی الصارم المنکی (ص ۱۰۹) والحافظ نورالدین الهیثمی فی مجمع الزوائد (ص ۴/۳) عن مسند أبی یعلی، وقال: فیه جعفر بن إبراهیم الجعفری، ذکره ابن أبی حاتم (ص ۱/۴۷۴) ولم یذکرفیه جرحاً وبقیة رجاله ثقات، ونقله الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیة (ص ۱/۳۷۲) عن مسند ابن أبی شیبة بلفظ: ”وصلّوا علیّ، فإن صلوتکم وتسلیمکم یبلغنی حیثما کنتم“، وذکر أن أبا یعلی رواه عن ابن أبی شیبة، ونقله السخاوی فی القول البدیع عن ابن أبی شیبة بلفظ: ”وسلّموا علیّ فإن

تسليمكم يبلغنى أينما كنتم“۔

قلت: ورواه ابن أبى شيبة فى مصنفه(۲/۳۷۵) بلفظ صلّوا علىّ فإن صلٰوتكم تبلغنى حيث ما كنتم، ورواه القاضى إسمعيل فى فضل الصلوٰة على النبى ﷺ (ص ۳۶) بلفظ: ”وصلّوا علىّ وسلّموا حيثما كنتم فسيبلغنى سلامكم وصلوٰتكم، ورواه الخطيب فى الموضح (ص۲/۵۳) بلفظ: ”وصلّوا علىّ حيثما كنتم فإن صلوتكم وتسليمكم يبلغنى حيثما كنتم“۔

قال ابن عبد الهادى: هذا الحديث مما أخرجه الحافظ أبوعبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسى فيما اختاره من الأحاديث الجياد الزائدة على ما فى الصحيحين، وهو أعلى مرتبة من تصحيح الحاكم، وهو قريب من تصحيح الترمذى وأبى حاتم البستى ونحوهما، فإن الغلط فى هذا قليل ليس هو مثل صحيح الحاكم، فإن فيه أحاديث كثيرة يظهر أنها كذب موضوعة، فلهذا انحطّت درجته عن درجة غيره، انتهى۔

وقال فى موضع آخر (ص ۲۸۱): وهو حديث محفوظ عن على بن الحسين زين العابدين وله شواهد كثيرة، وقال السخاوى: هذا حديث حسن وله شواهد۔

قلت: ومنها حديث أبى هريرة المذكور فى الرابع والثلاثين، قلت: على بن عمر وعمر بن على ذكرهما أبوحاتم الرازى ولم يذكر جرحاً، (ص۱۲۴ و ۳/۱۹۶)۔

……

سوال (۳۹): وحديث: ”ما من أحد يسلّم علىّ إلّا ردّ الله علىّ روحى حتى أردّ عليه“ ۔

الجواب (۳۹): الحديث التاسع والثلاثون أخرجه أحمد (ص۲/۵۲۷) حدثنا عبد الله بن يزيد ثنا حيوة ثنا أبو صخر أن يزيد بن عبدالله بن قسيط أخبره عن أبى هريرةؓ عن رسول الله ﷺ قال: ”ما من أحد يسلّم علىّ إلّاردّ الله إلىّ روحى حتى أردّ عليه السلام“۔

وأخرجه البيهقى (ص۵/۲۴۵) من طريق المقرى بهذا اللفظ، وأخرجه أبوداود (ص۳/۲۰۷) من هذا الوجه بلفظ: ”ردّ الله علىّ روحى“ وسكت عنه ، وقال النووى فى شرح المهذب(ص ۸/۲۷۴) والسبكى فى شفاء السقام: إسناده صحيح، وقال الحافظ ابن حجر فى الفتح (ص۷/۲۹۷): رواته ثقات، وقال السخاوى فى القول البديع (ص۱۵۵): إسناده

حسن، قال ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص۱۷۵): هذا الحدیث هو الذی اعتمد علیه الإمام أحمد وأبوداود وغیرهما من الأئمة فی مسئلة الزیارة، وهو أجود ما استدلّ به فی هذا الباب، ومع هذا فلا یسلم من مقال فی إسناده ونزاع فی دلَالته۔

ثمّ تکلّم علی إسناده مطوّلًا بما حاصله أنه تفرّد به أبو صخر عن ابن قسیط، وتفرّد به ابن قسیط عن أبی هریرةؓ، وأبو صخر هو حمید بن زیاد مولیٰ بنی هاشم وهو ابن أبی المخارق الخراط صاحب العباء سکن مصر، قال البخاری قال بعضهم: حماد، وقال بعضهم: حمید بن صخر، وقال أبومسعود الدمشقی: حمید بن صخر أبومودود الخراط ویقال: إنهما اثنان، والصحیح أنه واحد، وهو حمید بن زیاد أبوصخر، وهو مختلف فیه، فوثقه بعضهم وتکلّم فیه آخرون، واختلفت الروایة عن یحیٰی بن معین، فقال فی روایة بن أبی مریم وإسحق بن منصور: ضعیف، وقال فی روایة عثمان الدارمی عنه: لیس به بأس، وحکی الدارمی فی موضع آخر عنه: ثقة، وقال عبد الله بن أحمد عن أبیه: لیس به بأس، وحکی العقیلی عن أحمد قال: حمید بن صخر ضعیف، وکذا نقل جماعة کالدولَابی وابن عدی عن النسائی قال: حمید بن صخر یروی عنه حاتم بن إسماعیل ضعیف، لکن الذی فی الضعفاء للنسائی: حمید بن صخر یروی عنه حاتم بن إسماعیل لیس بالقوی، وقال فی کتاب الکنیٰ: أبوصخر حمید بن زیاد المدنی لیس بالقوی، وقال ابن عبدالبر: أبوصخر الخراط حمید بن زیاد المصری هو حمید بن أبی المخارق لیس به بأس عند جمعیهم۔

وقال ابن عدی بعد أن روی له ثلاثة أحادیث: هوعندی صالح الحدیث، إنما أنکر علیه هذان الحدیثان "المؤمن یألف"، وفی القدریة، وسائر حدیثه أرجو أن یکون مستقیما، وقال فی موضع آخر: حمید بن صخر یروی عنه حاتم بن إسماعیل ضعیف قاله النسائی، وروی له ثلثة أحادیث غیرما ذکرفی حمید بن زیاد، ثم قال: ولحاتم بن إسمعیل عن حمید أحادیث غیرما ذکرته، وفی بعض هذه الأحادیث عن المقبری ویزید الرقاشی مالَا یتابع علیه، قال ابن عبد الهادی: هکذا فرّق ابن عدی بینهما، والصحیح أنهما رجل واحد، وهو أبوصخر حمید بن زیاد، لکن حاتم بن إسماعیل کان یسمّیه حمید بن صخر وسمّاه بعضهم حماداً۔

وقد روى له الجماعة كلهم، أمّا البخارى ففى الأدب المفرد والنسائى فى مسند علیؓ، وقد عرف اختلاف الأئمة فى عدالته واسمه وكنيته واسم أبيه ، فما تفرد من الحديث ولم يتابعه عليه أحد لَا ينهض إلى درجة الصحيح بل يستشهد به ويعتبر به۔

وقد ذكر بعض الأئمة أنه على شرط مسلم، وفى ذلک نظر، فان ابن قسيط وإن كان مسلم قد روى فى صحيحه من رواية أبى صخر عنه لكنه لم يخرج من روايته عن أبى هريرةؓ شيئاً ، فلو كان قد أخرج فى الأصول حديثاً من رواية أبى صخر عن ابن قسيط عن أبى هريرةؓ أمكن أن يقال فى هذا الحديث أنه على شرطه، وأورد مسلم رواية أبى صخر متابعة، وهكذا عادة مسلم غالباً إذا روى لرجل قد تكلم فيه ونسب إلى ضعف لسوء حفظه وقلة ضبطه أنما يروى له فى الشواهد والمتابعات، ولَا يخرج له شيئا انفرد به ولم يتابع عليه، فعلم أن هذا الحديث الذى تفرد به أبوصخر عن ابن قسيط عن أبى هريرةؓ لَا ينبغى أن يقال: هو على شرط مسلم، وإنما هو حديث إسناده مقارب، وهو صالح لأن يكون متابعاً لغيره وعاضداً له، انتهى ملخصاً ۔

قلت: أبوصخر حميد بن زياد هذا قال البغوى: مدنى صالح الحديث، وقال الدار قطنى: ثقة، وذكره ابن حبان فى الثقات، ونقل ابن أبى حاتم (ص۲۲۲/۱) عن عثمان الدارمى عن ابن معين: ثقة لَا بأس به، فحديثه لَا ينحط عن درجة الحسن، وقد قال ابن عبد البر إنه لَا بأس به عند جميعهم، والله أعلم۔

……………………………………………

سوال (۴۰): وروى مالک بسنده إلى سويد بن النعمانؓ أنه خرج مع النبی ﷺ عام خيبر فنزل فصلّى العصر ثمّ دعا بالأزواد، فلم يؤت الّا بالسويق، فأكل وأكلنا، ثم قام إلى المغرب، فمضمض ومضمضنا، ثم صلّى ولم يتوضأ۔

الجواب (۴۰): الحديث الأربعون حديث سويد بن النعمان أخرجه مالک فى الموطا فى باب ترک الوضوء مما مست النار (ص ۵۶/۱)، وأخرجه البخارى فى باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ (ص ۳۴)۔

……………………………………………

سوال (۴۱): وفی روایة: "إن الأنبیاء لَا یترکون فی قبورهم بعد أربعین لیلة ولکنهم یصلّون بین یدی الله حتی ینفخ فی الصور"، وله شواهد فی الصحیح، منها قوله علیه الصلوٰة والسلام: "مررت بموسیٰ وهو قائم یصلّی فی قبره"۔

الجواب (۴۱): الحدیث الحادی والأربعون أخرجه البیهقی فی حیاة الأنبیاء من طریق محمد بن عبد الرحمٰن بن أبی لیلیٰ عن ثابت عن أنسؓ عن النبی ﷺ قال: "إن الأنبیاء لَا یترکون فی قبورهم بعد أربعین لیلة ولکنهم یصلّون بین یدی الله تعالیٰ حتی ینفخ فی الصور"، ومحمد أحد فقهاء الکوفة صدوق ولکنه سئ الحفظ، قال البیهقی: إن صح بهذا اللفظ فالمراد -والله أعلم- لَا یترکون یصلّون إلّا هذا المقدار، ثم یکونون مصلین فیما بین یدی الله تعالیٰ، کذا فی فتح الباری (ص ۲۹۶/۷) ووفاء الوفاء (ص ۴۰۵/۲) وغیرهما۔

(تنبیه) ذکر الغزالی ثم الرافعی حدیثاً مرفوعاً: "أنا أکرم علی ربّی من أن یترکنی فی قبری بعد ثلاث"، قال الحافظ ابن حجر (ص ۲۹۶/۷): ولَا أصل له إلّا أن أخذ من روایة ابن أبی لیلیٰ هذه ولیس الأخذ بجیّد، لأن روایة ابن أبی لیلیٰ قابلة للتأویل أی کما تقدم۔

وأما الشاهد الذی أشیر إلیه فی السوال، فأخرجه مسلم فی الفضائل (ص ۲۶۸/۲) من طریق حماد بن سلمة عن ثابت وسلیمان التیمی عن أنسؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: "مررت علی موسیٰ لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلّی فی قبره"۔

……

سوال (۴۲): وفی حدیث أبی ذرؓ فی صفة المعراج: "أنه لقی الأنبیاء فی السمٰوات وکلّموه وکلّمهم"۔

الجواب (۴۲): الحدیث الثانی والأربعون حدیث أبی ذرؓ فی صفة المعراج أخرجه البخاری فی کتاب الصلوة فی 'باب کیف فرضت الصلوة لیلة الإسراء' ومسلم فی الإیمان فی أحادیث الإسراء (ص ۹۲/۱) مطوّلاً، وفیه ذکر لقاء النبی ﷺ آدم وعیسیٰ و إدریس و موسیٰ وإبراهیم علیهم الصلوٰة والسلام وسلامه علیهم وجوابهم، وقول إبراهیم و آدم علیهما السلام مرحباً بالنبی الصالح والإبن الصالح وقول غیرهما مرحباً بالنبی الصالح والأخ الصالح، وکلام

موسیٰؑ معه فی مراجعة ربه فی تخفیف الصلوٰة، وذکر فی حدیث مالک بن صعصعةؓ عند الشیخین لقاءه ﷺ یوسف وهارون علیهما السلام أیضاً۔

……

سوال (۴۳): وفی الصحیح: "أن رسول الله ﷺ قد مرّ بوادی الأزرق فقال: کأنی أنظر إلی موسیٰؑ هابطاً من الثنیّة وله جُؤار إلی الله بالتلبیة، ثم أتیٰ علی ثنیة هرشیٰ فقال: کأنی أنظر إلی یونس بن متّیٰؑ علیٰ ناقة حمراء جعدة"، الحدیث۔

الجواب (۴۳): الحدیث الثالث والأربعون أخرجه مسلم فی الإیمان فی أحادیث الإسراء (ص۹۴/۱) عن ابن عباسؓ: "أن رسول الله ﷺ مرّ بوادی الأزرق فقال: أی واد هذا؟ فقالوا: هذا وادی الأزرق، قال: کأنی أنظر إلی موسیٰؑ هابطاً من الثنیة وله جوار إلی الله بالتلبیة، ثم أتیٰ علی ثنیة هرشیٰ فقال: أی ثنیة هذه؟ قالوا: ثنیة هرشیٰ، قال ؛کأنی أنظر إلی یونس بن متّیٰؑ علی ناقة حمراء جعدة علیه جبّة من صوف خطام ناقته خلبة وهو یلبّی۔

هذا الحدیث تفرد به مسلم عن البخاری۔

……

سوال (۴۴): روینا فی صحیح البخاری من حدیث أنسؓ بن مالک قال: "کان أبو طلحةؓ أکثر أنصاریّ بالمدینة مالاً من نخل، وکان أحبّ أمواله إلیه بیرحاء وکانت مستقبلة المسجد، وکان رسول الله ﷺ یدخلها ویشرب من ماء فیها طیب"، الحدیث۔

الجواب (۴۴): الحدیث الرابع والأربعون أخرجه البخاری فی الزکوٰة فی باب الزکوٰة علی الأقارب، والوکالة والوصایا والتفسیر وغیرها، ومسلم فی الزکوٰة (ص۳۲۳/۱) عن أنسؓ قال: "کان أبو طلحةؓ أکثر أنصاریّ بالمدینة مالاً وکان أحبّ أمواله إلیه بیرحاء و کانت مستقبلة المسجد، وکان رسول الله ﷺ یدخلها ویشرب من ماء فیها طیب، فلما نزلت ﴿لَن تَنالُوا البِرَّ حتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ قام أبوطلحةؓ إلی رسول الله ﷺ فقال: یا رسول الله! إن الله یقول فی کتابه ﴿لَن تَنالُوا البِرَّ حتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وإن أحبّ أموالی إلیّ بیرحاء و إنها صدقة لله أرجوا برّها وذخرها عند الله، فضعها یا رسول الله حیث شئت، فقال: بخ ذلک

مال رابح، ذلك مال رابح، قد سمعت ما قلت فيها وإنى أرىٰ أن تجعلها فى الأقربين، قال: أفعل يا رسول الله! فقسمها أبوطلحة فى أقاربه وبنى عمّه۔

……

سوال (۴۵): روينا فى صحيح البخارى من حديث أبى عبد الرحمٰن السلمى أن عثمانؓ حيث حوصر أشرف على الناس وقال: ”أنشدكم ولَا أنشد الّا أصحاب النبى ﷺ، ألستم تعلمون“، الخ۔

الجواب (۴۵): الحديث الخامس والأربعون أخرجه البخارى فى الوقف فى باب إذا وقف أرضاً أوبئراً(ص ۳۸۹) عن أبى عبد الرحمن أن عثمانؓ حيث حوصر أشرف عليهم فقال: ”أنشدكم بالله ولاَأنشد إلّا أصحاب النبى ﷺ، ألستم تعلمون أن رسول الله ﷺ قال:من حفر بئر رومة فله الجنة، فحفرتها، ألستم تعلمون أنه قال :من جهّز جيش العسرة فله الجنة“ ، فجهّزتهم، قال فصدّقوه بما قال۔

……

سوال (۴۶): وفى الصحيح من حديث عائشةؓ ”أنها دخلت عليه فسألها عن كفن النبى ﷺ فأخبرته، وسألها عن وفاته فى أى يوم؟ فذكرت له يوم الاِثنين وكان سؤاله يوم الاِثنين فعرف به، وقال: أرجو فيما بينى وبين الليلة، وكان عليه ثوب يمرّض فيه ردع من زعفران“۔

الجواب (۴۶): الحديث السادس والأربعون أخرجه البخارى مفصّلاً فى أواخر الجنائز فى ’باب موت يوم الاِثنين‘ (ص۱۸۶)۔

……

سوال (۴۷): وفى الصحيح من قوله ﷺ ”إن أمنّ النّاس علىّ فى صحبته وماله أبو بكر، ولوكنت متّخذاً من أمتى خليلاً لَاتّخذت أبا بكرخليلاً، ولكن أخوّة الاِسلام ومودّته، لَا يبقينّ فى المسجد“، الخ۔

الجواب (۴۷): الحديث السابع والأربعون أخرجه البخارى فى المساجد فى ’باب الخوخة والممرّ فى المسجد‘ (ص۶۷/ ۱) ومسلم فى الفضائل (ص۲۷۲/۲) عن أبى سعيد

الخدریؓ قال: ”خطب النبی ﷺ فقال: إن الله سبحانه خیّر عبداً بین الدنیا وبین ما عنده، فاختار ما عند الله، فبکی أبو بکرؓ، فقلت فی نفسی: ما یبکی هذا الشیخ؟ إن یکن الله خیّر عبداً بین الدنیا و بین ما عنده فاختار ما عندالله عزوجل، فکان رسول الله ﷺ هو العبد، وکان أبوبکرؓ أعلمنا، فقال یا أبابکر! لَا تبک، إن أمنّ الناس علیّ فی صحبته و ماله أبوبکر، ولو کنت متخذاً من أمتی خلیلاً لَا تّخذت أبا بکر، ولکن أخوّة الإسلام وموّدته، لَا یبقینّ فی المسجد باب إلاّ سدّ إلّا باب أبی بکر“، هذا لفظ البخاری، وأخرجه البخاری فی الهجرة (ص۵۵۲) بلفظ قریب منه، وبذلک اللفظ أخرجه مسلم۔

……

سوال (۴۸): وفی الصحیح من حدیث الجذع ما فیه کفایة، قیل: وکان موضعه عند الأُسطوانة التی تلی القبر، وهی عن یسار الأُسطوانة المخلّقة۔

الجواب (۴۸): الحدیث الثامن والأربعون أخرجه البخاری فی الجمعة فی ’باب الخطبة علی المنبر‘ (ص۱۲۵) عن جابرؓ قال: ”کان جذع یقوم علیه النبی ﷺ، فلما وضع له المنبر سمعنا للجذع مثل أصوات العشار، حتی نزل النبی ﷺ فوضع یده علیه“، انتهی۔

وفی حنین الجذع أحادیث کثیرة۔

(۱) عن ابن عمرؓ أخرجه البخاری، (۲) وبریدةؓ أخرجه الدارمی، (۳) وابن عباسؓ أخرجه أحمد وابن سعد والدارمی وابن ماجه وأبونعیم والبیهقی، (۴) وأنسؓ أخرجه الدارمی والترمذی وابن خزیمة وأبویعلیٰ و أبوعوانة والبیهقی وأبونعیم، (۵) وأبی سعیدؓ أخرجه ابن أبی شیبة والدارمی وأبونعیم، (۶) وسهل بن سعدؓ أخرجه ابن سعد وإسحق بن راهویه والبیهقی، (۷) وأم سلمةؓ أخرجه البیهقی وأبونعیم، (۸) وأبیّ بن کعبؓ أخرجه الدارمی وابن ماجه وابن سعد وأبو یعلیٰ والبیهقی والبغوی وأبونعیم، (۹) وعائشةؓ أخرجه الطبرانی وأبونعیم وغیر ذلک من الأحادیث۔

وذکر هذه الأحادیث السیوطی فی الخصائص الکبریٰ (ص۷۶/۲) والحافظ ابن حجر فی الفتح (ص ۴۱۵/۷)، قال البیهقی: قصة حنین الجذع من الأمور الظاهرة التی حملها الخلف

عن السلف، ورواية الأخبار الخاصة فيها كالتكلف۔

……

سوال (۴۹): روينا فی صحيح مسلم من حديث عائشةؓ قالت: ”كان رسول اللهﷺ كلّما كانت ليلتها يخرج آخر الليل إلى البقيع فيقول ’السلام عليكم دارقومٍ مؤمنين أتاكم ما توعدون غداً مؤجّلون وإنّا“، الخ

الجواب (۴۹): الحديث التاسع والأربعون أخرجه مسلم فی أواخرالجنائز (ص ۳۱۳/۱) تاماً، وبعد سبعة منه ينتهی كتاب الجنائز۔

……

سوال (۵۰): وفيه أيضاً عن عائشةؓ قالت: ”الَا أحدّثكم عن رسول اللهﷺ وعنّی؟ قلنا: بلیٰ! قالت: لما كانت ليلتی التی كان رسول اللهﷺ فيها عندی، انقلب فوضع رداءهٗ وخلع نعليه فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزارہٖ على فراشہٖ فاضطجع، فلم يلبث الّا أن ظنّ أنی قد رقدت، فأخذ رداءهٗ رويداً“، الخ۔

الجواب (۵۰): الحديث الخمسون أيضاً أخرجه مسلم تامّاً فی أواخر الجنائز (ص ۳۱۳/۱) بعد الحديث المتقدم۔

سوال (۵۱): روينا فی صحيح مسلم من حديث عمر بن الخطابؓ قال: ”سمعت رسول اللهﷺ يقول بوادی العقيق: أتانی الليلة آتٍ فقال: صلّ فی هذا الوادی المبارک وقل ’عمرة فی حجة‘ وكان عبد الله ينيخ بالوادی يتحرّٰی معرّس النبیﷺ ويقول: هو أسفل من المسجد الذی ببطن الوادی“۔

الجواب (۵۱): الحديث الحادی والخمسون أخرجه البخاری فی الحجّ فی ’باب قول النبی صلى الله عليه وسلم العقيق وادٍ مبارک‘ عن عمرؓ قال: ”سمعت النبیﷺ بوادی العقيق يقول: أتانی الليلة آتٍ من ربّی فقال: صلّ فی هذا الوادی المبارک وقل ’عمرة فی حجّة“، وهذا الحديث مما تفرّد به البخاری عن مسلم، ومن عزاه لمسلم فوهم۔

وأما قوله وكان عبد الله بن عمرؓ ينيخ فأخرجه البخاری (ص ۲۰۸) فی الباب المذكور

ومسلم فی الحجّ (ص ۴۳۵)۔

……………………………………

سوال (۵۲): وبسند ابن النجّار إلى سعد بن أبی وقاصؓ قال: ”رکب رسول الله ﷺ إلى العقیق ثم رجع فقال: یا عائشة! جئنا من هذا العقیق فما ألین موطئه وأعذب ماءهٗ فقلت: یا رسول الله! أفلا ننقل إلیه؟ فقال: کیف وقد ابتنی الناس“۔

الجواب (۵۲): الحدیث الثانی والخمسون ذکره العلّامة نورالدین السمهودی فی الفصل الأول من الباب السابع (ص ۲/۱۸۷) بروایة ابن زبالة عن عامر بن سعدؓ: ”أن رسول الله ﷺ رکب إلى العقیق ثم رجع فقال: یا عائشة! جئنا من هذا العقیق، فما ألین موطئه وأعذب ماءه، قالت: فقلت یا رسول الله! أفلا ننتقل إلیه، قال: کیف وقد ابتنی الناس“، انتهی، ولیس عندی کتاب ابن النجار۔

……………………………………

سوال (۵۳): عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”من استطاع أن یموت بالمدینة فلیمت بها، فإن من مات بالمدینة شفعت له یوم القیامة“۔

الجواب (۵۳): الحدیث الثالث والخمسون أخرجه أبوالقاسم البغوی حدثنا الصّلت بن مسعود الجحدری حدثنا سفیان بن موسیٰ حدثنا أیوب عن نافع عن ابن عمرؓ قال: ”قال رسول الله ﷺ: من استطاع أن یموت بالمدینة فلیمت، فإن من مات بالمدینة أشفع له یوم القیامة“، هکذا نقله الحافظ ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص ۴۰)،

والحدیث أخرجه أحمد (ص ۲/۱۵۴) والترمذی (ص ۲/۲۳۱) بلفظ: ”من استطاع أن یموت بالمدینة فلیمت فإنی أشفع لمن یموت بها“، وله شواهد من حدیث سبیعة الأسلمیةؓ أخرجه الطبرانی فی الکبیر، وفیه عبد الله بن عکرمة لَا یعرف حاله، و عن امرأة یتیمة کانت عند النبی ﷺ أخرجه الطبرانی فی الکبیر بإسناد حسن کما فی مجمع الزوائد فی باب فی من یموت بالمدینة، جعلنا الله منهم۔

……………………………………

سوال (۵۴): وفی روایة: "غبار المدینة یطفئی الجزام"۔

الجواب (۵۴): الحدیث الرابع والخمسون ذکره السمهودی فی وفاء الوفاء (ص۴۸/۱) فی الفصل السادس من الباب الأول، وظاهر کلامه أن هذا اللفظ أخرجه ابن زبالة، والله أعلم۔

محمد یونس عفی عنہ
یوم الجمعہ ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ

* * *

ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے؟

مکرم محترم مد فیوضکم وعافاکم وسلمکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

بذل المجہود (ص۱۱۲/۴) إن رباب بن حذیفة الخ اس حدیث سے کیا مسئلہ ثابت ہوا؟ یہ حدیث جمہور کے خلاف ہے یا موافق؟ جمہور کیا فرماتے ہیں؟

ان شاء اللہ آپ کے یہاں اس پر کچھ لکھا ہوا ہوگا۔ فقط والسلام جزاکم اللہ خیر الجزاء

(مولانا) محمد عاقل غفرلہ ۶؍رجب ۹۸ھ

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے، اسی لئے حضرت عمرؓ نے عصبة الابن کے لئے ولاء کا فیصلہ کیا، لیکن یہ اگرچہ امام احمد کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے مگر ائمۂ ثلاثہ اور خود امام احمد کے راجح مذہب کے خلاف ہے۔ ولاء میں حدیث "الولاء لحمة کلحمة النسب لایباع ولا یورث" کی وجہ سے میراث جاری نہیں ہوتی ہے۔ اور ولاء کے مستحق عصبة الدم یعنی اس کے بھائی مستحق ہوں گے، اور ابوداود کی روایت میں بظاہر عمرو بن شعیب کو وہم ہوگیا، کما أشار إلیه أبوداود ناقلاً عن حمید قال: "الناس یتّهمون عمرو بن

شعیب (أی ینسبونه إلیٰ الوهم والغلط) فی هذا الحدیث، قال أبو داود: وروی عن أبی بکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم خلاف هذا، إلّا أنه روی عن علی بن أبی طالبؓ بمثل هذا۔ انتهیٰ۔ لیکن حضرت علیؓ سے جمہور کے موافق بھی نقل کیا گیا ہے اور امام احمد کے توریثِ ولاء کی جو روایت نقل کی جاتی ہے بظاہر ناقلین کا وہم ہے۔ کما یستفاد من المغنی (ص ۷/۲۴۴) وأصل المسئلة فی المغنی (ص ۷/۲۷۰)، ثم رأیت شیخنا ذکر هذه المسئلة فی الأوجز (ص ۴/۵۰۸) عن المغنی، فلیراجع۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

ترمذی کی ایک عبارت کا حل

بخدمت محترم حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب زیدت معالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتاب العلل للترمذی کی عبارت ذیل کا حل مطلوب ہے،

کان یقول حدثنا أشیاخنا أبو سلمة ویحیٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب (ص ۲۳۷)، محمد بن عمرو کی اس عبارت سے یحیٰ بن سعید کس طرح علت نکالتے ہیں؟ چند سطروں قبل ابوعوانہ کا کلام أبان بن أبی عیاش پر گذرا ہے اس میں جو ضعف اخذ کیا ہے اس کی طرف ذہن جاتا ہے، لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا، آپ زحمت فرما کر جواب مرحمت فرمائیں۔

میں نے آپ کے جواب کے موصول ہونے تک طلبہ سے وعدہ کیا ہے، جزاکم الله عنّا خیراً۔

(مولانا) محمد ابراہیم پٹنی
دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات

جواب:

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عبارت میں نسخِ ترمذی میں اختلاف ہے،

اصل عبارت نقل کی جاتی ہے اس کے بعد اختلافِ نسخ پر تنبیہ آتی ہے پوری عبارت یہ ہے:

"قال عليّ: قلت ليحيىٰ: محمد بن عمرو كيف هو؟ قال: تريد العفو أو تشدّد؟ قال: لاَ، بل أشدّد، قال: ليس هو ممّن تريد، كان يقول أشياخنا أبو سلمة ويحيىٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب"۔ اس خط کشیدہ عبارت میں اختلاف ہے، بعض میں تو اسی طرح ہے اور بعض میں "حدّثنا أشياخنا" ہے جیسا کہ آپ نے نقل فرمایا ہے اور دونوں ہی طرح اہل رجال نقل کرتے ہیں۔

الذہبی نے میزان الاعتدال اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں "حدثنا" کے اضافہ سے نقل کیا، اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (ص ۳۱/۴) بغیر "حدثنا" کے۔

ظن غالب یہ ہے کہ اس کا تضعیف سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ صرف افادہ ہے یعنی وہ فلاں فلاں سے روایت کرتے ہیں اور نسخۂ اول سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور سارے ہی ارباب رجال ان دونوں کو محمد بن عمرو بن علقمہ کے اساتذہ میں لکھتے ہیں جیسے ابن ابی حاتم، حافظ مزی، حافظ ابن حجر وغیرہم۔

اور اگر تضعیف مقصود ہو تو یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ قوی الحافظ نہیں ہیں، مشائخ کی روایات ملا کر بیان کرتے ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ اس کے الفاظ کیا ہیں؟

لیکن اس پر اشکال ہے کہ ابن شہاب وغیرہ مشہور محدثین نے ایسا کیا ہے کہ متعدد مشائخ کی روایات کو ملا کر بیان کیا، ابن شہاب نے حدیث الافک متعدد مشائخ سے سنی کسی سے مطولاً کسی سے مختصراً اور سب کو ایک ترتیب سے نقل کر دیا ہے، اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابن شہاب نے الفاظِ شیوخ کو واقعہ کو ترتیب وار نقل کرنے کیلئے ملا کر بیان فرمایا ہے، نہ کہ ان کو مشائخ کے الفاظ یاد نہیں اور ان کا مضمون محفوظ نہیں، والعلم عند اللّٰہ۔

محمد یونس عفی عنہ ۲۴ رجب ۱۳۹۸ھ

⁂

اطلبوا العلم ولو بالصين حدیث ہے یا نہیں؟

سوال:

"اطلبوا العلم ولو بالصين" حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا درجہ ہے؟

السائل ---------------

الجواب :

یہ حدیث بیہقی نے **شعب الاِیمان** اور الخطیب نے **الرحلۃ** اور ابن عبدالبر نے **الجامع** میں حضرت انسؓ سے تخریج کی ہے، لیکن اسکی سند غیر معتبر ہے، ابن حبان کہتے ہیں: **باطل لَا أصل لہ** اور ابن جوزی نے **موضوعات** میں ذکر کیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ،

۴ شعبان ۱۳۹۸ھ

ایک دعا کا ثواب اور اس کی تحقیق

قبلہ الحاج مولانا محمد یونس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمت عالیہ میں گذارش یہ ہے کہ میں ماہ فروری میں ایک چلہ کے لئے جماعت میں گیا تھا میرا پورا وقت گجرات میں پالن پور کے پاس علاقوں میں لگا، پالن پور کے گودھرا کے اجتماع سے ایک ہفتہ پہلے ایک جوڑ تھا، اس جوڑ میں شرکت کے لئے عرب کی بھی ایک جماعت آئی تھی، جناب مولوی احمد لاٹ صاحب اس کے امیر تھے، اس جماعت میں تیونس کے رہنے والے ایک شخص محمد یونس تھے جو کہ پیرس میں انجینئر ہیں انہوں نے اپنے بیان کے دوران ایک دعا بتلائی:

"یا ربّ لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک ولعظیم سلطانک"۔

اس کی فضیلت انھوں نے اس طرح بیان کی کہ اس کو ایک بار پڑھنے کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ فرشتے اس کو لکھتے لکھتے تھک جاتے ہیں اور اللہ تعالی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم تو تھک گئے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ثواب لکھتے ہی رہو،

میں آپ سے اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث اسی طرح کی ہے؟ اگر ہے تو کس کی حدیث ہے؟

میں نے دارالعلوم میرٹھ کے صدر مدرس سے اس بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے آپ کیلئے بتایا کہ تم اس کی تصدیق سہارنپور سے کرلو ہمارے سامنے تو یہ حدیث آئی نہیں ہے، اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس کے بارے میں لکھیں، عین نوازش ہوگی۔

نعیم الدین امیر الدین

جنرل مرچنٹ، دہلی بازار، میرٹھ سٹی

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی آپ کا خط ملا،

پوری روایت کے الفاظ نقل کرتا ہوں، آپ کسی عالم سے ترجمہ معلوم کرلیں۔

عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ حدّثهم: "أن عبداً من عباد الله قال: يا ربّ لک الحمد كما ينبغى لجلال وجهک، ولعظيم سلطانک، فعضلت بالملكين فلم يدريا كيف يكتبانها فصعدا إلى السماء فقالَا: يا ربّنا إن عبدک قد قال مقالةً لَا ندرى كيف نكتبها؟ قال الله وهو أعلم بما قال عبدهٗ: ماذا قال عبدى؟ قالَا يا ربّ إنه قد قال: ياربّ لک الحمد كما ينبغى لجلال وجهک وعظيم سلطانک، فقال الله لهما: أكتباها كما قال عبدى حتى يلقانى فأجزيه بها"۔

رواه أحمد وابن ماجه وإسناده متصل ورواته ثقات، إلّا أنه لَا يحضرنى الآن فى صدقة بن بشير مولى العمريين جرح ولَا عدالة،

وقوله "عضلت بالملكين" بتشديد الضاد المعجمة أى اشتدّ عليهما وعظمت واستغلق عليهما معناها، كذا فى الترغيب (ص ۲۸۵)۔

محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں

سوال:

الہ آباد سے ایک ماہانہ رسالہ معرفت حق کے نام سے جاری ہے، اس کا ایک پرانا شمارہ دسمبر ۶۹ء دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایک مضمون نظر سے گذرا، اس میں لکھا ہے کہ کتاب سراج الہدایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراءؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا اور ان کو حضرت علیؓ کے گھر رخصت فرمانے لگے تو اس رات ان کو گیارہ نصیحتیں فرمائیں، امت کے لئے ان میں بہترین سبق ہے۔

فرمایا کہ بیٹی جب علی کے گھر میں داخل ہونا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

دوسرے یہ کہ مکان کے صحن میں جا کر کسی لکڑی پہ بیٹھنا اور سر پر بھنے ہوئے دھان (یعنی دھان کا لاوا) بکھیر لینا۔

تیسرے یہ کہ علی سے کہنا کہ تمہارے دونوں پاؤں دھو کر اس کا غسالہ مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دیں۔

پانچویں یہ کہ ہمیشہ سرمہ لگایا کرنا۔

چھٹے یہ کہ بغیر تیل لگائے سر اور بدن نہ دھونا، اگرچہ دن میں دوبار یا زائد بار غسل کرنا پڑے، اور جب علی تمہاری جانب دیکھیں تو تم اپنی نگاہ نیچی رکھنا۔

ساتویں یہ کہ غلام زرخرید کی طرح (شوہر کی) تابعدار اور فرمانبردار ہو کر رہنا۔

آٹھویں یہ کہ اپنے لئے خوشبو اور عطر کا استعمال برابر رکھنا۔

نویں یہ کہ جب علی کے ساتھ گفتگو کی نوبت آئے تو مسکرا دیا کرنا۔

دسویں یہ کہ ایک ہفتہ تک کوئی چیز سرکہ و ترشی نہ کھانا۔

گیارہویں یہ کہ ایک ہی جگہ سات رات و دن نہ رہنا، انتہی۔

سند کے اعتبار سے اس حدیث کا کیا مقام ہے؟ نیز یہ کتاب سراج الہدایہ کس درجہ کی ہے؟

شریف احمد بریلوی

ضیاء العلوم ملیان (سنڈیلہ) ضلع ہردوئی

جواب: سراج الہدایہ کے متعلق تحقیق نہیں ہے، اور یہ روایت بے اصل ہے، اس کا کچھ مضمون ایک روایت میں وارد ہے، مگر ابن حبان نے اسے بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ ۲۵ شعبان/۹۸ھ

⁂

کنگھا کرنے کی ہیئت

سوال: (۱) کنگھا کھڑے ہو کر کرنا چاہئے یا بیٹھ کر؟ ایک امیرِ جماعت نے بتایا کہ کھڑے ہو کر کنگھا کرنے سے مفلسی آتی ہے، ایک صاحب کہتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھ کر دونوں طرح کر سکتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ بال کیسے ہوں؟ کیا کچھ چھوٹے بڑے بال رکھ سکتے ہیں یا پورے بال یکساں ہوں؟ اور ہپی کٹ بال رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

اشتیاق احمد

امام جامع مسجد نلگنڈہ

جواب: (۱) کنگھا کرنا ہر طرح جائز ہے، چاہے کھڑے ہوکر ہو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر، کسی معتبر روایت میں کوئی صورت ہمارے علم میں منقول نہیں ہے۔

صرف ایک غیر معتبر روایت میں یہ آیا ہے کہ ”من امتشط قائماً رکبہ الدین“، رواہ ابن عدی فی الکامل عن عائشةؓ مرفوعاً یعنی اگر کوئی کھڑے ہوکر کنگھا کرتا ہے تو اس پر قرض کا بوجھ لد جاتا ہے۔ لیکن یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ اس کی سند میں احمد بن عبداللہ الہروی الجویباری اور وہب بن وہب ابوالبختری ہیں، اور دونوں کذاب دروغ گو ہیں اور موضوع (جعلی) روایتیں بنانے والے ہیں، اسی لئے حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوعات (ص ۵۴ / ۳) میں داخل کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعة (ص ۲۶۸ / ۱) اور اپنی دیگر تالیفات میں اور علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعة (ص ۲۶۹ / ۲) میں ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) بال برابر رکھنا چاہئے، سامنے سے بڑے اور پیچھے سے چھوٹے کرانا انگریزوں کا طریقہ ہے۔ ہپی کٹ بال بھی آزاد طبع لوگوں کی ایجاد ہے۔ مسلمانوں کو ان کی مشابہت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

احادیث میں تین طرح کے بال آئے ہیں۔ وفرہ، لمّہ، جمّہ۔

وفرہ وہ بال کہلاتے ہیں جو کانوں کی لو تک ہوں اور لمّہ جو کانوں سے نیچے ہو جائیں اور جمّہ جو مونڈھوں تک پہنچ جائیں، لیکن بال برابر ہوتے تھے آگے سے بڑے اور پیچھے سے چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔

محمد یونس عفی عنہ

۵؍شعبان ۱۳۹۸ھ

* * *

چند احادیث کا ثبوت

سوال:

مخدوم ومکرم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج والا بعافیت ہوں، چند باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

(۱) سیدنا موسیٰؑ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہونے کی تمنا کی، اس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔

(۲) سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ نے لیلۃ المعراج میں حضور اکرم ﷺ سے اس امت کو سلام پہنچانے کے لئے فرمایا۔ یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

(۳) ''أوتيت علم الأوّلين والآخرين يا عُلّمت علم الأوّلين والآخرين'' أو كما قال۔ یہ حدیث کہاں ہے؟

(۴) ''علّمني ربّي فأحسن تعليمي، أدّبني ربّي فأحسن تأديبي'' أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام۔ یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

(۵) کعب بن اشرف نے جو حضور اکرم ﷺ کے قتل کی سازش کی اس میں یہ حصہ کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو بلایا اور اپنے ساتھیوں کو پہلے سے قتل کرنے کو کہہ دیا تھا مگر حضور ﷺ ان کی نظروں سے مستور ہو گئے، اور جب بھی وہ قتل کا ارادہ کرتے تو ان کو کعب بن اشرف کی صورت نظر آتی اس لئے قتل نہ کر سکے۔ اس کے حوالہ کی ضرورت ہے۔ جو غالباً فتح الباری یا عینی میں ہے۔ میرے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں۔

(۶) ''رأيت ظلّي وظلّ قومي في النار'' أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام، یہ جملہ حدیث کی کس کتاب میں ہے اور کہاں ہے؟

(۷) ''لولاك لما خلقت الأفلاك والأرضين''، حوالہ کی ضرورت ہے۔

(مفتی) محمد فاروق

مدرسہ دار العلوم جامع مسجد شہر میرٹھ

جواب: (۱) سیدنا موسیٰؑ کا امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کرنا حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک طویل روایت میں وارد ہے جس کو ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں (ص ۱۴) پر روایت کیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے تورات میں اس امت کے بہت سے فضائل دیکھے تو یہ خواہش کی کہ یہ امت ان کی امت بنا دی جائے، ارشاد ہوا ''تلك أمّة أحمد ﷺ''، جب بار بار یہی جواب ملا تو پھر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ ''يا ربّ فاجعلني من أمّة أحمد ﷺ''، اس کی سند میں جبارہ بن المغلس الحمانی الکوفی

ہے، جو ضعیف ہے۔ ابن معین سے منقول ہے کہ کذّاب، لکن قال ابن نمير: هو صدوق يوضع له الحديث فيرويه ولَا يدرى، وقال أبونعيم: هذا الحديث من غرائب حديث سهيل لَا أعلم أحداً رواه مرفوعاً إلّا من هذا الوجه، تفرّد به الربيع بن النعمان وبغيره من الأحاديث عن سهيل وفيه لين۔

(۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لیلۃ المعراج میں اس امت کو سلام پہنچانا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں وارد ہے۔ قال: قال رسول الله ﷺ: "لقيت إبراهيم ليلة أسرى بى، فقال: يا محمد! إقرء أمّتک منّى السّلام، وأخبرهم أن الجنّة طيبة التربة عذبة الماء وإنها قيعان وإن غراسها سبحان الله والحمد لله ولَا إله إلّا الله والله أكبر"۔

رواه الترمذی (ص ۱۸۴/۲) والطبرانی فی الصغير (ص ۱۹۶/۱) من طريق سيار بن حاتم عن عبد الواحد بن زياد عن عبدالرحمٰن بن إسحق عن القاسم بن عبد الرحمٰن عن أبيه عنه، قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، وقال الطبرانی: لم يروه عن القاسم إلّا عبدالرحمٰن ولَا عنه إلّا عبد الواحد، ولم يروه عن عبد الواحد مرفوعاً إلّا سيار بن حاتم، انتهى۔ وزاد الطبرانی فی المتن "ولَا حول ولَا قوّة إلّا بالله"۔

(۳) کسی حدیث میں اب تک "أوتيت علم الأولين والآخرين" یا "عُلّمت علم الأولين و الآخرين" نظر نہیں پڑا۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں (ص ۱۹۳/۲) ایک باب منعقد فرمایا ہے "اختصاصه ﷺ بالنصر بالرعب مسيرة شهر وإيتائه جوامع الكلم وعلم كل شئ إلّا الخمس الخ۔۔"

اور اس کے تحت جہاں اور حدیثیں جزء اول کے موافق ذکر فرمائی ہیں وہیں ایک حدیث جزء اخیر کے متعلق ذکر کی ہے، عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: "أوتيت مفاتيح كلّ شئ إلّا الخمس إن الله عنده علم الساعة الأية"، أخرجه أحمد والطبرانی بسند صحيح۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بحوالہ مسند احمد و مسند ابی یعلیٰ نقل کی ہے مسند احمد (ص ۲۴۳/۵) میں حضرت معاذؓ کی ایک حدیث میں حضور پاک ﷺ کا ایک خواب منقول ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ "فإذا أنا بربّى تبارک وتعالىٰ فى أحسن صورة فقال: يا محمد! قلت: لبّيک ربّى،

قال: فیم یختصم الملاء الأعلیٰ؟ قلت: لَا أدری، قالها ثلاثا قال: فرأیته وضع کفیه بین کتفیّ حتی وجدت برد أنامله بین ثدیی فتجلّیٰ لی کل شئ وعرفت''، الحدیث۔

ترمذی شریف میں (ص ۲/۱۵٦) پر اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ 'فعلمت ما بین المشرق والمغرب'' ہیں۔ اور دارمی میں (ص ۳۷۴) یہی روایت عبدالرحمٰن بن عایشؓ سے نقل کی گئی ہے، اس میں ''فعلمت ما فی السماوات والأرض'' ہے۔

تنبیہ: ان روایات سے بعض ناواقفوں نے حضور اکرم ﷺ کے عالم الغیب ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ ابن عمرؓ وابن مسعودؓ کی روایات میں پانچ کا استثناء وارد ہے، اور معاذ بن جبلؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبدالرحمٰن بن عایشؓ کی روایتوں میں ان امور کا علم مراد ہے جن کی امت کو ضرورت ہے، ورنہ تو آپ کی امت کو بھی عالم غیب تسلیم کرنا پڑے گا۔

علامہ سیوطی نے الخصائص الکبریٰ (ص ۲/۱٦۱) میں ایک مستقل باب ''اختصاصه ﷺ بأن أمته أوتیت العلم الأول والعلم الآخر'' قائم کیا ہے۔ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کی طرف جواب اول میں اشارہ کیا جاچکا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''یاربّ إنّی أجد فی الألواح أمة یؤتون العلم الأول والعلم الآخر''۔

(۴) حدیث ''علّمنی ربّی فأحسن تعلیمی، أدّبنی ربّی فأحسن تادیبی'' کا جملہ اول تو کہیں نہیں دیکھا، ہاں دوسرا جملہ بعض ضعیف روایتوں میں وارد ہوا ہے۔

فأخرج العسکری فی الأمثال من جهة السدّی عن أبی عمارة عن علیؓ قال: ''قدم بنو نهد بن زید علی النبی ﷺ فقالوا: أتیناک من غوری تهامة وذکر خطبتهم وما أجابهم به النبی ﷺ، قال: فقلنا یا نبی الله! نحن بنو أب واحد ونشأنا فی بلد واحد وإنک لتکلم العرب بلسان مانفهم أکثره، فقال: إن الله عزو جل أدّبنی فأحسن أدبی ونشأت فی بنی سعد بن بکر''۔ وسنده ضعیف جداً۔

وأخرج أبوسعد السمعانی فی أدب الإملاء بسند منقطع فیه من لم أعرفه عن عبدالله أظنه ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''إن الله أدّبنی فأحسن تادیبی، ثم أمرنی بمکارم الأخلاق فقال: ﴿خُذالعَفْو وأمُرْ بِالعُرْفِ وأَعْرِضْ عَنِ الجٰهِلِیْنَ﴾۔

وأخرج ابن عساكروثابت السرقسطی فی الدلائل بسند واهٍ من حديث جد محمد بن عبد الرحمٰن الزهری قال: ”قال رجل من بنی سليم للنبی ﷺ: يا رسول الله ! أيُدالک الرجل امرأته؟ قال: نعم إذا كان مفلجا، قال: فقال له أبو بكرؓ يا رسول الله ! ماقال لک؟ قال: قال لی أيُماطل الرجل امرأته؟ قلت: نعم إذا كان مفلسا، قال: فقال أبو بكرؓ: ما رأيت أفصح منک، فمن أدّبک يا رسول الله؟ قال: أدّبنی ربّی و نشأت فی بنی سعد“۔ و بالجملة فهو كما قال ابن تيمية(ص ۱۸/۳۷۵) لَايعرف له إسناد ثابت ۔كذا فی المقاصد الحسنة (ص ۲۹) بتصرف۔

(۵)حضور اکرم ﷺ کا کعب بن اشرف اور اسکے رفقاء کی آنکھوں سے مستور ہوجانا کہیں نظر نہیں پڑا۔ علامہ سیوطی نے بھی خصائص کبری میں یہ واقعہ نہیں لیا، فاللہ اعلم۔

ہاں سیوطی نے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ مارنے چلی تھی، صدیق اکبر آپکے پاس تھے، گھبرا گئے، لیکن جب وہ آئی تو حضور اکرم ﷺ اسکو نظر نہیں آئے۔

(۶)حديث”رأيت ظلّی وظلّ قومی فی النار“ أخرجه عبد الله بن وهب قال أنبأنا معاوية بن صالح عن عيسیٰ بن عاصم عن زرّبن حبيش عن أنس بن مالكؓ قال: ”صلیّ بنا رسول الله ﷺ ذات يوم صلوة الصبح ثم مدَّ يده ثمّ أخّرها، فلما سلّم قيل له يا رسول الله ! لقد صنعت فی صلوتک شيئاً لم تصنعه فی غيرها، قال: إنّی رأيت الجنّة فرأيت فيها دالية قطوفها دانية حبّها كالدُبّاء، فأردت أن أتناول منها فأوحی إلیّ أن استأخر، فاستأخرت ثم رأيت النار فيما بينی و بينكم حتی لقد رأيت ظلّی وظلّكم فأومأت إليكم أن استأخروا، فأوحی إلیّ أقرّهم فإنک أسلمت وأسلموا وهاجرت وها جروا جاهدت وجاهدوا، فلم أرلی عليكم فضلا إلّا بالنبوة“۔ كذا فی حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح للحافظ ابن القيم (ص ۱/۴۲)۔

(۷) حديث ”لولَاک لماخلقت الأفلاک“، قال الصغانی فی الأحاديث الموضوعة له: موضوع، قال علی القاری فی موضوعاته الكبير(ص ۵۹): لكن معناه صحيح،

فقد روی الديلمی عن ابن عباسؓ مرفوعاً ”أتانی جبريلٌ فقال: يا محمد! لولَاک ما خلقت الجنة و لولَاک ما خلقت النار“، و فی رواية ابن عساكر ”لولَاک ما خلقت الدنيا“، انتهی۔

قلت: هذا المعنی یروی عن ابن عباسؓ و عمر بن الخطابؓ وسلمان الفارسیؓ وغیرهم لَایثبت ذلک عن النبی ﷺ،

فأما حدیث ابن عباسؓ فأخرجه الحاکم فی مستدرکه (ص۶۱۵/۲) من طریق عمرو بن أوس ثنا ابن أبی عروبة عن قتادة عن سعید بن المسیب عن ابن عباسؓ قال: ’’أوحی الله إلی عیسیٰؑ: یا عیسیٰ! آمن بمحمد وأمر من أدرکه من أمتک أن یؤمنوا به، فلولَا محمد ما خلقت آدم ولولَا محمد ماخلقت الجنة ولَا النار، ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیه لَا إله إلّا الله محمد رسول الله فسکن‘‘، وعزاه فی شرح المواهب (ص۴۴/۱) لأبی الشیخ فی طبقات الأصفهانیین و قال الحاکم: هذا حدیث صحیح الإِسناد ولم یخرجاه، وأقره التقی السبکی فی شفاء السقام (ص۱۶۲) والبلقینی فی فتاویه، لکن قال الحافظ الذهبی فی مختصره: أظنّه موضوعاً علی سعید،

وأورده فی المیزان فی ترجمة عمروبن أوس وقال: یجهل حاله والخبر منکر وأظنه موضوعاً، وأقرّه الحافظ ابن حجر فی اللسان ولم ینفرد به عمر وبن أوس فقد أخرجه أبو الشیخ فی طبقات الأصفهانیین(ص ۲۸۷/۳) من طریق سعید بن أوس الأنصاری عن سعید بن أبی عروبة ولکنه موقوف عنده،

وأما حدیث عمر بن الخطابؓ فأخرجه الطبرانی فی الصغیر(ص ۸۳/۲) والحاکم فی المستدرک (ص۶۱۵/۲) والبیهقی فی الدلَائل (ص۴۸۹/۵) من طریق أبی الحارث عبد الله بن مسلم الفهری عن إسمعیل بن مسلمة عن عبد الرحمن بن زید بن أسلم عن أبیه عن جدّه عن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ’’لمّا اقترف آدم الخطیئة قال: یاربّ! أسألک بحقّ محمد لما غفرت لی، فقال الله یا آدم! وکیف عرفت محمداً ولم أخلقه، قال: یا ربّ: لأنک لمّا خلقتنی بیدک ونفخت فیّ من روحک رفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوباً ’’لَا إله إلّا الله محمد رسول الله‘‘ فعلمت أنک لم تضف إلی اسمک إلّا أحبّ الخلق إلیک، فقال الله: صدقت یا آدم! إنه لأحبّ الخلق إلیّ ادعنی بحقّه فقد غفرت لک ولولَا محمدماخلقتک‘‘۔

قال الطبرانی: لَایروی عن عمرؓ إلّا بهذا الإِسناد، قال الحاکم: هذا حدیث صحیح الإِسناد،

وتعقّبه الذهبی فی مختصر المستدرک فقال: بل موضوع، و عبد الرحمٰن واهٍ، وعبد الله بن مسلم الفهری لَاأدری من ذا؟ وقال فی المیزان فی ترجمة الفهری: خبرباطل رواه البیهقی فی دلَائل النبوة، وأقرّه ابن حجر فی اللسان، و نقل ابن القیم فی رسالة له(ص ٨٧) عن الإمام ابن تیمیة أنه موضوع ووافقه۔

تنبیه: صورة الإسناد هکذا فی المستدرک، وأما الطبرانی فقال: حدثنا محمد بن داؤد بن أسلم الصدفی المصری حدثنا أحمد بن سعید المدنی الفهری حدثنا عبد الله بن إسمعیل المدنی عن عبد الرحمن الخ، وکأنه وقع سقوط فی هذ الإسناد، والله أعلم۔

وأما حدیث سلمانؓ فأخرجه ابن الجوزی فی الموضوعات (ص ١/٢٨٩) وهو حدیث طویل فی صفحة، وفی آخره ”ولولَاک یا محمد! ماخلقت الدنیا“، ثم قال: هذا حدیث موضوع لَا شک فیه، و فی إسناده مجهولون وضعفاء، والضعفاء أبو السکین یعنی محمد بن عیسی المدائنی وإبراهیم بن الیسع ویحیٰی البصری، قال الدارقطنی: أبو السکین ضعیف وإبراهیم ویحیٰی البصری متروکان، قال أحمد بن حنبل: خرّقنا حدیث یحی البصری، وقال الفلاس: کان کذّابا یحدّث أحادیث موضوعة، وقال الدار قطنی: متروک، انتهی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ
٥؍شعبان ١٣٩٨ھ

ملاحظة: ولیس شیء من الخلق سبباً لتخلیق الخلق، بل السبب الأصلی لذلک اتّصافه تعالیٰ بصفات عالیة، فلا بدّ من ظهورتلک الصفات وظهور أثرها، وذلک بإیجاد الخلق والله علی ما یشاء قدیر، والله سبحانه وتعالیٰ أعلم۔

◆◆◆

جن کی صحابیت کی غلط افواہ

سوال:

ایک اشتہار اس طرح کا شائع ہوا ہے۔ جس میں ایک جن صحابی کا حسب ذیل مضمون ہے، کیا یہ درست ہے؟

من أمیر المومنین خلیفة المسلمین سلطان الأجنّة سیّدنا حضرت عمر بن خیامؓ سمعت رسول اللہ ﷺ قال: أصحابی کلّھم کنجوم السماء المشرقة وواحد منھم یعیش طویلاً ویجعل خلیفةً فی الناس فی أواخر أربعمائة وألف من الھجرة النبویة، فھو یظھر بسنتی وتفترق أمتی علی ثلث و سبعین فرقة کلّھم فی النار إلّاواحدة، فقالوا: ومن ذاک یا رسول اللہ! قال: ھو من سنّ بسنّتی وسنّة خلیفتی، أصحابی کالنجوم فبأیّھم اقتدیتم اھتدیتم، أجزت الحکیم إحسان الٰھی أن یروی ھذا الحدیث عنّی۔

السائل ------------

جواب:

یہ حدیث جو عمر بن خیام جنیؓ کے نام سے شائع کی جارہی ہے متعدد وجوہ سے غیر معتبر ہے۔

(۱) اولاً تو اسلئے کہ جن محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں جنات صحابہ کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس نام کا کوئی صحابی ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح جن روایات میں جنات کے وفد کا ذکر ہے اور ان میں بعض جنات کے نام ملتے ہیں ان میں بھی یہ نام نہیں ہے۔

(۲) ثانیاً اسلئے کہ حدیث ”**أصحابی کالنجوم فبأیّھم اقتدیتم اھتدیتم**“ متعدد صحابہ حضرت جابر، ابن عمر، ابو ہریرہ، انس بن مالک، ابن عباس، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہم سے نقل کیجاتی ہے اور کسی صحابی کی روایت میں ”**وواحد منھم یعیش طویلاً الخ**“ کا اضافہ نہیں ہے۔ کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زیادتی صرف اسی جن سے بیان فرمائی اور کسی سے نہیں بیان فرمائی؟

(۳) ثالثاً اسلئے کہ اس میں ”**أواخر أربعمأة وألف من الھجرة النبویة**“ یعنی چودھویں صدی ہجری کا آخر ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ سنین ہجریہ سے تاریخ کی ابتداء حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی جب سلطنت اسلامی وسیع ہوگئی اور دار الخلافہ مدنیہ منورہ سے آنے جانے والے بعض فرامین وخطوط میں اور بعض دیگر دستاویزوں میں تاریخ نہ

ہونے کی وجہ سے بعض اوقات دشواریاں پیش آئیں، اسوقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے ہجرت سے تاریخ کی ابتداء فرمائی اسلئے کہ ہجرت فروغ اسلام کا پیش خیمہ بنی۔ اسکی تفصیل فتح الباری (ص ۸/۲۷۰) وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۴) رابعاً اسلئے کہ حافظ ابن القیم وغیرہ نقادفن نے تصریح کی ہے کہ کسی حدیث میں کسی واقعہ کے وقوع کی تاریخ کا ہونا اسکے موضوع ہونے کی علامت ہے۔ قال (ص ۶۳): ومنها أن يكون فى الحديث تاريخ كذا وكذا مثل قوله ”إذا كان سنة كذا وكذا وقع كيت وكيت، وإذا كان شهر كذا وكذا وقع كيت وكيت“، علامہ ملا علی قاری نے موضوعات کبری میں (ص ۹۵) یہ قاعدہ ابن القیم سے بلا کسی نکیر کے نقل کیا ہے۔

(۵) خامساً اسلئے کہ اس میں ”يجعل خليفة فى الناس“ ہے، اور خلیفہ بننے کی دوصورتیں ہیں، یا تو خلیفہ سابق نامزد کردے، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد فرمادیا تھا، یا اہل الحل والعقد یعنی علماء یا اہل الرائے کی ایک جماعت خلیفہ منتخب کردے جیسے حضرت ابوبکرؓ اور دیگر بہت سے خلفا کی تعیین میں ہوا۔

ایک تیسری صورت علماء نے تغلّب کی لکھی ہے، قال فى الدرالمختار: ”وتصحّ سلطنة متغلّب للضرورة“ یعنی اگر کوئی زبردستی اپنی طاقت اور زور سے بغیر اہل حل وعقد کی بیعت کے امام الناس بن جائے تو بضرورت دفع فتنہ وفساد جائز ہے، لیکن جو صحابیت کا دعویدار ہے اس سے یہ تیسری شکل بعید ہے اور پہلی دونوں صورتیں یہاں موجود نہیں۔

(۶) سادساً اسلئے کہ خلافت کیلئے خاندانِ قریش کا فرد ہونا ضروری ہے، قال النبى ﷺ: ”الأئمة من قريش“، رواه أحمد و فى رواية: ”الأمراء من قريش“، رواه أبو يعلىٰ و الطبرانى۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں (ص ۱۰۵۷) ایک مستقل باب الأمراء من قريش منعقد کیا ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: واشتراط كون الاِمام قرشياً هو مذهب العلماء كافّة وقد احتجّ به أبو بكرؓ وعمرؓ على الأنصار يوم السقيفة فلم ينكره أحد، وقد عدّها العلماء فى مسائل الاِجماع ولم ينقل عن أحد من السلف قول ولَافعل يخالف ماذكرنا، ولَا اعتداد بقول النظّام و من وافقه من الخوارج وأهل البدع أنه يجوز كونه من غير قريش، یعنی امام المسلمین کا قریشی ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور بعض اہل بدعت جو غیر قریشی کی امامت کے قائل ہیں اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، اب جب کہ غیر قریشی انسان ہونے کے باوجود امام نہیں بنایا جاسکتا ہے تو جنات کا کیا سوال ہوتا ہے۔

ان امور مذکورہ کے علاوہ اس شائع شدہ پوسٹر میں ایسے لفظی نقائص بھی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی بعد کے شخص کا خود ساختہ ہے۔ مزید یہ ہے کہ یہ اعلان ۱۳/ صفر ۱۳۹۸ھ. کا ہے اور آج ۳۰/ شعبان ۱۳۹۸ھ ہے خلیفہ صاحب بزعم خود خلیفہ ہوگئے، اور امور مسلمین کی تدبیر و اصلاح کا اب تک کوئی کام انجام نہیں دیا۔

(بلکہ اب تو چودھویں صدی ختم ہو کر پندرھویں کا افتتاح ہوگیا، اور اب تک نہ مسلمین کا غلبہ ہوا نہ خلیفہ صاحب رونما ہوئے)۔

اب اسکے بعد یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: **"من كذب عليّ متعمّداً فليتبوّأ مقعده من النار"**، رواه **البخاری و مسلم من حديث أبی هريرة** رضی۔

یعنی جو آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اسکا ٹھکانا جہنم ہے، علماء نے تصریح کی ہے کی آپ ﷺ کی طرف سے اس طرح جعلی روایت نقل کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور ایک جماعت کا تو خیال یہ ہے کہ ایسا شخص دائرہ ایمان ہی سے نکل جاتا ہے، اور جمہور کے نزدیک اگرچہ آدمی ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا لیکن یہ کم ہلاکت کی بات نہیں کہ گناہ کبیرہ بلکہ بہت بڑے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جائے اور جہنم کی وعید کا مورد بنے، اور اگر کسی شخص نے جعلی روایت آپ ﷺ کی طرف منسوب کی تو ایسا شخص محدثین کے یہاں ہمیشہ کیلئے مردود الروایۃ ہو جاتا ہے۔ اسکی ساری روایتیں غیر معتبر ہو جاتی ہیں۔ لہذا اس طرح کی روایات کے نقل کرنے سے احتراز کرنا لازم اور اس سے بچنا واجب ہے۔ نگاہ شارع میں ایسا شخص لائق قتل ہے۔

عبد الرزاق المصنف (ص ۳۰۸ / ۵) میں روایت کرتے ہیں،

عن ابن التيمی عن أبيه أن علياً رضی قال: "فيمن كذب على النبی ﷺ يضرب عنقه"۔

عبد الرزاق کی ایک دوسری روایت میں ہے **عن معمر عن رجل عن سعيد بن جبير: "أن رجلاً كذب النبی ﷺ فبعث علياً رضی والزبير رضی فقال: اذهبا فان أدركتماه فاقتلاه"۔**

اسی طرح مصنف عبد الرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں **كذب النبی** ﷺ واقع ہوا ہے، لیکن عبد الرزاق نے اس پر **عقوبة من كذب على النبی** ﷺ کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں **"من كذب على النبی** ﷺ" ہے۔ فقط

محمد یونس عفی عنہ

۳۰ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

◆ ◆ ◆

”من ضارّ ضارّ الله به“ الحدیث۔ کی تخریج

سوال:

مخدومی حضرت اقدس شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا) صاحب مدظلہ کی طرف سے ایک گرامی نامہ ملا تھا، اس میں حضرت والا نے ایک ملفوظ تحریر فرمایا تھا جو مجھے بہت ہی پسند آیا اور دل میں یہ خیال ہوا کہ اسے عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے شائع کرادوں،

بندہ نے حضرت والا سے اجازت طلب کی، حضرت والا نے اجازت مرحمت فرمادی لیکن ساتھ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ اس میں ایک حدیث پاک ہے اس لئے شائع کراتے وقت اس حدیث پاک کا حوالہ ضرور شائع کریں کہ بغیر حوالہ کے حدیث شائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

وہ ملفوظ اور حدیث یہ ہے۔

”دوستوں کو کس طرح یہ بات سمجھائی جائے کہ دوسروں کو تکلیف پہونچانے میں اس کو تو نقصان کم ہوتا ہے اپنے کو زیادہ، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کی نہ قدر ہے نہ معلومات،

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے جو دوسرے کو مضرت پہونچائے اللہ تعالی اسکو مضرت پہونچائے اور جو دوسرے کو مشقت میں ڈالے اللہ تعالی اسکو مشقت میں ڈالے“

اس حدیث کی تخریج سے مطلع کریں، تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں، محتاج دعا۔

بندہ محمد یعقوب غفرلہ
خادم حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ
بمبئی نمبر ۲

جواب:

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی آپ کا خط ملا، خیر وعافیت معلوم ہوکر مسرت ہوئی، یہاں بھی بحمد اللہ سب طرح عافیت ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ العالی نے جو حدیث تحریر فرمائی ہے وہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے، اس کے الفاظ صحابی کے نام

کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

عن أبی صرمةؓ أن النبی ﷺ قال: ”من ضارّ ضارّ الله به و من شاقّ شاقّ الله علیه“،

رواه أحمد (ص ۳/۴۵۳) والترمذی (ص ۲/۱۶) وابن ماجه (ص ۱۷۰) وقال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب۔

اور یہ حدیث مشکوۃ شریف (ص ۴۲۸) پر بھی ہے۔

اس احقر ناکارہ کیلئے بھی دعائے فلاح دارین کرتے رہیں، والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۷/ شوال ۱۳۹۸ھ

◆◆◆

ابوداود شریف کی کچھ احادیث پر وضع کا حکم

سوال:

حضرت! میں نے ایک دفعہ پہلے بھی لکھا تھا کہ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے ابوداؤد شریف کی نو حدیثوں پر وضع کا حکم لگایا ہے، وہ کون سی احادیث ہیں؟ نشاندہی فرمادیں۔

شروع سال میں بذل کے مطالعہ کی فرصت ہوتی ہے لیکن پھر پورے سال مطالعہ کی فرصت و نوبت نہیں آتی۔

براہِ کرم نشاندہی فرمادیں۔ فقط والسلام۔

ننگ خادمان عبدالواحد مناپوری

۱۵ شوال ۱۳۹۸ھ

جواب:

تم نے ابوداؤد شریف کی ان نو احادیث کے متعلق اس سے قبل بھی لکھا تھا جن کے متعلق علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق ابن الجوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے، لیکن وہ احادیث کسی کے کلام میں یکجا موجود نہیں ہیں، اور تلاش کرنا دقت طلب تھا اور اُدھر طبیعت کی ناسازی کے ساتھ مشغولی بھی، اس لئے جواب کی ہمت ہی نہ ہوئی،

علامہ سیوطی نے کون سی احادیث مراد لی ہیں واللہ اعلم، ہمیں تو کتاب الموضوعات پر نظر ڈالنے سے ابوداؤد کی جوروایتیں ملی ہیں وہ ذکر کرتے ہیں اور صفحہ بذل المجہود کا ہے۔

	بذل المجهود (طبعِ ہند)	الموضوعات لِابن الجوزی
(۱)حديث صلوة التسبيح	(ص ۲۷۵/۲)	
(۲)للسائل حقّ وإن جاء علی فرس	(ص ۵۴/۳)	(ص ۲۳٦/۲)
(۳)الإِسلام يزيد ولَا ينقص	(ص ۱۱۱/ ۴)	(ص ۲۳۰/ ۳)
(۴)لَا تقطعوا اللحم بالسكين	(ص ۳۵۲/ ۴)	(ص ۳۰۳/۲)
(۵)حديث النهی عن الحجامة يو م الثلثاء	(ص ۲/۵)	(ص ۲۱۳/۳)
(٦)يكون قوم يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام	(ص ۸۲/۵)	(ص ۵۵/۳)
(۷)إن الناس يمصرون أمصاراً	(ص ۱۰۸/۵)	(ص ۶۰/۲)
(۸)لَا تمنع يد لَامس (ابن عباسؓ)	(ص ۲۱۱/۳)	(ص ۲۱۲/۴) عن جابرؓ
(۹)إن من إجلا ل الله إكرام ذی الشيبة المسلم (عن أبی موسیٰؓ)	(ص ۲۴۸/۵)	(ص ۱۸۲/۱) عن ابن عمرؓ وجابرؓ

ان میں اکثر روایتوں میں صحابی کا اتحاد ہے، اخیر دو میں نہیں ہے۔

محمد یونس

۲۸/شوال ۱۳۹۸ھ

* * *

قیام مروّجہ کے اثبات کی ایک لغو دلیل

داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ﷺ ہے

سوال (۱):

ایک مبتدع واعظ نے اپنا دامنِ تزویر پھیلاتے ہوئے درمیان وعظ قیام مروجہ کے اثبات میں یوں کہا کہ کعبہ کے احترام سے سرکار مدینہ ﷺ کا احترام ہزار ہا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور کعبہ کا احترام جب اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ کعبہ سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی دوفٹ کی طویل وعریض کوٹھری میں بھی استقبال عندالحاجات کا خیال کیا جاتا ہے تو آپ کو اگر حاضر وناظر نہ مانا جائے تب بھی اس احترام کے تقاضے کے مطابق غائبانہ قیام تعظیمی کیا جاسکتا ہے، اس کا جواب احقر کے ذہن میں آیا لیکن خود اس پر شرح صدر نہیں ہوتا ہے، حضور ہی کوئی ایسا جواب مرحمت فرمائیں جو حریف کو لامحالہ ماننا پڑے۔

سوال (۲):

یہاں کے انٹر کالج میں لکچر محمد حنیف نام کے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ آپ لوگ داڑھی کیوں رکھتے ہیں؟ میں نے اولاً ان کو سنت مرسلین ہونے پر متوجہ کیا تو انہوں نے کہا یہ حکم اور یہ سنت سر آنکھوں پر، لیکن انہوں نے حکمت دریافت کی، میں نے ان کو چہرہ کے حسین ہونے کی طرف موڑا، تو اس پر بھی مطمئن نہیں ہوئے، انہوں نے کہا کہ شریعت کے تمام احکام میں کوئی خاص حکمت مضمر ہوتی ہے جو اس کے علاوہ ہے، میری مراد وہی ہے کہ چہرہ چھوڑنے کا حکم ہوا سر کا کیوں نہیں ہوا یا دونوں کے چھوڑنے کا حکم کیوں نہ ہوا؟ اس میں کوئی خاص حکمت غامضہ ہے، جس سے میں تو واقف ہی نہیں شاید آپ صرف حکم سمجھ کر رکھتے ہیں، آپ بھی واقف نہیں ہے، میں اس کو جاننا چاہتا ہوں، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ میں صاف گوئی سے کام لوں، میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ تھا اس لئے ان صاحب سے بھی صاف کہہ دیا کہ اپنے اکابرین سے رجوع کر کے بتاؤں گا، آدمی بہت ذکی ہیں، امید ہے کہ اگر جواب سے مطمئن ہوگئے تو داڑھی رکھ لیں گے، اردو عربی سے ناواقف تھے ایک صاحب سے اردو اور قاعدہ شروع کیا ہے پڑھ رہے ہیں باقی حالات الحمدللہ ٹھیک ہیں۔ فقط والسلام

طالب دعا: سکندر مظاہری غفرلہ

خادم مدرسہ زینت العلوم بنکٹی ڈاکخانہ کوڑیا گونڈہ

جواب :

(۱) کسی مبتدع کا یہ کہنا کہ حضور اکرم ﷺ کا درجہ کعبہ سے بڑھا ہوا ہے، اور جب کعبہ کا قضائے حاجت کے وقت ہر جگہ احترام ملحوظ ہوتا ہے تو آپ کو بھی حاضر وناظر مانا جائے، ایسا ہی ہے جیسا کسی نے کہا تھا: ؎

'کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا'

کہاں تو دعوی ہے کہ آپ ﷺ حاضر وناظر ہیں اور کہاں دلیل کا رخ ہے۔ ہم نے کب کعبہ کو حاضر وناظر مانا ہے ہم نے تو صرف آپ ﷺ کے ارشاد **"إذا أتى أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولَا يستدبرها"** کی بناء پر جہتِ قبلہ کی طرف استقبال واستدبار عند قضاء الحاجۃ سے منع کیا ہے۔ اور پھر اگر یہی دلیل رہی تو ہر مومن کو حاضر وناظر ماننا ہوگا۔

ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد طواف کعبہ کرتے ہوئے منقول ہے:

"ما أعظمكِ وأعظم حرمتكِ، والذى نفس محمد ﷺ بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منكِ ماله ودمه وأن نظنّ به إلّا خيراً"۔ لیجئے اس حدیث میں مومن کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ بتایا گیا ہے۔

(۲): داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ہے۔ اس کے بعد کسی حکمت کی ضرورت نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ احکام میں عقلی حکمتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اصل چیز حکم شرعی ہے، ورنہ اگر حکمت عقلی کی ہی بناء پر کوئی شرعی کام کیا جائے تو منشاءِ عمل وہ حکمت اور فائدہ ہوا، تعمیل ارشاد شریعت منشاء نہ ہوا، حالانکہ بندہ تو اوامر ونواہی شرعیہ کا تابع ہونا چاہئے، حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے،

داڑھی رکھنے کی ایک حکمت تو یہی ہے کہ یہ مرد وعورت میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ چہرہ اس سے حسین معلوم ہوتا ہے۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ داڑھی رکھنے سے پائریا کے فاسد مواد بالوں کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں جیسا کہ بعض ڈاکٹروں سے سنا گیا ہے۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ اس سے گلے اور گردن کی حفاظت ہوتی ہے۔

مزید تحقیق کے لئے حضرت مدنیؒ کا رسالہ ’داڑھی کا فلسفہ‘ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم کا رسالہ ’داڑھی کی قدر و قیمت‘ نیز حضرت اقدس حضرت شیخ مدظلہ کی کتاب ’ڈاڑھی کا وجوب‘ دیکھ لیں۔

حکمت نمبر (۴) میری پڑھی ہوئی نہیں ہے لیکن سنی ہوئی ہے۔ اور سنا ہے کہ بعض لوگ اطراف کے بال رکھتے ہیں صرف ٹھوڑی کے بال ترشواتے ہیں جس سے شکل بھی بری لگتی ہے، مزید دیگر اکابر اہل علم سے تحقیق کرلو، والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۳/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ

* * *

حدیث لولاک لما خلقت الأفلاک

مولانائے محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

سوال:

ایک تکلیف آپ کو دے رہا ہوں۔ ’فضائل ذکر‘ مولفہ حضرت الحاج الحافظ مولانا زکریا صاحب دام فیضہم کے مطالعہ کے دوران ایک اشکال سامنے آیا، مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں آپ سے رجوع کروں۔ آپ ان شاء اللہ اس اشکال کو رفع کریں گے، اسی وجہ سے میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں، مجھے آپ سے قوی امید کہ آپ اس اشکال کو رفع فرما کر مجھے ایک خلجان سے نجات دیں گے اور عنداللہ ماجور ہوں گے۔ اشکال یہ ہے کہ

فضائل ذکر فصل سوم حدیث نمبر ۲۸۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدمؑ سے جب وہ گناہ صادر ہوگیا جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیجے گئے تو ہر وقت روتے تھے............وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں تمہاری اولاد میں سے ہیں لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں **أخرجه الطبرانی فی الصغیر والحاکم وأبونعیم والبیهقی کلاهما فی الدلائل، وابن عساکر فی الدرّ، و فی مجمع الزوائد رواه الطبرانی فی الأوسط والصغیر، وفیه من لم أعرفهم، قلت: ویؤید الأخر الحدیث المشهور "لولاک لما خلقت**

الأفلاک"، قال القاری فی الموضوعات الکبیر: موضوع، لکن معناہ صحیح، وفی التشرف معناہ ثابت۔

مشہور حدیث "**لولاک لما خلقت الأفلاک**" کو سب ہی نے موضوع کہا ہے، بلکہ مشہور محدث شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے فتاوی عزیزی میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے یہ حدیث نہیں دیکھی، یہاں تک تو درست، مگر یہ کیا کہ حدیث تو موضوع جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں تحریر فرمایا مگر مضمون جو اس موضوع حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور ثابت ہے، یہ ہے اشکال جو درپیش ہے۔

اس حدیث کے مضمون کی صحت کے اثبات میں کیا کوئی نص قطعی ہے قرآن سے یا حدیث سے؟ اگر ہے تو ازراہ نوازش بیان فرما کر مشکور فرمائیں، چونکہ یہ معاملہ عقائد سے متعلق ہے، اس لئے نص قرآنی یا حدیث متواتر کا حوالہ درکار رہوگا۔ نص قرآنی کی صورت میں متقدمین کی کسی تفسیر سے وضاحت مزید تقویت کا باعث ہوگی۔

نیاز مند خاکپائے علماء
سید شاکر علی نقوی
گلی سادات مسجد سادات محلّہ سوتھ بدایوں یوپی

جواب:

حدیث لولاک بلفظہ کہیں نہیں ملتی، اسی لئے حسن بن محمد صغانی لاہوری نے اس کو موضوع کہا ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ اور اسمٰعیل بن محمد عجلونی کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ صحیح ہیں۔ عجلونی کہتے ہیں **أقول: معناہ صحیح وإن لم یکن حدیثاً** اور ملا علی قاری نے اس کے معنی کی صحت کا اس لئے دعوی کیا ہے کہ متعدد روایتوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ بندہ کی معلومات میں یہ مضمون حضرت ابن عباس وحضرت عمر وحضرت سلمان رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں وارد ہے۔

ابن عباسؓ کی حدیث جس کو حاکم نے المستدرک میں "**فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار**" کے لفظ سے وارد ہے روایت کی ہے، حاکم کہتے ہیں **هذا حدیث صحیح الإسناد**، لیکن حافظ ذہبی نے ان پر نقد کیا ہے اور فرماتے ہیں: **أظنّه موضوعاً**۔ اور میزان الإعتدال میں اس روایت کے راوی عمرو بن اوس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: **یجهل حاله والخبر منکر، وأظنه موضوعاً**۔ اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں اس پر کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

اور حضرت عمرؓ کی حدیث طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے، اور اس میں ''ولولا محمد ما خلقتک'' کا لفظ وارد ہے۔ حاکم کہتے ہیں صحیح الإسناد لیکن ذہبی ان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں بل موضوع، اور اس کے راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے متعلق لکھتے ہیں واہٍ یعنی بہت ضعیف ہیں، اور عبداللہ بن مسلم فہری کے متعلق فرماتے ہیں: لاأدری من ذا؟ اور میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: خبر باطل، ورواه البیهقی فی دلائل النبوة۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں ذہبی کا کلام نقل فرمایا ہے لیکن اس پر بھی کوئی نقد نہیں کیا،

اور سلمان فارسیؓ کی حدیث ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں روایت کی ہے اور ان کے الفاظ ''لولاک یامحمد ما خلقت الدنیا'' ہیں۔ فرماتے ہیں: هذا حدیث موضوع لاشک فیه، وفی إسناده مجهولون وضعفاء، قال الدار قطنی: أبوالسکین ضعیف، وإبراهیم بن الیسع ویحیی البصری متروکان۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ یہ روایت محدثانہ حیثیت سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، مگر ملا علی قاری کے سامنے چونکہ ان روایات کی اسانید نہیں ہیں اسی لئے انہوں نے حسن ظن بالمخرّجین کرتے ہوئے حدیث مشہور کی صحت کا دعوی کر دیا، اور جن حضرات نے بھی صحت کا دعوی کیا ہے ان کو بھی یہی صورت پیش آئی، یا پھر ملا علی قاری پر اعتماد کیا،

اب اس کے بعد یہ عرض ہے کہ اس حدیث کے مضمون کو کسی نے عقیدہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اگر ثابت ہو تو اس سے آپ کی أوّلیت فی الخلق کا علم ظنی ہوتا ہے۔ عقیدہ کیلئے دلیل کی قطعیت ضروری ہے وہ یہاں مفقود ہے۔ والعلم عند الله سبحانه۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

''أوّل ما خلق الله نوری'' کی تحقیق

''لولاک لما خلقت الأفلاک'' کی تحقیق

“میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا” کی تحقیق

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ ودہر؟

نماز میں سورتوں کے درمیان سے پڑھنا کیسا ہے؟

سوال:

چند حدیثوں کے متعلق تحقیق کرنا تھا کہ یہ ثابت ہیں یا نہیں؟ اس لئے احقر آپ کے پاس یہ لکھ رہا ہے۔

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: “أوّل ما خلق الله نوري”، یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) “لولاک لما خلقت الأفلاک”۔

(۳) میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا اور میرے نور سے ساری دنیا پیدا کی گئی، کیا یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے؟

(۴) کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الٓمّ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے؟ اگر ثابت ہے تو ہم بھی عمل کریں؟

(۵) کیا ابوداؤد شریف کی کسی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورتوں کو کاٹ کاٹ کر درمیان سے نہ پڑھنا چاہئے، جیسا کہ عام طور سے دیہات کے حافظ ومولوی کرتے ہیں، کہیں سے ایک رکوع پڑھا، اس میں دو رکعت کرلی۔ اگر کاٹ کر پڑھنا منع ہو تو یہاں ہم لوگ بھی عمل کی کوشش کریں اس لئے کہ اتباع سنت ہی میں کامیابی ہے، حضرت جواب مرحمت فرما کر دارین کی کامیابی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مستمرہ عطا فرمائے۔

فقط والسلام
آپ کا احسان مند محمود خاں
موضع سیور ڈاکخانہ کورے بھار ضلع سلطان پور

جواب

(۱): یہ حدیث ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں (ص ۱۴۰/۱)، اور شیخ نجم الدین نے جیسا کہ علامہ زبیدی نے اتحاف (ص ۴۵۳/۱) میں نقل کیا ہے، بے سند نقل کی ہے،

لیکن کتب حدیث میں ہماری معلومات میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہے، فرماتے ہیں:

روی عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: "قلت یا رسول اللّٰه! بأبی أنت وأمّی أخبرنی عن أول شیء خلقه اللّٰه تعالیٰ قبل الأشیاء؟ قال: یاجابر! إن اللّٰه تعالیٰ قد خلق قبل الأشیاء نور نبیّک من نوره، فجعل ذلک النور یدور بالقدرة حیث شاء اللّٰه، ولم یکن فی ذلک الوقت لوح ولَا قلم ولَا جنّة ولَانار ولَاملک ولَاسماء ولَا أرض ولَا شمس ولَا قمر ولَاجنّی ولَا إنسی، فلما أراد اللّٰه أن یخلق الخلق قسم ذلک النور أربعة أجزاء، فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثانی اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول حملة العرش، ومن الثانی الکرسی، ومن الثالث باقی الملائکة، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء فخلق من الأول السماوات، ومن الثانی الأرضین، ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول نور أبصار المؤمنین، ومن الثانی نور قلوبهم، ومن الثالث نور انسهم لَا إله إلّا اللّٰه محمد رسول اللّٰه" الحدیث، انتهی۔

اتنی ہی حدیث قسطلانی نے ذکر کی ہے اور اس کے شارح علامہ زرقانی نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ یعنی حدیث مکمل نہیں کی اور نہ ہی اس کی سند کے متعلق کچھ لکھا ہے، الفاظ کی ترتیب سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ الحلبی نے التعلیقات الحافلة علی الأجوبة الفاضلة (ص ۱۲۹) میں اپنے شیخ علامہ احمد بن الصدیق الغماری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے المغیر علی الأ حادیث الموضوعة فی الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اس کے وضع کا حکم لگایا ہے۔ فرماتے ہیں: وهو حدیث موضوع تقع فی ورقتین بالقطع الکبیر مشتملة علی ألفاظ رکیکة ومعانی منکرة۔

اور دوسری روایات معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول المخلوقات دوسری اشیاء ہیں۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث میں مسند احمد وترمذی وغیرہ میں "إن أوّل ما خلق اللّٰه القلم" وارد ہوا ہے۔ امام احمد، ابن جریر طبری، ابن الجوزی وغیرہ اسی روایت کی بنا پر أول المخلوقات قلم کو مانتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ عرش قلم سے بھی پہلے پیدا کیا گیا، حافظ ابو العلاء الہمدانی نے یہ قول جمہور سے نقل کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث میں صحیحین میں ’’**كان الله ولم يكن شيء غيره وكان عرشه على الماء**‘‘ وارد ہے۔ اور مسند احمد و ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ’’**خلق عرشه على الماء**‘‘ وارد ہے، اس کی بناء پر ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

بہرحال قدماء محدثین میں سے ابن جریر طبری وغیرہ نے اور ان کے بعد حافظ ابن تیمیہ (ص ۱/۱۰۰)، حافظ ابن کثیر (ص ۱/۸) اور حافظ ابن حجر (ص ۷/۹۸) وغیرہ نے **أوّل المخلوقات** کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس حدیث سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور اکرم ﷺ انبیاء میں سب سے مقدم ہیں، اگرچہ بعثت میں سب سے مؤخر ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ’’**كنت أوّل النبيين في الخلق وآخرهم في البعث**‘‘، **أخرجه الحسن بن سفيان وابن أبي حاتم وابن مردويه وغيرهم، كما في الدر المنثور (ص ۵/۱۸۴)، قلت: فيه سعيد بن بشير وهو ضعيف، وقدرواه سعيد بن أبي عروبة عن قتادة مرسلاً وهو أشبه، قاله ابن كثير (ص ۳/۴۶۹)، قلت: هذا المرسل أخرجه ابن جرير الطبري كما في الدرالمنثور۔**

(۲): ’’**لولاک لما خلقت الأفلاک**‘‘ یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ بلکہ صغانی فرماتے ہیں کہ موضوع ہے۔ ملا علی قاری اور اسمٰعیل جراحی کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ صحیح ہیں۔ پھر ملا علی قاری نے بعض ایسی روایتیں ذکر کی ہیں جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی روایت اس مضمون کی ثابت نہیں ہے۔ ابن عباسؓ کی ایک حدیث مستدرک حاکم میں وارد ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں: **منكر وأظنّه موضوعاً**۔ حافظ ابن حجر نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث طبرانی صغیر اور مستدرک وغیرہ میں ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ باطل ہے۔ حضرت سلمانؓ کی حدیث ابن الجوزی نے الموضوعات میں روایت کرکے اس کے وضع کا حکم لگایا ہے۔

(۳): یہ مضمون حضرت جابرؓ کی حدیث میں گذر چکا (جو نمبر ۱ کے تحت ہے)۔

(۴): ہاں یہ حدیث ثابت ہے، **عن أبی هريرةؓ قال: "كان النبی ﷺ يقرأ فی الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل فی الركعة الأولىٰ و فی الثانية هل أتى على الإنسان"، متفق عليه.**
آپ کو بھی عمل کرنا چاہئے۔

(۵): مجھے ابوداؤد کی کوئی روایت معلوم نہیں ہے۔ سورۃ اور بعض سورۃ دونوں جائز ہے۔ اور درمختار میں اس صورت میں بعض سورۃ کو پوری سورۃ پر ترجیح دی ہے جب کہ سورۃ کاملہ سے بعض السورۃ کی آیات زیادہ ہوں۔ شامی (ص ۳۶۷/۱)

محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

کس صحابی نے تطویل قراءت کی اور کس نماز میں؟
بزرگوں کے مزارات پر جانا کیسا ہے؟
حضور ﷺ کے زمانہ میں کن کن صحابی نے نماز پڑھائی؟

سوال (۱):
ضروری عرض یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے امامت کرائی اور قرأت طویل کی، آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے سختی سے منع فرمایا تھا کہ جب امامت کراؤ تو مختصر کرو۔ ان صحابی کے نام، نیز کون سی نماز تھی؟ اور کن کن سورتوں کی تلاوت فرمائی تھی؟ تحریر فرمائیں۔

سوال (۲):
بزرگوں کے مزارات پر محض زیارت کی وجہ سے جانا کیسا ہے۔ اگر جانے میں کوئی قباحت ہو تو بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ مستقل مزارات پر مثلاً سرہند شریف وغیرہ سفر کرتے ہیں، اس کی کیا شکل ہے؟

سوال (۳):
حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے علاوہ کسی اور صحابی نے بھی امامت کرائی

ہے یا نہیں۔ فقط والسلام۔

طالب دعا:۔ خادم مختار احمد غفرلہ
مدرسہ نورانیہ ضیاء القرآن پوردہ الٰہی بخش شہر میرٹھ
۱۱ر محرم ۱۳۹۹ھ

جواب

(۱): حضرت معاذ بن جبلؓ نے عشاء کی نماز میں تطویل کی تھی اور سورہ بقرہ شروع کردی تھی، ایک آدمی نے نماز الگ پڑھ لی۔ حضور ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے عتاب فرمایا اور فرمایا: ”یا معاذ! أفتّان أنت؟ اقرأ و الشمس وضحٰها، والضحی، والليل إذا يغشىٰ وسبّح اسم ربّک الأعلیٰ“ اور ایک روایت میں ”اقراء والشمس وضحٰها وسبّح اسم ربّک الأعلیٰ واقرء باسم ربّک والليل إذا يغشى“ ہے۔ یہ دونوں مسلم (ص ۱/۱۸۷) کے الفاظ ہیں۔ بخاری شریف میں (ص ۹۸) ”فلولا صلّيت سبّح اسم ربّک الأعلیٰ والشمس وضحٰها والليل إذا يغشىٰ“ وارد ہے۔ اور مسند حمیدی میں ان تین کے ساتھ ”والسماء ذات البروج والسماء والطارق“ بھی ہے ۔ (فتح ۲/۳۳۷)۔

(۲): زیارۃ القبور اعمال مسنونہ میں سے ہے۔ احادیث میں اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کو مذکّر آخرت بتایا گیا ہے۔ اگر بزرگوں کے مزارات کی زیارت ہو تو اور بھی قابل اعتناء ہے۔

لیکن بالقصد شدّ رحال الی القبور کی مجھے کوئی اصل خاص معلوم نہیں ہے۔ ہاں ”زوروا القبور“ وغیرہ کے عموم سے استدلال کیا جاسکتا ہے، لیکن اس حدیث سے شدّ الرحال کے ثبوت میں تأمل ہے، لیکن کوئی صریح ممانعت بھی ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ”شدّ الرحال إلى ما سوى المساجد الثلاثة“ سے ممانعت کی حدیث مختلف المحامل ہے۔ لہٰذا یہ سفر بظاہر مباح ہے، مگر اس طرح اسفار کی عادت بنانا اور میلہ کی شکل دینا مفاسد محتملہ کی وجہ سے بظاہر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی صاحب حال ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے، ارباب فتاویٰ سے استفسار کرو۔

اور شدّ رحال لزیارۃ القبور کا مسئلہ مختلف فیہ ہے،

ابو محمد الجوینی، قاضی عیاض، ابن بطّہ، ابن عقیل حنبلی، شاہ ولی اللہ منع کرتے ہیں۔ قاضی حسین نے جو بغوی کے استاذ ہیں اسی طرف کچھ اشارہ کیا ہے، لیکن امام الحرمین، امام غزالی، ابوالحسن بن عبدوس الحرانی، علامہ موفق الدین

ابن قدامہ حنبلی (ص ۱۰۳/ ۲) شمس الدین ابن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی (ص ۹۳ / ۲) جواز کے قائل ہیں۔ امام نووی بھی فرماتے ہیں (ص ۴۳۳): **وھو الصحیح عند أصحابنا یعنی الشافعیة واختاره المحققون، انتهى۔ ومال ابن تیمیة فی الاقتضاء (ص ۳۲۸) إلى المنع ۔**

(۳): حضرت صدیق اکبرؓ کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے بھی آپ نے غزوۂ تبوک سے واپس ہوتے ہوئے فجر کی نماز ادا فرمائی ہے، مسلم شریف میں مفصل قصہ مذکور ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۵/ محرم ۱۳۹۹ھ

◆◆◆

غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی کا ضبط کیا ہے؟

"المعاصی برید الکفر" کیا حدیث ہے؟

"تسعة أعشار الرزق فی التجارة" کیسی حدیث ہے؟

سوال (۱):

اگر ہو سکے تو براہ کرم الفاظ ذیل کے ضبط سے مطلع فرمائیں۔ انتہائی تتبع کے باوجود حاصل نہ ہو سکے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔ غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی۔

سوال (۲):

اور کیا "**المعاصی برید الکفر**" حدیث یا مفہوم حدیث ہے؟

سوال (۳):

اور حدیث "**تسعة أعشار الرزق فی التجارة**" کس درجہ کی حدیث ہے۔؟

محمد اسماعیل ۲۴ پرگنہ ۱۵/ محرم ۹۹ھ

جواب:

(ا): امام **أبو حامد محمد بن محمد بن محمد بن أحمد الغزالی** کی ولادت شہر طوس میں جسکو اب مشہد کہا جاتا ہے ۴۵۰ھ میں ہوئی اور وفات طوس ہی میں بروز دوشنبہ ۱۴/ جمادی الآخرۃ ۵۰۵ھ میں پچپن سال کی عمر میں ہوئی،

غزالی زای مفتوحہ کی تشدید اور تخفیف دونوں کیساتھ نقل کیا گیا ہے۔

ملا علی قاری شرح شفاء میں (ص ۴۹۴ / ۴) میں لکھتے ہیں: **الغزالی بتشدید الزای وتخفیفها نسبة إلی غزاله قریة من قریٰ طوس، أو إلی بنت کعب الأحبار فإنها جدّته، وقیل کان والده غزالاً یغزل الصوف ویبیعه، انتهی۔**

ترجیح میں اختلاف ہے، بعض حضرات تخفیف کو راجح قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ خود غزالی اور ان کے بعض اخلاف سے اسی کی تصحیح منقول ہے۔ **قال النووی فی التبیان (ص ۱۲۳): الغزالی یقال: بتشدید الزای وقد روی عنه أنه أنکر هٰذا وقال: "إنما أنا الغزالی" بتخفیف الزای منسوب إلی قریة من قری طوس یقال لها "غزالة"، انتهی۔ وقد جزم به العلامة الفیومی فی المصباح المنیر فقال: غزالة قریة من قریٰ طوس و إلیها ینسب الإمام أبو حامد الغزالی، أخبرنی بذلک الشیخ مجدالدین محمد بن محمد بن محی الدین محمد بن أبی طاهر شروان شاه بن أبی الفضائل فخراور بن عبید الله بن ستّ النساء بنت أبی حامد الغزالی ببغداد سنة عشر وسبعمائة، وقال لی: أخطأ الناس فی تثقیل اسم جدّنا، وإنما هو مخفف نسبة إلی غزالة قریة بطوس، انتهی۔**

اور ایک دوسری جماعت کا رجحان یہ ہے کہ تشدید ہی راجح ہے۔ **قال ابن خلّکان فی وفیات الأعیان (ص ۲۹/ ۱): الغزالی بفتح الغین المعجمة وتشدید الزای المعجمة وبعد الألف لام، هذه النسبة إلی الغزال علی عادة أهل خوارزم وجرجان، فإنهم ینسبون إلی القصار القصاری، وإلی العطار العطاری، وقیل: بزای مخففة نسبة إلی غزالة، وهی قریة من قریٰ طوس، وهو خلاف المشهور، لکن هکذا قاله السمعانی فی کتاب الأنساب، إنتهیٰ۔ قلت: لم أجده فی نسخة الأنساب المطبوعة بالطبع القدیم۔**

وقال الخفاجی فی نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض (ص ۴۹۴/ ۴): هو بتشدید الزای المعجمة فی المشهور، وأصله الغزال بغیر نسبة فزادوا فیه یاء النسبة تاکیداً کالعصاری

علی عادة أهل جرجان وخوارزم، وقيل: نسبة لغزالة بنت كعب الأحبار جدّته، وقيل: إنه بتخفيف الزای نسبة لغزالة قرية من قری طوس، كما ذكره النووی فی التبيان۔ وأنكر ابن الأثيرتخفيفه، إنتهٰی۔

وقال السيوطی فی لباب الأنساب: الغزالی بالتشديد إلی الغزل كالغزال، وقيل هو بالتخفيف إلی غزالة قرية بطوس، إنتهی۔

وذكر الزبيدی فی الإتحاف (ص۱۸/۱)عن الذهبی فی العبر وابن خلّكان فی التاريخ عادة أهل خوارزم وجرجان فی زيادة ياء النسبة فی آخر صيغة الفعال للصنعة كالقصاری والخبازی والشحامی، ومثلها الغزالی، قال: وأشار لذلک ابن السمعانی أيضا، وأنكر التخفيف، وقال سالت أهل طوس عن هذه القرية فأنكروها، وزيادة هذه الياء قالوا للتاكيد، وفی تقرير بعض شيوخنا للتمييز بين المنسوب إلی نفس الصنعة وبين المنسوب إلی من كان صنعته كذلک، وهذا ظاهر فی الغزالی، فإنه لم يكن ممن يغزل الصوف ويبيعه، وإنما هی صنعة والده وجدّه ، ثم ذكرقول الزبيدی الفيومی، ثم قول من قال أنه منسوب إلی غزالة بنت كعب الأحبار، ثم قال: هذا إن صحّ فلا محيد عنه، والمعتمد الآن عند المتأخرين من أئمة التاريخ والأنساب أن القول قول ابن الأثير أنه بالتشديد، وسمعت شيخنا القطب السيد العيد روس نفع الله به يقول: أنه هكذا سمعهٗ من لسان النبی ﷺفی واقعة منامية، وعليه أنشدنا شيخنا المرحوم عبدالخالق بن أبی بكر المزجاحی بزبيد لأحد شعراء اليمن وقد أجاد ؎

مالـلعواذل فی هواک ومالی روحی فداک ياحبيب ومالی
غزال طرفک إن أنا أحيابه غزال طرفک إن أنا أحيابه

……………………………

قاضی أبوالفضل عياض بن موسیٰ اليحصبی الأندلسی السبتی الدار والمنشاء کی ولادت شعبان ۴۷۶ھ میں ہوئی اوروفات مراکش میں جمادی الآخرۃ یارمضان میں ۵۴۴ھ میں ہوئی۔

قال ابن فرحون فی الديباج المذهّب (ص۱۷۲): عياض بكسر العين المهملة وفتح الياء المثناة من تحت، وبعدالألف ضاد معجمة، واليحصبی بفتح الياء المثناة من تحت وسكون

الحاء المهملة وضم الصاد المهملة وفتحها وكسرها وبعدها باء موحدة نسبة إلى يحصب بن مالک قبيلة من حمير، إنتهىٰ۔

……………………………

العلّامة شمس الدين محمد بن يوسف بن علي بن سعيد الكرماني ثم البغدادي کی ولادت جمادی الآخرۃ بروز پنج شنبہ ۷۱۷ھ میں ہوئی، اور وفات حج سے واپس ہوتے ہوئے مقام روض مہنا میں پنج شنبہ کی صبح کو ۷۸۶ھ میں ہوئی، اور جنازہ بغداد منتقل کیا گیا۔ كما في الدرر الكامنة (ص ۳۱۰/۴) وغيرها،

کرمانی کرمان کی طرف نسبت ہے جو ایک وسیع علاقہ ہے، اور بہت سے شہروں پر مشتمل ہے۔ کاف کا فتحہ وکسرہ دونوں ہی منقول ہیں۔ قال النووي (ص ۲۵۵/۱) كرمان بفتح الكاف وكسرها، لیکن فتحہ اشہر ہے، كما في معجم البلدان لياقوت الرومي الحموي.

……………………………

العلّامة محمد بن عبدالباقي بن يوسف بن احمد شهاب الدين بن محمد الزرقاني المالكي کی وفات ۱۱۲۲ھ میں ہوئی، موصوف کی اس نسبت کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ حموی نے معجم البلدان میں زرقان نامی دو مقاموں کا تذکرہ کیا ہے، ایک بفتح الزای اور دوسرا بالضم، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے کسی مقام کی طرف منسوب ہے۔ اپنے اساتذہ ومشائخ سے بضم الزای ہی سنا ہے۔ اور اسی طرح رسالہ مستطرفہ کے اس نسخہ میں زای پر ضمہ لگا ہوا ہے جس کی محمد المنتصر بن محمد الزمزمی بن العلامہ محمد بن جعفر الکتانی نے تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم

(۲): "المعاصي بريد الكفر" قال الجراحي في كشف الخفاء (ص ۲۱۳/۲): "المعاصي بريدالكفر" أي تجرّ إليه، لم أره من ذكره غير أن ابن حجر المكي في شرح الأربعين قال: أظنّه من قول السلف، وقيل إنه حديث وهو معنى ماقيل الصغيرة تجرّ الكبيرة وهي تجرّ الكفر وهو معنىٰ بريد الكفر، فافهم، انتهىٰ۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، اور محض کسی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہے کافی نہیں ہے جب تک کہ اس کا مخرج معلوم نہ ہو جائے۔

(۳): حدیث ”تسعة أعشار الرزق فی التجارة والعشر فی المواشی“، علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں بروایت ابویعلی نعیم بن عبد الرحمان الأزدی اور یحیٰ بن جابر الطائی سے مرسلاً نقل کی ہے۔

علامہ عبد الرؤف مناوی فرماتے ہیں (ص ۳/۲۴۵): **ورواه أیضاً إبراهیم الحربی فی غریب الحدیث عن نعیم المذکور، قال الحافظ العراقی: رجاله ثقات، ونعیم هذا قال فیه ابن مندة: ذکر فی الصحابة ولَا یصح، وقال أبوحاتم الرازی وابن حبان: تابعی، فعلیٰ هذا الحدیث مرسل، انتهیٰ۔**

محمد یونس عفی عنہ

شب ۲۹ / محرم ۹۹ھ

◆◆◆

صومِ رمضان کو حج سے مؤخر کیوں کیا؟

سوال :

عرض ضروری اینکہ مشکوٰۃ شریف کی تیسری حدیث **وعن ابن عمرؓ قال: ”قال رسول الله ﷺ: بنی الاِسلام علی خمس، شهادة أن لَا إله إلّا اللّٰه وأنّ محمداً عبده ورسوله وإقام الصلوة وإیتاء الزکاة والحجّ وصوم رمضان“، متفق علیه** میں صوم رمضان کو حج سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے، جبکہ روزے کی فرضیت حج سے پہلے ہوئی ہے، اور فقہ کی کتابوں میں بھی صوم کو زکوٰۃ اور حج کے درمیان بیان کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

فقط والسلام

العارض محمد عبد اللہ پورنوی

۲۷ / ۴ / ۷۹ء

جواب :

مکرم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث دو طرح مروی ہے، ایک بتقدیم صوم رمضان علی الحجّ، دوسرے بالعکس، دوسری صورت متفق علیہ ہے۔ پہلی افراد مسلم میں سے ہے۔

بظاہر دوسری روایت تصرّفِ راوی ہے، اس نے تقدیم وتاخیر میں کوئی فرق خاص نہیں سمجھا ہے، لیکن فہم راوی دوسرے پر حجت نہیں ہے۔

یہاں تین وجہ سے صوم مستحقِ تقدیم ہے، اول تو اس لئے کہ صوم کی فرضیت حج کی فرضیت سے مقدم ہے، اور دوسرے صوم عبادتِ بدنی ہے، اور حج عبادت بدنی ومالی سے مرکب ہے، تو صوم کا درجہ مفرد جیسا ہے اور حج کا مرکب جیسا، والمفرد مقدم علی المركّب، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مسلم کی ایک روایت میں یہ وارد ہے کہ جب ابن عمرؓ نے حدیث بیان کی اور ''وصيام رمضان والحج'' ذکر کیا تو ایک شاگرد نے روایت دہراتے ہوئے والحج وصيام رمضان کہہ دیا تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ''لَا، صيام رمضان والحجّ، هكذا سمعته من رسول الله ﷺ''۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ابو عوانہ کی روایت میں اس کا عکس واقع ہوا ہے، يعني بتقديم الحجّ علىٰ رمضان اور شاگرد نے دہرایا تو صوم کو مقدم کر دیا تو ابن عمرؓ نے فرمایا: ''اجعل صيام رمضان آخر هنّ كما سمعت من في رسول الله ﷺ''، اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں: لَا يقاوم هذه الرواية مارواه مسلم، والله أعلم۔ اور فقہائے کرام نے صوم رمضان کو مقدم فرمایا ہے اور یہی عامۂ محدثین کا طرز ہے، لیکن بعض صوم کو حج سے مؤخر ذکر کرتے ہیں جیسے امام بخاری، اس لئے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ وحج عباداتِ فعلیہ ہیں اور صوم عبادتِ ترکیہ ہے اور فعل ترک سے مقدم ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۵/ج۲/۱۳۹۹ھ

❖ ❖ ❖

''إذا أحبّ الله عبداً'' الخ کا حوالہ

سوال: گرامی قدر شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

السلام علیکم مزاج گرامی

رسالہ فضائل رمضان میں آیت کریمہ ﴿إنّ الذین آمنوا وعَمِلوا الصّٰلحٰت سَیَجْعَلُ لَهُم الرَحمٰنُ وُدّاً﴾ کے ذیل میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے، جسکا مضمون یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست بنالیتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان والوں کو آواز دیتے ہیں کہ تم سب بھی فلاں بندے کو دوست رکھو، پھر زمین والوں کو آواز دیجاتی ہے اور وہ سب بھی دوست رکھتے ہیں، حتی کہ خشکی کے علاوہ دریاؤں کی مچھلیاں بھی دوست رکھتی ہیں اور دعاءِ مغفرت کرتی ہیں، اس حدیث پاک کیلئے کتاب، باب اور صفحہ کے حوالہ کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ ازراہ کرم تحریر فرمائیں گے، احسان وکرم ہوگا۔ فقط والسلام

طالب خیر سید حمید اشرف علی گڈھ

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حدیث مسئول کا ترجمہ فضائلِ رمضان کی فصل اول کی حدیث نمبر دو کی تشریح کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے۔

ترجمہ 'جب حق تعالیٰ شانہ سے' شروع ہوتا ہے اور 'پھر اسکے لئے زمین پر قبولیت رکھدی جاتی ہے' پر ختم ہوتا ہے۔

آگے مؤلف کا کلام ہے، یہ حدیث امام بخاری نے کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة میں (ص ٤٥٦) پر روایت کی ہے۔ حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

’’إذا أحبّ الله العبد نادىٰ جبرئیل إن اللّٰه یحبّ فلاناًفأحببه فیحبّه جبرئیل، فینادی جبرئیل فی أهل السماء: إن اللّٰه یحبّ فلاناًفأحبّوه، فیحبّه أهل السماء، ثم یوضع له القبول فی الأرض‘‘،

مچھلیوں کا صائم کیلئے دعاءِ مغفرت کرنا حدیث (٢) میں مذکور ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

٢٦ ؍ شعبان ٩٩ھ

◆◆◆

"طلب العلم فریضة" الخ میں مسلمة کی زیادتی

سوال:

حدیث "طلب العلم فریضة" میں 'مسلمة' کی زیادتی اگرچہ معنیً ثابت ہے، مگر روایۃً ثابت نہیں ہے جیسا کہ سخاوی وغیرہ نے لکھا ہے، ملا علی قاری نے مرقاۃ میں جو لکھا ہے کہ بعض روایات میں یہ زیادتی ثابت ہے، کیا کسی اور نے بھی اس کو روایت قرار دیا ہے؟ بظاہر تو علی قاری کا خیال درست نہیں ہے، مولانا سنبھلی کی شرح مسند امام اعظم دستیاب نہ ہوسکی، خیال پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔

والسلام (مولانا) عبداللہ دہلوی

جواب:

حدیث "طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم" اگرچہ متعدد صحابہ سے مروی ہے، مگر کسی کی روایت میں 'ومسلمة' کا لفظ نہیں ہے، اگرچہ آج کل زباں زد ہے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی نے (بستان ص ۳) میں اور امام نووی نے اپنی اربعین کی شرح میں بطور روایت کے نقل کیا ہے، لیکن اس کا کوئی ثبوت روایۃً نہیں ہے۔ کما صرّح به السخاوی فی المقاصدالحسنة، وتبعه من جاء بعده کالعلامة الجراحی فی کشف الخفاء (ص ۴۵/۲)، والزبیدی فی الإتحاف (ص ۹۸/۱)۔

اور ملا علی قاری کا کلام مختلف ہے۔ مرقاۃ میں (ص ۲۳۳/۱) اولاً تو لفظ حدیث "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" کے بعد 'ومسلمة' کما فی روایة لکھا ہے، لیکن آگے چل کر خود ہی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، فرماتے ہیں: وقد ألحق بعض المصنفین بآخر الحدیث 'ومسلمة'، ولیس لها ذکر فی شیء من طرقه۔

یہ بعینہٖ سخاوی کی عبارت ہے جو ملا علی قاری نے بلا نسبت کے ذکر کردی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات التنقیح (ص ۲۷۴/۱) میں یہ زیادتی امام ابوحنیفہ کی روایت کی طرف منسوب کی ہے۔ اسی حدیث کی شرح میں آخر میں لکھتے ہیں وھذا الحدیث ممارواہ الإمام أبوحنیفة قال: سمعت أنس بن مالکؓ یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة"، لمعات کے مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح یہ زیادتی یعنی 'ومسلمة' اس روایت میں ہے، مگر شیخ موصوف نے یہی روایت سفر السعادۃ کی شرح میں (ص ۵۱۴) پر امام صاحب کے حوالہ سے اس زیادتی کے بغیر نقل کی

ہے۔ اور یہی صواب ہے۔

اسی طرح **مسند الإمام أبی حنیفة** میں (ص ۲۰) جس پر علامہ سنبھلی کی شرح چڑھی ہوئی ہے اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث موجود ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ لمعات کے نسخہ میں 'مسلمة' کی زیادتی کاتب کی غلطی ہے، **والعلم عند اللہ سبحانہ**۔

مولانا سنبھلی نے اس حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ تو کیا ہے مگر اس زیادتی سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض نہیں کیا۔

محمد یونس عفی عنہ
۵؍صفر الخیر ۱۴۰۰ھ

⁂

اصیلی کی تحقیق

ابن المنیر کا ضبط کیا ہے؟

مطر بن عکامس صحابی ہیں یا نہیں؟

سوال:

ا: نسّاخِ بخاری میں سے ایک 'اصیلی' ہیں۔ آیا یہ لفظ بفتح الھمزہ ہے یا بضمہا؟

۲: 'ابن المنیر' کو اسباق میں تو ہم نے حضرت والا سے بتشدید الیاء المثناۃ ضبط کیا ہے، مگر اب حوالہ کی ضرورت ہے۔ کسی موقعہ پر مقدمہ لامع کا حوالہ دیا تھا مگر ہماری تلاش میں نہیں ملا۔

۳: حضرت مطر بن عکامس کی صحابیت مختلف فیہ ہے اس میں قول فیصل کیا ہے۔

محمد اسمعیل
چوبیس پرگنہ بنگال

جواب:

اُصیلی کے ہمزہ پر ضمہ زباں زد ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ بفتح الہمزہ ہے جو اُصیلۃ کی طرف نسبت ہے، **قالہ ابن الفرضی**، اور بعض نے اصیل ذکر کیا ہے، علامہ ابن الاثیر الجزری نے لباب الانساب میں اور ابن فرحون نے الدیباج میں (ص ۱۳۸) ان کا تذکرہ کیا ہے لیکن ضبط نہیں کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ بفتح الہمزہ ہے، ورنہ اگر بضم الہمزہ ہوتا تو خلاف اصل ہونے کی وجہ سے ضبط کرتے، علامہ یاقوت الحموی نے معجم البلدان میں اصیل کے تحت ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: **أصيل ياء ساكنة ولَام بلد بالأندلس، قال سعد الخير: ينسب إليه أبو محمد عبدا لله بن إبراهيم الأصيلى محدّث متقن فاضل معتبر، تفقّه بالأندلس، فانتهت إليه الرياسة، وصنّف كتاب الآثار والدلَائل فى الخلاف، ثم مات بالأندلس فى نحو سنة تسعين وثلاث مائة۔**

اس کے بعد ابن الفرضی سے نقل کیا ہے اُصیلی اُصیلۃ کی طرف نسبت ہے، اور ان کی وفات ۳۹۲ھ میں بتائی ہے، علامہ یاقوت کا رجحان یہی ہے کہ یہ اصیلۃ کی طرف نسبت ہے جو بلاد بربر میں سے ہے، بہر حال یہ اصیلہ کی طرف نسبت ہو یا اصیل کی طرف بظاہر حموی کے نزدیک بھی بفتح الہمزہ ہے، اسلئے کہ ان کی عادت ہے کہ جو لفظ تصغیر کے ساتھ ہوتا ہے اس کو ضبط کرتے ہیں، جیسے اتیم، اجیر، ازینہ، ارین، ارینہ، اریکہ۔ اور جو لفظ فعیل یا فعیلہ کے وزن پر بفتح الاول ہوتا ہے اس کا اول کلمہ ضبط نہیں کرتے ہیں، الا یہ کہ ایک ہی لفظ دو طرح وارد ہو، ایک مقام کے لئے بفتح الاول اور دوسرے کے لئے بضم الاول تو دونوں کو ضبط کرتے ہیں، جیسے اثیل مکبراً واثیل مصغراً دو مقامات کے الگ الگ نام ہیں تو دونوں جگہ ضبط فرمایا ہے۔ ویسے اب تک کسی کے کلام میں صراحۃً ضبط نہیں ملا۔

اس کے بعد ملا علی قاری کی شرح شفاء میں وہی ملا جو احقر نے اپنے ظن سے لکھا تھا فرماتے ہیں:

الأصيلى بفتح وكسر ۔

۲: ابن المنیر کی تحقیق، ابن المنیر جن کا شروح و دروس میں تذکرہ آتا ہے دو ہیں، اور دونوں بھائی ہیں، بڑے علامہ ناصر الدین احمد بن محمد الجذامی ہیں، جن کی ۶۸۳ھ میں وفات ہوئی، اور چھوٹے علامہ زین الدین علی بن محمد ہیں جن کی وفات ۶۹۵ھ میں ہوئی۔

اول نے تراجم بخاری پر کام کیا تھا اور ثانی نے بخاری شریف کی بڑی ضخیم شرح لکھی تھی۔

قال ابن فرحون فى الديباج المذهّب (ص ۷۳): **والمنير بضم الميم وفتح النون وياء مثناة من**

تحت مشددة مكسورة، وقال الحافظ في الفتح: المنير بتثقيل الياء ونون مفتوحة۔

مقدمہ لامع طبع اول میں تو اس کا ضبط نہیں ہے لیکن طبع ثانی وثالث میں شروح کے ذیل میں نمبر ۱۳ پر ضبط موجود ہے۔

۳: مطر بن عکامس کی صحبت میں اختلاف ہے۔ **كما صرّح به الطبراني وأبو أحمد العسكري،** امام احمد، یحیٰی بن معین، ابوبکر البردیجی انکار کرتے ہیں، اور ابن حبان (ص۳۹۱/ ۳) فرماتے ہیں: **له صحبة،** یہی حاکم صاحب المستدرک کی رائے ہے۔ اسی لئے ان کی حدیث کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان کو اصابہ کی قسم اول میں (جن میں انہیں کو ذکر کرتے ہیں جن کی صحبت راجح ہے)، اور تقریب التہذیب میں بلا کسی اختلاف کے '**صحابيّ سكن الكوفة**' لکھا ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۷/ صفر ۱۴۰۰ھ

◆◆◆

کیا بخاری شریف میں کچھ احادیث ضعیف ہیں؟

سوال:

زید کہتا ہے صحیح بخاری شریف میں کچھ ضعیف حدیثیں بھی موجود ہیں۔ اور بکر کا قول زید کے برعکس ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ضعیف حدیثیں موجود نہیں ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعۃً زید جو کہتا ہے وہ قول صحیح ہے یا بکر کا قول؟

اگر زید کا قول صحیح ہے تو وہ ضعیف حدیثیں بخاری شریف کے کس پارہ میں اور کس باب میں درج ہیں؟

برائے کرم ان ضعیف حدیثوں کا حوالہ مدلل تحریر فرمائیں۔

فقط والسلام

احقر عبد السمیع القاسمی غفرلہ

جامع مسجد پوسٹ سلطانہ ضلع جھنجھور راجستھان

جواب :

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بخاری ومسلم کی حدیثیں دوطرح کی ہیں۔ اول وہ روایات جو بالسند المتصل نقل کی گئی ہیں، اوردوسرے تعلیقات ہیں جو بخاری شریف میں کافی مقدار میں ہیں، لیکن مسلم شریف میں معدودے چند روایات ہیں۔

قسم اول کی روایتیں ہی دونوں کتابوں کا موضوع ہیں، اورانہیں کے لئے بالقصد دونوں کی تالیف عمل میں آئی۔ **كما صرّح به الحافظ ابن حجر فى مقدمة الفتح (ص۱۰۵/۲)، وقبله ابن الصلاح (ص۲۳)**۔ اوریہ قسم ساری ہی امام بخاری ومسلم کے نزدیک صحیح ہے۔

ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں: **سمعت محمد بن إسمعيل يقول: ما أدخلت فى كتابى الجامع إلّا ما صحّ وتركت من الصحاح لحال الطول۔**

عمر بن محمد بجیری فرماتے ہیں: **سمعت محمد بن إسمعيل يقول: صنّفت كتابى الجامع فى المسجد الحرام، وما أدخلت فيه حديثاً حتى استخرت الله تعالىٰ وصلّيت ركعتين وتيقّنت صحّته۔**

حسین بن محمد الماسرجسی فرماتے ہیں: **سمعت أبى يقول: سمعت مسلم بن الحجاج يقول: صنّفت هذاالمسند الصحيح من ثلاث مأة ألف حديث مسموعة ۔**

مکی بن عبدان فرماتے ہیں: **سمعت مسلماً يقول: عرضت كتابى هذا على أبى زرعة، فكلّ ما أشار أنّ له علة تركتهٗ، وكل ماقال أنّه صحيح وليس له علة خرّجته۔**

اوردوسرے ائمہ نے بھی سب کوصحیح قرار دیا ہے ۔ امام ابوعبداللہ الحمیدی الاندلسی اپنی کتاب ''**الجمع بين الصحيحين**''میں لکھتے ہیں **لم نجد من الأئمة الماضيين من أفصح لنا فى جميع ماجمعه بالصحّة إلّا هذين الإمامين ۔**

پھر یہ قسم دوقسموں پر منقسم ہیں **كما ذكره ابن الصلاح (ص۴۲) وابن حجر (ص۱۰۵/۲)**۔

قسم اول وہ روایات ہیں جن کی امت نے تلقّی بالقبول کی ہے اوراس کی صحت کوتسلیم کیا ہے، اوریہی قسم دونوں کتابوں کا بڑااور معظم حصہ ہے۔

دوسری قسم وہ روایات ہیں جن کوامت میں تلقّی بالقبول کا یہ مقام حاصل نہیں ہوا، بلکہ بعض ناقدین جیسے دارقطنی ،

ابومسعود الدمشقی، ابوعلی غسانی نے اس پر کلام کیا ہے، اوران کا خیال ہے کہ وہ روایتیں شیخین کی شرط کے مطابق صحیح نہیں ہیں۔ دوسرے علماء نے یہ اعتراض تسلیم نہیں کیا، اوران روایات پر جو کلام کیا گیا ہے اس کا جواب دیا ہے۔

امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں، **قد استدرک جماعة علی البخاری ومسلم أحادیث أخلّا بشرطهما فیها ونزلت عن درجة ما التزماه، وقد ألّف الإمام الدار قطنی فی بیان ذلک کتابه المسمّیٰ بالاستدراکات والتتبع وذلک فی مأیتی حدیث، ولأبی مسعود الدمشقی أیضاً علیهما استدراک، ولأبی علی الغسانی فی تقیید المهمل فی جزء العلل منه استدراک أکثره علی الرواة عنهما وفیه ما یلزمهما، وقد أجیب عن کل ذلک أو أکثره، انتهی۔**

حافظ عراقی نے مستقل ایک کتاب لکھی تھی جس میں ان روایات کو جمع کرکے ناقدین کے اعتراضات کے جوابات دیئے تھے جیسا کہ خود ہی **التقیید والإیضاح** (ص ۴۲) میں لکھا ہے لیکن وہ کتاب تبییض سے قبل ہی معدوم ہوگئی، **کما قاله السخاوی** (ص ۱/۵۲)۔

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں بخاری شریف کی **منتقد علیه** روایات کو جمع فرما کر ناقدین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اسی طرح فتح الباری میں ان احادیث کی شرح میں اور امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں مسلم کی روایات پر جو جرح کی گئی ہے اس کا جواب دیا ہے۔

اجمالی طور پر دو جواب دئے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ شیخین کو احادیث صحیحہ ومعلولہ کی معرفت اور خطا وصواب میں امتیاز دینے میں اپنے معاصرین اور بعد کے ائمہ فن پر فوقیت حاصل ہے۔ اوران دونوں ائمہ نے اپنی کتاب میں اپنی ہی تصریح کے مطابق صرف احادیث صحیحہ جمع کی ہیں۔ اب دوسرے ائمہ کا نقد شیخین کی تصحیح کے معارض ہوگا، اور شیخین کا فیصلہ ان کے مسلّمہ تفوق وتبحر کی بناء پر دوسروں کے نقد پر مقدم ہوگا، مگر انصاف یہ ہے کہ ہر جگہ یہ جواب کام نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ بعض اوقات کوئی متأخر فرد بڑے کے مقابل میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جو زیادہ وزن دار ہوتی ہے، اور یہ صرف احتمال عقلی ہی نہیں ہے بلکہ واقعۃً بھی یہی ہے کہ بعض جگہ ناقدین کی بات بہت قوی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ناقدین کے اعتراضات بعض ایسے قواعد ضعیفہ پر مبنی ہیں جن کو بعض محدثین نے اختیار کیا ہے جو جمہور فقہاء واہل اصول کے مسلک کے خلاف ہیں اس لئے ان کا اعتبار نہیں۔

قال النووی فی مقدمة شرح البخاری: قد استدرک الدارقطنی علی البخاری ومسلم

أحاديث فطعن في بعضها، وذلک الطعن مبني على قواعد لبعض المحدثين ضعيفة جداً مخالفة لما عليه الجمهور من أهل الفقه والأصول وغيرهم، فلا تغترّ بذلک، انتهى۔

لیکن کلی طور پر یہ جواب بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بعض اعتراضات مسلم اصولی قواعد کے پیش نظر وارد ہوئے ہیں جن کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں۔ کما اعترف بذالک الحافظ ابن حجر في مقدمة الفتح (ص۱۰۵/۲) ، وقال قول النووي في مقدمة شرح مسلم، وقد أجيب عن ذالک أو أكثره هو الصواب، فإن منها ما الجواب عنه غير منتهض۔

تنبیہ : صحیحین کی جن روایات پر ائمہ فن نے نقد کیا ہے ان کی مجموعی تعداد ۲۱۰ ہے۔ ۳۲ متفق علیہ ہیں اور ۷۸ بخاری میں اور ۱۰۰ مسلم شریف میں ہیں۔ کسی شاعر نے حروف ابجد کے حساب سے ان کی طرف ایک شعر میں اشارہ کیا ہے

فدعد لجعفي وقاف لمسلم   وبل لهما فاحفظ وقيت من الردیٰ
۷۸   ۱۰۰   ۳۲

فائدہ : بعض متشددین جیسے ابن حزم اور ابن الجوزی نے صحیحین کی بعض روایات پر وضع تک کا حکم لگایا ہے مگر یہ قول غلط ہے۔ حافظ عراقی، حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی نے اپنی کتابوں میں ان پر رد کیا ہے۔

تنبیہ : کسی حدیث کی صحت کے لئے اس کا معمول بہا ہونا لازم نہیں، مثلاً بخاری شریف (ص۴۳) میں حضرت عثمانؓ کی حدیث میں عدم انزال کی صورت میں صرف وضوء کا حکم وارد ہے، اور مسلم شریف میں ”إنما الماء من الماء“ وارد ہے جو جمہور کے یہاں منسوخ ہے۔ اسی طرح حدیث ”الوضوء ممامَسّتهُ النار“ مسلم شریف میں ہے اور جمہور کے نزدیک منسوخ ہے۔ اسی طرح حدیث ”يقطع صلوته المرءة والحمار والكلب الأسود“ مسلم میں ہے اور جمہور کے نزدیک منسوخ ہے۔

دوسری قسم تعلیقات ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں، اول وہ روایتیں ہیں جن کو صاحب کتاب نے ایک جگہ تو معلقاً اور دوسری جگہ موصولاً ذکر کیا ہے، یہ قسم تو ساری ہی صحیح ہے إلّا أن يكون منتقداً۔

دوسری قسم وہ حدیثیں ہیں جن کو بخاری ومسلم نے دوسری جگہ موصولاً روایت نہیں کیا۔

پھر ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ روایات جن کو بصیغہ جزم ویقین جیسے **قال** و **ذكر** وغیرہ بصیغۂ معروف ذکر کیا ہے، یہ تو ساری صحیح ہیں۔ لیکن صحت کی ضمانت صرف مضاف الیہ تک ہے یعنی اگر کسی کا نام لے کر تعلیق کی ہے، مثلاً یوں کہا **وقال بهز عن أبيه عن جده** تو بهز تک سند صحیح ہے آگے کی ضمانت نہیں۔

اور دوسری قسم وہ تعلیقات ہیں جن کو بصیغۂ تمریض یعنی بصیغہ مجہول ذکر کیا ہے ان میں تفصیل ہے۔ بعض تو صحیح ہیں جن کو امام بخاری نے دوسری جگہ موصولاً روایت کیا ہے مگر یہاں بصیغہ تمریض اس لئے ذکر کر دیا کہ اس کو اختصار سے پیش کیا ہے، اور اختصارِ حدیث روایت بالمعنی کی ایک صورت ہے، اور روایت بالمعنی میں اختلاف ہے، اس لئے صیغۂ تمریض سے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بعض تعلیقات میں ضعف ہے تو صیغہ تمریض سے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **كما نبّه على ذلك العراقي في نكته على ابن الصلاح (ص٣٦) وتبعه الحافظ في الفتح والسخاوي في شرح الألفية (ص ٥٣)**۔

لیکن امام بخاری کا ایسی تعلیقات کو اپنی کتاب '**الجامع الصحيح**' میں لانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے، بالکل واہی اور ساقط الاعتبار نہیں ہے، **كما صرّح به ابن الصلاح (ص ٢١) والنووي والعراقي وغيرهم**۔

خاص طور سے تعلیقات بخاری پر تفصیلی کلام مقدمہ فتح الباری میں نہایت مفصل طور سے مذکور ہے۔ امام نووی نے تعلیقات مسلم کو مقدمہ شرح مسلم میں (ص ۱۴) پر ذکر کیا ہے، اور ان کے متعلق شروح مسلم میں کلام دیکھا جا سکتا ہے، واللہ اعلم۔

کتبہ محمد یونس عفی عنہ
۷ / صفر الخیر ۱۴۰۰ھ

* * *

جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں حدیث کا حکم

سوال :

مشکوۃ شریف کی ایک حدیث ہے، غالبًا کتاب المزارعۃ میں ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی جائداد غیرمنقولہ فروخت کرے تو اس کو اس جیسی جائداد غیرمنقولہ میں لگادے ورنہ برکت نہ ہوگی۔

ایک صاحب کہتے ہیں کہ جائداد فروخت کرکے کوئی کاروبار بھی نہ کرے اور بجز اس کو اس کے مثل میں لگانے کے اور کوئی مناسب جگہ نہیں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی غیرمنقولہ جائداد اس نیت سے فروخت کرے کہ اس سے تجارت کروں گا یا اور کوئی خاص ضرورت ہو تو کیا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب :

عزیز مکرم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث مذکور صاحب مشکوۃ نے باب الشفعہ کی فصل ثانی میں ذکر کی ہے۔

عن سعید بن حریثؓ قال: ”سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من باع منکم داراً أو عقاراً قَمِنٌ أن لَا یبارک لہ إلّا أن یجعلہ فی مثلہ“ ، رواہ ابن ماجہ (ص۱۸۲) والدارمی، وھو حدیث ضعیف، لأن راویہ إسمعیل بن إبراھیم بن مھاجر البجلی الکوفی ضعیف، ضعّفہ غیر واحد، وقال البخاری: فی حدیثہ نظر، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے ، **من مناکیرہ ھذا الحدیث۔**

ولہ شاھد من حدیث حذیفةؓ بلفظ: ”من باع داراً ولم یجعل ثمنھا فی مثلھا لم تبارک لہ فیھا“، رواہ ابن ماجہ (ص۱۸۲)، وفیہ أبومالک النخعی متروک، ویوسف بن میمون جرحہ کثیر من الأئمة ولکنّہ صدوق، ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن حذیفةؓ وعمرو بن حریثؓ۔ قال الھیثمی فی المجمع (ص۱۱۱/۴): وفیہ الصباح بن یحییٰ وھو متروک۔

اس کے علاوہ اور بھی اس مضمون کی روایات ہیں، لیکن کسی کی سند علت سے خالی نہیں ہے۔

اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس سے بے ضرورت فروخت کرنا مراد ہے، معقل بن یسارؓ کی روایت میں جسے طبرانی نے

معجم اوسط میں روایت کیا ہے "من غیر حاجة" کی قید وارد ہے، حضرت ابوطلحہؓ نے جب اپنا باغ بیر حاء صدقہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے اقرباء کو دیدو، انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت حسانؓ کو دیدیا، امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں حضرت حسانؓ نے اپنا حصہ امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور یہ کہیں بھی وارد نہیں ہے کہ انہوں نے اس کے بدلے میں کوئی دوسری زمین خریدی۔ اس لئے میرے ناقص خیال میں اگر کوئی بلا ضرورت زمین فروخت کرے تو حدیث کی رو سے اس میں بے برکتی ہوگی ورنہ ضرورت میں تو بہت گنجائش نکل آتی ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ
یوم الجمعة ۱۷ ربیع ۲ / ۱۴۰۰ھ

* * *

ایمان کی تجدید کرلیا کرو
توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں

سوال:

حضرت شیخ الحدیث نے اپنی تصنیف فضائل ذکر میں دو احادیث نبوی ﷺ کے ترجمے درج فرمائے ہیں، مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ان دونوں احادیث کے اصل الفاظ کی ضرورت ہے، اگر آپ از راہ مہربانی ان احادیث کا اصل متن اور پورا حوالہ عنایت فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

پہلی حدیث کتاب مذکور کے (ص ۴۷) پر درج ہے کہ ایمان پرانا ہوجاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہوجاتا ہے، اس لئے اللہ جل شانہ سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو۔

دوسری حدیث کتاب مذکور کے (ص ۱۰۴) پر درج ہے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ وہ گناہ کراماً کاتبین کو بھلا دیتے ہیں اور اس گنہگار کے ہاتھ پاؤں کو بھی بھلا دیتے ہیں اور زمین کے اس حصہ کو بھی جس پر وہ گناہ کیا گیا ہے حتی کہ کوئی بھی اس گناہ کی گواہی دینے والا نہیں رہتا ہے۔

والسلام احقر محمد عزیز حسن
چوکی حسن خان مراد آباد

جواب :

مکرم ومحترم السلام علیکم ابھی آپ کا خط ملا۔

دونوں حدیثوں کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

(۱) عن عبد الله بن عمروبن العاصؓ قال: ”قال رسول الله ﷺ: إنّ الاِيمان ليخلق فى جوف أحدكم كما يخلق الثوب، فاسئلوا الله أن يجدّد الاِيمان فى قلوبكم“،

رواه الطبرانى فى الكبير والحاكم فى المستدرک(ص۴/۱)۔ قال الحاكم: رواته مصريون ثقات۔ وأقرّه الذهبى، وقال الهيثمى فى مجمع الزوائد(ص۵۲/۱): إسناده حسن۔

(۲) عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”إذا تاب العبد أنسى اللّٰه الحفظة ذنوبه وأنسىٰ ذلک جوارحه ومعالمه من الأرض حتى يلقى اللّٰه ليس عليه شاهد من الله بذنب“۔

رواه الاِصبهانى فى ترغيبه، وابن عساكر فى تاريخه، وأعلم عليه السيوطى فى الجامع الصغير (ص۳۱۳) بعلامة الضعيف، وأشار المنذرى (ص۹۵/۴) إلى ضعفه ووهائه إذ قال ورُوى عن أنسؓ فذكر الحديث۔

محمد یونس عفی عنہ
۲۳/ ذی القعدة ۱۴۰۰ھ

* * *

باجماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ سے بھی زیادہ ہے

سوال:

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب دام ظلہم العالی فضائل نماز (ص ۴۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں

پچیس درجہ المضاعف جماعت کا ثواب جو بتایا گیا ہے اس کے متعلق شراح نے عجیب بات لکھی ہے کہ اس حدیث کا ثواب ستائیس درجہ والی حدیث سے بہت زیادہ ہے، یعنی با جماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس درجہ ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ ستائیس درجہ والی حدیث سے پچیس درجہ والی حدیث کا ثواب اتنی زائد مقدار میں کیونکر ہوا؟ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کس عدد کا ضرب کس سے دیا گیا؟

فقط

مبذل حسین
یکےازخدام احادیث نبویہ
مدرسہ دارالحدیث بدر پور کچھاڑ آسام

جواب :

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نماز با جماعت کا ثواب منفرد کی نماز سے بہت زیادہ ہے، اب وہ فضیلت پچیس درجہ ہے یا ستائیس؟ دونوں طرح احادیث میں وارد ہے،

ابوسعید خدریؓ سے بخاری میں ”صلوۃ الجماعة تفضل صلوۃ الفذِّ بخمس وعشرين درجةً“ مروی ہے۔ اورابن عمرؓ سے ”بسبع وعشرين درجةً“ مروی ہے۔

بعض نے ستائیس والی روایت کو زیادتی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے راجح کہا ہے، اور دوسرے بعض علماء پچیس والی کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ عام طور سے صحابہ یہی نقل کرتے ہیں۔ ستائیس والی صرف ابن عمرؓ سے مروی ہے،

اور بعض دوسرے حضرات نے دونوں روایتوں میں مختلف طرح سے جمع فرمایا ہے، مثلاً یہ کہ اولاً پچیس کا علم ہوا پھر ستائیس کا، یا یہ کہ اختلافِ احوال پر یہ اختلاف مبنی ہے، بعض کو پچیس درجہ اور بعض کو خشوع واخلاص کی زیادتی کی وجہ سے ستائیس درجہ، اور بھی مختلف طرح سے جمع کیا گیا ہے۔

پچیس والی احادیث میں سے بخاری شریف میں ابو ہریرہؓ کی حدیث میں حسب ذیل الفاظ آئے ہیں۔

”صلوۃ الرجل فی الجماعة تضعّف علی صلوته فی بیته وفی سوقه خمسة وعشرین

ضعفاً‘‘۔

علامہ ابن رسلان نے اس کی شرح میں رمادی سے نقل کیا ہے یحتمل أن تضعّف الصلوة فتصیر ثنتین، ثم تضعّف الاِثنان فتصیر أربعة، ثم تضعّف الأربعة فتصیر ثمانیة، وهکذا إلی أن ینتهی إلی خمسة وعشرین ضعفاً، قال: وذلک شیئی کثیر من فضله تعالیٰ، قال ابن رسلان: وحمله علی هذا أجود۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یہی مطلب نقل فرمایا ہے، اورحساب لگا کر پچیس مرتبہ تضعیف یعنی دو چند کرنے کا خلاصہ تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چارسوبتیس لکھا ہے، اور اس صورت میں یقیناً پچیس ضعف والی کا ثواب ستائیس درجہ والی حدیث سے بدرجہا زیادہ ہوگا۔

اشکال تضعیف کا مطلب ذہن میں نہ ہونے سے ہوا ہے۔ تضعّف تضعیف باب تفعیل سے صیغۂ مضارع مجہول ہے، تضعیف کے معنی دوگنا کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جماعت کی نماز کومنفرد کی نماز سے پچیس مرتبہ المضاعف یعنی دوگنا کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ دوگنا کرنے پردو ہوجائے گا اوردوبارہ دوگنا کرنے پر دو کا چار اور سہ بارہ چار کا آٹھ اور چوتھی مرتبہ آٹھ کا سولہ ہوجائے گا۔ اسی طرح پچیس مرتبہ کرنے پر عدد مذکور فی الفضائل حاصل ہوجائے گا۔

اوراس میں کیا استبعاد ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل اس امت پر روزافزوں رہا ہے۔ کما صرّح الشیخ فی الفضائل۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

’’خلقت النخلة والرمّانة والعنب‘‘ یہ حدیث کہاں ہے؟

سوال :

تفسیر مظہری پارہ ۱۶/ آیت ﴿منها خلقنکم وفیها نُعیدُکم﴾ کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی گئی ہے۔

أخرج ابن عساکر عن أبی سعید الخدریؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ’’خلقت النخلة

والرمّانة والعنب من فضلة طينة آدم"۔

حضرت! حدیث مذکور کیسی ہے؟

نخلہ والی روایت پر کوئی اشکال نہیں، چونکہ رمّانہ اور عنب کا ذکر اسی حدیث میں ملا اور اس کی روایت کے متعلق کچھ علم نہیں، لہٰذا اس کی تحقیق تحریر فرمائی جائے۔ والسلام

حبیب اللہ بستی

جواب :

عزیزم سلمہ بعد سلام مسنون

تم نے اپنے خط میں ایک سوال کیا اس کا جواب لکھنا یاد نہ رہا۔

حديث: "خلقت النخلة والرمّان والعنب من فضل طينة آدمؑ"، رواه المحاملی فی الأمالی وعنه ابن عساكر فی تاريخه عن الحاكم بن عبد الله الكلبی أبی سالم من أهل قزوين عن يحيىٰ بن سعيد البحرانی من أهل غطيف عن أبی هارون العبدی عن أبی سعيد الخدریؓ قال: "سألنا رسول الله ﷺ ممّاذا خلقت النخلة فذكره"۔

أبو هارون العبدی اسمه عمارة بن جوين ضعيف متروك، قال ابن حبان: يروی عن أبی سعيدؓ ما ليس من حديثه، وكذّبه صالح جزرة والجوزجانی وغيرهما۔

تم نے لکھا ہے نخلہ والی روایت پر کوئی اشکال نہیں ہے،

یہ تو بہت ہی تعجب خیز امر ہے، غالبًا شہرت کی وجہ سے تمہارے ذہن میں اس کا ثبوت راجح ہے ورنہ وہ حدیث تو اور بھی واہی ہے، بلکہ ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے۔

فقد روى ابن عدی فی الكامل والباطرقانی فی جزء من حديثه وابن الجوزی فی الموضوعات كلّهم عن جعفر بن أحمد بن علی الغافقی حدثنا أبو صالح كاتب الليث حدثنا وكيع عن الأعمش عن مجاهد عن ابن عمرؓ عن النبیﷺ: "أحسنوا إلى عمّتكم النخلة، فإنّ الله تعالى خلق آدم ففضل من طينتها فخلق منها النخلة"۔

جعفر بن أحمد بن علی الغافقی وضّاع، نسبه إلى وضع الحديث أبو سعيد بن يونس وابن عدی والدارقطنی وغيرهم، قال ابن عدی: لاشك أنّه وضع هذا الحديث، وأقرّه الحافظ ابن

حجر فی اللسان۔

وله طريق آخر أخرجه أبويعلىٰ فی مسنده وابن أبی حاتم وابن مردويه فی التفسير لهما وابن السنّی فی الطبّ والعقيلی فی الضعفاء وابن عدی فی الكامل وابن حبان فی الضعفاء وأبو نعيم فی الطبّ والحلية والسياق له والرامهرمزی فی الأمثال وابن عساكر من طريق مسرور بن سعيد التميمی عن الأوزاعی عن عروة بن رويم عن علیؓ مرفوعاً: ”أكرموا عمّتكم النخلة فإنّها خلقت من فضلة طينة أبيكم آدم، وليس من الشجر شجرة أكرم على الله من شجرة ولدت تحتها مريم بنت عمران، فأطعموا نساء كم الولّد الرطب، فإن لم يكن رطبا فتمر“۔

قال السخاوی فی المقاصد(ص ۹۷) : فی سنده ضعف وانقطاع، وقال العقيلی: غريب من حديث الأوزاعی عن عروة، تفرّد به مسرور بن سعيد، وقال العقيلی: حديثه غيرمحفوظ ولَايعرف إلّا به، وقال ابن عدی: هذا منكر عن الأوزاعی وعروة عن علیؓ مرسل، ومسرور غير معروف، لم أسمع بذكره إلّا فی هذا الحديث، وقال ابن عساكر: عروة لم يدرک علياًؓ۔ والحديث غريب، والتميمی مجهول، وقال الحافظ ابن كثير: هذا حديث منكر جداً، وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات، وقال: لَا يصحّ، مسرور منكرالحديث يروی عن الأوزاعی المناكير، وقال ابن حبان: مسرور بن سعيد التميمی يروی عن الأوزاعی المناكير التی لَا يجوز الِاحتجاج بمن يرويها، ثم ذكر هذا الحديث ۔

حاصل یہ نکلا کہ یہ حدیث ابن حبان وابن عدی وابن کثیر کے نزدیک منکر ہے، عقیلی غیر محفوظ کہتے ہیں، اور ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے، علامہ سیوطی نے اپنی عادت کے موافق ابن الجوزی پر تعقب کیا ہے لیکن کوئی زوردار تائید نہیں پیش کر سکے۔

بہر حال یہ روایت اگر موضوع نہ بھی ہو تو قابل استناد نہیں ہے۔

محمد یونس عفی عنہ
۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

◆ ◆ ◆

حضور ﷺ کے تاخیرِ جنازہ کی وجہ سے ایک انگلی میں سیاہ دھبہ کا آجانا

أصحابی کالنجوم کی سند کیسی ہے؟

سوال :

(۱) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جنازہ میں تاخیر ہوئی تو ہاتھ کی ایک انگلی میں سیاہ دھبہ آگیا تھا، یہ ایک صاحب کا بیان ہے، ناکارہ کو معلوم نہیں۔

مہربانی فرما کر اس مقام کی عبارت نقل فرما کر روانہ فرمائیں۔

(۲) نیز ”أصحابی کالنجوم“ کی روایت میں سند میں اگر کچھ کلام ہو تو مختصراً تحریر فرمائیں۔

دعا جو و دعا گو (مولانا) عبد الجبار الاعظمی غفرلہ

۲؍صفر ۱۴۰۱ھ

جواب :

مخدوم ومکرم مدفیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ابن سعد کی روایت مع السند والمتن درج کرتا ہوں۔

قال (ص ۲۷۴/۲): أخبرنا وكيع بن الجراح قال أخبرنا ابن أبی خالد عن البهیّ قال: ”ترک رسول الله ﷺ بعد وفاته يوماً وليلة حتى ربا قميصه ورئی فی خنصره انثناء“۔ قلت: هذا حديث مرسل لأن البهیّ عبد الله بن يسار تابعی، روى له مسلم والأربعة والبخاری فی الأدب المفرد، قال الحافظ ابن حجر فی التقريب: صدوق يخطئ، ووكيع وشيخه إسمعيل بن أبی خالد ثقتان۔

قال الذهبی فی الميزان فی ترجمة عبد المجيد بن عبد العزيز بن أبی رواد (ص ۶۴۹/۲): قال عباس بن مصعب فی تاريخ مرو: جاور عبد المجيد مع أبيه بمكة وسمع كتب ابن جريج وغيره من المشائخ، وكان صاحب عبادة، نعم، نقم عليه قوله ”الإِيمان قول“، وقال ابن معين: كان عبد المجيد أصلح كتب ابن علية عن ابن جريج، فقيل ليحيىٰ: كان عبد المجيد بهذا المحل؟ فقال:

كان عالماً بكتب ابن جريج إلّاأنه لم يكن يبذل نفسه للحديث، ونقم على عبدالمجيد أنه أفتى الرشيد بقتل وكيع لحديث حدثناه قتيبة حدثنا وكيع عن إسمعيل بن أبى خالد عن عبد الله البهيّ: "أن رسول الله ﷺ لمامات لم يدفن حتى ربابطنه وانثنت خنصراه"، قال قتيبة : حدّث به وكيع بمكة وكان سنة حجّ فيها الرشيد فقدّموه إليه فدعا الرشيد سفيان بن عيينة وعبد المجيد، فقال: يجب أن يقتل فإنه لم يروهذاإلّا وفى قلبه غشّ للنبى ﷺ، فسأل الرشيد سفيان، فقال: لَا يجب عليه القتل، رجل سمع حديثاً فرواه، والمدينة شديدة الحر، توفّى النبى ﷺ يوم الاِثنين، فترك إلى ليلة الأربعاء، فمن ذلك تغيّر۔

ولوكيع قصة آخرى فى هذاالحديث ذكرها يعقوب بن سفيان فى تاريخه (ص۱۷۵/۱) ومن طريقه الخطيب فى الجامع (ص۲۰۵/۲)۔

قال الذهبى: قلت: النبى ﷺ سيّد البشر وهوبشر يأكل ويشرب وينام ويقضى حاجته ويمرض ويتداوى ويتسوّك ليطيب فمه، فهو فى هذا كسائر المؤمنين، فلما مات بأبى هو وأمى ﷺ عمل به كما يعمل بالبشر من الغسل والتنظيف والكفن واللحد والدفن، لكن مازال طيّباً مطيّباً حيّاً وميّتاً، وارتخاء أصابعه المقدسة وانثناء ها وربوّبطنه ليس معنا نص على انتفائه، والحىّ قد يحصل له ريح وينتفخ عنه جوفه فلا بعد، هذا إن كان قد وقع عيباً، وإنما معنا نص على أنه لَا يبلىٰ و أن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجسادالأنبياء عليهم الصلوة والسلام، بل ويقع هذا لبعض الشهداء رضى الله عنهم۔

أما من روى حديث عبد الله البهى ليغض به من منصب رسول الله ﷺ فهذا زنديق، بل لو روى الشخص حديث أن النبى ﷺ سُحر وحاول بذلك تنقّصاً كَفر وتَزندق، وكذا لو روى حديث أنّه سلّم من اثنتين وقال مادرىٰ كم صلى؟ يعضد بقوله شينه، ونحو ذالك كفر، فإن النبى ﷺ قال: "إنماأنا بشرأنسى كما تنسون"۔

فالغلوُ والاِطراء منهىّ عنه، والأدب والتوقيرواجب، فإذا اشتبه الإطراء بالتوقيرتوقّف العالم وتورّع وسأل من هو أعلم منه حتى يتبيّن له الحق فيقول به، وإلّافالسكوت واسع له ويكفيه التوقير المنصوص عليه فى أحاديث لَاتحصىٰ ۔

وكذا يكفيه مجانبة الغلوّ الذى ارتكبه النصارىٰ فى عيسٰى ؑ، مارضوا له بالنبوّة حتى رفعوه إلى الالٰهية وإلى الولدية، وانتهكوا رتبة الربوبية الصمدية فضلّوا وخسروا، فإن إطراء رسول الله ﷺ يؤدّى إلى إساءة الأدب على الربّ، نسأل الله تعالىٰ أن يعصمنا بالتقوى وأن يحفظ عليناحبّنا للنبى ﷺ كما يرضى ۔ انتهى۔

قال العبد الضعيف المقرّ بالسيئات –تجاوز الله عنها وعصمنا فيما بقى مما لَا يُرضيه–: والحديث مع ذالك مرسل كما قد قدّمت، وعبد الله البهىّ صدوق يخطى، والمرسل وإن قبلهٗ أبو حنيفة ومالك وأكثر الفقهاء المتقدمين، ولكن قال الإمام الشافعى وجمهورالمحدثين لَاحجة فيه، والصدوق الذى يخطئ إذا انفردبالشىء ولم يأت ما يؤيّده ينبغى أن يتأنّىٰ فيه وإلّا فروايته ضعيفة۔

وذكر ابن سعد قال: أخبرنا محمد بن عمر حدثنى قيس يعنى ابن الربيع عن جابر عن القاسم بن محمد قال: ”لم يدفن رسول الله ﷺ حتى عرف الموت فيه فى أظفاره اخضرّت“

قلت: محمدبن عمر هو الواقدى، قال الذهبى فى المغنى: مجمع على تركه، وقال ابن عدى: يروى أحاديث غير محفوظة والبلاء منه، وقال النسائى: يضع الحديث، وقال ابن ماجه: حدثنا ابن أبى شيبة حدثنا شيخ لنا حدثنا عبد الحميد بن جعفرفذكر حديثاً فى لباس الجمعة، وحسبك لَايجسرأن يسمّيه ابن ماجه، انتهى ۔ وقال الحافظ فى التقريب: متروك مع سعة علمه۔

وقيس بن الربيع الأسدى قال الذهبى فى المغنى: صدوق سيئى الحفظ، وكان شعبة يُثنى عليه، وقال أبوحاتم: محله الصدق وليس بالقوى، وقال ابن معين وغيره: ليس بشىء، وقال ابن عدى: عامّة روايا ته مستقيمة، وقال الحافظ ابن حجر فى التقريب: صدوق تغيّر لمّا كبر وأدخل عليه ابنه ما ليس من حديثه فحدّث به۔

وجابر فيما أظن ابن يزيد الجعفى ضعيف رافضى كان يؤمن بالرجعة۔

والقاسم بن محمد هو ابن أبى بكر الصديقؓ تابعى، فا لحديث مع سقوط إسناده مرسل ۔

”أصحابی کالنّجوم“ کی سند

(۲)”أصحابی کالنجوم بأیّهم اقتدیتم اهتدیتم“، أخرجه عبد بن حمید فی مسنده، والدارقطنی فی الفضائل، وابن بطّة فی الإبانة من طریق حمزة بن أبی حمزة النصیبی عن نافع عن ابن عمرؓ به مرفوعاً، وحمزة ضعیف جداً، أورده الذهبی فی المیزان فی ترجمته، فأشار إلی نکارته، وقال ابن عبد البرّ: هذا إسنادلَا یصحّ، لَایرویه عن نافع من یحتجّ به۔

وأخرجه الدار قطنی فی المؤتلف، وابن عبد البر فی جامع بیان العلم (ص ۱۱۱/۲)، وابن حزم فی الأحکام من حدیث سلام بن سلیم عن الحارث بن غصین عن الأعمش عن أبی سفیان عن جابرؓ، قال ابن عبد البر: هذا إسنادلَا تقوم به حجّة، لأن الحارث بن غصین مجهول، وذکره الحافظ فی اللسان فقال: الحارث بن غصین ذکره الطوسی فی رجال الشیعة، وذکره ابن حبان فی الثقات، قلت: والراوی عنه سلام بن سلیم وهو أیضاً ضعیف، وقال ابن حزم: هذه روایة ساقطة، أبوسفیان ضعیف، والحارث بن غصین هذا هو أبووهب الثقفی مجهول، وسلام بن سلیم یروی الأحادیث الموضوعة وهذا منها۔

ورواه الدارقطنی فی غرائب مالک من طریق جمیل بن زید عن مالک عن جعفربن محمد عن أبیه عن جابرؓ، قال الحافظ ابن حجر فی التلخیص (ص ۱۹۰/۴): جمیل لَایعرف، ولَا أصل له فی حدیث مالک ولَا من فوقه، وقال الدارقطنی: لَا یثبت عن مالک، ورواته دون مالک مجهولون۔

وأخرجه الخطیب فی الکفایة (ص ۶۲)، والبیهقی فی المدخل (ص ۱۶۲)، وابن عساکرمن طریق نعیم بن حماد عن عبد الرحیم بن زید العمی عن أبیه عن سعید بن المسیب عن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”سألت ربّی فیما اختلف فیه أصحابی من بعدی، فأوحی الله إلیّ: یا محمد! إن أصحابک عندی بمنزلة النجوم، بعضهم أضوأمن بعض، فمن أخذبشئی مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدیً“۔

قال أبوبکر أحمد بن عمر و بن عبد الخالق البزّار: هذا الکلام لَا یصحّ عن النبی ﷺ، رواه عبد الرحیم بن زید العمّی عن أبیه عن سعید بن المسیب عن عمرؓ عن النبیﷺ، وربما رواه

عبد الرحيم عن أبيه عن عمرؓ، وإنما أتى ضعف هذا الحديث من قبل عبد الرحيم بن زيد، لأنّ أهل العلم قد سكتوا عن الرواية لحديثه، والكلام أيضاً منكر عن النبي ﷺ۔

وقد روى عن النبي ﷺ بإسناد صحيح: ”عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي فعضّوا عليها بالنواجذ“، وهذا الكلام يعارض حديث عبد الرحيم لو ثبت، فكيف ولم يثبت، والنبي ﷺ لَا يبيح الإختلاف بعده من أصحابه، والله أعلم. هذا آخر كلام البزار، وقال ابن حزم: هذا خبر مكذوب موضوع باطل، وقال الذهبي: هذا باطل، عبد الرحيم تركوه، ونعيم صاحب مناكير۔

وقال الملا معين السندي في الدراسات (ص ۲۴۰): إنّه حديث موضوع، وقال صاحب الإستفسار عن صاحب المعيار (ص ۱۲): قد صرّح القاضي ثناء الله الفاني فتي المحدث في السيف المسلول أن متنه مشهور، وقد رواه البيهقي بأسانيد متنوعة يرتقي بها إلى درجة الحسن اهـ. كذا نقله العلامة محمد عبد الرشيد النعماني فيما كتب كالمقدمة للدراسات ومؤلّفها (ص ۹۰)، و عندي في دعوى الحسن نظر۔

وقال ابو حيّان في البحر المحيط (ص ۵/۵۲۸): وهو حديث موضوع لَا يصحّ بوجه عن رسول الله ﷺ، وقال ابن تيمية في المنهاج (ص ۴/۲۳۹): هذا الحديث ضعيف، ضعّفه أهل الحديث، قال البزار: هذا حديث لَا يصح عن رسول الله ﷺ انتهىٰ۔

قال ابن عبد البر رادّاً على البزار: كلامه لَا يصح على كل حال، لأن الإقتداء بأصحاب النبي ﷺ منفردين إنما هو لمن جهل ما يسأل عنه، ومن كانت هذه حاله فالتقليد لَازم له، ولم يأمر أصحابه بأن يقتدى بعضهم ببعض إذا تأوّلوا تأويلاً سائغاً جائزاً ممكناً في الأصول، وإنما كل واحد منهم نجم جائز أن يقتدى به العامي، والجاهل بمعنى ما يحتاج إليه من دينه وكذالك سائر العلماء مع العامة، انتهى ۔

محمد یونس عفی عنہ

شب دوشنبہ ۶/صفر ۱۴۰۱ھ

◆ ◆ ◆

حضرت عمرؓ کا جمع احادیث کے ارادہ کو فسخ کرنا

سوال :

مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وصیۃ الاخلاق (ص ۲۳) میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سنن رسول اللہ ﷺ کے جمع کرنے کی تمنا فرمائی اور اسکے لئے ایک ماہ تک استخارہ کیا، آخر ایک روز صبح کے وقت اس کے خلاف فیصلہ کیا اور فرمایا کہ ہمیں ایک قوم یاد آئی جس نے خود کتاب لکھی اور اس میں پھنس گئی اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔

مطلب یہ تھا کہ اگر سنن جمع کر دی جائیں تو ممکن ہے کہ لوگ کتاب اللہ سے غافل ہو جائیں۔

اب یہ سوال ہے کہ سننِ رسول قرآن کے لئے بمنزلہ شرح کے ہیں، اور خود احادیث میں اسکی تصریح ہے کہ ایک قوم آئے گی جو کتاب اللہ کو قابل عمل ضروری قرار دے گی اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو ترک کر دے گی، غرض یہ کہ حدیث وسنن کی اسلام میں بڑی رکنیت حاصل ہے تو کس مصلحت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ارادہ کو فسخ کر دیا۔

عبدالرحیم مظاہری

جواب:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ کتاب اللہ کو جس اہتمام سے جمع کیا گیا ہے اگر اسی اہتمام سے سنن کو بھی جمع کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کو غلط فہمی ہو اور وہ سنن کو قرآن کا درجہ دینے لگیں، جیسے یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کے ارشادات کے ساتھ کیا اور یہ گمراہی ہے۔

حضرت عمرؓ احادیث کو ناقابل عمل اور غیر معتبر قرار نہیں دیتے تھے، ورنہ وہ احادیث روایت ہی کیوں کرتے؟ حالانکہ ان سے حدیثوں کی ایک خاصی مقدار مروی ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے تنقیح میں (ص ۱۸۴) انکی پانچ سو سینتیس (۵۳۷) حدیثیں بیان کی ہیں۔ ابونعیم الاصبہانی کہتے ہیں کہ طرق کی کثرت سے قطع نظر ان سے دوسو سے زائد متونِ حدیث مروی ہیں، اور اگر ان کے نزدیک حدیثیں ناقابل عمل ہوتیں تو احادیث پر عمل کیوں کرتے؟ عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت پر اعتماد کر کے مجوس سے جزیہ کیوں لیتے؟

والسلام محمد یونس عفی عنہ

۸ صفر ۱۴۰۱ھ

○○○

نقضِ وتر کا مسئلہ کیا ہے؟

مفتی یحیٰی صاحب

جواب:

إن عثمانؓ قال: ’’إنّی أوتر أول اللیل فإذا قمت من آخر اللیل صلّیت رکعة فما شبّهتها إلّا بقلوص أضمّها إلی الاِبل‘‘، (طحاوی شریف ص ۱/۱۶۸)

اس اثر کا تعلق مسئلہ نقض الوتر سے ہے، اس میں اختلاف ہے۔

صحابۂ کرام کی ایک جماعت جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۵، طحاوی شریف ص ۱/۱۶۸) سعد ابن ابی وقاصؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴) عمار بن یاسرؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴، طحاوی ص ۱/۱۶۸) ابوہریرہؓ (طحاوی ۱/۱۶۹) ابن عباسؓ (ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ص ۳/۳۰ و ۳/۳۱، طحاوی ص ۱/۱۶۸) عائذ بن عمروؓ (بخاری ص ۲/۶۰۰، ابن ابی شیبہ ص ۱/۲۸۴) رافع بن خدیجؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۵، طحاوی ص ۱/۱۶۸) عائشہؓ (ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ص ۳/۳۱، طحاوی ص ۱/۱۶۹) اور فقہاء کرام میں سے علقمہ، طاؤس، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوحنیفہ، مالک، اوزاعی، شافعی، ابویوسف، محمد، ابوثور فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اول شب میں وتر پڑھ لی اور پھر آخر شب میں بیدار ہوگیا اور تطوع ونوافل پڑھنا چاہتا ہے تو بلا کسی شرط وقید کے پڑھ سکتا ہے۔

حضرات صحابہ کی دوسری جماعت جن میں حضرت عمرؓ، علیؓ (مصنف عبدالرزاق ص ۳/۳۰، طحاوی ص ۱/۱۶۷) عثمانؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴، طحاوی ص ۱/۱۶۷) اسامہؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴) ابن عمرؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴، مصنف عبدالرزاق ص ۳/۲۹، طحاوی ص ۱/۱۶۸) ابن مسعودؓ بلکہ سعدؓ و ابن عباسؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴) کا نام بھی لیا گیا ہے کہتی ہے کہ پہلے ایک رکعت نقض الوتر کی نیت کر کے پڑھے اور پھر نوافل پڑھے اور اخیر میں وتر پڑھے، کیونکہ ابتداءِ شب کی وتر ایک رکعت نقضِ وتر کی نیت سے پڑھنے کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

اس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک رکعت رات کے ابتداء میں پڑھی گئی ہے رات کے آخر میں دوسری رکعت اسکے ساتھ کیسے ملائی جاسکتی ہے؟

حضرت عثمانؓ اسکے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس میں کیا اشکال ہے؟ میں تو اولِ لیل میں وتر پڑھ لیتا ہوں اور پھر آخرِ لیل میں جب اٹھ جاتا ہوں تو ایک رکعت نقضِ وتر کی نیت سے پڑھ لیتا ہوں، اور یہ ایک رکعت اس اونٹنی کے

مثل ہے جو عام اونٹوں سے الگ ہو اور پھر اسکو لا کر اونٹوں میں ملا دیا جائے، جیسے اونٹنی اونٹوں میں ملا دینے سے ان کے ساتھ شامل ہوگئی اسی طرح جب وتر کے ساتھ ملانے کی نیت سے دوسری رکعت بعد میں پڑھ لی گئی تو وہ اسکے ساتھ شامل ہوکر بجائے وتر کے الگ شفعہ ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

امام احمد نقض وتر کے قائل تو نہیں ہیں لیکن نقض کرنے والوں پر تنگی بھی نہیں کرتے ہیں۔

قال الموفّق (ص ۷۹۵/۱) قیل لأحمد: ولَا ترى نقض الوتر؟ فقال: لَا ، ثم قال: وإن ذهب إليه رجل فأرجو لأنه قد فعله جماعة، اس کے بعد مذکورہ بالا صحابہ کے اسماء شریفہ ذکر فرمائے ہیں۔ موفق فرماتے ہیں: **ولعلهم ذهبوا إلى قول النبی ﷺ "اجعلوا آخر صلوتكم با لليل وتراً"،** اور پھر جمہور کی طرف سے حضرت طلق بن علیؓ کی روایت پیش کی ہے۔ **قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: " لَا وتران في ليلة"، رواه أبوداود والترمذی وقال: حديث حسن۔**

محمد یونس عفی عنہ

۴ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

◆◆◆

مسئلۂ مذکورہ کی مزید تشریح

جو مفتی یحییٰ صاحب کے سوال پر لکھا گیا

إنّ أبا هريرةؓ قال: "لو جئت بثلاثة أبعرة فأنختها، ثم جئت ببعيرين فأنختهما أليس كان يكون ذلك وتراً؟ قال: وكان يضربه مثلاً لنقض الوتر"۔ (طحاوی شریف ص ۱۶۹/۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے نقضِ وتر میں دو متعارض روایتیں منقول ہیں، ایک روایت نقض کی جو طحاوی نے اولاً نقل کی ہے، اور دوسری عدمِ نقض کی جو سوال میں مذکور ہے،

اصل میں نقض وتر کے قائلین کا مسلک جیسا کہ طحاوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ اگر وتر کے بعد نوافل پڑھ لئے جائیں تو وتر ٹوٹ جائے گی، اس لئے وہ یہ کہتے تھے کہ ایک رکعت وتر کو شفع کرنے کی نیت سے پڑھی جائے پھر نوافل پڑھ کر اخیر میں دوبارہ وتر پڑھی جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس کے متعلق نقد وتبصرہ کررہے ہیں کہ بھلا اگر کسی نے تین رکعت پڑھ لی اور پھر دو رکعت اس کے بعد پڑھ لی تو اس سے وتر کیسے ٹوٹ جائے گی؟ کیونکہ تین اور دو کا مجموعہ مل کر پانچ ہوگا جو وتر ہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے تلمیذ عمر بن الحکم فرماتے ہیں: ”وكان أبو هريرةؓ يضربه أى يذكره مثلاً لنقض الوتر أى معارضة لمسئلة نقض الوتر، یعنی ابو ہریرہؓ نقض وتر کی تضعیف بیان کرنے کے لئے بطورِ مثال کے اونٹوں کے جمع کرنے کی صورت ذکر کرتے تھے اور معارضہ کرتے تھے کہ جیسے اونٹوں میں تین کے بعد دو کا اضافہ کرنے سے ان کے طاق و وتر ہونے پر اثر نہیں پڑتا اسی طرح وتر میں بھی تین کے بعد دو پڑھنے سے وتر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے ابن ماجہ (ص ۳۸) میں ہے کہ جب ابو ہریرہؓ نے فرمایا: إنّ النبى ﷺ قال: ”توضؤا ممّا غيّرت النار“ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”أتوضأ من الحميم؟“ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: يا ابن أخى! ”إذا سمعت عن رسول الله ﷺ حديثاً فلا تضرب له الأمثال“، قال السندى (ص ۱/۹۲) قوله: ”أتوضأ من الحميم“ أى الماء الحار، أى ينبغى على مقتضى هذا الحديث أن الإنسان إذا توضأ بالماء الحارّ يتوضأ ثانياً بالماء البارد، فردّ عليه أبو هريرةؓ بأن الحديث لا يعارَض بمثل هذه المعارضة المدفوعة بالنظر فيما أريد بالحديث، فإن المراد أن أكل ما غيّرت النار يوجب الوضوء لا ممن مسّته الأعضاء ـ انتهى ـ

محمد یونس عفی عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

◆ ◆ ◆

﴿فأمّا إنْ كانَ مِنَ المُقَرَّبِيْنَ﴾ کا تعلق موت سے یا آخرت سے؟

سوال:

مکرم ومحترم بندہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے پوچھا تھا کہ سورۂ واقعہ میں ﴿فأمّا إنْ كانَ من المقرّبين الخ﴾ کے بارے میں بیان القرآن اور معارف القرآن وغیرہ میں بتایا ہے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے، لیکن سیرۃ النبی (ج ۴) میں غالباً سید سلیمان ندوی

صاحب نے اس کو موت کے وقت کے بارے میں لکھا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ موت کے وقت سے اس کا تعلق کسی تفسیر میں ہو تو صرف ان تفسیروں کا آپ نام لکھدیں، تا کہ اگر ہم بیان میں اس کو موت کے وقت سے جوڑیں اور کوئی پوچھے تو جواب دینا آسان ہو، اور اگر کسی نے بھی موت سے نہیں جوڑا تو یہ بھی لکھدیں تا کہ ہم اسے بیان نہ کریں۔ فقط والسلام

جواب لکھ کر یوسف کو دیدیں وہ مجھ پہ بھیج دے گا۔

از (مولانا) محمد عمر مرکز دہلی

۲۹/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ، ۵/فروری ۱۹۸۱ء جمعرات

جواب :

مخدوم ومکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی پرچہ ملا،

بیان القرآن وغیرہ میں جو تفسیر بیان کی گئی ہے صاحبِ روح المعانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور سید صاحب نے جو تفسیر اختیار کی ہے درمنثور وغیرہ میں سلف سے نقل کی گئی ہے۔

قال السیوطی (ص۱٦٦/٦): أخرج ابن أبی شیبة وأحمد فی الزهد وعبد بن حمید وابن المنذرعن الربیع بن خثیم فی قوله تعالی﴿فأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرّبِیْنَ فَرَوْحٌ ورَیْحَانٌ﴾ قال: هذا له عند الموت، ﴿وجَنّةُ نَعِیْمٍ﴾ قال: تخبأله الجنّة إلى یوم یبعث، ﴿وأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضّآلِّیْنَ فنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ﴾ قال: هذا عند الموت، ﴿وَتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ﴾ قال: تُخبأله الجحیم إلى یوم یبعث۔

وأخرج أبوالقاسم بن مندة فی كتاب الأهوال والاِیمان بالسئوال عن سلمانؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”إنّ أوّل ما یبشّر به المؤمن عند الوفاة بروح وریحان وجنّة نعیم، وإن أوّل ما یبشّر به المؤمن فی قبره أن یقال أبشربرضا الله تعالیٰ والجنّة، قدمتَ خیر مقدم، قد غفر الله لمن شیّعک إلى قبرک وصدّق من شهدلک ویستجاب لمن استغفرلک“۔

وأخرج عبد بن حمید وابن جریر وأبوالقاسم بن مندة فی كتاب السؤال عن الحسن فی قوله تعالیٰ: ﴿فرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ﴾ قال: ذلک فی الآخرة، فاستفهمه بعض القوم فقال: أما والله

إنهم ليسرّون بذلک عند الموت۔

وأخرج المِروزی فی الجنائز وابن جرير عن الحسن قال: تُخرج روح المؤمن من جسده فی ريحانة ثمّ قرأ ﴿فأمّاإنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ﴾

اس مضمون کی تفسیر متعدد تابعین قتادہ، ابوعمران الجونی، ابوالعالیۃ وغیرہ سے نقل کی ہے ۔

وأخرج ابن جرير وابن المنذر عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی ﴿فَسَلَامٌ لّکَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ قال: تأتيه الملائكة بالسّلام من قِبل الله تُسلّم عليه وتُخبره أنه من أصحاب اليمين ۔

وأخرج ابن أبی حاتم عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ ﴿وأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلّيْنَ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيْمٍ﴾ قال: لَايخرج الكافر من دارالدنياحتی يشرب كأساً من حميم۔

وأخرج ابن مردويه عن عبد الرحمن بن ابی ليلیٰ عن بعض أصحاب النبیﷺ ﴿فأمّاإنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرَوْحٌ وَّرَيْحَان﴾ قال: هذافی الدنيا، ﴿وأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلّيْنَ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيْمٍ وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ﴾ قال: هذافی الدنيا۔

وأخرج أحمد وابن المنذروابن مردويه عن عبد الرحمن بن أبی ليلیٰ قال: حدثنی فلان بن فلان سمع رسول الله ﷺ يقول: ''من أحبّ لقاء الله أحبّ الله لقاء ه، ومن كره لقاء الله كره الله لقاء ه فأكبّ القوم يبكون،فقال: ما يبكيكم؟ قال: فقالوا: إنّا نكره الموت، قال: ليس ذالک ولكنه إذا حضر﴿فأمّاإنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرَوْحٌ وَّرَيْحَان وَجَنَّةُ نَعِيْمٍ﴾ فإذا بُشّر بذلک أحبّ لقاء الله والله للقاء ه أحبّ، ﴿وأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيْمٍ﴾ فإذا بُشّر بذلک كره لقاء الله والله للقاء ه أكره۔

اوربھی اس قسم کی روایات اورآثارذکرفرمائے ہیں۔اورجتنااوپرلکھا گیا سب حضرت سیدصاحب نوراللہ مرقدہٗ کی تفسیر کے صریح مطابق ہے۔

بعدمیں تفسیرابن کثیر(ص۳۰۱/ ۴) میں بھی اس طرح کی تفسیریں ملیں۔ فقط والسلام

محتاج دعوات بندہ محمد یونس عفی عنہ

لیلۃ الاحد ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضور ﷺ کا قیامِ قباء ۱۴ دن ہے یا ۲۴ دن؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

سوال: محترمی سلام مسنون!

یہ خط خاص مقصد سے تحریر کر رہا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی اردو تقریر بخاری کی پہلی جلد میں ابتدائی صفحات کے اندر تحریر ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت ﷺ کے قیامِ قباء کی دو روایتیں ہیں۔ ایک سے چودہ دن قیام معلوم ہوتا ہے اور ایک سے چوبیس دن، جو کھلا ہوا تعارض ہے۔

اس تعارض کا حل اس کتاب کے آخر میں یا کسی اور جلد میں تحریر فرمایا ہوگا اس سے بحث نہیں ہے،

معلوم یہ کرنا ہے کہ چوبیس دن والی روایت بخاری کے کس پارے میں کس باب میں اور کس صفحہ پر ہے؟

میں پرسوں مولانا ابوالحسن زید فاروقی کے پاس بغرض ملاقات گیا تھا، اس وقت تقریر بخاری ان کے مطالعہ میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ چوبیس دن والی روایت میں نے تمام مروّجہ عربی شروح میں دیکھی کہیں نہیں ملی، غالبًا انہوں نے ہجرت کے باب میں دیکھا ہوگا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ حدیث ہوسکتا ہے کسی اور مضمون کے باب میں ذکر کی گئی ہو جیسا کہ حضرت بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ ایک مضمون کی حدیث دوسرے مضمون کے باب میں لے آتے ہیں۔ آپ سے امید ہے کہ اس کا جواب جلد دیں گے۔ والسلام

نسیم احمد فریدی غفرلہ ازامروہہ

۱۱؍فروری ۱۹۸۱ء

جواب:

مخدوم ومکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی جناب والا کا گرامی نامہ موجبِ عزت افزائی ہوا۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ پارہ نمبر ۲ ابواب المساجد میں باب هل يُنبش قبور مشركي الجاهلية ويتّخذ مكانها مساجد (ص ۶۱) پر درج ہے۔

اور مولانا ابوالحسن زید صاحب کو مصری نسخوں اور مرّوجہ شروح میں نہ ملنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نسخ میں اختلاف ہے، بعض نسخ میں أربعاً وعشرین ہے اور بعض میں أربع عشرة ہے، یہ اختلاف سارے شراح علامہ عینی،

حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے۔

حافظ فرماتے ہیں (ص۱۷/ ۳): **قوله فيه "فأقام فيهم أربعاً وعشرين" كذا للمستملي والحموي وللباقين "أربع عشرة" وهو الصواب من هذاالوجه، وكذا رواه أبوداود عن مسدد شيخ البخاري فيه انتهى ۔**

حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اربعاوعشرین والی روایت اقرب الی الصواب ہے جیسا کہ حاشیہ لامع (ص۸/ ۲) پر اجمالاً اور تقریر بخاری جلد ثانی (ص۱۵۵/ ۲) پر تفصیلاً درج فرمایا ہے۔

چونکہ جناب والا کے پاس دونوں کتابیں ہوں گی اس لئے عبارت درج نہیں کی، اور انشاء اللہ آج ہی مولانا ابوالحسن زید صاحب کو بھی خط لکھ دوں گا۔

لیکن روایت کے عام طرق میں اربع عشرۃ ہی ہے۔ **كذا في مسند أحمد وطبقات ابن سعد وأبواب الهجرة من البخاري ومسلم والنسائي، واتّفق عليه تلامذة عبد الوارث الراوي عن أبي التيّاح عن أنسؓ۔ والله أعلم ۔**

دعاؤں کا ملتجی

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعہ ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖ ○○○ ❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

عون المعبود کی ایک سند کی تحقیق

سوال :

عون المعبود **باب اجتهاد الرأي في القضاء** (ص۳۳۰/ ۳) پر غالباً حضرت معاذ بن جبلؓ کی مشہور حدیث کی ایک سند خطیب کی **الفقيه والمتفقه** سے نقل کی ہے، **عبادة بن نسيّ عن عبد الرحمٰن بن غنم عن معاذؓ۔**

یہاں عون المعبود نہیں ہے، اس سند کے پورے الفاظ کی ضرورت ہے جو عون المعبود میں ہیں۔

امید ہے کہ تکلیف کرکے تحریر فرمائیں گے۔

السائل ـــــــــــــ

جواب :

مخدومنا المحترم مدفیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عون المعبود (ص ۳۳۰/ ۳) میں خطیب کی صرف اسی قدر عبارت ہے جو آپ نے نقل کی ہے۔

ولفظه قال أبو بكر الخطيب: وقد قيل أن عبادة بن نسيّ رواه عن عبد الرحمٰن بن غنم عن معاذؓ، وهذا إسناد متّصل، ورجاله معروفون بالثقة على أن أهل العلم قدنقلوه واحتجّوا به، فوقفنا بذلک على صحّته عندهم، الخ اور حافظ خطیب نے بھی كتاب الفقيه والمتفقه (ص ۱۸۹) میں اس کی پوری سند ذکر نہیں فرمائی ہے۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ

۲۰/ رجب ۱۴۰۱ھ

*****○○○*****

سرور کائنات ﷺ کا سایہ

سوال :

کیا سرور کائنات ﷺ کا سایہ پڑتا تھا؟ والسلام سید شاکر علی نقوی بدایوں

۲۵/ مئی ۱۹۸۱ء

جواب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قد انور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایات غیر مستند ہیں، اگر چہ انہیں قاضی عیاض وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مسند احمد (ص ۱۳۱/ ٦) پر بروایت حضرت عائشہؓ حضرت زینبؓ کا قول منقول ہے: فبينما أنا يوماً بنصف النهار إذا أنا بظلّ رسول الله ﷺ مقبل.

ابن القیم نے حادي الأرواح میں ایک روایت نقل کی ہے اس میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد حتى رأيت ظلّي وظلّكم وارد ہے اور اس کے رجال مستند ہیں، درجہ حسن کی حدیث ہے۔

(اس کا تفصیلی جواب جلد اول میں گذر چکا) فقط محمد یونس عفی عنہ ۳/ رجب ۱۴۰۱ھ

*****○○○*****

ایک عبارت کا ترجمہ

سوال :

درج ذیل عبارت کا ترجمہ کر دیجئے، نوازش ہوگی۔

’الحمد لله الذی أنشأنا بتصريفه، واثرنا بتشريفه، وشرّفنا بتكليفه، وكلفنا بالنظر فی عجائب تأليفه، والصلوة علی محمّدخير بريّته، وعلیٰ آله وأصحابه وعترته، أمابعد !

چنیں گوید مؤلفِ ایں کتاب محمد بن عمر المدعو بفخر الرازی کہ چوں ایزدتعالیٰ مرا ازمواھبِ علمی ومطالبِ علمی حصہ بداد ودر مباحثِ عقلی ومناہجِ نقلی بر خاطر کشاد پیوستہ بمقتضائے تکلیف الٰہی در تبلیغِ آں جدمی نمودم وعقدِ مشکلات رابدست فکرت می کشودم‘ سائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب :

(ترجمہ) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مختلف حالات (۱) میں ادل بدل کر بنایا، اور ہم کو اپنی تشریف (وتکریم) کے ساتھ خاص فرمایا، اور اپنے احکامِ تکلیفیہ (جن کا بندہ مکلّف ہے) کے ذریعہ شرافت بخشی، اور اپنی عجیب تالیف (۲) (یعنی قرآن پاک یا مخلوقات) میں نظر (غور وفکر) کرنے کا مکلّف بنایا، اور درود نازل ہو حضرت محمد ﷺ پر جو اللہ کی مخلوقات میں سب سے افضل ہیں، اور ان کے آل واصحاب واولاد پر۔

حمد صلوۃ کے بعد اس کتاب کا مؤلف محمد بن عمر جسے فخر رازی کہتے ہیں عرض کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے علمی عطایا ومطالب کا حصہ عطا فرمایا، اور عقلی مباحث اور نقلی طریقوں کے دروازے دل پر کھولے، تو اللہ تعالیٰ کے مکلّف بنانے کے تقاضے کے مطابق میں ہمیشہ اس کی تبلیغ میں کوشاں رہا اور مسائلِ مشکلہ کی گتھیوں کو فکر کے ہاتھ سے کھولتا رہا۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۲۵ رشعبان ۱۴۰۱ھ

* * *

حاشیہ(۱) ’’تصریف‘‘ اکثر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے کے لئے آتا ہے۔ یہاں مراد وہ اطوارِ مختلفہ ہیں جو انسان پر نطفہ، علقہ، مضغہ کی شکلوں میں طاری ہوتے ہیں۔ پھر جا کر انسان کی صورت حاصل ہوتی ہے۔

(۲) ’’تالیف‘‘ سے مراد اگر قرآن پاک ہے تو ان آیات کی طرف اشارہ ہوگا جن میں قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب وحکم وارد ہوا ہے۔ اور اگر مخلوقات مراد ہو تو سورۂ غاشیہ وغیرہ کی آیات کی طرف اشارہ ہوگا۔

ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی

سوال:

ایک کتابچہ (احقر نے) ڈاڑھی کے سلسلہ میں لکھا ہے، لیکن اسمیں کئی باتیں قابل توجہ ہیں۔

(۱) ہمارے اکابرین ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی ایک مشت قرار دیتے ہیں، لیکن دلیل میں کوئی روایتِ قولی ایسی نہیں ہے جو مقدارِ قبضہ پر دلالت کرے۔

امام ترمذی نے جامع ترمذی (ص ۲/۱۰۰) پر **"إن النبی ﷺ کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها"** ذکر کی ہے۔ اسمیں اولاً قبضہ کی صراحت نہیں ہے، ثانیاً یہ روایت غریب ہے۔

اور بخاری شریف (ص ۲/۸۷۵) پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ذکر ہے۔

ایک روایت حضرت تھانوی قدس سرہ نے الطرائف والظرائف (ص ۱۰) پر لکھی ہے۔

عن عمرو بن شعیبؓ: "أنه ﷺ کان یأخذ من لحیته طولاً وعرضاً"۔

وصاحبِ مفاتیح وغرائب لفظ **"إذا زاد علی القبضة"** نقل کردہ اند۔

اسمیں بھی اولاً صاحبِ مفاتیح وغرائب کون ہیں؟ یعنی ان کے مؤلف کون ہیں؟ اور انہوں نے حدیث کی کونسی کتاب سے نقل کیا ہے؟ نیز یہ بھی عملِ رسول ہے قولِ رسول نہیں۔

اصل میں جماعت اسلامی سے برابر اس سلسلے میں بات ہوتی ہے۔ عملِ صحابہ، فعلِ نبوی یا مطلق اعفاء لحیہ تو عام کتب میں موجود ہے اور اسکو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن قولِ رسول، وامر رسول علی قدر القبضہ کے منکر ہیں،

امید ہے کہ اس اشکال کو رفع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ فقط والسلام

دعا گو محمد داؤد مظاہری
امام مسجد محلہ محمد گنج فیروز آباد آگرہ یوپی

جواب:

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ داڑھی کے متعلق اعفاء لحیۃ کی روایاتِ مطلقہ کی بناء پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ ڈاڑھی سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہئے، لیکن حضراتِ احناف نے مقدار قبضہ سے زائد کے اخذ کو جائز قرار دیا ہے اور ابن عمرؓ کا فعل اسکی دلیل ہے۔ اور حدیث موقوف کے حجت ہونے میں اختلاف ہے جو آپ پر مخفی نہیں ہے۔ موقوف کے حجت مان لینے کے بعد

مسئلہ آسان ہوجاتا ہے، ہاں اخذ ما زاد علی القبضہ کے بارے میں حدیثِ مرفوع فعلی منقول ہے مگر وہ قابلِ استدلال نہیں، اور حدیثِ قولی منقول نہیں ہے۔ لیکن ہر چیز کے اثبات کے لئے حدیثِ قولی ضروری نہیں ہے۔

۲۔ صاحب مفاتیح وغرائب کا حال سرِ دست نہیں ملا۔ والسلام مع الاکرام

محمد یونس عفی عنہ

(ایک جگہ ڈاڑھی کے موضوع پر حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا)

اگر کوئی ذرا بھی غور کرے تو مسئلہ لحیہ میں اس کو ذرا بھی تردد نہ ہوگا کہ ڈاڑھی کا رکھنا شعائرِ اسلام میں ہے، نبی کریم ﷺ نے عملی وقولی دونوں طرح سے اہتمام فرمایا اور ہمیشہ اس پر مداومت کی، کبھی آپ ﷺ سے اسکے خلاف ثابت نہیں ہے اور پھر قولی بیانات میں مختلف وجوہ سے اس مسئلہ کو مؤکد فرمایا، کبھی تو اسے امور فطرت میں قرار دیتے ہیں اور "خمس من الفطرة يا عشر من الفطرة" کے ذیل میں بیان فرماتے ہیں اور کبھی فرماتے ہیں: "أعفوا اللحیٰ اور گاہے أرخوا اللحیٰ" ارشاد ہوتا ہے اور گاہے "أوفوا اللحیٰ" کے ساتھ فرمان ہوتا ہے اور کبھی "وفّروا اللحیٰ" فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ ڈاڑھیوں سے تعارض نہ کیا جائے اور قطع وقص و حلق نہ کیا جائے، اور اتنے ہی پر بس نہ کیا بلکہ دوسری جگہ "خالفوا المشركين" اور "خالفوا المجوس" بھی ساتھ ساتھ فرمادیا کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ ڈاڑھی کا کاٹنا طرز مشرکین ومجوس سے ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنا شعار مسلمین ہے اسی لئے اسے "من الفطرة" بھی فرمایا ہے کیوں کہ دین اسلام دین فطرت ہے، لھذا اسکے اعمال واحکام بھی مطابق فطرت ہی ہونگے، ان سب امور کے بعد کس کو تردد ہوسکتا ہے؟

قال ابو شامة: قد حدث قوم يحلقون لحاهم وهو أشدّ ممّا نقل عن المجوس أنّهم كانوا يقصّونها اهـ۔ وقد أمر السيد المصطفى ﷺ بمخالفة المجوس والمشركين، وقد صرّح أصحاب المذاهب الأربعة علىٰ تحريم الحلق۔

قال ابن الهمام فى فتح القدير: أمّا الأخذ منها وهى دون ذالک أى القدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنّثة الرجال فلم يبحه أحد، اهـ۔ وتبعه الزين ابن نجيم صاحب البحر وصاحب الدر المختار وابن عابدين فى ردالمحتار، وقال فى الدر المختار فى الحظر والإباحة عن البزّازية: يحرم علىٰ الرجل قطع لحيته، اهـ۔ وصرّح ابن الهمام وغيره أنّ

حلق اللحية من فعل مجوس الأعاجم والهنود وبعض الأفرنج۔

وهكذا صرّح أصحاب المذاهب الثلاثة علٰى التحريم كما ساق عباراتهم صاحب المنهل۔

مختصر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ڈاڑھی رکھی، تراش و برید نہیں فرمایا اور یہ عادی طور پر نہیں تھا بلکہ ایک امر شرعی کی حیثیت سے تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ نے امت کو **إعفاء اللحية** کا امر فرمایا اور امر مقتضیٔ وجوب ہے **الّا عند صارف ولَا صارف۔**

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مخالفتِ مشرکین کرو اور انکی مخالفت واجب ہے، کیوں کہ انکی موافقت مخالفتِ مسلمین ہوگی **وهو لَا يجوز۔**

نیز یہ تشبہ بالکفار ہے **وقد قال السيد المصطفى ﷺ : ”من تشبّه بقوم فهو منهم“، رواه أحمد وأبو داود۔**

سلف کا عمل بھی اسی پر رہا ہے کسی سے بھی اسکے خلاف ثابت نہیں ہے، نیز علماء مذاہب بھی اسی پر متفق ہیں بلکہ ابن الہمام کی عبارت **”لم يبحه أحد“** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، شیخ احمد نفرادی کی عبارت میں بھی یہی ہے، فرماتے ہیں: **لَاشک فى حرمته عند جميع الأئمة لمخالفة سنّة المصطفٰى ﷺ ولموافقة فعل الأعاجم والمجوس۔**

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

محدث دہلویؒ تک طحاوی کی سند

سوال :

ایک اہم گذارش یہ ہے کہ طحاوی کی سند مجھے محفوظ نہیں، اگر حضرت شاہ ولی اللہ تک سلسلۂ سند جوابِ خط میں تحریر فرمادیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ فقط والسلام بندہ محمد ایوب سورتی

فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت

جواب :

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی کی سند علی وجہ التعیین معلوم نہیں ہوسکی ، اجازتِ عامّہ کے طریق پر ہماری سندِ طحاوی شاہ ولی اللہ

اور پھر آگے تک چلتی ہے۔

فأنا أرويه بقراءة بعضه وبسماع بعضه وإجازة الباقی عن العلامة العارف المحقق مولَانا محمد أسعد الله –رحمه الله تعالیٰ– ناظم الجامعة المسمّاة بمظاهر علوم الواقعة بسهارنفور بالهند عن مولَانامحمد يحییٰ الكاندهلوی عن مولَانا رشيد أحمد الجنجوهی عن الشاه عبد الغنی عن الشاه أبی سعيد والشاه محمد إسحاق،

وأرويه عن الشيخ أسعد الله عن مولَانا خليل أحمد عن مولَانامحمد مظهرعن الشيخ مملوک العلی النانوتوی عن مولَانا رشيدالدين خان البخاری كلّهم أعنی أباسعيد والشاه محمد إسحاق والشيخ رشيد الدين عن الشاه عبد العزيزالدهلوی عن أبيه الشاه ولی الله عن أبی طاهر الكردی عن أبيه إبراهيم الكردی، وإسناده مذكورفی الأمم.

یہ سند میں نے اجازتِ عامہ کے طور پر ذکر کردی ہے، ورنہ خصوصی طور سے ہماری سند طحاوی تک تو کیا شاہ ولی اللہ تک بھی جہاں تک خیال ہے اس طرز مذکور سے نہیں ملتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے الاِرشاد إلی مهمّات الاِسناد میں اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے عجالۂ نافعہ میں سندِ طحاوی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

ایمان تو یمنیوں کا ہے

سوال :

مجموعہ چہل حدیث (مطبوعہ کتب خانہ مجبوبی ص ۱۸) اربعین ملا علی قاریؒ پر ایک حدیث ہے۔ ”الاِیمان یمان“، جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ اصل ایمان یمن کا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔

مجمع البحار میں ایک قول انصار لکھا ہے، صاحب قاموس نے یمان کو یمانی کی ایک لغت قرار دی ہے جس سے ترجمہ کی صحت تو واضح ہے لیکن مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ وجہ خصوصیت کیا ہے؟ اگر انصار مراد ہوں تو کیا توجیہ ہوگی؟

غرض یا تو آنجناب اس کی توضیح فرمادیں۔ اگر ٹائم نہ ملے تو کسی کتاب کی نشاندہی فرمائیں، بندہ ممنون کرم ہوگا۔

والسلام مع الاکرام محمد سمیع اللہ گونڈوی مدرس مدرسہ رحمانیہ جامع مسجد رڑکی

جواب :

مکرم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث پاک کا ترجمہ صحیح ہے، اور مطلب بھی ظاہر،

اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی وصف میں امتیازی شان پیدا کر لیتی ہے تو کہنے لگتے ہیں اصل میں یہ کام تو فلاں کا ہے، جیسے کامدار برتن کے متعلق کہہ دیا جائے کہ اصل کامدار برتن تو مرادآباد کا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں سے اس کام کی نفی مقصود ہے۔

اس وقت چونکہ اصل اہل یمن اپنی دلی خواہش سے از خود آ کر مسلمان ہوئے تھے اور نہایت پختگی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لئے آپ نے فرمادیا کہ الایمان یمان اس سے دوسروں کے کمالِ ایمان کی نفی مقصود نہیں ہے۔

اور اگر انصار مراد ہوں کیونکہ ان کے مورثِ اعلیٰ اصلاً یمن کے باشندہ تھے تو بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ حضرات انصار اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کی نصرت کی۔

مزید اس حدیث کی تشریح کے لئے شرح نووی (ص ۵۳) ملاحظہ کرلیں۔ فقط والسلام

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا

سوال :

ایک اہل حدیث ہے جس نے رات دن اپنا جال پھیلا رکھا ہے، بحث کرتے ہوئے اس نے بتلایا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ شریعت کے اندر نہیں ہے۔ اگر ہے تو بالکل صاف حدیث پیش کیجئے جس میں یہ لفظ ہو کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے۔ خاص کر اس معترض کا خیال ہے کہ ترمذی شریف میں کوئی حدیث نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہو، اگر ہے تو بتایئے؟

توحید عالم پورنوی بہاری

۱۰/۴/۹۹ھ

جواب :

عزیز مکرم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا یہ خط پرانا ہے، جس زمانہ کا خط ہے اس وقت غالبًا میں بہت بیمار تھا اور پھر مشغول ہو گیا۔ خطوط میں اس خیال سے رکھ دیا کہ موقع ملنے پر جواب لکھوں گا، پھر یاد نہ رہا اتفاق سے نظر پڑ گیا۔

اہل حدیث حضرات کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت نہیں ہے، ہمارے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ غلط ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں بخاری شریف میں (ص ۹۲۶) ’’**علّمنی النبی ﷺ وکفّی بین کفّیہ التشہّد**‘‘ وارد ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے دونوں ہاتھ ہیں تو ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے دونوں ہی ہاتھ ہوں گے، مگر اصلاً حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل کو بتلانا ہے اس لئے کہ ’’**کفّی بین کفّیہ**‘‘ ذکر کیا،

اور اگر بالفرض مان لیں تو فعلِ نبوی حجّۃ الیدین ہے، اور فعل ابن مسعودؓ حجّۃ الید ہے، اور جب فعلِ نبی اور فعلِ صحابی میں تعارض ہو تو فعلِ نبی مقدم ہو گا۔

اور اہل حدیث کی طرف سے اس حدیث کا یہ جواب کہ یہ حدیث **أخذ الید علی وجہ التعلیم** پر محمول ہے اگر چہ محتمل ہے مگر دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔ اس لئے اہل حدیث کی بات کوئی قطعی نہیں ہے۔

حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو مصافحہ کے ذیل میں ذکر کیا، اولاً **باب المصافحۃ** منعقد فرما کر مصافحہ کو ثابت کیا ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بالا بھی دیگر احادیث کے ساتھ پیش فرمائی ہے، اور پھر **باب الأخذ بالیدین** کا ترجمہ منعقد فرما کر مصافحہ کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے۔

اور بعض شراح کا یہ کہنا کہ اس سے صرف اخذ بالید کو ذکر کرنا مقصود ہے **کما یفہم مما ذکرہ الحافظ فی الباب تحت حدیث عبد اللہ بن ہشام قال: ’’کنا مع النبی ﷺ وہو آخذ بید عمر بن الخطابؓ‘‘، قال الحافظ: وجہ إدخال ہذا الحدیث فی باب المصافحۃ أن الأخذ بالید یستلزم التقاء صفحۃ الید بصفحۃ الید غالباً، ومن ثَمّ أفردہا بترجمۃ تلی ہذا– یعنی الترجمۃ الثانیۃ– لجواز وقوع الأخذ بالید من غیر حصول المصافحۃ۔ انتہی۔**

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے اخذ بالید فقط مراد نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ بخاری نے ترجمۂ ثانیہ

باب الأخذ باليدين لکھ کر آگے لکھا ہے **”وصافح حمّاد بن زيد ابن المبارك بيديه“**، اور پھر عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث بالا موصولاً ذکر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری مصافحہ کا طریقہ بتانا چاہتے ہیں صرف اخذ بالید کا احتمال ذکر کرنا مقصود نہیں ہے۔

(قال الترمذی الحکیم فی نوادر الأصول (ص ۲۴۵): أما المصافحة هو الأخذ باليد)

اور اہل حدیث کا ایک ہاتھ کا دعویٰ بھی تو کسی حدیث صریح سے ثابت ہونے کی ضرورت ہے۔

اولاً تو ان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ بید واحدۃ کی تصریح لائیں، ثانیاً یہ ثابت کریں کہ بیدین ممنوع ہے، اور بغیر ان دونوں امروں کے ان کا یہ مدعا ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ بحث یہ ہے کہ بیدٍ ہے یا بالیدین، حنفیہ فرماتے ہیں کہ بیدین افضل ہے اور اہل حدیث کا اصرار ہے کہ بید واحدۃ ہی ہے۔ اور یہ دونوں امورِ بالا کے بغیر کیسے ثابت ہوگا؟ ویسے نفس مصافحہ **بید واحدة** اور **باليدين** دونوں طرح مباح ہے **لإطلاق الأحاديث**۔ واللہ اعلم

محمد یونس عفی عنہ

۲۵؍ شعبان ۱۴۰۱ھ

* * *

حضور ﷺ کا طویل خطبہ دینا
جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے الخ

سوال: (۱) میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے نماز فجر کے بعد خطبہ دینا شروع فرمایا تو ظہر کا وقت آگیا، ظہر کے بعد سلسلہ پھر جاری رہا تو عصر و مغرب تک چلتا رہا، تو میں عجیب وغریب وطویل خطبہ کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔

(۲) معارف القرآن (ص ۵/۳۰) پر یہ حدیث درج ہے ”جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے اس کا جہاد مقبول نہیں“ مجھے اس کا حوالہ کتبِ حدیث سے مطلوب ہے۔ دعا گو و دعا جو

سید انور بن غوری بھونگیر اے پی

جواب:

(۱) حدیث اول امام مسلم نے ذکر کی ہے لیکن اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ بہت مختصر ہے۔ الفاظ حسب ذیل ہیں۔ **أبو زیدؓ قال: ”صلّی بنا رسول اللہ ﷺ الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر، ثم نزل فصلّیٰ ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر، ثم نزل فصلّیٰ ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس، فأخبرنا بما کان وبما ھو کائن فأعلمُنا أحفظُنا“۔ انتھی۔**

حضرت ابوسعید خدریؓ سے ایک مفصل حدیث ترمذی وغیرہ میں منقول ہے، اس میں صرف عصر کے بعد کے خطبہ کا ذکر ہے، اگر دونوں صحابیوں کی روایت ایک ہی واقعہ سے متعلق ہے تو مابعد العصر کے خطبہ کی کچھ تفصیل مل جاتی ہے، وہ حدیث مشکوۃ شریف (ص ۴۳۷) پر **باب الأمر بالمعروف** کی فصل ثانی میں مندرج ہے۔

(۲) حدیث نمبر ۲ ابوداؤد کی ہے۔

عن سھل بن معاذ الجھنی عن أبیہ قال: ”غزوت مع النبی ﷺ غزوۃ کذا وکذا، فضیّق الناس المنازل وقطعوا الطریق، فبعث النبی ﷺ منادیاً ینادی فی الناس أن من ضیّق منزلاً أوقطع طریقاً فلا جھاد لہ“۔ رواہ أبوداود (ص ۳/۴۴۹) قولہ ”قطع الطریق“ قال علی القاری فی المرقاۃ (ص ۴/۲۱۹): أی بتضییقھا علی المارّۃ۔

فقط والسلام

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆ ○○○ ◆◆◆

ملفوظات جوامع الکلم کے کچھ اجزاء پر تفصیلی نوٹ

سوال :

خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے ملفوظات کو ان کے فرزندِ اکبر حضرت سید محمد اکبر حسینیؒ نے جوامع الکلم کے نام سے فارسی زبان میں مرتب فرمایا تھا، اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب سید رحیم الدین حسینی نے کیا ہے اور اس کا پیش لفظ سید شاہ محمد الحسینی موجودہ سجادہ نشین روضہ بزرگ نے تحریر فرمایا ہے، اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، پہلا حصہ ۱۹۷۲ء میں اور دوسرا حصہ ۱۹۷۴ء میں بندہ نواز ریسرچ انسٹی ٹیوٹ گلبرگہ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔

چونکہ مذکورہ دونوں حصوں کی اکثر عبارتیں مسلمانوں میں خلفشار کا باعث بنی ہوئی ہیں، اور طرح طرح کے شکوک وشبہات سے فضا مسموم ہو رہی ہے، اس لئے ہم نے طے کیا کہ چند وہ اقتباسات جو سرور کائنات ﷺ کی ذات

اقدس سے متعلق ہیں اخذ کر لئے جائیں، اورآپ کی خدمت گرامی میں بھیج کر استصواب کرلیں تا کہ ہمیں قرآن اورسنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں صحیح رہنمائی مل سکے۔

(۱) جوامع الکلم (ص ۱/۳۶۷) کا اقتباس یہ ہے کہ

’رسول اللہ ﷺ کے نوحرم تھے، ہر شب ہر ایک کے ساتھ نو مرتبہ مقاربت فرماتے تھے یعنی اکیاسی بار ہوجاتا تھا‘

مذکورہ اقتباس میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کی شبانہ زندگی کے دوامی عمل کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے کیا وہ قرآن حکیم اورسنت رسول کے عین مطابق ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ایسے توہین آمیز کلمات کے قائل اوراس کے ناشر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

(۲) جوامع الکلم (ص ۱۲۷و۱۲۸/۲) میں فرماتے ہیں

’کوئی نبی اورولی موت کے بعد کل قیامت کے دن سوال وجواب سے خالی نہ رہے گا، یہاں تک کہ سردار انبیاء محمد اصفیاء ﷺ کی روح مبارک کو جب بجناب حضرتِ حق لے جایا گیا تو ارشاد ہوا کہ زید کی عورت کے ساتھ محبت کا کیا معاملہ تھا؟ تو آپ ﷺ نے کہا کہ وہ میں نے نہیں کیا اوروہ میری طرف سے نہ تھا، پھر ارشاد ہوا کہ آپ کی بعثت اورلوگوں کی دعوت کیا تھی؟ تو رسول اللہ ﷺ متحیر ہوگئے، تو فرمان ہوا کہ جایئے میں نے آپ کو بخش دیا ”**اذھب فقد غفرت لک**“، لفظ ”**اذھب**“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حساب وکتاب کی بناء پر کوئی بھی مرحوم ومغفور قرار نہیں پاتا، جب تک کہ میری رحمت نہ ہو میری مغفرت آپ ﷺ کو نصیب نہ ہوتی‘

مذکورہ اقتباس کے مفہوم کی صحت کے لئے کتاب وسنت میں کوئی ماخذ موجود ہے؟ وہ ذات اقدس واطہر جس کے معصوم ومغفور ہونے کے متعلق قرآن کریم کی شہادت ﴿**لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ**﴾ موجود ہے، کیا ایسی ہستی بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جانب سے پروانۂ مغفرت ملنے کے بعد ہی مرحوم ومغفور قرار پائے گی؟

قرآن کریم حضرت زیدؓ کی بیوی کے تعلق سے ناطق ہے کہ ﴿**فَلَمَّا قَضیٰ زَیْدٌ مِنْهَا وَطَراً زَوَّجْنٰکَهَا الخ**﴾ اس کے خلاف یہ کہنا کہ زید کی عورت کے ساتھ محبت کا کیا معاملہ تھا؟ کیا یہ توہین رسول اور تکذیب آیات قرآنی نہیں ہے؟

اس واقعہ کی اس طرح مدلل وضاحت فرمایئے جس سے شبہات کی دیوار جو کھڑی کی گئی ہے وہ منہدم ہوجائے۔

(۳) جوامع الکلم (ص ۱/۱۳) میں تحریر ہے کہ

’واقعۂ حدیبیہ کے وقت حضرت علیؓ کاتب تھے، رسول اللہ ﷺ نے عہد نامہ لکھوایا کہ ’’یہ محمد رسول اللہ کی جانب سے‘‘ تو کفار مکہ نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو مخالفت نہ کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ اس طرح لکھو ’’محمد بن عبد اللہ کی طرف سے‘‘ ۔ چونکہ اس حکم میں ایک عذر اور حیلہ جوئی تھی (جو صداقت کے منافی تھی) اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے،

کیا فی الواقع حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ نے جو حکم دیا تھا اس میں عذر اور حیلہ جوئی مدنظر تھی؟ اور وہ حکم صداقت کے بھی خلاف تھا؟ کیا حضرت علیؓ نے ان ہی وجوہ کی بناء پر حکم رسول کی تعمیل نہ کی تھی؟ اور یہ بات جو عرض کی گئی ہے صحیح اور درست ہے؟ تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عذر اور حیلہ جوئی نہ کرنا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا وصفِ خصوصی تھا نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا؟ (نعوذ باللہ من ذالک)

(۴) جوامع الکلم (ص ۱/۱۸۷) میں تحریر ہے کہ

’ایک روز حمزہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی لی اور بی بی فاطمہؓ کی اونٹنی کے کلیجہ وکوہان کاٹ ڈالے، حضرت علیؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کی شکایت کی تو آنحضرت ﷺ اٹھے اور حمزہؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ بے ہوش ہیں اور یاوہ گوئی کر رہے ہیں، ایسے وقت میں آپ ان کے سامنے نہیں گئے، حضرت علیؓ سے کہا: اے علی! یادرکھو فاطمہ کی اونٹنی کا زخم کسی روز حمزہ کھائیں گے، جب جنگ احد میں جو کچھ حمزہؓ پر گذرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! تم نے دیکھا کہ فاطمہ کی اونٹنی کے زخم نے حمزہ پر کیا اثر ڈالا؟

کیا مذکورہ واقعہ صحیح ہے؟ کیا حضرت فاطمہؓ کی اونٹنی کا مقام سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے بھی بلند ہے؟ کیا حضور اکرم ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ایسے بددعائیہ کلمات ارشاد فرمائے تھے؟ کیا جہاد میں شرکت فرما کر شہید ہوجانے کو حضرت حمزہؓ کی سابقہ زندگی کے ناشائستہ عمل کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ بات تصور میں بھی آسکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا نتیجہ نکالا ہوگا؟

ہم نے صرف چند سوالوں پر اکتفا کیا ہے، ورنہ جوامع الکلم کے دونوں حصوں میں ایسا کثیر مواد موجود ہے جن سے صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی توہین ہوتی ہے۔ ہم نے طوالت کے اندیشہ سے ان مقامات کو نظر انداز کر دیا ہے، افسوس ہے کہ جوامع الکلم کے دونوں حصے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہوکر درگاہ حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ سے فروخت ہو رہے ہیں۔ دونوں حصوں کا ہر پڑھنے والا پریشان اور ششدر ہے کہ آخر حق وصواب کیا ہے؟

براہ کرم مسئولہ امور پر سیر حاصل جواب تحریر فرما کر ہم عام مسلمانوں پر احسان عظیم فرمائیے۔ والسلام

مستفتی قاضی محمد علی لکچرار عربی
معتمد مجلس تحقیقات شرعیہ گلبرگہ

جواب :

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(ا) حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات نوتھیں صحیح ہے۔ اور بعض اوقات سب کے پاس تشریف لیجانا اور جماع ومقاربت بھی ثابت ہے۔ جس کے لئے حسب ذیل روایات وارد ہیں۔

(۱) سعید عن قتادة أن أنس بن مالکؓ حدّثهم: ”أن نبی الله ﷺ کان یطوف علی نسائه فی اللیلة الواحدة، وله یومئذ تسع نسوة“۔ رواه البخاری (ص ۴۲ ص ۷۵۸ ص ۷۸۵)۔

(۲) هشام عن قتادة قال: حدثنا أنس بن مالکؓ قال: ”کان النبی ﷺ یدور علی نسائه فی الساعة الواحدة من اللیل والنهار، وهنّ إحدیٰ عشرة، قال: قلت لأنس: أوَ کان یطیقه؟ قال: کنا نتحدّث أنه أعطی قوة ثلاثین“۔ رواه البخاری (ص ۴۱)۔

(۳) عن هشام بن زید عن أنسؓ: ”أن رسول الله ﷺ کان یطوف علی نسائه بغسل واحد“۔ رواه مسلم۔ (ص ۱۴۴/ ۱)، وأحمد (ص ۲۲۵/ ۳)۔

(۴) حمید الطویل عن أنسؓ: ”أن رسول الله ﷺ طاف ذات یوم علی نسائه فی غسل واحد“۔ رواه أبوداود (ص ۱۳۴/ ۱ البذل)، ورواه النسائی (ص ۵۲/ ۱) بلفظ: ”طاف علی نسائه فی لیلة بغسل واحد“۔ ورواه أحمد (ص ۹۹/ ۳) بلفظ: ”کان یطوف علی جمیع نسائه فی لیلة بغسل واحد“۔ وله (۱۸۹/ ۳): ”طاف علی نسائه فی لیلة واحدة بغسل واحد“۔

(۵) معمر عن قتادة عن أنسؓ: ”أن رسول الله ﷺ کان یطوف علی نساء ه فی غسل واحد“۔ رواه الترمذی (ص ۲۰/ ۱) والنسائی (ص ۵۲/ ۱) وابن ماجه (ص ۴۴) وأحمد (ص ۱۶۱/ ۱)۔

(۶) صالح بن أبی الأخضر عن الزهری عن أنسؓ قال: ”وضعت لرسول الله ﷺ غسلًا فاغتسل من جمیع نسائه فی لیلة“۔ رواه ابن ماجه (ص ۴۴)۔

(۷)سليمان بن حرب ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن أنسؓ: ”أن رسول الله ﷺ طاف على نسائه فی يوم واحد“. رواه الدارمی (ص۱۹۲/ ۱)، ورواه عن عفان عن حمّاد بلفظ: ”طاف على نسائه فی ليلة واحدة جُمَعٍ“.

(۸)عبد الرحمن ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن أنسؓ: ”أن رسول الله ﷺ طاف على نسائه فی ليلة واحدة فی غسل واحد“. رواه أحمد(۱۸۵/ ۳).

(۹)سفيان حدثنی معمر عن ثابت عن أنسؓ: ”أن النبی ﷺ كان يطيف بنسائه فی ليلة يغتسل غسلًا واحداً“. رواه أحمد (ص ۱۱۱/ ۳).

(۱۰)عبد الرزاق أنا معمرعن قتادة عن أنسؓ قال: ”كان رسول الله ﷺ يطيف على نسائه فی غسل واحد“. رواه أحمد (ص ۱۶۱/ ۱) وشيخه عبدالرزاق (ص۲۷۵/ ۱) فی مصنفه.

(۱۱)قال عبد الرزاق (ص۵۰۷/ ۷)أخبرنا ابن جريج قال: أخبرت عن أنس بن مالكؓ قال: ”كان النبی ﷺ أعطيت الكفيت، قيل: وماالكفيت؟ قال: قوّة ثلاثين رجلاً فی البضاع، وكان له تسع نسوة وكان يطوف عليهنّ جميعاً فی ليلة“.

(۱۲)أبوعوانة عن إبراهيم بن محمد بن المنتشرعن أبيه قال: ”سألت عائشةؓ وذكرت لها قول ابن عمرؓ:ما أحبّ أن أصبح محرماً أنضخ طيباً، فقالت عائشةؓ: أنا طيّبت رسول الله ﷺ ثمّ طاف فی نسائه ثم أصبح محرماً“. رواه البخاری (۴۱ ومسلم ص۳۷۸/ ۱)واللفظ للبخاری.

(۱۳)شعبة عن إبراهيم بن محمد بن المنتشرعن أبيه قال: قالت عائشةؓ: ”كنت أطيّب رسول الله ﷺ فيطوف على نسائه ثم يصبح محرماً ينضخ طيباً“. رواه البخاری (ص ۴۱)، ومسلم (ص ۳۷۹)، والنسائی (ص ۷۳)

(۱۴)مسعر وسفيان عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر عن أبيه قال: ”سمعت ابن عمرؓ يقول: ”لأن أصبح مطليّاً بقطران أحب إلیّ من أن أصبح محرماً أنضخ طيباً، قال: فدخلت على عائشةؓ فأخبرتهابقوله، فقالت: طيّبت رسول الله ﷺ فطاف فی نسائه ثم أصبح محرماً“. رواه مسلم(ص ۳۷۹).

(۱۵)حماد بن سلمة عن عبد الرحمن بن رافع عن عمّتہٖ سلمیٰ عن أبی رافعؓ: ”أن النبی ﷺ

طاف ذات يوم على نسائه يغتسل عند هذه وعند هذه، قال: فقلت له: يا رسو ل الله! أَلَا تجعله غسلاً واحداً ؟ قال: هذا أزكىٰ وأطيب وأطهر"۔ رواه أحمد (ص٦/٨و ص٦/٩، و ص ٦/٣٩١)، وأبوداود (ص ١۴۴)، وابن ماجه (ص ۴۴) والسياق لأبى داود، ولفظ ابن ماجه "أنّ النبى ﷺ طاف على نسائه فى ليلة وكان يغتسل عند كل واحد منهنّ، فقيل له :يا رسول الله! أَلَاتجعله غسلاً واحداً ؟ فقال: هوأزكىٰ وأطيب وأطهر"۔ ونحوه لأحمد (ص ٦/٣٩١)، وفى لفظ لأحمد: "طاف على نسائه جُمَع فى يوم واحد واغتسل عند كل واحد منهن غسلاً"۔

یہ پندرہ روایتیں ہیں جو حقیقۃً تین ہیں۔ اول حضرت انسؓ سے دوسرے حضرت عائشہؓ سے تیسرے حضرت ابورافعؓ سے۔

سب کا مضمونِ مشترک یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بیک وقت اپنی ازواج مطہرات سے یکے بعد دیگرے وطی کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں طواف علی النساء سے مراد جماع ہے، **كما فهمه الإِمام البخارى وغيره**، اگرچہ دوسرا احتمال تجدید العہد یعنی سب سے ملاقات کا بھی ہے، لیکن امام بخاری کے اتباع میں پہلا ہی احتمال اختیار کرتے ہوئے اس روایت سے مسئلہ مذکورہ پر استدلال کیا گیا ہے۔

پھر اس کے بعد ان روایتوں میں تین اختلافات ہیں۔

اول تو یہ کہ حضرت انسؓ کی روایت میں وحدتِ غسل مصرّح ہے، اور ابورافعؓ کی روایت میں تعددِ غسل، امام ابوداؤد نے اصولِ محدثین پر ترجیح کا طرز اختیار کرکے یہ فرمایا کہ: **حديث أنسؓ أصحّ من هذا**، انتہیٰ۔ یعنی انسؓ کی حدیث ابورافعؓ کی حدیث سے اصح ہے۔ لہٰذا ارجح ہوئی، لیکن امام نووی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر ابورافعؓ کی حدیث ثابت ہو تو یہ دوسرا واقعہ ہوگا، اور انسؓ نے جو نقل کیا ہے وہ اور واقعہ ہے۔ **ولفظه فى شرح المهذّب (ص٢/١٥٧) قال أبوداود: والحديث الأول أصحّ، قلت: وإن صحّ هذا الثانى حمل على أنه كان فى وقت وذاك فى وقت، انتهىٰ۔ وكذاقال فى شرح مسلم (ص ١/١۴۴)، قال الحافظ فى التلخيص(ص ١/١۴١): قال النووى: هومحمول على أنه فعل الأمرين فى وقتين مختلفين۔**

دوسرا اختلاف حضرت انسؓ کی روایتوں میں ہے، کہ جن ازواج مطہرات پر دور ہوتا تھا وہ نو تھیں یا گیارہ؟ سعید بن ابی عروبہ تو قتادہ سے "**تسع نسوة**" یعنی نو عورتیں نقل کرتے ہیں۔ ھشام الدستوائی "**إحدى عشرة**" گیارہ کا عدد نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری نے اولاً ھشام الدستوائی کی روایت ذکر کی جس میں گیارہ کا عدد ہے، اس

کے بعد لکھا: **وقال سعید عن قتادة: إنا نتحدّث أن أنساً حدّثهم "تسع نسوة"**، علامہ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ جب روایات میں کوئی وہم واقع ہوجاتا ہے تو امام بخاری روایت کے بعد جو درست ہوتا ہے اس پر تنبیہ فرمادیتے ہیں۔ اور یہ بخاری کی عادات میں سے ہے۔

بعض علماء نے دونوں روایتوں میں جمع کیا ہے۔ محدث مشہور ابوحاتم بن حبان البستی نے اپنی صحیح میں اختلافِ روایات کو تعددِ واقعہ پر محمول فرمایا ہے، فرماتے ہیں (ص۱۷۳/۱): **فی خبر هشام الدستوائی عن قتادة "وهنّ إحدى عشرة نسوة"، وفی خبر سعید عن قتادة "وله یومئذ تسع نسوة"، أما خبر هشام فإن أنساً ؓ حکی ذلک الفعل منه ﷺ فی أول قدومه المدینة حیث کانت تحته إحدى عشرة امرأة، وخبر سعید عن قتادة إنما حکاه أنس ؓ فی آخر قدومه المدینة حیث کانت تحته تسع نسوة، لأن هذا الفعل کان منه ﷺ مراراً کثیرةً لامرّة واحدةً، انتهى۔**

لیکن محدث ابن حبان کا کلام بالا خلافِ تحقیق ہے۔ حضور اقدس ﷺ جب ہجرت کرکے تشریف لائے ہیں تو آپ ﷺ کے نکاح میں صرف دو بیبیاں تھیں۔ حضرت سودہ ؓ جن سے مکہ ہی میں دخول ہوچکا تھا، اور حضرت عائشہ ؓ جن سے ہجرت کے بعد دخول ہوا، پھر حضرت حفصہ ؓ اور زینب بنت خزیمہ ؓ سے ۳؁ھ میں، اور ام سلمہ ؓ سے شوال ۴؁ھ میں، اور زینب بنت جحش ؓ سے ۵؁ھ میں، حضرت جویریہ ؓ سے بقولے ۵؁ھ میں اور بقولِ دیگر ۶؁ھ میں، اور صفیہ ؓ، ام حبیبہ ؓ اور میمونہ ؓ سے ۷؁ھ میں، یہ ساری ازواج مطہرات وہ ہیں جن سے دخول ہوا یعنی وہ نکاح کے بعد رخصت ہوکر حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور پاس رہیں۔

حضرت ریحانہ ؓ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں، ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو آزاد کرکے بنو قریظہ کے قتل سے فراغت پر محرم ۶؁ھ میں نکاح فرمایا یا ملکِ یمین ہی میں باقی رہیں۔ واقدی، ابن سعد (ص۱۲۹/ ۸) نے ثعلبہ بن ابی مالک، عمر بن الحکم، محمد بن کعب القرظی وغیرہم سے قولِ اول نقل کیا ہے اور اس کو راجح واثبت قرار دیا۔ مذکورہ حضرات کے آثار اور دیگر بعض آثار نقل کرنے کے بعد واقدی کہتے ہیں: **هذا ما روی لنا فی عتقها وتزویجها، وهو أثبت الأقاویل عندنا، وهو الأمر عند أهل العلم، وقد سمعت من یروی أنها کانت عند رسول الله ﷺ لم یعتقها وکان یطأها بملک الیمین حتى ماتت۔**

پھر قولِ ثانی ایوب بن بشیر المعاوی اور عبداللہ بن ابی الجہم سے نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام (ص۲۶۴/ ۳) وغیرہما نے یہی قولِ ثانی اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا میلان فتح الباری (ص۲۵۳/ ۱) میں اسی طرف

ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں: "قد كان رسول الله ﷺ عرض عليها أن يتزوّجها ويضرب عليها الحجاب، فقالت: يارسول الله! بل تتركني في ملكك فهو أخفّ لي وعليك فتركها"۔

پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد ان کی وفات ہوئی، اور اکثر کی رائے ہے کہ آپ سے پہلے ۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ واختاره الوقدي وابن سعد (۱۳۱/۸)۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ رخصتی کے کچھ ماہ بعد وفات پاگئیں، قال الواقدي وابن سعد (ص ۱۱۵): كان تزويجه إياها في شهر رمضان على رأس أحد وثلاثين شهراً من الهجرة فمكثت عنده ثمانية أشهر وتوفيت في آخر شهر ربيع الآخر على رأس تسعة وثلاثين شهراً، اور ابن عبدالبر فرماتے ہیں: لم تلبث عنده إلّا شهرين أو ثلاثة وتوفيت في حياته۔

اب اس صورت میں جن ازواج سے دخول ہوا گیارہ ہیں۔ حضرت خدیجہ، عائشہ، سودہ، حفصہ، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، جویریہ، صفیہ، ام حبیبہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن، ان میں سے حضرت خدیجہؓ کی ہجرت سے پیشتر وفات ہوگئی، اور زینب بنت خزیمہؓ حیاتِ شریفہ میں ہی وفات پاگئیں۔ اب کل نو باقی رہ گئیں، لہٰذا گیارہ کا اجتماع کبھی ہوا ہی نہیں، تو ابن حبان کا مذکور کلام جمع بین الاختلاف کے سلسلے میں صحیح نہیں ہوسکتا، لامحالہ گیارہ کی روایت کو وہم کہنا پڑے گا۔

یا پھر یہ کہا جائے کہ ہشام کی روایت میں گیارہ کا محمل یہ ہے کہ ریحانہؓ اور ماریہ القبطیہؓ کو مجازاً نساء یعنی ازواج میں شمار کرلیا۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے بعض تلامذہ جیسے قتادہ، ہشام بن زید تو "كان يطوف" کا لفظ نقل کرتے ہیں، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے متعدد مرتبہ دور علی الازواج پایا گیا ہے۔ اور حمید الطّویل کے اکثر الفاظ اور زہری "طاف في ليلة" یا "یوم" نقل کرتے ہیں۔ ثابت البنانی سے بھی دونوں طرح کے الفاظ مروی ہیں۔ ان دوسرے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتفاقاً کسی وقت پیش آیا تھا، چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حج کے وقت کا واقعہ ہے، اور غالباً انہوں نے حضرت عائشہؓ کی روایتِ مذکورہ کو دلیل بنایا ہے۔ مگر ابن حبان کی رائے ہے کہ یہ متعدد مرتبہ پیش آیا ہے۔ ابن جریج کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال اس میں کوئی اشکال نہیں، ایک مرتبہ ہوا ہو یا متعدد مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی ساری ازواج

مطہرات سے ایک ہی رات میں مقاربت کی ہو کوئی بعید نہیں اور ایک گھنٹہ میں سب سے فراغت ہو جاتی تھی۔ **کما یستفاد من لفظ ’’فی الساعۃ الواحدۃ‘‘۔**

البتہ یہ کسی روایت میں وارد نہیں ہے کہ ایک ہی ساتھ ہر بیوی سے نو مرتبہ مقاربت ہوئی تھی، اور یہ بظاہر وہم ہے، بیان کرتے ہوئے یہ خیال ہوا ہوگا کہ ہر ایک پر نو مرتبہ دور مراد ہے **ولایدلّ علیہ لفظ۔**

اور اگر یہ ثابت ہو جاتا تو جیسے حضور اکرم ﷺ کے اور معجزات و خوارقِ عادات پر ہم ایمان لاتے ہیں اس پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ تمام کاروبار نبوت کی انجام دہی کے ساتھ اکیاسی مرتبہ شب و روز میں مقاربت ایک معجزہ ہی ہوسکتا ہے، ورنہ یہ چیز بشری طاقت سے باہر ہے، اور آپ کو اس پر قدرت تھی کہ آپ اکیاسی بلکہ اس سے زائد مرتبہ جماع فرمائیں۔

حضرت انسؓ کی روایت میں گزر چکا ہے، **’’کنّا نتحدّث أنہ أعطی قوّۃ ثلاثین‘‘**، طبقات ابن سعد میں طاؤس کی مرسل روایت میں **’’أربعین‘‘** یعنی چالیس کا عدد مذکور ہے، اور اس طرح مجاہد سے بھی مرسلاً یہ عدد ابونعیم کی **صفۃ الجنۃ** میں اور ابن سعد وغیرہ نے نقل کیا ہے اور ابونعیم کی روایت میں **’’من رجال أھل الجنّۃ‘‘** کا لفظ بھی وارد ہے تو اس لحاظ سے جنت کے چالس مردوں کی طاقت آپ ﷺ کو حاصل تھی، اور ہر جنتی کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہوگی۔ مسند احمد، سنن نسائی، مستدرک حاکم میں زید بن ارقمؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: **’’إن الرجل من أھل الجنۃ لیُعطیٰ قوّۃ مأۃ فی الأکل والشرب والجماع والشھوۃ‘‘**۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حساب سے ہمارے نبی پاک ﷺ کو چار ہزار آدمیوں کی قوت تھی۔

یہیں سے مستشرقین کا یہ اعتراض جاتا رہتا ہے کہ محمد ﷺ نعوذ باللہ بڑے شہوت پرست تھے کہ بیک وقت نو بیویاں رکھتے تھے۔ اس لئے کہ جس کو چار ہزار کی طاقت حاصل ہو اس کے لئے نو کیا کفایت کرسکتی ہیں؟ اور پھر اگر شہوت پرستی مقصود ہوتی تو جب قریش اپنی لڑکیوں کو پیش کررہے تھے کہ تم جس لڑکی سے چاہو نکاح کرلو لیکن تبلیغِ اسلام چھوڑ دو اس وقت تو آپ نے ایک بیوہ حضرت خدیجہؓ پر اکتفاء کرلیا، اور درازسنی میں آپ نعوذ باللہ شہوت پرستی کرتے، اگر یہ مقصود ہوتا تو کنواریاں جمع کرتے، حالانکہ حضرت عائشہؓ کے سوا سب بیوہ تھیں، اصل مقصود ان کی خبرگیری اور ان کے خاندانوں میں اسلام کی ترویج اور شریعت کے دوسرے رخ یعنی جس کا تعلق عورتوں سے ہے اس کے ناقلین کی تکثیر مقصود تھی، واللہ اعلم۔

(۲) اس سوال میں تین جزء ہیں۔

اول یہ ہے کہ ہر شخص سے بروز قیامت سوال ہوگا۔

دوسرا حضرت زید بن حارثہ ؓ کی بیوی کا قصہ۔

تیسرا سارے لوگوں کا محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات پانا۔

امرِ اول سے متعلق متعدد نصوص وارد ہیں، جو سورۂ اعراف، المؤمن اور القارعۃ میں مذکور ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً﴾ نفس نکرہ تحت النفی واقع ہوا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کا حساب ہوگا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس کے عموم میں دوسرے مکلفین کی طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی آجاتے ہیں، مگر علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ حساب اپنے عموم پر نہیں ہیں، بعض ایسے بھی ہوں گے جن کا حساب نہیں ہوگا جن میں انبیاء بھی داخل ہیں۔

قال العلامة السيد محمود الآلوسی فی تفسيره روح المعانی (ص ۱۷/۵۵) تحت الآية المذكورة: ربما يُفهم من ذلک أن كلّ أحد توزَن أعماله، وقال أبو عبد الله القرطبی صاحب التذكرة (ص ۱/۳۱۱) : الميزان حقّ ولَا يكون فی حقّ كل أحد بدليل الحديث الصحيح، فيقال: يامحمد! أدخل الجنة من أمّتک من لَاحساب عليه من الباب الأيمن، الحديث، وأحرٰيهم الأنبياء عليهم السلام، وقوله تعالىٰ ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِی وَالأَقْدَامِ﴾ وقوله تعالىٰ ﴿فَلَانُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْناً﴾ وقوله سبحانه ﴿وَقَدِمْنَا إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا﴾ وإنما يبقى الوزن لمن شاء الله سبحانه من الفريقين.

وذكر القاضی منذر بن سعيد البلوطی أن أهل الصبر لَا توزن أعمالهم، وإنما يصبّ لهم الأجر صبّاً ، وظواهر أكثر الآيات والأحاديث تقتضی وزن أعمال الكفّار، وأوّل لها ما اقتضىٰ ظاهره خلاف ذالک، وهو قليل بالنسبة إليها، وعندی لَا قاطع فی عموم الوزن وأميل إلى عدم العموم، انتهى۔

چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں: باب قول الله تعالىٰ ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ وأن أعمال بنی آدم وقولَهم يوزن، قال الحافظ بن حجر فی فتح الباری (ص ۱۷/۳۲۳) قوله "وأنّ أعمال بنی آدم وقولهم" كذا للأكثر، وللقابسی وطائفة "وأقوالهم" بصيغة الجمع، وهو

المناسب للأعمال، وظاهره التعميم، لكن خُصّ منه طائفتان، فمن الكفارمن لَا ذنب له إلّاالكفر ولم يعمل حسنة فإنه يقع فی النارمن غير حساب ولَا ميزان، ومن المؤمنين من لَا سيئة له وله حسنات كثيرة زائدة علی محض الإيمان، فهذايدخل الجنة بغير حساب ،كما فی قصة السبعين ألفاً ومن شاء الله أن يُلحقه بهم، وهم الذين يمرّون علی الصراط كا لبرق الخاطف، وكالريح، وكأجاويد الخيل۔

ومن عدا هذين من الكفار والمؤمنين يحاسبون وتُعرض أعمالهم علی الموازين۔

ويدلّ علی محاسبة الكفاروزن أعمالهم قوله تعالیٰ فی سورة المؤمنين ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ﴾ إلی قوله ﴿أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِی تُتْلٰی عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ ۔

ونقل القرطبی عن بعض العلماء أنه قال: الكافرلَا ثواب له، وعمله مقابل بالعذاب فلا حسنة له توزن فی موازين القيامة، ومن لَا حسنة له فهو فی النار، واستدل بقوله تعالیٰ ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ وبحديث أبی هريرةؓ وهو فی الصحيح فی الكافر ”لَايزن عندالله جناح بعوضة“۔ وتعقّب بأنه مجازعن حقارة قدره، ولَا يلزم منه عدم الوزن۔

وحكی القرطبی فی صفة وزن عمل الكافر وجهين۔

أحدهما أن كفره يوضع فی الكفّة ولَا يجد له حسنة يضعها فی الأخری فتطيش التی لَاشیء فيها، قال: وهذا ظاهر الآية، لأنه وصف الميزان بالخفّة لَاالموزون۔

ثانيهما قد يقع منه العتق والبرّ والصلة وسائر أنواع الخير المالية مما لو فعلها المسلم لكانت له حسنات، فمن كانت له حسنات جُمعت ووُضعت غير أنّ الكفر إذا قابلها رجح بها۔

قال الحافظ: ويحتمل أن يجازی بها عما يقع منه من ظلم العباد مثلاً، فإن استوعب عُذّب بكفره مثلاً فقط، وإلّازيد عذابه بكفره أو خُفّف عنه كما فی قصة أبی طالب ، انتهیٰ۔

وقال صاحب الجمل: ولَايكون الوزن فی حق كل أحد، لأن من لَاحساب عليه لَايوزن له كالأنبياء والملائكة ، والوزن يكون للمكلّفين من الجن والإنس ، انتهیٰ ۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے حساب نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ان کے

اعمال کا وزن ہوگا۔ ان محققین نے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے۔

البتہ سوالِ قبر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرات انبیاءؑ سے قبر میں سوال ہوگا یا نہیں؟

حافظ ابن القیم اور حافظ ابن حجر نے یہ اختلاف ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن الہمام مسایرہ میں فرماتے ہیں: **والأصحّ أن الأنبیاء علیھم الصلوۃ والسلام لَایُسئلون ۔**

علامہ قاسم بن قطلوبغا **شرح المسایرہ** میں (ص ۲۳۳) پر لکھتے ہیں: **لأن غیر النبی یُسأل عن النبی فکیف یسأل ھو عنه ۔** اور علامہ کمال الدین ابن ابی شریف مسایرہ (ص ۲۳۴) میں (ان نصوص کے نقل کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور مرابط سے سوال نہیں کیا جائے گا) لکھتے ہیں **وإذا ثبت ذلک لبعض الأمّة فالأنبیاء علیھم الصلاۃ والسلام تعلو مقامھم المقطوع بسببه بالسعادة العظمیٰ ومع عصمتھم أولیٰ بذلک ، انتھی ۔**

یہ بات تو ضمنی طور پر آ گئی تھی، اصل گفتگو یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے کل بروز قیامت حساب کتاب نہیں ہوگا۔ لیکن بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِى وَاُمِّىَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ الآیۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ سے سوال ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰؑ کے اٹھانے کے بعد ہو چکا ہے یا قیامت میں ہوگا؟ بہر حال اس سے مقصود حضرت عیسیٰؑ سے حساب لینا نہیں ہے، اس لئے کہ عیسیٰؑ کا معبود بنا لینا ان کی قوم کی گمراہی ہے، حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس پر راضی تھے، بلکہ اس کلام کا مقصود عیسائیوں پر اتمام حجت ہے کہ عیسیٰؑ کو خدا بنا لینا تمہارا من گھڑت افسانہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ تو اس سے تبری کر رہے ہیں۔

امر ثانی زید بن حارثہؓ حضور اکرم ﷺ کے مولیٰ اور متبنّیٰ یعنی منہ بولے بیٹے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحشؓ کا نکاح کر دیا، اس کے بعد جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دیدی تو آپ نے ان سے نکاح کر لیا اور یہ نکاح آسمان پر ہوا۔

اب آگے مفسرین دو قول نقل کرتے ہیں۔

اول تو یہ کہ حضرت زید بن حارثہؓ اور زینبؓ میں حالات ناخوشگوار رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ زینبؓ تمہاری بیوی ہونے والی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو اس کے اظہار سے خوف محسوس ہوتا تھا کہ لوگ

کیا کہیں گے، عرب میں متبنّیٰ کا وہی درجہ تھا جو حقیقی بیٹے کا، اللہ تعالیٰ نے اس رسم کا ابطال فرمایا اور آپ ﷺ کا آسمان پر زینبؓ سے نکاح کردیا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ حسبِ معمول زید کے مکان تشریف لے گئے، وہاں زید موجود نہ تھے، زینبؓ پوری طرح ملبوس نہ تھیں، آپ ﷺ کی نگاہ ان پر پڑی اور زینبؓ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی۔ آپ ﷺ ''سبحان مقلّب القلوب'' کہتے ہوئے واپس ہوئے اور دل میں یہ خیال کرلیا کہ اگر زید نے طلاق دیدی تو میں نکاح کرلوں گا۔

قولِ اول امام زین العابدین علی بن الحسین اور محمد بن عبدالرحمٰن السدّی الکبیر سے منقول ہے،

فأخرج الحکیم الترمذی وابن جریر وابن أبی حاتم والبیهقی فی الدلائل عن علیّ بن زید بن جدعان قال: قال لی علی بن الحسین: ''ما یقول الحسن فی قوله ﴿وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِیۡهِ﴾ فقلت له: فقال: لَا، ولکن أعلم الله نبیه ﷺ أن زینبؓ ستکون من أزواجه قبل أن یتزوّجها، فلمّا أتاه زیدؓ یشکو إلیه، قال: اتّق الله وأمسک علیک زوجک، فقال: قدأخبرتک أنی مزوّجکها وتُخفی فی نفسک ما الله مُبدیه، قال: قلت: کان یقول: أنها کانت تعجبه وأنّه قال لزیدؓ: اتّق الله وأمسک علیک زوجک، قال: لَا''۔ إلی آخره۔ قال الحافظ (ص ۱۴۳/۱۰) وقدأطنب الترمذی الحکیم (ص ۱۸۹) فی تحسین هذه الروایة، وقال: إنها من جواهر العلم المکنون، وضعّفه الحافظ ابن حجر لضعف علی بن زید بن جدعان۔

وأخرج ابن أبی حاتم عن السدّی فی قوله ﴿وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ﴾ الآیة۔ قال: ''بلغنا أن هذه الآیة نزلت فی زینب بنت جحشؓ، وکانت أمّها أمیمة بنت عبد المطلب عمّة رسول الله ﷺ، فأراد أن یزوّجها زید بن حارثةؓ مولاه، فکرهت ذلک، ثمّ إنّها رضیت بما صنع رسول الله ﷺ فزوّجها إیّاه، ثم أعلم الله نبیّه ﷺ بعدُ أنها من أزواجه، فکان یستحیی أن یأمر زید بن حارثةؓ بطلاقها، وکان لَا یزال بین زیدؓ وزینبؓ بعض مایکون بین الناس فیأمره رسول الله ﷺ أن یمسک علیه زوجه وأن یتقی الله، وکان یخشی الله أن یعیبوا علیه ویقولوا: تزوّج امرأة ابنه، وکان رسول الله ﷺ قدتبنّیٰ زیداً''۔ قال الحافظ ابن حجر (ص ۱۴۳/۱۰): هذا أوضح سیاقاً وأصح إسناداً من أثر زین العابدین لضعف علی بن

زید بن جدعان۔

اور دوسرا قول متعدد علماء تفسیر سے نقل کیا گیا ہے مگر وہ غیر مستند ہے، اس کے غیر معتمد ہونے کی تصریح قاضی بکر بن العلاء المالکی، قاضی ابن العربی، قاضی عیاض، حافظ ابن کثیر وغیرہ نے کی ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں (ص۴۹۱/۳): ذکر ابن جریر وابن أبی حاتم ههنا آثاراً من بعض السلف أحببنا أن نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها، اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: وردت آثار أخری أخرجها ابن أبی حاتم والطبری ونقلها کثیر من المفسرین لَاینبغی التشاغل بها، اھ۔

صرف ایک روایت مسند احمد میں موصولاً وارد ہوئی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

قال الإمام احمد (ص ۱۴۹/۳): حدثنا مؤمّل بن اسمعیل ثنا حماد بن زید ثنا ثابت عن أنسؓ قال: "أتیٰ رسول الله ﷺ منزل زید بن حارثةؓ فرأی رسول الله ﷺ امرأته زینبؓ، وکأنه دخله -لَادری من قول حماد أو فی الحدیث- فجاء زید یشکوها إلیه، فقال له النبی ﷺ: أمسک علیک زوجک واتّق الله فنزلت ﴿وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ إلی قوله ﴿زَوَّجْنَاکَهَا﴾ یعنی زینب، انتهی۔

قال ابن کثیر (ص ۴۹۱) رواه أحمد وفیه غرابة ترکنا سیاقه، قلت: ومؤمّل بن اسماعیل وإن کان صدوقاً ولکنّه کثیر الخطأ والوهم کما صرّح به الأئمة، قال أبوحاتم: صدوق شدید فی السنّة کثیر الخطأ، وقال البخاری: منکر الحدیث، وقال الساجی: صدوق کثیر الخطأ وله أوهام یطول ذکرها، وقال الدار قطنی: ثقة کثیر الخطأ، وقال ابن سعد: ثقة کثیر الغلط، وقال محمد بن نصر المروزی: المؤمّل إذا انفرد بحدیث وجب أن یتوقّف ویتثبّت فیه لِانه کان سیئ الحفظ کثیر الغلط، وقال یعقوب بن سفیان: مؤمّل أبو عبد الرحمٰن شیخ جلیل سنّیّ سمعت سلیمان بن حرب یحسن الثناء علیه، کان مشیختنا یوصون به إلّا أنّ حدیثه لَا یشبه حدیث أصحابه، وقد یجب علی أهل العلم أن یقفوا عن حدیثه، فإنّه یروی المناکیر عن ثقات شیوخه وهٰذا أشدّ، فلو کانت هٰذه المناکیر عن الضعفاء لکنّا نجعل له عذراً۔

بہرحال مؤمّل ثقہ، صدوق ہونے کے باوجود سوء حفظ اور کثیر الخطاء والاوہام ہونے کی وجہ سے اس کی روایت لائق اعتماد نہیں ہے۔

محققین قاضی ابوالفضل بکر بن العلاء القشیر ی ،قاضی ابوبکر بن العربی، قاضی عیاض وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت زینبؓ حضور اکرم ﷺ کی پھوپی زاد بہن، ہمیشہ پاس کا رہنا، ولادتِ زینبؓ کے وقت سے حضور اکرم ﷺ ان سے پوری طرح واقف اوراس دور میں پردہ کا اہتمام بھی نہیں تھا ، زینبؓ اس وقت کنواری تھیں، حضور اکرم ﷺ کو اس وقت ان کی طرف رغبت نہیں ہوئی، اب جب کہ وہ منکوحہ ہوگئیں اور حضور پاک ﷺ نے ہی نکاح کردیا تو حضور پاک ﷺ کو رغبت ہوگئی، یہ بات عقلاً وعادۃً بعید ہے، بلکہ یہ صورت حال اللہ کی طرف سے اس لئے واقع ہوئی تاکہ اہل جاہلیت کی سنت کا ابطال ہوجائے کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اوراس کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح جانتے تھے اور قصہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو امام زین العابدینؒ نے نقل کی ہے،

قال القاضی عیاض فی الشفاء (ص ۱۹۴): والأولی ماذکرنا عن علی بن الحسین وحکاہ ابو اللیث السمرقندی وھو قول ابن عطاء واستحسنہ القاضی القشیری وعلیہ عوّل ابو بکر بن فورک، وقال إنہ معنی ذلک عند المحققین من أھل التفسیر، اھ۔

اورآیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے،فرمایا ﴿وَتُخۡفِی فِیۡ نَفۡسِکَ مَااللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ﴾ اور جس چیز کو بعد میں ظاہر کیا گیا وہ آسمان سے زینبؓ کا نکاح ہے، اور یہ کہیں نہیں ظاہر کیا گیا کہ آپ کو زینبؓ سے محبت ہوگئی اور آپ اس وجہ سے چاہتے تھے کہ زید طلاق دیدیں۔

اور اگر بالفرض دوسری تفسیر مان بھی لی جائے تو بھی میرے نزدیک کوئی اشکال نہیں ہے، محبت غیر اختیاری چیز ہے، بعض وقت اچانک کسی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے البتہ اس کے بعد غلط رویّہ اختیار کرنا غلط ہے، اور یہاں کوئی صورت پائی ہی نہیں گئی، بالفرض محبت ہوگئی تو کیا ہوا، آپ ﷺ نے آگے کوئی قدم تو نہیں بڑھایا صرف یہی ارادہ تھا کہ چونکہ زینبؓ وزیدؓ میں بناؤ نہیں ہے اس لئے اگر زید طلاق دیدیں گے تو آپ نکاح کرلیں گے، اوراس میں کیا حرج ہے؟ اورآپ ﷺ نے زیدؓ کو ارادۂ طلاق کے وقت اخلاقی طور پر تعلیم دی کہ اپنے اہل کو نہ چھوڑو۔

قال الشیخ أبو محمد البغوی فی معالم التنزیل : وإن کا ن القول الآخر وھو أنّہ أخفٰی محبتھا أو نکاحھا لو طلّقھا، لَایقدح فی حال الأنبیاء لأنّ العبد غیر ملوم علی ما یقع فی قلبہ من مثل ھذہ الأشیاء مالم یقصد فیہ الاِثم، لأنّ الودّ ومیل النفس من طبع البشر، وقولہ ﴿اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ﴾ أمر بالمعروف وھو حسنة لَا إثم فیہ۔ اھ ۔

قال الحافظ ابن حجر فی الفتح (ص۱۴۳/۱۰): وقال ابن العربی: وانما قال علیه الصلوة والسلام لزید ﴿اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ﴾ اختباراً لما عنده من الرغبة فیها أو عنها، فلمّا اطّلعه زید علٰی ما عنده منها من النفرة التی نشأت من تعاظمها علیه وبذاءة لسانها أذن له فی طلاقها، ولیس فی مخالفة متعلّق الأمر لمتعلّق العلم ما یمنع من الأمر به، والله اعلم۔

امر ثالث *محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات یاب ہونا ایک مصرح حقیقت ہے، انبیاء اور غیر انبیاء سب برابر ہیں، یہ مضمون کئی روایات میں وارد ہے۔*

(۱)عن عائشةؓ عن النبی ﷺ قال: ”سدّدوا وقاربوا وأبشروا فإنّه لَا یدخل أحدًا الجنة عمله، قالوا: ولَا انت یا رسول الله؟ قال ولَا انا إلّا أن یتغمّدنی الله بمغفرة ورحمة“ رواه البخاری (ص۹۵۷) ومسلم (ص۳۷۷/۲) وهذا لفظ البخاری۔

(۲)عن ابی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”لن ینجی أحدًا منکم عمله، قالوا: ولَاانت یا رسول الله ؟ قال: ولَا انا الّا أن یتغمّدنی الله برحمة، سدّدوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشیء من الدلجة والقصد القصد تبلغوا“۔ رواه البخاری ورواه مسلم (ص۳۷۶، ۳۷۷/۱) بطرق بالفاظ متقاربة۔

(۳)عن جابرؓ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ”لَا یدخل أحداً منکم عمله الجنة ولَایجیره من النار، ولَا انا إلّا برحمة الله“۔

قال الکرمانی: إذا کان کلّ الناس لَا یدخلون الجنة الّا برحمة الله فوجه تخصیص رسول الله ﷺ بالذکر أنّه إذا کان مقطوعاً له بأن ید خل الجنة ثم لَا یدخلها الّا برحمة الله فغیره یکون ذلک بطریق الأولیٰ، قال الحافظ(ص۷۶/۱۴) وسبق إلٰی تقریرهذا المعنی الرافعی فی أمالیه فقال: لمّاکان أجر النبی ﷺ فی الطاعة أعظم وعمله فی العبادة أقوم قیل له ”ولَاانت“ ای لَا ینجیک عملک مع عظم قدره؟ فقال: ”لَا، إلّا برحمة الله“۔ انتهی۔

قال النووی (ص۳۷۶/۲) مذهب أهل السنّة أنّ الله لَا یجب علیه شیء –تعالیٰ الله– بل العالم مِلکه، والدنیا والآخرة فی سلطانه یفعل مایشاء، فلو عذّب المطیعین والصالحین أجمعین وأدخلهم النار کان عدلًا منه، وإذا أکرمهم ونعّمهم وأدخلهم الجنة فهو فضل منه، ولو نعّم

الكافرين وأدخلهم الجنة كان له ذلك، ولكنّه أخبر وخبره صدق أنّه لَا يفعل هذا بل يغفر للمؤمنين ويدخلهم الجنة برحمته ويعذّب الكافرين ويخلدهم النار عدلاً منه۔

وفى ظاهر هذه الأحاديث دلَالة لِاهل الحق أنّه لَا يستحقّ أحد الثواب والجنّة بطاعته۔

وأمّا قوله تعالىٰ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ و ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِى اُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ونحوهما من الآيات الدالّة على أنّ الأعمال يدخل بها الجنة فلا يعارض هذه الأحاديث، بل معنى الآيات أنّ دخول الجنة بسبب الأعمال، ثم التوفيق للاعمال والهداية للاخلاص فيها وقبولهما برحمة الله تعالىٰ وفضله، فيصحّ أنّه لم يدخل بمجرّد العمل وهو مراد الأحاديث، ويصحّ أنّه دخل بالأعمال اى بسببها وهى من الرحمة، انتهى ۔

باقی سوال میں جو تفصیلی کلام ہے وہ کسی روایت میں نظر نہیں پڑا اور نہ یہ کہیں نظر پڑا کہ آخرت میں حضرت سید الرسل ﷺ سے سوال ہوگا، یہ تو علماء کی تصریح مذکور نمبر ۲ کے خلاف ہے واللہ اعلم۔

(۳) واقعہ تو صحیح ہے، جب کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب ہونے لگا تو حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ ﷺ لکھا تھا، مشرکین کے نہ ماننے پر آنحضرت ﷺ نے بجائے اس کے محمد بن عبداللہ لکھنے کا امر فرمایا اور یہ کہ محمد رسول اللہ کا لفظ مٹا دیں، حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔

عن البراء بن عازبؓ قال: "اعتمر النبى ﷺ فى ذى القعدة فأبىٰ أهل مكة أنّ يدَعوه يدخل مكة حتّى قاضاهم -صالحهم- على أن يقيم بها ثلاثة أيام، فلمّا كتبوا الكتاب كتبوا "هذا ما قاضانا عليه محمد رسول الله" قالوا: لَا نقرّ بهذا لو نعلم أنّك رسول الله ما منعناك شيئاً ولكن أنت محمد بن عبد الله، فقال: أنا رسول الله، انا محمد بن عبد الله، ثم قال لعلىؓ: امح "رسول الله" قال علىؓ: لَا! والله لَا أمحوك أبداً، فأخذ رسول الله ﷺ الكتاب وليس يحسن يكتب فكتب "هذا ما قاضى محمد بن عبد الله"۔ الحديث رواه البخارى (ص ۶۱۰)۔

ورواه فى موضع آخر (ص ۳۷۱) بلفظ: لمّا صالح رسول الله ﷺ أهل الحديبية كتب علىؓ بينهم كتاباً فكتب "محمد رسول الله" فقال المشركون: لَا تكتب "محمد رسول الله" لو كنتَ رسولًا لم نقاتلك، فقال لعلىؓ :امحه، قال علىؓ: ما أنا بالذى أمحاه، فمحاه رسول الله ﷺ بيده، الحديث۔ وأخرجه مسلم (ص ۱۰۴، ۱۰۵/ ۲)۔

لیکن حضرت علیؓ کے محو کے انکار کی مذکورہ علت غلط ہے، انہوں نے تو حسن ادب کی وجہ سے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ ”واللہ لَا أمحوک“ سے معلوم ہوتا ہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ لفظ رسول اللہ کو آپ کے نام سے الگ کردیں اور مٹادیں، قال النووی (ص ۱۰۴): وھذاالذی فعله علیؓ من باب الأدب المستحبّ لأنه لم يفهم من النبی ﷺ تحتیم محو علىٰ نفسه، ولهذا لم ينكر، ولو حتم محوه بنفسهٖ لم يجز لعلیؓ تركه، ولما أقرّه النبی ﷺ علىٰ المخالفة، انتهى.

حیلہ جوئی کی علت اور اس کو خلاف صداقت قرار دینا کسی شیعہ کا قول ہے جو اپنی کور باطنی کی وجہ سے حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ سے بھی نعوذ باللہ افضل مانتے ہیں، حدیث کے پہلے طریق میں تو صاف حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ”أنا رسول الله وأنا محمد بن عبد الله“ مذکور ہے، پھر خلاف صداقت کیا بات ہوتی اور نبی کی طرف خلافِ صداقت کی نسبت کوئی بد باطن منافق ہی کرسکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین القوسین عبارت لکھنے والا کوئی عبداللہ بن سبا یہودی کا ہم عقیدہ ہے جو ظاہراً مسلمان ہوگیا تھا اور در پردہ یہودی تھا اور اہل بیت کی موالات ظاہر کرکے طرح طرح کے باطل عقائد پھیلائے اور شیعوں کو گمراہ کیا۔

(۴) یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، اصل روایت کتب حدیث میں حسب ذیل ہے:

عن علی بن ابی طالبؓ قال: ”كانت لی شارف من نصيبی من المغنم يوم بدر وكان النبی ﷺ أعطانی ممّا آفاء الله عليه من الخمس يومئذ، فلمّا أردت أن ابتنی بفاطمة بنت النبی ﷺ واعدت رجلاً صوّاغاً من بنی قينقاع أن يرتحل معی فنأتی بإذخر فأردت أن أبيعه من الصوّاغين فنستعين به فی وليمة عرسی، فبينا أنا أجمع شارفیّ من الأقتاب والغرائر والحبال وشارفای مناختان إلىٰ جنب حجرة رجل من الأنصار حتّى جمعت ما جمعت، فإذا أنا بشارفیّ قد أجبّت أسنمتهما وبقرت خواصرهما وأُخذ من أكبادهما فلم أملک عينیّ حين رأيت المنظر، قلت: من فعل هذا؟ قالوا: فعله حمزة بن عبد المطلب وهو فی هذا البيت فی شرب من الأنصار عنده قينة وأصحابه، فقالت فی غنائها: الَا يا حمز للشرف النواء! فوثب حمزةؓ إلى السيف فأجبّ أسنمتهما وبقر خواصرهما وأخذ من أكبادهما، قال علیؓ فانطلقت حتّى أدخل على النبی ﷺ وعنده زيد بن حارثةؓ، فعرف النبی ﷺ الذی لقيت، فقال: مالک؟ قلت: يا رسول الله! ما رأيت كاليوم عدا حمزة علىٰ ناقتیّ فأجبّ أسنمتهما وبقر خواصرهما وها هو ذا فی بيت معه

شرب، فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بردائه فارتدیٰ ثم انطلق یمشی واتّبعته انا وزید بن حارثةؓ حتی جاء البیت الذی فیه حمزةؓ فاستأذن علیه فأذن له، فطفق النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلوم حمزة فیما فعل فإذا حمزة ثمل محمرّة عیناه، فنظر حمزة إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم صعّد النظر فنظر إلی رکبته ثم صعّد النظر فنظر إلی وجهه ثم قال حمزة: وهل أنتم الّا عبید لِابی؟ فعرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنّه ثمل، فنکص رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ عقبیه القهقریٰ فخرج وخرجنا معه"۔ رواه البخاری (ص ۲/۵۷۱) ومسلم (ص ۲/۱۶۱) وأبوداود (ص ۴/۱۳۵ بذل)۔

یہ ہے اصل واقعہ، اور باقی جو کچھ سوال میں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ غالی شیعہ کی جعل سازی اور دسیسہ کاری ہے، اونٹنی حضرت علیؓ کی تھی اور دوسری اونٹنی حضرت علیؓ ہی کو دی گئی تھی۔

حمزہؓ کے بارے میں تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک روایت میں وارد ہے: "حمزة سیّد الشهداء عند الله یوم القیمة"۔ (رواه الحاکم ص ۲/۱۱۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حمزہؓ کے انتقال پر رنجیدہ ہونا ایک مشہور حقیقت ہے، حتی کہ روایات میں وارد ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ انصار کے شہداء کا ان کی عورتیں ماتم کر رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولکن حمزة لَا بَواکی له"، جب انصار کو معلوم ہوا تو اپنی عورتوں کو حضرت حمزہؓ کا ماتم کرنے کے لئے بھیج دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے عورتیں آکر ان کا نوحہ کرنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو منع کر دیا اور فرمادیا: "لَا یبکینّ علیٰ هالک بعد الیوم"، رواه ابن سعد (ص ۳/۱۷) وأحمد وابن ماجه والحاکم وصحّحه الحاکم۔

محمد یونس عفی عنہ
۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ

* * *

زہری کا عروہ سے سماع

سوال:

کافی عرصہ سے آپ سے ملاقات کا خواہاں تھا، مگر سوئے قسمتی کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔

ایک الجھن درپیش ہے امید ہے کہ مولوی محمد قاسم کے ذریعہ یہ الجھن دور فرمائیں گے۔

وہ یہ کہ زہری کا سماع عروہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ جب کہ حافظ نے کہا ہے کہ: **لکن لم یثبت له سماع من عروۃ۔**

امید ہے کہ مسئلہ واضح فرمائیں گے۔ فقط والسلام

مقصود الحسن فیضی
مدرسہ ریاض العلوم بازار جامع مسجد دہلی

جواب :

مکرم ومحترم بعد سلام مسنون!

آپ کا خط تو تقریباً دو ماہ پیشتر ہی عزیزم مولوی قاسم سلمہ نے پہنچا دیا تھا، مگر اس وقت کی مشغولی نے ہرگز جواب لکھنے کی اجازت نہ دی۔

ابن شہاب زہری عروہ بن زبیر کے مخصوص تلامذہ میں ہیں۔

اس کی تصریح حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کی ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں **إذا حدّثنی عروۃ ثمّ حدّثتنی عمرۃ یصدّق عندی حدیث عروۃ ، فلما تبحّرتهما إذا عروۃ بحر لَاینزف، کذا فی الطبقات لِابن سعد(ص۲/۳۸۷ و ۵/۱۸۱)۔**

اور صحیحین وغیرہ کتب حدیث ورجال میں بکثرت مواقع میں ابن شہاب کا عروہ کے اِخبار وتحدیث کی تصریح کرنا موجود ہے (ص۳۰۷، ۴۸۰، ۷۳۹، ۷۴۰) وغیرہ مواقع بخاری میں دیکھ لیجئے۔

مزید یہ ہے کہ تہذیب التہذیب میں سقوط واقع ہوا ہے، اصل عبارت کی تقریباً نصف سطر چھوٹ گئی اور **لکن لَایثبت له السماع من عروۃ** سے یہ سمجھ میں آنے لگا کہ زہری کے عروہ سے سننے کا حافظ انکار کرتے ہیں، حالانکہ اصل مآخذ جہاں سے حافظ نے یہ کلام لیا ہے یعنی کتاب المراسیل لابن ابی حاتم اس کے الفاظ یوں ہیں: **الزهری لم یسمع من أبان شیأً لَا أنه لم یدرکه، قد أدرکه وأدرک من هو أکبر منه، لکن لَا یثبت له السماع منه کما أن حبیب بن أبی ثابت لَایثبت لهٗ السماع من عروۃ بن الزبیر وإن کان قدسمع الخ** ۔ فقط

محمد یونس عفی عنہ
۲۰؍شعبان ۱۴۰۱ھ

* * *

زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟

سوال :

کیا زہری نے عروہ سے نہیں سنا ہے؟ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں تصریح واقع ہوئی ہے۔

سائل------------------ -----------

جواب:

حافظ ابن حجر کی جو عبارت تہذیب التہذیب میں واقع ہوئی ہے اس سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہاب زہری نے عروۃ بن الزبیر سے نہیں سنا ہے، لیکن یہ حافظ ابن حجر یا پھر کاتب کے قلم کی لغزش ہے۔

جس کے متعدد دلائل ہیں۔

دلیل اول: یہ ہے کہ بخاری ومسلم نے بطریق ابن شہاب عن عروہ بکثرت روایات لی ہیں، اور یہ مسلمہ کلیہ ہے کہ شیخین نے اتصال سند کا اہتمام کیا ہے، امام بخاری تو اس روایت کو صحیح ہی نہیں مانتے جس میں راوی ومروی عنہ کا لقاء ثابت نہ ہو، امام مسلم نے اگرچہ اس شرط پر مقدمہ صحیح مسلم میں نقد کیا ہے لیکن امام نووی کا خیال ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں بظاہر صرف معاصرت پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

قال فی مقدمة شرح مسلم (ص ۱۳): ومما یرجّح به کتاب البخاری: أنّ مسلماً کان مذهبه بل نقل الاِجماع فی أوّل صحیحه، أن الاِسناد المعنعن له حکم الموصول بمجرّد کون المعنعن والمعنعن عنه کانا فی عصر واحد وإن لم یثبت اجتماعهما، والبخاری لَا یحمله علی الاِتّصال حتی یثبت اجتماعهما، وهذا المذهب یرجّح کتاب البخاری، وإن کنّا لَا نحکم علی مسلم بعمله فی صحیحه بهذا المذهب، لکونه یجمع طرقاً کثیرة یتعذّرمعها وجود هذاالحکم الذی جوّزه، والله أعلم، انتهی۔

دلیل ثانی: ابن شہاب زہری مدلسین میں شمار کئے گئے ہیں، وقد صرّح بکونه من المدلّسین الشافعی والدارقطنی وغیرهما، لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں میری معلومات میں کہیں بھی زہری کے عنعنہ پر تدلیس کا الزام رکھ کر رد نہیں فرمایا اور محققین علماء نے تصریح کی ہے کہ صحیحین میں مدلسین کی جو روایتیں معنعن وارد ہوئی ہیں وہ سماع پر محمول ہیں، مدلس رواۃ نے اساتذہ سے ان روایات کو سنا ہے۔

امام نووی مقدمہ شرح مسلم (ص ۱۸) میں لکھتے ہیں۔

إنّ ما فى الصحيحين عن المدلّسين بعن ونحوها فمحمول على ثبوت السماع من جهة أخرى، وقد جاء كثير منها فى الصحيحين بالطريقين جميعاً، فيذكر رواية المدلّسين بعن، ثم يذكرها بالسماع، ويقصدبه هذا المعنى الذى ذكرته، اهـ۔

اسی طرح نووی نے تقریب اور سیوطی نے التدریب (ص ۲۳۰/۱) میں لکھا ہے وقال العراقى فى شرح الألفيّة (ص ۱۸۶/۱): وقال النووى: إنّ ما فى الصحيحين وغيرهما من الكتب الصحيحة عن المدلّسين بعن محمول علىٰ ثبوت سماعه من جهة أخرى، وقال الحافظ أبو محمدعبد الكريم الحلبى فى كتاب القدح المعلّٰى: قال أكثر العلماء: إنّ المعنعنات التى فى الصحيحين منزّلة منزلة السماع، اهـ۔

وقال السخاوى (ص ۱۷۶/۱): هو أى معنعن المدلّسين، كما قال ابن الصلاح وتبعه النووى وغيره، محمول على ثبوت السماع عندهم أى عند أصحاب الصحاح فيه من جهة أخرى إذا كان فى أحاديث الأُصول لَا المتابعات تحسيناً للظنّ بمصنّفيها، يعنى ولو لم نقف نحن علىٰ ذلک، وأشار ابن دقيق العيد إلى التوقّف فى ذلک فإنّه قال بعد تقرير: إنّ معنعن المدلّس كالمنقطع مانصه: وهذا جاء على القياس إلّا أنّ الجرى عليه فى تصرّفات المحدّثين وتخريجاتهم صعب عسيريوجب إطراح كثير من الأحاديث التى صحّحوها، إذ يتعذّرعلينا إثبات سماع المدلّس فيهامن شيخه، اللّٰهم إلّا أن يدّعى مدّع أنّ الأوّلين اطّلعوا علىٰ ذلک وإن لم نطلع عليه، وفى ذلک نظر، انتهى۔

وأحسن من هذا كله قول القطب الحلبى فى القدح المعلّٰى: قال أكثر العلماء: أنّ المعنعنات التى فى الصحيحين منزّلة منزلة السماع، يعنى إمّا لمجيئها من وجه آخر بالتصريح أو لكون المعنعن لَا يدلّس إلّاعن ثقة أو عن بعض شيوخه أو لوقوعها من جهة بعض النقّاد المحققين سماع المعنعن لها، ولهذا استثنى من هذا الخلاف الأعمش وأبو اسحاق وقتادة بالنسبة لحديث شعبة خاصّة عنهم فإنّه قال: كفيتكم تدليسه، فإذا جاء حديثهم من طريقه بالعنعنة حمل على السماع جزماً، إلى آخر ما ذكر۔

دلیل ثالث کتبِ صحاح میں متعدد ایسی روایات ہیں جن میں زہری کے عروہ سے سننے کی تصریح وارد ہوئی ہے، جس کی یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں،

مثال اول حدیث ''**أوّل ما بُدئ به رسول الله** ﷺ **من الوحی الرؤیا الصالحة**''، جو بخاری شریف کے پہلے باب بدأ الوحی کی تیسری حدیث ہے، اسی حدیث کی سند میں بخاری کتاب الانبیاء (ص ۴۸۰) **باب واذکر فی الکتاب موسیٰ** میں اور کتاب التفسیر (ص ۷۴۰) تفسیر سورۂ اقرأ میں اور مسلم کتاب الایمان میں (ص ۹۰) **بطریق عقیل عن ابن شهاب قال سمعت عروة** وارد ہے، یہی حدیث سورہ اقرأ ہی میں اسی سند سے بخاری نے ایک اور استاذ سے نقل کی ہے اس میں محمد بن شہاب زہری کا قول **أخبرنی عروة** آیا ہے۔

اسی حدیث میں مسلم کتاب الایمان (ص ۸۸) میں بطریق یونس عن ابن شہاب **قال: حدثنی عروة بن الزبیر** آیا ہے، اسی حدیث میں مسلم (ص ۹۰) میں بطریق معمر **قال الزهری: وأخبرنی عروة** آیا ہے۔

مثال ثانی **حدیث عائشةؓ فی التعوذ من أربع** امام بخاری نے **کتاب الصلوة باب الدعاء قبل السلام** میں (ص ۱۱۵) اور مسلم میں **کتاب الصلوة** میں (ص ۲۱۷) تخریج کی ہے اس میں بطریق **شعیب عن الزهری قال: أخبرنا عروة بن الزبیر** وارد ہوا ہے، اور مسلم میں ''**أخبرنی عروة**'' ہے، بخاری میں بھی آگے یہ صیغہ آیا ہے۔

مثال ثالث **حدیث عائشةؓ فی تأخیر العشاء حتی نادی عمرؓ**، امام بخاری نے **کتاب الصلوة باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس** میں اور اس سے قبل **باب وضوء الصبیان** میں (ص ۱۱۹) اور مسلم نے کتاب الصلوۃ میں (ص ۲۲۸) تخریج کی ہے اس میں **عن الزهری قال أخبرنی عروة** آیا ہے۔

مثال رابع **حدیث عائشةؓ فی اقتداء الناس بالنبی** ﷺ **فی صلوة التراویح فی ثلث لیال**، امام بخاری نے **کتاب الجمعة باب من قال فی الخطبة بعد الثناء أمّا بعد** (ص ١٢٦) میں اور **کتاب الصوم** (ص ٢٦٩) **باب فضل من قام رمضان** میں **بطریق عقیل** اور مسلم نے **کتاب الصلوة** میں (ص ۲۵۹) **بطریق یونس** نقل کی ہے، دونوں **الزهری أخبرنی عروة** نقل کرتے ہیں۔

مثال خامس **حدیث جوار ابن الدغنة ابابکر الصدیقؓ** امام بخاری نے اسی حدیث کا ایک ٹکڑا **کتاب الصلوة، أبواب المساجد، باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس** (ص ٦٨) میں

روایت کی ہے اس میں بطریق عقیل ابن شھاب کا قول "أخبرنی عروة" آیا ہے، اسی حدیث کا ایک بڑا ٹکڑا کتاب الکفالة، باب جوار ابی بکر الصدیقؓ (ص ۳۰۷) میں آیا ہے اور مکمل ابواب الھجرة میں (ص ۵۵۲) وارد ہوئی ہے، دونوں جگہ عقیل کے طریق سے ابن شہاب کا قول "فأخبرنی عروة بن الزبیر" واقع ہوا ہے، قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۸۱/۵): فیه محذوف تقدیره: أخبرنی فلان بکذا وأخبرنی عروة بکذا۔

مثال سادس حدیث الکسوف امام بخاری نے أبواب الکسوف باب خطبة الإمام فی الکسوف (ص ۱۴۲) میں روایت کی ہے، اس میں یونس کے طریق سے ابن شہاب کا قول "حدثنی عروة" آیا ہے، یہی حدیث امام بخاری نے کتاب الکسوف باب ھل یقول کسفت الشمس میں اور بدأالخلق میں (ص ۴۵۴) باب صفة الشمس میں عقیل کے طریق سے زہری سے روایت کی ہے اس میں زہری کا قول "أخبرنی عروة" آیا ہے، اسی طرح امام مسلم (ص۲۶۹/۱) ابوداؤد (بذل ص۲۲۲/۲) نسائی (ص۲۱۵/۱) ابن ماجہ (ص۹۱) نے یونس کے طریق سے أخبرنی عروة کے لفظ سے یہ روایت نقل کی ہے، زہری کے تلمیذ عبدالرحمٰن بن نمر نے بھی زہری سے "أخبرنی عروة" نقل کیا ہے جو ابوداود (بذل ص۲۲۶/۲) نسائی (۲۲۲/۱) میں ہے، یہی لفظ اوزاعی نے بھی نقل کیا ہے ان کی حدیث ابوداود (بذل ص۲۲۶/۲) میں ہے اور شعیب بن ابی حمزہ نے بھی جو نسائی میں وارد ہے نقل کیا ہے۔

مثال سابع حدیث أسماءؓ فی عذاب القبر امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر میں (ص ۱۸۳) یونس الایلی کے طریق سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں عن ابن شھاب قال أخبرنی عروة اسی طرح حاشیہ کے نسخے میں وارد ہوا ہے اور اسی نسخے کو علامہ عینی نے عمدة القاری (ص ۲۰۴/۸) اور قسطلانی نے ارشاد الساری (ص ۴۶۳/۲) میں ذکر کیا ہے، اسی طرح اس نسخے میں ہے جو فتح الباری پر چڑھا ہوا ہے، اور یہاں پر نہ تو حافظ نے اختلافِ نسخ ذکر کیا ہے اور نہ ہی عینی وقسطلانی نے، اس لئے بظاہر حوض میں نسخِ ہندیہ میں "عن عروہ" ہے وہ کسی ناسخ کا تصرف ہے۔ واللہ اعلم۔

مثال ثامن حدیث منازعة عتبة بن أبی وقاصؓ و عبد بن زمعةؓ فی ابن ولیدة زمعة یہ حدیث امام بخاری نے کتاب العتق، باب أم الولد (ص ۳۴۴) میں شعیب بن ابی حمزہ کے طریق سے نقل کی ہے اس میں زہری کا قول "حدثنی عروة بن الزبیر" آیا ہے۔

مثال تاسع حديث عائشةؓ فی صوم عاشوراء امام بخاری نے كتاب الصوم، باب يوم عاشوراء میں (ص۲۶۸) روایت کی ہے، اسمیں شعیب بن ابی حمزہ زہری کا قول "حدثنی عروة" نقل کرتے ہیں۔

مثال عاشر حديث مروان والمسور فی صلح الحديبية امام بخاری نے كتاب الشروط میں روایت کی ہے (ص ۳۷۴)، اسمیں عقیل الایلی اپنے استاد زہری کا قول "أخبرنی عروة" نقل کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث میں زہری کے متعدد مواقع میں عروہ کی تحدیث و اخبار کی تصریح وارد ہے، صرف بخاری کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسی سے مثالیں فراہم کی گئیں ہیں، اور بخاری شریف ہی میں صرف اسکے علاوہ بیس سے زائد مواقع میں اخبار و تحدیث کی تصریح وارد ہوئی ہے،

مثال کے لئے (ص۳۵۹) (ص۳۶۱) (ص۳۷۰) (ص۴۰۳) (ص۴۳۶) (ص۴۴۷) (ص۴۵۴) (ص۴۵۸) (ص۴۶۳) (ص۴۸۰) (ص۵۰۸) (ص۵۳۹) (ص۷۹۰) (ص۸۶۱) (ص۸۸۶) (ص۹۳۹) (ص۹۵۱) (ص۹۵۳) (ص۱۰۱۳) (ص۱۰۶۴) (ص۱۰۷۳) (ص۱۰۹۹) دیکھیں۔

دلیل رابع: امام زہری نے عروہ سے خود اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے،

قال ابن سعد (ص۳۸۷/۲) و (ص ۱۸۱/۵): أخبرنا عبد العزيز بن عبدالله الأويسی قال: حدثنی يوسف ابن الماجشون أنّه سمع ابن شهاب يقول: إذا حدثنی عروة ثم حدثتنی عمرة يصدق عندی حديث عروة، فلمّا تبحّرتهما إذا عروة بحرلَاينزف، وقال البخاری فی تاريخهٖ الكبير (ص ۳۱/۴): قال محمد بن مقاتل: أخبرنا يوسف بن الماجشون عن ابن شهاب قال كان إذا حدثنی عروة ثم حدثتنی عمرة صدق عندی حديث عروة، فلما استخبرتهما إذا عروة بحرلَاينزف۔

قال يعقوب بن سفيان الفسوی فی تاريخه (ص ۴۷۵/۱) حدثنا أبو صالح قال حدثنی الليث ابن سعد قال: قلت ليحيی بن سعيد أنّ ابن شهاب قال: وجدت عروة بحراً لَا تكدره الدلَاء، وأمّا سعيد بن المسيّب فكان ينصب نفسه للناس، فقال يحيیٰ: أمّا أعلمهم بالسنن وأقضية عمرؓ فابن المسيّب وأمّا أكثرهم حديثاً فعروة بن الزبير۔

وقال ايضاً (ص ۵۵۲/۱) حدثنی حسن الحلوانی قال حدثنا عبد الرزاق قال أخبرنا معمر

عن الزهری قال أدرکت من بحور قریش أربعة، عروة بن الزبیر وعبید الله بن عبدالله وأباسلمة بن عبد الرحمٰن وسعید بن المسیّب۔

وقال أیضاً (ص ۵۵۱/۱) حدثنی حرملة قال أخبرنا ابن وهب قال حدثنی ابن لهیعة عن عقیل بن خالد قال سمعت ابن شهاب یقول: قدمت مصر علی عبد العزیز بن مروان وأنا أحدّث عن سعید بن المسیب قال: فقال ابراهیم بن عبد الله بن قارظ: ما أسمعک تحدّث عن ابن المسیّب فقلت: رجل، فقال: لقد ترکت رجلین من قومک لَا أعلم أحداً أکثر حدیثاً منهما، عروة بن الزبیر وأبوسلمة بن عبد الرحمٰن، قال: فلمّا رجعت إلی المدینة وجدت عروة بئرًا لَاتکدره الدِلَاء۔

وقال ایضاً (ص ۵۵۲) حدثنا سعید بن عفیر قال حدثنی یعقوب بن عبد الرحمٰن عن أبیه عن ابن شهاب قال: کنت أطلب العلم من ثلاثة، سعید بن المسیّب وکان أفقه الناس، وعروة بن الزبیر وکان بحراً لَا تکدره الدلَاء، وعبید الله بن عبد الله، وکنت لَا أشاء أن أقع منه علی علم ما لَا أجد عند غیره إلّا وقعت۔

وقال أیضا(ص ۶۳۸/۱): حدثنی سالم ابن شبیب حدثنا عبد الرزاق أخبرنا معمر عن الزهری قال: إن کنت لآتی باب عروة وأرجع إعظاماً له، ولو شئت أن أدخل علیه فدخلت ۔

دلیل خامس: امام الحدیث ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی نے کتاب الاستدراکات میں صحیح بخاری ومسلم کی جن روایتوں پر نقد کیا ہے وہاں یہ علت ملحوظ نہیں رکھی ہے کہ زہری نے عروہ سے نہیں سنا ہے، ورنہ سینکڑوں روایتیں دارقطنی کو قابل اعتراض مل جاتیں۔

ہاں ایک حدیث حضرت عائشہؓ نے نقل کی ہے ’’أنّ أم حبیبة استحیضت سبع سنین‘‘، ابن شہاب زہری یہ حدیث عروہ اور عمرہ سے نقل کرتے ہیں، کہیں تو صرف عروہ کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی عمرہ کو اور کبھی دونوں کو، اس کے بعض طرق میں ’’عن عروة عن عمرة‘‘ واقع ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت زہری عمرہ سے بواسطہ عروہ نقل کرتے ہیں، محققین کی رائے ہے کہ یہ وہم ہے اور زہری جیسے عروہ سے نقل کرتے ہیں عمرہ سے بھی بلا واسطہ نقل کرتے ہیں۔

قال الحافظ (ص ۴۴۳/۱): والمحفوظ أنّ الزهری رواه عن شیخین عروة وعمرة کلا هما

عن **عائشةؓ**، پھر آگے لکھتے ہیں: **قال الدارقطنی: هو صحیح من روایة الزهری عن عروة وعمرة جمیعاً**، اب اگر زہری نے عروہ سے نہ سنا ہوتا تو روایت کی صحت کا کیا سوال پیدا ہوتا؟

ابن ابی حاتم نے کتاب المراسیل میں زہری عن عروہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ فرماتے ہیں (ص۱۹۱): **قال أبی: والزهری لَا یثبت له سماع من المسور بن مخرمة یدخل بینه وبینه سلیمان بن یسار وعروة بن الزبیر**۔

دلیل سادس: وہ روایات جو بخاری شریف میں آئی ہیں اور زہری ان کو عروہ سے نقل کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان پر نقد نہیں کیا ہے، اگر زہری کا سماع عروہ سے حافظ کے نزدیک ثابت نہ ہوتا تو حافظ ان پر انقطاع کا الزام لگاتے، بلکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں عروہ کو زہری کے مشائخ یعنی اساتذہ میں شمار کیا ہے۔

قصۂ افک کی طویل حدیث بخاری شریف میں مروی ہے، امام بخاری نے وہ حدیث متعدد جگہ تخریج کی ہے، تین جگہ کتاب الشہادات، کتاب المغازی اور کتاب التفسیر میں مفصل اور باقی مواضع میں مختصر، کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں: **حدثنا یحییٰ بن بکیر حدثنی اللیث عن یونس عن ابن شهاب قال: أخبرنی عروة بن الزبیر وسعید بن المسیب وعلقمة بن وقاص وعبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن حدیث عائشةؓ** اس کے بعد مفصل قصہ ہے۔

حافظ ابن حجر ترجمۃ الباب پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں (ص۶۸/۱۰) **ثمّ ساق المصنف -ای البخاری -حدیث الإفک بطوله من طریق اللیث عن یونس ابن یزید عن الزهری عن مشائخه الأربعة**۔

دلیل خامس میں حافظ کا قول ”**إنّ الزهری رواه عن شیخین عروة وعمرة**“ گزر چکا ہے، امام بخاری نے کسوف شمس کی حدیث **باب خطبة الإمام فی الکسوف** میں بروایۃ زہری عروہ سے نقل کی ہے، اس میں آگے چل کر ”**فقلت لعروة**“ واقع ہوا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (ص۱۸۸/۳): **قوله: ”فقلت لعروة“ هو مقول الزهری**۔

دلیل سابع: آخر میں یہ عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں جو عبارت نقل کی ہے اس میں سقوط واقع ہو گیا ہے جیسا کہ ابتداء جواب ہی میں تنبیہ کر دی گئی ہے۔

حافظ کا تہذیب کا کلام ابن ابی حاتم کی کتاب المراسیل سے منقول ہے، اس میں زہری کے عروہ سے سننے کا انکار

منقول نہیں ہے، بلکہ حبیب بن ابی ثابت کے عروہ سے سننے کا انکار منقول ہے، اصل عبارت یہ ہے:

قال أبی: الزهری لم یسمع من أبان بن عثمان شیئاً لَا أنّه لم یدرکه بل أدرکه وأدرک من هو أکبر منه ولکن لَا یثبت له السماع منه، کما أن حبیب بن أبی ثابت لَا یثبت له السماع من عروة بن الزبیر وهو قد سمع ممن هو أکبر منه، غیر أن أهل الحدیث قد اتّفقوا علیٰ ذلک، واتفاق أهل الحدیث علی شیئ یکون حجّة، انتهی۔ کتاب المراسیل (ص ۱۹۲)

بندہ محمد یونس عفی عنہ
۱۲/شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

”النکاح من سنّتی، فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“، کہاں ہے؟

سوال:

”النکاح من سنّتی، فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“، کہاں ہے اور اس کی سند کا کیا حال ہے؟

محمد اسماعیل، ۲۴ پرگنہ، بنگال

الجواب:

یہ حدیث اس لفظ سے کتبِ حدیث میں موجود نہیں ہے، البتہ ابن ماجہ میں (ص ۱۳۴) حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ”النکاح من سنّتی، فمن لم یعمل بسنّتی فلیس منّی“، آیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اس کا ایک راوی عیسی بن میمون المدنی مولی القاسم بن محمد ہے، وہ ضعیف ہے۔

محمد یونس عفی عنہ
۲۴/۵/۱۳۹۷ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟

سوال :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجہ ذیل مسئلہ میں علماءِ تحقیق کی کیا رائے ہے؟

شعبان کی ۱۵ تاریخ یعنی شب برأت کو روزہ رکھنا ہم مستحب سمجھتے ہیں اور امت کا ایک بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آرہا ہے، مگر ایک غیر مقلد عالم اس روزہ کو بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شعبان کی ۱۳/ ۱۴ تاریخوں کے ساتھ ۱۵ تاریخ کو ملا کر تین روزے ایامِ بیض کے بنالئے جائیں تو درست ہے، ورنہ صرف ۱۵ تاریخ کا ایک روزہ ممنوع اور بدعت ہوگا۔

مشکوۃ شریف (ص ۱۱۵) پر حضرت علیؓ سے ان الفاظ کے ساتھ جو روایت آئی ہے: "**إذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها**"، **الحدیث**۔ اور صاحب مشکوۃ نے اس روایت کو ابن ماجہ سے لیا ہے اس روایت کو غیر مقلد عالم موضوع بتاتے ہیں، اور دلیل میں ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (جو خود بھی غیر مقلد تھے) کی تصنیف تحفۃ الاحوذی کی (ص ۵۳/ ۲) پر آئی ہوئی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

وفی سنده أبوبكر بن عبد الله بن محمد بن أبی سبرة القرشی العامری المدنی، وقيل: اسمه عبد الله، وقيل: محمد، وقد ينسب إلٰی جده، رموه بالوضع، الخ۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی روایت بالا میں ابوبکر بن عبداللہ راوی واضع الحدیث تھا اس لئے یہ روایت موضوع ٹھہری، پس شب برأت کا روزہ ثابت بالحدیث نہیں، اس لئے اب یہ روزہ بدعت ہے۔

اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

(۱) کہ روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟

(۲) ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

(۳) ابوبکر بن عبداللہ راوی کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟

(۴) صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق کیا صحیح ہے؟

(۵) شب برأت کا روزہ کیا بدعت ہے؟

والسلام، عبدالرحیم صدیقی فاضل دیوبند

جواب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) حدیث مذکور ابن ماجہ (ص ۱۰۰) اور بیہقی نے شعب الایمان میں تخریج کی ہے:

قال ابن ماجه (ص ۱۰۰) باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان، حدثنا الحسن بن علی الخلال ثنا عبد الرزاق أنبأنا ابن أبی سبرة عن إبراهیم بن محمد عن معاویة بن عبد الله بن جعفر عن أبیه عن علی بن أبی طالبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”إذا كانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها، فإنّ الله ینزل فیها لغروب الشمس إلٰی سماء الدنیا فیقول: اَلا من مستغفر فاغفر له، اَلا مسترزق فأرزقه، اَلا مبتلی فأعافیه، الّا كذا، الّا كذا، حتی یطلع الفجر“، قال السیوطی فی الدر المنثور (ص ۶/۲۶): أخرجه ابن ماجه والبیهقی فی شعب الاِیمان۔

قال الزبیدی فی الاِتحاف (ص ۳/۴۲۵): وأخرجه عبد الرزاق فی مصنّفه، قلت: لم أجده فی المصنّف، وقد ترجم فی مصنّفهٖ فی كتاب الصوم (ص ۴/۳۱۶) باب النصف من شعبان، ولم یذكر فیه هذه الروایة، قال العراقی فی تخریج الاِحیاء (ص ۱/۱۸۲): إسناده ضعیف، وأشارإلیه المنذری فی ترغیبه (ص ۲/۲۲۹) إذ صدره بلفظة: ’رُوی‘ ولم یذكر الكلام فی آخره بتصحیح ولَا تحسین، قال فی مقدمة الترغیب: فیكون للاسناد الضعیف دلَالتان، تصدیره بلفظة: ’رُوی‘ وإهمال الكلام علیه فی آخره، وقال السندی (ص ۱/۲۱۷) فی الزوائد: إسناده ضعیف لضعف ابن أبی سبرة، قال فیه أحمد وابن معین: یضع الحدیث، اھ۔

اس حدیث کا دارومدار ابراہیم بن محمد اور اس کے تلمیذ ابو بکر بن ابی سبرہ پر ہے، ابراہیم بن محمد کون ہے؟ کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰ الاسلمی ہے، اور محتمل ہے کہ کوئی اور ہو۔

ابن ابی حاتم (ص ۱/۲۲۵) نے اپنے والد ابو حاتم الرازی سے ایک راوی کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

إبراهیم بن محمد بن علی بن عبد الله بن جعفر بن أبی طالب الهاشمی روی عن أبیه، روی عنه سعد بن زیاد أبو عاصم مولی بنی هاشم وابن عیینة ویعقوب بن عبد الرحمٰن الاِسكندرانی، حافظ جمال الدین المزی فرماتے ہیں: ’كأنّه هو‘، یعنی راوی حدیث غالباً وہی راوی ہے جسکا

تذکرہ ابن ابی حاتم نے کیا ہے، ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی نے میزان الاعتدال میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، فرماتے ہیں: **إبراهيم بن محمد عن بعض التابعين وهو معاوية بن عبد الله بن جعفر عن أبيه فی ليلة النصف وعنه ابن عيينة وأبو بكر بن أبی سبرة، فإن كان إبراهيم بن محمد بن علی بن عبد الله بن جعفر بن أبی طالب فقال فيه ابن أبی حاتم: روى عن أبيه وعنه سعد بن زياد وابن عيينة ويعقوب بن عبد الرحمٰن، ولعلّه ابن أبی يحيىٰ، وإلّا فليس بالمشهور، انتهى۔**

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: **أظنّه ابن أبی يحيىٰ وهو من أقران ابن أبی سبرة، انتهى۔**

احقر کا گمان بھی یہی ہے کہ یہ راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، اگر دوسرا ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا تو اس کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور اگر ابن ابی یحییٰ ہے تو یہ راوی جمہور علماء کے نزدیک مجروح متروک اور متّہم بالکذب ہے۔

صرف امام شافعی، حمدان بن محمد الاصفہانی، ابوسعید احمد بن محمد بن سعید الشہیر بابن عقدۃ اور ابو احمد عبد اللہ بن عدی نے اس کی تقویت کی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: **لأن يخرّ إبراهيم من بعد أحبّ إليه من أن يكذب، وكان ثقة فی الحديث۔**

ابو احمد بن عدی فرماتے ہیں: **سألت أحمد بن محمد بن سعيد يعنی بن عقدة فقلت له: تعلم أحداً أحسن القول فی إبراهيم غير الشافعی؟ فقال: نعم، حدثنا أحمد بن يحيىٰ الأودی سمعت حمدان بن محمد الأصبهانی قلت: أتدين بحديث إبراهيم بن أبی يحيىٰ؟ قال: نعم، قال لی أحمد بن محمد بن سعيد: نظرت فی حديث إبراهيم كثيراً وليس بمنكر الحديث۔**

ابن عدی کہتے ہیں **وهذا الذی قاله كما قال، وقد نظرت أنا أيضاً فی حديثه الكثير فلم أجد فيه منكراً إلّا عن شيوخ يحتملون، وإنما يروی المنكر من قبل الراوی عنه أو من قبل شيخه، وهو فی جملة من يكتب حديثه۔**

لیکن ابن عدی نے محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی جابر البیاضی کے ترجمہ میں ان کو ضعیف کہا ہے، اور محققین علماء نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔

یحیٰی القطان، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: 'كذّاب'، بشر بن المفضل کہتے ہیں: **سألت فقهاء أهل المدينة فكلّهم يقولون كذّاب**، امام بخاری فرماتے ہیں: **تركه ابن المبارك والناس**، امام نسائی، دارقطنی، یعقوب بن سفیان الفسوی کہتے ہیں: **متروك الحديث**، یحییٰ القطان کہتے ہیں: **سألت مالكا عنه أكان ثقة؟ قال: لَا ولَا ثقة في دينه**، یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں: **ليس بثقة**، بلکہ حافظ ابن عبد البر نے کتاب التمہید میں لکھا ہے: **أجمعوا على تجريح ابن أبي يحيىٰ الّاالشافعي**، اھ۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں: **متروک**، اور ان کے تلمیذ ابوبکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرۃ القرشی اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، امام احمد (ص ۱/۱۷۸) امام بخاری (ص ۹) ابو بشر الدولابی (ص ۱۲۱) خلیفہ بن خیاط (ص ۴۳۷) ابن حبان اور ابوبکر الخطیب (ص ۱۴/۳۶۷) نے ان کا کوئی نام نہیں بتایا،

ابو احمد الحاکم اور ابو محمد بن ابی حاتم (ص ۳/۳۰۶ ق ۲) ابو سعد السمعانی (ص ۷/۵۹) کہتے ہیں کہ ان کا نام محمد ہے،

خطیب بغدادی کہتے ہیں محمد ان کے بھائی کا نام ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا نام عبد اللہ لکھا ہے، یہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بعض علماء سے نقل کیا ہے، اپنے زمانہ کے مشہور علماء اور اہل فتویٰ میں شمار ہوتے تھے، **قال مصعب الزبيري: كان من علماء قريش ولّاه المنصور القضاء، كذا نقله الخطيب** (ص ۱۴/۳۶۸) یعقوب بن سفیان الفسوی نے اپنی تاریخ (ص ۱/۶۸۵) میں امام مالک سے نقل کیا ہے: **قال: لمّا لقيت أبا جعفر قال لي: يا مالك! من يفتي بالمدينة من المشيخة؟ قال: قلت: يا أمير المؤمنين! ابن أبي ذئب وابن أبي سلمة وابن أبي سبرة۔**

خطیب نے حارث بن محمد بن سعد سے نقل کیا ہے **كان كثير العلم والسماع والرواية، ولي قضاء مكة لزياد بن عبد الله وكان يفتي بالمدينة**، امام ابوداود فرماتے ہیں: **كان مفتي أهل المدينة۔**

لیکن اس علم وفضل اور تفقہ کے باوجود نقل احادیث میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے، تمام اہل فن ان کی تضعیف اور ان کے غیر معتبر ہونے پر یک زبان ہیں۔

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین سے مختلف الفاظ ان کی تضعیف کے متعلق نقل کئے جاتے ہیں، **قال في رواية: عبد الله بن شعيب ضعيف الحديث، وقال في رواية العباس الدوري ومعاوية بن صالح: ليس حديثه بشيء، وقال في رواية ابن أبي مريم: ليس بشيء۔**

وقال علي بن المديني: كان ضعيفاً في الحديث، وقال مرة: كان منكر الحديث، وهو عندى نحو ابن أبى يحيىٰ، وقال الجوزجاني: يضعّف حديثه۔

وقال البخارى في الكنىٰ (ص ۹) والضعفاء الصغير (ص ۱۲۴): ضعيف، وقال في التاريخ الصغير (ص ۱۸۴/۲): منكر الحديث، وقال النسائى في الضعفاء والمتروكين (ص ۱۱۵) وعبد الحق في أحكامه: متروك الحديث۔

وقال أبو إسحاق الحربى: غيره أوثق منه، وقال أبو أحمد الحاكم: ليس بالقوّى عندهم، وقال البزّار: ليّن الحديث، وقال أبو بكر المروزى عن أحمد بن حنبل: ليس هو بشيء۔

وقال عبد الله بن أحمد في العلل (ص ۱۷۸): سمعت أبى: أبو بكر بن أبى سبرة يضع الحديث، ثم قال: قال حجّاج: قال لى أبو بكر السبرى: عندى سبعون ألف حديث في الحلال والحرام، قال أبى: وليس حديثه بشيء، كان يكذب ويضع الحديث۔

وقال ابن أبى حاتم: حدثنا صالح بن أحمد بن حنبل قال أبى: ابن أبى سبرة يضع الحديث، وقال ابن عدىّ: عامة ما يرويه غير محفوظ، وهو من جملة من يضع الحديث۔

وقال أبو حاتم بن حبان البستى (ص ۱۴۷/۳): كان ممّن يروى الموضوعات عن الأثبات، لَا يحلّ كتابة حديثه ولَا الِاحتجاج به بحال، و كذا قال السمعانى في أنسابه تبعاً لِابن حبّان من غير تصريح باسمه كما هو عادته في الأنساب ينقل كثيراً كلام ابن حبان ولَا ينسب إليه، وقال الحاكم أبو عبد الله: يروى الموضوعات عن الأثبات، وقال الذهبى في المغنى: كذّبه ابن حنبل، وقال في كنىٰ المغنى: تركوه، وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: رموه بالوضع، وقال مصعب الزبيرى كان عالماً، اھ۔

موصوف کے متعلق محدثین ناقدین کے زبان وقلم سے بارہ الفاظ نکلے ہیں،

(۱) لين الحديث، قاله البزار۔

(۲) ليس بالقوى عندهم، قاله أبو أحمد الحاكم۔

(۳) يضعّف حديثه، قاله الجوزجاني۔

(۴) غيره أوثق منه، قاله الحربى۔

(۵) ضعيف الحديث، قاله ابن المدينى و ابن معين والبخارى۔

(۶) ليس بشىء، قاله ابن معين، ليس هو بشىء ، ليس حديثه بشىء، قالهما أحمد۔

یہ تینوں کلمات متقارب بلکہ اول دونوں تو ایک ہی ہیں، فرق یہ ہے کہ ایک میں ضمیر مظہر کا ذکر ہے اور دوسرے میں نہیں، اور تیسرا پہلے دونوں کے معنی میں ہے اس لئے کہ کسی کی حدیث کا بے اعتبار ہونا خود اسکے بے اعتبار ہونے کی دلیل ہے، اس لئے تینوں کلمات ایک ہی درجہ میں رکھے گئے۔

(۷) منكر الحديث، قاله على بن المدينى والبخارى۔

(۸) متروك الحديث، قاله النسائى وعبد الحق۔

(۹) لَا تحلّ كتابة حديثه۔

(۱۰) ولَا الاِحتجاج به، قالهما ابن حبان۔

(۱۱) كان يكذب، قاله الإمام أحمد۔

(۱۲) يضع الحديث، قاله أحمد، ونحوه قول ابن عدى هو فى جملة من يضع الحديث، وقول ابن حبان والحاكم يروى الموضوعات عن الأثبات۔

راوی مذکور کی روایت کا مقام تو اسکے متعلق ناقدین کے الفاظِ مذکورہ سے خود متعین ہو جاتا ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ حضراتِ محدثین نے جرح وتعدیل کے الفاظ کی شدت وخفت کے پیش نظر ان کے مختلف درجات ومراتب متعین کئے ہیں،

مراتبِ جرح

یہاں جرح کے درجات ذکر کئے جاتے ہیں:

ابن ابی حاتم (ص ۱/۳۷ ق۱) اور ان کے اتباع میں حافظ ابن صلاح (ص۱۵۹) اور امام نووی (ص ۳۴۵) نے چار مراتب ذکر کئے ہیں، اور حافظ ذہبی نے **مقدمة ميزان الاِعتدال** (ص ۱/۴) اور حافظ عراقی نے الفیہ اور اسکی شرح **التبصرة والتذكرة** (ص ۱/۱۱) اور مقدمۂ ابن صلاح کی شرح **التقييد والاِيضاح** مین پانچ مراتب، اور حافظ سخاوی نے الفیۂ عراقی کی شرح **فتح المغيث** (ص ۱/۳۴۳) اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری نے **فتح الباقى** (ص ۲/۱۰) میں چھ مراتب ذکر کئے ہیں، سخاوی نے (ص ۳۴۷) حافظ ذہبی کی بعض دیگر تالیفات سے چھ ہی مراتب نقل کئے ہیں، حافظ ابن حجر نے ایک درجہ کا اضافہ کیا جو مذکورہ بالا حضرات نے ذکر نہیں کیا

ہے اس کو لے لیا جائے تو سات مراتب ہو جاتے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

پھر ابن ابی حاتم، ابن صلاح اور نووی نے ترتیبِ عروجی رکھی ہے اور ادنی سے اعلی کی طرف چلے ہیں، حافظ عراقی نے التقیید میں تو اسی پر عمل کیا ہے، لیکن الفیہ اور اسکی شرح میں ترتیبِ نزولی رکھی ہے اور اعلی سے ادنی کی طرف چلے ہیں، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی پر عمل کیا ہے۔

مناب معلوم ہوتا ہے کہ ترتیبِ عروجی کے مطابق ان مراتب کو مختصر طور پر یہاں ذکر کر دیا جائے تا کہ بصیرت میں اضافہ ہو۔

مرتبۂ اولٰی تعدیل کے قریب تر جرح کے سب سے نرم الفاظ جیسے **لیّن الحديث، قال ابن أبی حاتم (ص۳۷) إذا أجابوا فی الرجل بليّن فهو ممن يُكتب حديثه وينظر فيه اعتباراً، وقال حمزة السهمی لأبی الحسن الدارقطنی: إذا قلت: 'فلان ليّن' أيش تريد به؟ قال: لَا يكون ساقطاً متروک الحديث، ولكن يكون مجروحاً بشئی لَا يسقط عن العدالة۔**

حافظ عراقی نے اس مرتبہ میں **التبصرة والتذكرة** (ص۲/۱۲) میں متعدد الفاظ ذکر کئے ہیں جیسے **فلان ضُعِّف، فی حديثه ضعف، فيه مقال، ليس بعمدة، ليس بحجّة، ليس بالمتين، وغيره**، حافظ ذہبی نے اپنی بعض تالیفات میں اور سخاوی نے شرح الالفیہ (ص۳۴۶) میں اسی میں **غيره أوثق منه** کو لیا ہے، حافظ ذہبی نے **يُضعّف، فيه ضعف، لَا يحتجّ به** کو بھی اس میں ذکر کیا ہے، اور ذہبی نے میزان میں اور عراقی نے الفیہ اور شرح الفیہ میں **ليس بالقوی** بھی اسی درجہ میں شمار کیا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے۔

مرتبۂ ثانیہ پہلے سے شدید ہے جیسے **ليس بالقویّ، قال ابن أبی حاتم وتبعه ابن الصلاح (ص۱۶۰) والنووی: إذا قالوا: ليس بالقویّ فهو بمنزلة الأولیٰ فی كتبة حديثه إلّا أنه دونه،**

قال السيوطی فی التدريب (ص۳۴۶) فهی أشدّ فی الضعف، وقال: يُكتب حديثه، ای للاعتبار، قال الدار قطنی فی سعيد بن يحيیٰ بن أبی سفيان الحميری الذی أخرج له البخاری حديثاً واحداً فی التفسير: وكذا روی له الترمذی حديثاً واحداً، كان متوسط الحال وليس بالقوی۔

مرتبۂ ثالثہ ثانیہ سے اشد ہے جیسے **مضطرب الحديث، واهٍ، ضعّفوه**، ابن ابی حاتم اور ان کے متبعین

نے اسی مرتبہ میں ضعیف الحدیث کوذکرکیا ہے، قال ابن أبی حاتم: إذا قالوا: ضعیف الحدیث فهو دون الثانی، لَا یُطرح حدیثه بل یعتبر به، حافظ عراقی نے اسی مرتبہ میں فلان منکر الحدیث، أو لَا یحتجّ به، کوبھی ذکر کیا ہے، الفیّہ کے شارحین علامہ سخاوی، شیخ الاسلام زکریا الانصاری اور شارح تقریب علامہ سیوطی (ص۳۴۶) نے ان کی موافقت کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ منکر الحدیث ضعیف سے اشد ہے، یہی بندہ کا بھی خیال ہے۔

مرتبۂ رابعہ ثالثہ سے اشد ہے جیسے ضعیف جداً، واہٍ بمرّة، ردّ حدیثه، ردّوا حدیثه، مطرح، مطرح الحدیث، حافظ عراقی نے شرح الفیّہ اور علامہ سیوطی نے اسی میں لیس بشئی کوذکرکیا ہے، حافظ سخاوی (ص۳۴۵ج۱) کہتے ہیں وهو المعتمد، سخاوی نے اسی درجہ میں لَا یکتب حدیثه، ولَا یحلّ کتبة حدیثه، ولَا تحلّ الروایة عنه کوذکرکیا ہے۔

مرتبۂ خامسہ درجاتِ سابقہ سے اشد ہے جیسے متّهم بالکذب، ذاهب الحدیث، هالک، لیس بثقة، وغیره، عراقی اوران کے متبعین نے اسی درجہ میں متروک الحدیث بھی شمارکیا ہے،

وأخرج ابن أبی حاتم (ص۱۳۱/۱) والرامهرمزی فی المحدث الفاصل (ص۴۱۰) والحاکم فی علوم الحدیث (ص۷۷) والخطیب فی الکفایة (ص۱۹۳) عن عبد الرحمٰن بن مهدی قال: قیل لشعبة: متیٰ یُترک حدیث الرجل؟ قال: إذا حدّث عن المعروفین ما لَا یعرفه المعروفون فأکثرَ، وإذا أکثر الغلط، وإذا اتّهم بالکذب، وإذا روی حدیثاً غلطاً مجتمعاً علیه فلم یتّهم نفسه فیترکه، طرح حدیثه، وما کان غیر ذالک فارو عنه۔

وقال یعقوب بن سفیان فی تاریخه (ص۱۹۱/۲): ومن طریقه أخرجه الخطیب فی الکفایة (ص۱۴۶) وابن الصلاح فی علوم الحدیث (ص۱۶۰): سمعت أحمد بن صالح وذکر مسلمة بن علی قال: لَا یترک حدیث رجل حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه، قد یقال: فلان ضعیف، قال: فأمّا أن نقول فلان متروک فلا، الّا أن یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه۔

وقال الرامهرمزی (ص۴۰۶) حدثنا الساجی ثنا أبو موسی قال سمعت عبد الرحمٰن بن مهدی یقول: المحدثون ثلٰثة، رجل حافظ متقن فهذا لَا یختلف فیه، وآخر یوهم والغالب علی حدیثه الصحّة فهذا لَا یُترک حدیثه، والآخر موهم والغالب علی حدیثه الوهم، فهذا متروک

الحدیث، وقال ابن حبان: من غلب خطأه علی صوابه استحقّ الترک (تہذیب ۳۹۸/۶)۔

مرتبۂ سادسہ خامسہ سے اشد ہے جیسے کـذّاب، وضّاع، دجّال، یضع الحدیث، یکذب، وضع حدیثاً۔

مرتبۂ سابعہ سب سے اشد ہے جیسے أکـذب الـناس، إلیه المنتهیٰ فی الوضع، رکن من أرکان الکذب۔

قـال الـحـافظ ابن حجر فی نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر (ص ۱۵۴) للجرح مراتب، أسـوأهـا الـوصف بما دلّ علی المبالغة فیه، وأصرح ذالک التعبیر بأفعل کأکذب الناس وکذا قـولهـم الیـه المنتهیٰ فی الوضع أو هو رکن الکذب ونحو ذلک، انتهی۔ یہ آخری درجہ حافظ ابن حجر نے اضافہ کیا ہے اوران کے تلامذہ علامہ سخاوی، شیخ الاسلام زکریا الانصاری نے ان کا اتباع کیا ہے، پھران حضرات نے پہلے اوردوسرے مرتبہ کے الفاظ کوایک ہی درجہ میں رکھا ہے، اس لئے ان کے یہاں چھ مراتب ہوتے ہیں، اسی لئے سخاوی، زین زکریا نے چھ ہی مراتب لکھے ہیں، اورابن ابی حاتم نے الگ الگ شمار کیا ہے، یہاں انہیں کا اتباع کیا گیا ہے اس لئے سات مراتب ہوگئے۔

مراتبِ ثلثہ اُولیٰ (جوعراقی وغیرہ کےنزدیک ہیں) کی روایات متابعات وشواہد میں معتبر ہوں گی کما صرّح به ابن أبی حاتم وابن الصلاح والنووی والعراقی والسخاوی والزین زکریا والسیوطی وغیرهم۔

(فـائده) قـال ابـن حـجـر فـی شرح النخبة (ص ۲۶): اعـلـم أن تتبّـع الـطرق من الجوامع والـمسانید والأجزاء لذالک الحدیث الذی یظنّ أنه فرد لیُعلم هل له متابع ام لَا؟ هو الاِعتبار، وقول ابن الصلاح معرفة الاِعتبار والمتابعات والشواهد قد یوهم أن الاِعتبار قسیم لهما ولیس کذالک، بل هو هیئة التوصّل إلیهما، انتهیٰ۔

باقی مراتب اربعہ اخیرہ کی روایات کاکسی درجہ میں اعتبار نہیں ہے، نہ استدلال ہی کیا جاسکتا ہے اورنہ تائید وتقویت ہی حاصل کی جاسکتی ہے، حافظ عراقی مرتبۂ رابعہ وخامسہ وسادسہ کے متعلق لکھتے ہیں (ص ۱۱/۲) کـلّ من قیل فیه ذالک من هذه المراتب الثلاث لَا یحتجّ بحدیثه ولَا یستشهد به ولَا یعتبر به، اھ۔

یہی حکم مرتبہ سابعہ کا بھی ہوگا اس لئے کہ وہ سب سے اشد ہے، لہٰذا چاروں مرتبوں کا ایک ہی حکم ہوگا، وقـــــد صرّح به العلامة السخاوی (ص ۳۴۶/۱) وشیخ الاِسلام زکریا الأنصاری (ص ۱۲/۳)۔

اقسامِ ناقدین

اسی طرح ناقدینِ رجال بھی مختلف اقسام کے ہیں، بعض متشدد اور بعض نرم اور بعض معتدل ہیں، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، نسائی، ابن حبان متشددین میں شمار کئے جاتے ہیں اور جوزجانی اہل کوفہ کے بارے میں متشدد ہیں۔

یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے تعنت وتشدد کی حافظ ابن حجر نے مقدمۂ فتح الباری میں تصریح کی ہے، اور نسائی، ابن حبان کے تشدد کو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے، ابراہیم جوزجانی کا تشدد اہل کوفہ کے بارے میں مشہور ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کئی جگہ اس پر تنبیہ کی ہے، ایک جگہ تو صاف لکھ دیا ہے

أما الجوزجانی فلا عبرة بحطّه علی الکوفیین، انتهی ۔

ترمذی وحاکم متساہل شمار کئے جاتے ہیں اور امام احمد وغیرہ معتدل،

قال السخاوی (ص ۳/۳۲۵): قد قسّم الذهبی من تکلّم فی الرجال أقساماً:

فقسم تکلّموا فی سائر الرواة کابن معین وأبی حاتم،

وقسم تکلموا فی کثیر من الرواة کمالک وشعبة،

وقسم تکلموا فی الرجل بعد الرجل کابن عیینة والشافعی۔

قال: والکلّ علی ثلاثة أقسام أیضاً:

قسم منهم متعنّت فی التجریح متثبّت فی التعدیل، یغمز الراوی بالغلطتین والثلاث، فهذا إذا وثّق شخصاً فعضّ علی قوله بنواجذک وتمسّک بتوثیقه، وإذا ضعّف رجلاً فانظر هل وافقه غیره علی تضعیفه؟ فإن وافقه ولم یوثق ذالک الرجل أحد من الحذّاق فهو ضعیف، وإن وثّقه أحد فهذا هوالذی قالوا لَا یُقبل فیه الجرح إلّا مفسّراً، یعنی لَا یکفی فیه قول ابن معین مثلاً هو ضعیف ولم یبیّن سبب ضعفه، ثم یجیئ البخاری وغیره یوثقه، ومثل هذا یختلف فی تصحیح حدیثه وتضعیفه،

وقسم منهم متسامح کالترمذی والحاکم،

وقسم معتدل کأحمد والدارقطنی وابن عدی، انتهی ۔

راوی ابن أبی سبرہ

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کے راوی ابن ابی سبرہ کے اندر ساتویں مرتبہ کے علاوہ باقی سارے مراتبِ جرح پائے جاتے ہیں، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس راوی پر متشددین نے کلام کیا ہے، اس لئے کہ تینوں قسم کے ناقدین نے کلام کیا ہے اور کذب، وضع کا الزام متشدد و متساہل و معتدل سبھی قسم کے لوگوں نے لگایا ہے،

نیز متشددین کا کلام وہاں محلِ غور ہوتا ہے جہاں کوئی دوسرا ناقدِ فن مخالفت کرے، اور اگر موافقت کرے پھر تو نقد اور قوی ہو جاتا ہے اور جس راوی پر کذب و وضع کا الزام لگایا گیا ہو اس کی روایت نا قابلِ اعتبار ہوگی اور عمل کے لائق نہیں ہوگی، کیونکہ بابِ عمل میں کسی حدیث کے مقبول ہونے کی چھ شرائط ہیں

۱۔ اتصال السند، ۲۔ والعدالة، ۳۔ والضبط، ۴۔ نفی الشذوذ، ۵۔ نفی العلة القادحة، ۶۔العاضد عند الاِحتجاج إليه، كما فی شرح الألفية للعلامة السخاوی (ص ۹۳/ ۱) والزين زكريا الأنصاری (ص ۱۱۲/ ۱)۔

اس روایت میں عدالت بھی مفقود ہے اور کوئی عاضد یعنی مقوی و مؤید تابع یا شاہد بھی نہیں ہے، اس لئے کہ **إحياء ليلة النصف من شعبان** کے متعلق اگر چہ بعض روایتیں ملتی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے لیکن صوم نصفِ شعبان کی اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں ہے، ایک روایت آگے آرہی ہے جس میں صوم کا ذکر ہے لیکن وہ موضوع ہے، اور علتِ قادحہ بھی موجود ہے کہ اس کا راوی بالاتفاق مجروح ہے اور ائمۂ فن نے اس پر شدید جرح کی ہے، کذب اور وضعِ حدیث کا الزام لگایا ہے، اور جس حدیث کا راوی کاذب ہو متہم بالوضع ہو وہ موضوع کہلاتی ہے،

حافظ ابن حجر طعن فی الراوی کے اسبابِ عشرہ لکھتے ہوئے **شرح النخبة** (ص ۸۰) میں لکھتے ہیں:

فالطعن بكذب الراوی فی الحديث النبوی هو الموضوع، والحكم عليه بالوضع إنما هو بطريق الظنّ الغالب لَا بالقطع، إذ قد يصدق الكذوب، لكن لأهل العلم بالحديث ملكة قوية يميّزون بها ذلک، وإنما يقوم بذالک منهم من يكون اطلاعه تامّا، وذهنه ثاقباً، وفهمه قوياً، ومعرفته بالقرائن الدالّة علی ذالک متمكنة، اھ۔

اب نتیجہ کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ یہ روایت اگر چہ قطعی طور پر موضوع نہ کہی جا سکے لیکن بطریقِ ظنّ غالب اس کو موضوع کہا جا سکتا ہے، اور موضوع روایت سے بالاجماع کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا ہے،

اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے جیسا کہ منذری، عراقی، بوصیری کی رائے ہے تو بھی یہ حدیث نا قابل عمل ہے، اس لئے کہ حدیثِ ضعیف اگر چہ بابِ فضائل میں جمہور علماء نے معتبر مانی ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا

ضعف شدید نہ ہو، مثلاً اس کا راوی کذّاب یا متّہم بالکذب، فاحش الغلط نہ ہو، اس کے علاوہ اور بھی بعض شرائط ہیں جو آگے آرہے ہیں، اور یہ حدیث شدید الضعف ہے۔

ایک اور روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے لیکن وہ بھی غیر معتبر ہے،

قال ابن الجوزی فی كتاب الموضوعات (ص ١٢٩/٢): أنبأنا إبراهيم بن محمد الأزجی قال أنبأنا الحسين بن إبراهيم أنبأنا أبو الحسين علی بن الحسن بن محمد الكرجی حدثنا أبو عبد الله الحسين بن علی بن محمد الخطيب أنبأنا الحاكم أبو القاسم عبد الله بن أحمد الحسكانی حدثنی أبو القاسم عبد الخالق بن علی المؤذن حدثنا أبو جعفر محمد بن بسطام القومسی حدثنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن جابر حدثنا أحمد بن عبد الكريم حدثنا خالد الحمصی عن عثمان بن سعيد بن كثير عن محمد بن المهاجر عن الحكم بن عتيبة عن إبراهيم قال قال علی بن أبی طالبؓ: "رأيت رسول الله ﷺ ليلة النصف من شعبان قام فصلّی أربع عشرة ركعة، ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأمّ القرآن أربع عشرة مرّة، و﴿قُل هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ أربع عشرة مرّة، و﴿قُل أَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ﴾ أربع عشرة مرّة، و﴿قُل أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ أربع عشرة مرّة، وآية الكرسی مرّة، و﴿لَقَد جَاءَكُم رَسُولٌ﴾ الآية، فلما فرغ من صلوته سألته عمّا رأيت من صنيعه؟ فقال: من صنع مثل الذی رأيت كان له كعشرين حجّة مبرورة، وكصيام عشرين سنة مقبولة، فإن أصبح فی ذلك اليوم صائماً كان له كصيام سنتين: سنة ماضية، وسنة مستقبلة"۔

قال ابن الجوزی (ص ١٣٠/٢): هذا موضوع أيضاً وإسناده مظلم وكأن واضعه يكتب من الأسماء ما وقع له، ويذكر قوماً ما يعرفون، وفی الإسناد محمد بن المهاجر، قال ابن حنبل: يضع الحديث، انتهی۔

قال السيوطی فی اللآلی (ص ٦٠/٢): أخرجه البيهقی فی الشعب أنبأنا عبد الخالق به، وقال: يشبه أن يكون هذا الحديث موضوعاً، وهو منكر، وفی رواته قبل عثمان بن أبی سعيد مجهولون، انتهی۔ قلت: والحسين بن إبراهيم شيخ شيخ ابن الجوزی هو الجوزقانی أورد هذا الحديث فی كتاب الأباطيل،

فهٰؤلاء ثلاثة من الأئمة اتّفقوا علی كون هذا الحديث موضوعاً، وقد تبعهم السيوطی فی

اللآلی وغیره من كتبه وابن عراق فی تنزيه الشريعة (ص ۹۴/۲) والزبيدی فی إتحاف السادة (ص ۴۲٦/۳)۔

ماہِ شعبان کے روزے

پندرھویں تاریخ سے قطع نظر مطلقاً شعبان کے روزے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں،

فأخرج الإمام أحمد (ص۱۰۷ و۱۵۳ و۲۴۲/٦) والبخاری (ص۲٦۴) ومسلم (ص۳٦۵/۱) وأبوداود (ص۳۸۳/۳ بذل) والنسائی (ص ۳۲۱/۱) عن عائشةؓ قالت: ”ما رأيت رسول الله ﷺ استكمل صيام شهر إلّا رمضان، وما رأيتهُ أكثر صياماً منه فی شعبان“۔

وأخرج أحمد (ص۸۴ و۱۲۸ و۱۸۹/٦) والبخاری (ص ۲٦۴) ومسلم عنها قالت: ”لم يكن رسول الله ﷺ يصوم شهراً أكثر من شعبان، فإنه كان يصوم شعبان كلّه“، وأخرج أحمد (ص۱۸۸/٦) وأبوداود (ص ۳۸۲/۳) والنسائی (ص ۳۲۱/۱)عن عائشةؓ قالت: ”كان أحبّ الشهور إلی رسول الله ﷺ أن يصومه شعبان، ثم يصله برمضان“، وإسناده حسن۔

وأخرج النسائی (ص ۳۲۲/۱) عن عائشةؓ قالت: ”لم يكن رسول الله ﷺ صام شهراً أكثر منه شعبان، كان يصومه أو عامّته“۔

وأخرج أيضا عن عائشةؓ قالت: ”إن رسول الله ﷺ كان يصوم شعبان كلّه“۔

وأخرج ابن ماجه (ص۱۲۰) عن ربيعة بن الغاز أنه سأل عائشةؓ عن صيام رسول الله ﷺ، فقالت: ”كان يصوم شعبان كلّه حتی يصله برمضان“۔

وأخرج الترمذی (ص۹۲/۱) والنسائی (ص ۳۲۱/۱) وأحمد (ص۳۰۰/٦) عن أم سلمةؓ قالت: ”ما رأيت النبی ﷺ يصوم شهرين متتابعين الّا شعبان ورمضان“، قال الترمذی هذا حديث حسن۔

وأخرج أبو يعلیٰ عن عائشةؓ ”أن النبی ﷺ كان يصوم شعبان كلّه، قلت: يا رسول الله! أحبّ الشهور إليک أن تصومه شعبان؟ قال: إن الله يكتب فيه كل نفس ميتة تلک السنة فأحبّ أن يأتينی أجلی وأنا صائم“، قال المنذری (ص۱۱۷/۲): وهو غريب وإسناده حسن،

وقال الهيثمى (ص۳/۱۹۲): فيه مسلم بن خالد الزنجى وفيه كلام، وقد وثّق۔

وأخرج ابن أبى شيبة (ص۳/۱۰۳) وأحمد (ص۵/۲۰۱) والنسائى (ص۱/۳۲۲) وكذا ابن زنجويه وأبو يعلىٰ وابن أبى عاصم والباوردى كما فى منتخب الكنز (ص۳/۳۶۲) والكنز (ص۸/۴۱۰) عن أسامة بن زيدؓ قال: ”قلت يا رسول الله! لم أرک تصوم شهرا من الشهور ما تصوم من شعبان؟ قال: ذلک شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان، وهو شهر ترفع فيه الأعمال إلى ربّ العلمين فأحبّ أن يرفع عملى وأنا صائم“۔

وأخرج أحمد (ص۳/۲۳۰) عن انسؓ قال: ”كان رسول الله ﷺ يصوم فلا يفطر حتى نقول ما فى نفس رسول الله ﷺ أن يفطر العام، ثم يفطر فلا يصوم، حتى نقول ما فى نفسه أن يصوم العام، وكان أحبّ الصوم إليه فى شعبان“۔

اور بھی اس کے علاوہ دوسری روایات وارد ہوئی ہیں۔

ليلة النصف من شعبان کی فضیلت اور احیاء اور بعض مخصوص صلوات کا بیان اخیر میں آ رہا ہے۔

(۲) سوال کا جزء ثانی یہ ہے کہ

ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ساری احادیث کا دارومدار سند پر ہے، بلا سند کسی حدیث کا اعتبار نہیں،

قال ابن سيرين: إن هذا العلم دين فانظروا عمّن تأخذون دينكم، رواه مسلم فى المقدمة والخطيب فى الكفاية، وقال فى رواية: إنما هذه الأحاديث دين فانظروا عمّن تأخذونها، رواه ابن أبى حاتم فى الجرح والتعديل (ص۱۵)۔

وقال عبد الله بن المبارک: الإسناد من الدين ولولَا الإسناد لقال من شاء ما شاء، رواه مسلم فى المقدمة وابن أبى حاتم (ص۱۶) وابن حبان فى مقدمة الضعفاء (ص۱/۲۶) والحاكم فى علوم الحديث (ص۸)۔

وعن ابن المبارک: طلب الإسناد المتصل من الدين، رواه الخطيب فى الكفاية

(ص ۵۲۴)، وعن ابن المبارک أيضاً: مثل الذى يطلب أمر دينه بلا إسناد كمثل الذى يرتقى السطح بلا سلّم، رواه الخطيب فى الكفاية (ص ۵۲۵) وشرف أصحاب الحديث (ص ۴۲).

وقال عبد الصمد بن حسان سمعت سفيان الثورى يقول: الإسناد سلاح المؤمن، فإذا لم يكن معه سلاح فبأى شئى يقاتل؟ رواه ابن حبان فى مقدمة الضعفاء (ص۲۷/۱) والخطيب فى شرف أصحاب الحديث (ص ۴۲).

وقال على بن المدينى قال أبو سعيد الحداد: الاِسناد مثل الدرج ومثل المراقى، فإذا زلّت رِجلک عن المرقاة سقطت، والرأى مثل المرج، رواه الخطيب فى الكفاية (ص ۵۲۶) وشرف أصحاب الحديث (۴۲)، ورواه ابن حبان فى مقدمة الضعفاء (ص ۲۶) عن قتيبة بن سعيد قال: سمعت أبا سعيد الحداد: الحديث درج والرأى مرج، فإذا كنت فى المرج فاذهب كيف شئت، وإذا كنت فى درج فانظر أن لَا تزلق فيندقّ عنقک.

وقال يعقوب بن محمد بن عيسى: كان ابن شهاب إذا حدّث أتىٰ بالاِسناد، ويقول لَا يصلح أن يرقى السطح إلّا بدرجة، رواه ابن أبى حاتم فى الجرح والتعديل (ص۱۶/۱).

وقال هلال بن العلاء سمعت أبى يقول: حمل أصحاب الحديث على ابن عيينة يوماً فصعد فوق غرفة فقال له أخوه تريد أن يتفرقوا عنک؟ حدّثهم بلا إسناد، فقال: أنظروا إلى هذا يأمرنى أن أصعد فوق البيت بغير درجة، قال صالح بن أحمد الحافظ: يعنى أن الحديث بلا إسناد ليس بشئى، وأن الاِسناد درج المتون به يوصل اليها، رواه الخطيب فى الكفاية (ص ۵۲۵).

وعن مطر الوراق فى قوله عزوجل ﴿أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ﴾ قال: إسناد الحديث، رواه الرامهرمزى فى المحدث الفاصل (ص ۲۱۰) والخطيب فى شرف أصحاب الحديث (ص ۳۹).

وقال الشافعى: مثل الذى يطلب الحديث بلا إسناد كمثل حاطب ليل، كذا نقله السخاوى فى شرح الألفية (ص ۵/۳).

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے آثار ہیں جو مذکورہ بالا حضرات اور دوسروں نے خاص طور سے زرقانی نے شرح المواہب (ص ۳۹۳/۵) میں نقل کئے ہیں جن سے اسناد کا حدیث کے معتبر ہونے کے لئے شرط ہونا معلوم

ہوتا ہے،

اور اسناد کی علوم نبویہ اسلامیہ کے تعلیم وتعلم میں محتاج الیہ ہونے پر حضور اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی روشنی پڑتی ہے،

قال النبی ﷺ: "أکرموا أصحابی فإنهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم، ثم یظهر الکذب حتّی أن الرجل لیحلف ولَا یستحلف، ویشهد ولَا یستشهد"، الحدیث، رواه أحمد (ص۱۸ ج۱) والحمیدی (ص۲۰ ج۱) والشافعی (ص۴۲۴) وأبوداود الطیالسی (ص۷) والترمذی (ص۳۹/۲) والحاکم (ص۱۱۴/۱) عن عمر بن الخطابؓ، وصحّحه الحاکم علی شرط الشیخین وأقرّه الذهبی، وهذا لفظ الحمیدی والشافعی، ولفظ أحمد والترمذی والحاکم "ثم یفشو الکذب".

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علم سلف سے خلف لیں گے اور صدق وسچائی کے ساتھ نقل کریں گے، لیکن یہ تبع تابعین تک رہے گا پھر دروغ گوئی اور غلط بیانی کی کثرت ہوجائے گی، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

وقال رسول الله ﷺ: "یکون فی آخر الزمان دجّالون کذّابون یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا أنتم ولَا آباؤکم، فإیّاکم وإیّاهم، لَا یضلّونکم ولَا یفتنونکم"،

وقال ﷺ: "سیکون فی آخر أمتی أناس یحدّثونکم بما لم تسمعوا أنتم ولَا آباؤکم، فإیّاکم وإیّاهم"، رواهما مسلم فی المقدمة (ص۹ و۱۰) عن أبی هریرةؓ، والأخیر أخرجه الحاکم (ص۱۰۳) وقال: ذکره مسلم فی خطبة الکتاب ولم یخرجه فی أبواب الکتاب وهو صحیح علی شرطهما ولَا أعلم له علّة.

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ خلف سلف سے نقل کریں ورنہ سماع من الآباء کے ذکر کا کیا فائدہ؟

ایک حدیث میں تو سماع مسلسل کی تصریح واقع ہوئی **قال النبی ﷺ: "تَسمعون ویُسمع منکم ویُسمع ممّن یَسمع منکم"، رواه أحمد و أبوداود (ص۳۲۶/۴) وابن حبان (ص۱۵۱/۱) والحاکم والخطیب فی شرف أصحاب الحدیث (ص۳۸) عن ابن عباسؓ وصحّحه ابن حبان والحاکم وأقرّه الذهبی، وقال العلائی: حسن.**

معلوم ہوا کہ نقل احادیث کا ضابطہ یہ ہے کہ مابعد والے ماقبل والوں سے بالسماع نقل کریں اور متقدمین متاخرین سے بیان کریں،

وقال المناوی فی فیض القدیر (ص۲۴۵/۳): وقد امتثلت الصحابة أمره ولم یزل ینقل عنه أقواله وأفعاله، وتلقّی ذالک عنهم التابعون ونقلوه إلی أتباعهم، واستمرّ العمل علی ذالک فی کل عصر إلی الآن، انتهی۔

پھر نقل بالاسناد کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کسی ایسے معتمد کتاب سے حدیث نقل کیجائے جس کے مصنف نے اپنی سند سے اسکی حدیثوں کو روایت کیا ہو جیسے صحاح ستہ ومسانید ومعاجم وغیرہ، دوسرے یہ کہ اپنی سند سے روایت کرے، بعض متاخرین علماء نے اسکو ضروری قرار دیا ہے مگر محققین نے اسکو رد کیا ہے اور صورت اولی کو کافی قرار دیا ہے،

حافظ سیوطی تدریب (ص۱۵۱/۱) میں لکھتے ہیں: **قال الکیا الطبری فی تعلیقه: من وجد حدیثاً فی کتاب صحیح جاز له أن یرویه ویحتجّ به، وقال قوم من أصحاب الحدیث: لَا یجوز له أن یرویه، لأنه لم یسمعه، وهذا غلط، وکذا حکاه إمام الحرمین فی البرهان عن بعض المحدثین، وقال: هم عصبة لَا مبالَاة بهم فی حقائق الأصول، یعنی المقتصرین علی السماع لَا أئمة الحدیث، انتهی۔**

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نقلِ حدیث کے لئے اسکا منقول بالسند ہونا ضروری ہے، لیکن مضامین کے اعتبار سے اسانید میں تفصیل ہے، بعض جگہ نہایت مضبوط سند مطلوب ہوتی ہے اور بعض جگہ کمزور سند پر بھی اکتفا کرلیا جاتا ہے، عقائد واحکام سے اگر تعلق ہے تو صحیح وقوی سند درکار ہے، اور اگر فضائل ومناقب، ترغیب وترہیب، تفسیر وتاریخ سے تعلق ہے تو ضعیف روایت بھی چند شرائط کے پائے جانے کی صورت میں کافی ہوجائے گی،

قال الإمام أحمد: إذا روینا عن رسول الله ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والاَحکام تشدّدنا فی الأسانید، وإذا روینا عن النبی ﷺ فی فضائل الأعمال وما لَا یضع حکما ولَا یرفعه تساهلنا فی الأسانید، أخرجه الخطیب فی الکفایة (ص۱۷۷)،

وقال عبد الرحمٰن بن مهدی: إذا روینا عن النبی ﷺ فی الحلال والحرام والأحکام شدّدنا فی الأسانید وانتقدنا الرجال، وإذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب تساهلنا فی الأسانید وتسامحنا فی الرجال، أخرجه الحاکم فی المستدرک (ص۴۹۰/۱) والبیهقی فی المدخل

(ص۳۳/ ۱) وزاد الحاكم بعد العقاب ’والمباحات والدعوات‘۔

وقال ابن أبی حاتم (ص۳۰/ ۱): حدثنی أبی نا عبدة يعنی ابن سليمان قال: قيل لِابن المبارک: وروی رجل حديثا فقيل: هذا رجل ضعيف، فقال: يحتمل أن يروی عنه هذا القدر أو مثل هذه الأشياء، قلت لعبدة: مثل أی شئ كان؟ قال: فی أدب، فی موعظة، فی زهد أو نحو هذا۔

وقال الحافظ ابن حجر فی تهذيب التهذيب فی ترجمة بكر بن خنيس: قال ابن أبی مريم عن يحیٰ بن معين، صالح لَا بأس به، إلّا أنه يروی عن ضعفاء ويُكتب من حديثه الرقاق،

قال ابن الصلاح فی علوم الحديث له (ص۹۳): يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فی الأسانيد ورواية ما سوی الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سویٰ صفات الله تعالی وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرهما، وذالک كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائر فنون الترغيب والترهيب وسائر ما لَا تعلق له بالأحكام والعقائد، وممّن روينا عنه التنصيص علی التساهل فی نحو ذالک عبد الرحمٰن بن مهدی وأحمد بن حنبل۔

وقال النووی فی التقريب: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فی الأسانيد ورواية ما سوی الموضوع من الضعيف والعمل به، من غير بيان ضعفه فی غير صفات الله تعالی والأحكام كالحلال والحرام وما لَا تعلق له بالعقائد والأحكام، انتهی۔

وقال فی مقدمة شرح المهذب (ص۵۹/ ۱): قال العلماء: والحديث ثلاثة أقسام، صحيح وحسن وضعيف، قالوا: وإنما يجوز الِاحتجاج من الحديث فی الأحكام بالحديث الصحيح او الحسن، فأما الضعيف فلا يجوز الِاحتجاج به فی الأحكام والعقائد، وتجوز روايته والعمل به فی غير الأحكام كالقصص وفضائل الأعمال والترغيب والترهيب۔

وقال فی الأذكار (ص۵) قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحبّ العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً، وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذٰلک فلا يعمل فيها الّا بالحديث الصحيح

أو الحسن إلّا أن يكون في احتياط في شئ من ذالک، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فانّ المستحبّ أن ينزّه عنه ولكن لَا يجب، انتهى۔

وقال السيوطى فى تحذير الخواص (ص ۷۴): قد أطبق علماء الحديث فجزموا بأنه لَا تحلّ رواية الموضوع فى أىّ معنى إلّا مقروناً ببيان وضعه، بخلاف الضعيف فإنه تجوز روايته فى غير العقائد والأحكام، ولمن جزم بذلک شيخ الإِسلام محى الدين النووى فى كتابيه الإِرشاد والتقريب وقاضى القضاة بدر الدين بن جماعه فى المنهل الروى والطيبى فى الخلاصة والشيخ سراج الدين البلقينى فى محاسن الاِصطلاح وحافظ عصره زين الدين أبو الفضل عبد الرحيم العراقى فى ألفيته وشرحها۔

وقال السيوطى أيضا فى طلوع الثريا (ص ۲/۱۹۱): الحديث الضعيف يتسامح به فى فضائل الأعمال، وقال فى الدرج المنيفة (ص۷): الحديث الضعيف يعمل به فى الفضائل والمناقب، وكذا قال فى التعظيم والمنّة (ص ۱) وفى المقامة السندسية (ص۵)۔

وقال على القارى فى المرقاة (ص ۲/۲۶): الحديث الضعيف يعمل به فى فضائل الأعمال، وقال فى موضع (ص ۲/۱۱۴): أجمعوا على جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال، وقال فى موضع آخر (ص ۲/۱۷۲): يعمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال باتفاق العلماء، اھ۔

یہ جوان حضرات نے تفصیل ذکرفرمائی کہ عقائدواحکام میں حدیثِ صحیح وحسن ضروری ہے اوراسکے ماسوامیں ضعیف بھی معتبر ہے اسی طرح سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن المبارک، ابوزکریا العنبری، ابن ابی حاتم، ابو عبداللہ الحاکم، ابن عدی، بیہقی، ابن عبدالبر، خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے، محقق ابن الہمام نے فتح القدیر (ص۱/۲۴۶) میں یہی لکھا ہے۔

لیکن ضعیف حدیث کے معتبر ہونے کیلئے علماء نے کچھ شرائط تحریر کئے ہیں، ایک شرط تو وہی ہے جو سبھی نے لکھی ہے یعنی عقائدواحکام سے تعلق نہ ہو، قال البدر الزركشى فى نكته على مختصر ابن الصلاح: أما الضعيف فيجوز بشروط،

أحدها أن لَا يكون فى الأحكام والعقائد، ذكره النووى فى الروضة والأذكار وغيرهما من

كتبه،

الثانی أن يكون له أصل شاهد لذالک، ذكره الشيخ تقی الدين بن دقيق العيد فی شرح الالمام،

الثالث أن لَا يعتقد ثبوته، كذا نقله السيوطی فی تحذير الخواص (ص٤٦)، وقال فی التدريب (ص٢٩٨ ج١): لم يذكر ابن الصلاح والمصنف يعنی النووی هنا ای فی التقريب وسائر كتبه لما ذكر سوی هذا الشرط، وهو كونه ای الضعيف فی الفضائل ونحوها۔

وذكر شيخ الإسلام يعنی الحافظ ابن حجر له ثلاثة شروط:

أحدها أن يكون الضعف غيرشديد، فيخرج من انفرد من الكذّابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، نقل العلائی الإتفاق عليه،

الثانی أن يندرج تحت أصل معمول به،

الثالث أن لَا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاِحتياط، قال وهٰذان ذكرهما ابن عبد السلام وابن دقيق العيد، وقيل لَا يجوز العمل به مطلقاً، وقيل يعمل به مطلقاً، انتهیٰ۔

وقال السخاوی فی القول البديع (ص٢٥٨): سمعت شيخنا -يعنی الحافظ ابن حجر- مراراً وكتب لی بخطه: أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذّابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، نقل العلائی الاِتفاق عليه، الثانی أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لَا يكون له أصل أصلاً، الثالث أن لَا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الی النبی ﷺ ما لم يقله، والأخيران ذكرهما ابن عبد السلام وصاحبه ابن دقيق العيد۔

قال السخاویؒ: وقد نقل عن الإمام أحمد أنه يعمل بالضعيف إذا لم يوجد فی الباب غيره ولم يكن ثمّ ما يعارضه، وفی رواية عنه: ضعيف الحديث أحبّ إلينا من رأی الرجال،

وكذا ذكر ابن حزم أن جميع الحنفية مجمعون علی أن مذهب أبی حنيفة: أن ضعيف الحديث أولی عنده من الرأی والقياس۔

فتحصل أن فی الضعيف ثلاثة مذاهب: لَا يُعمل به مطلقاً، ويُعمل به مطلقاً إذا لم يكن فی

الباب غيره، ثالثها وهو الذى عليه الجمهور يُعمل به فى الفضائل دون الأحكام، كما تقدم بشروطه، انتهىٰ.

شروط سے مراد وہی شروطِ ثلاثہ سابقہ ہیں جو حافظ ابن حجر کے حوالے سے گذر چکی ہیں۔

اور حافظ ابن حجر کے اتباع میں ان کے تلامذہ وغیرہ جیسے علامہ سخاوی، علامہ زکریا، اور علامہ سیوطی، شہاب الدین الخفاجی، شمس الدین الرملی، صاحب الدر المختار، علامہ جزائری وغیرہ سبھی نے ذکر کیا ہے،

لیکن یہاں دو امر قابلِ غور ہیں،

اول تو یہ کہ جمہور کا یہ کہنا کہ حدیث ضعیف کا احکام میں اعتبار نہیں ہے اور پھر اسی سے استحباب کا ثابت کرنا جو بذات خود ایک حکم ہے بظاہر تناقض ہے،

اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ فضیلت سے مراد فضل ہو، یعنی اصل حکم تو احادیث معتبرہ سے ثابت ہو اور اس کے فضائل ضعیف احادیث سے ثابت ہو جائیں، یہ جواب علامہ شہاب الدین الخفاجی نے شرح الشفاء (ص ۱/۴۳) میں ذکر کیا ہے۔

علامہ دوانی نے انموذج العلوم میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں وارد ہو اور وہ عمل حرمت وکراہت کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس پر عمل کر لینا مستحب ہے، اس لئے کہ اس میں نفع ہے خطرہ نہیں،

مگر علامہ خفاجی نے اسپر اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب سخاوی وغیرہ کی عبارتِ بالا سے جوڑ نہیں کھاتا ہے، دوسرا امر یہ ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام، ابن دقیق العید، حافظ ابن حجر اور ان کے متبعین کا یہ فرمانا کہ عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ اسکے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے بلکہ احتیاط کا قصد کرے علامہ شمس الدین الرملی وغیرہ نے اس شرط کو محلِ اشکال قرار دیا ہے، اشکال بظاہر یہ ہے کہ اگر ثبوت کا اعتقاد نہ ہو تو پھر عمل کیسا؟ کسی روایت کے مطابق عمل کرنا اس کے ثابت ماننے کی فرع ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ عمل جیسے ثبوت پر متفرع ہوتا ہے ایسے ہی احتمال ثبوت پر متفرع ہوسکتا ہے، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عمل کرلیا جائے، رہا عدمِ ثبوت کا احتمال تو وہ مضر نہیں ہے اس لئے کہ اگرچہ عدمِ ثبوت کی صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ جو چیز صاحب نبوت سے ثابت نہ ہو اس پر عمل کر لینا شریعت میں اضافہ کی ایک شکل ہے جو بدعت ہے، یہ مضر اسلئے نہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی یہ شرط لگادی ہے کہ وہ حدیثِ ضعیف کسی اصل عام کے تحت آتی ہو۔

حدیث موضوع کی بحث

یہاں تک تو احادیث صحیحہ وضعیفہ کے متعلق گفتگو تھی، اب موضوع حدیث کے متعلق کچھ سن لیجئے۔

موضوع یعنی جعلی روایات بنانا حرام ہے، کرامیہ اور بعض جاہل صوفیوں سے جو اس کا جواز نقل کیا جاتا ہے یہ ان کی جہالت ہے، وضعِ روایت بہرحال حرام ہے،

قال النبی ﷺ: ”من كذب علیّ متعمداً فليتبوّأ مقعده من النار“، رواه الشيخان، وهذا الحديث قد روى عن جماعة كثيرة تزيد على ثمانين نفسا، وأحاديثهم موجودة بل يبلغون المائة، اور احادیث موضوعہ کو نقل کرنا بھی ناجائز ہے، الا یہ کہ بیان کرتے وقت تصریح کر دے تو کوئی حرج نہیں ہے،

قال النبی ﷺ: ”من حدّث عنّی بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين“،

رواه مسلم فی المقدمة (ص ٦) والترمذی (ص ۱۹ ج ۲) وابن ماجه وابن حبان والبيهقی فی المدخل (ص ۳۲) عن المغيرة بن شعبةؓ، ومسلم فی المقدمة وابن ماجه وابن حبان والبيهقی فی المدخل عن سمرة بن جندبؓ، وابن ماجه عن علیؓ،

قال السندی فی حاشية ابن ماجه (ص ۱۰): قوله ”فهو أحد الكاذبين“، قال النووی: المشهور روايته بصيغة الجمع ای فهو واحد من جملة الواضعين، والمقصود أن الرواية مع العلم بوضع الحديث كوضعه، قالوا: هذا إذا لم يبيّن وضعه۔

وقد جاء بصيغة التثنية، والمقصود أن الراوی له يشارك الواضع فی الإثم، وقول السندی: أن الرواية مع العلم بوضع الحديث مبنی على رواية يرىٰ بفتح المثناة التحتية، وقد روی بضمّها ومعناها يظنّ، وكذا على رواية الفتح إذا كان مأخوذا من الرأی لَا من الرؤية۔

وأخرج أحمد والترمذی (۱۱۹ ج ۲) عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ: ”اتقوا الحديث عنّی الّا ما علمتم، فإنه من كذب علیّ متعمداً فليتبوّأ مقعده من النار“۔

قال النووی (ص ۸ ج ۱): تحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً أو غلب على ظنّه وضعه، فمن روىٰ حديثا علم أو ظنّ وضعه ولم يبيّن حال روايته وضعَه فهو داخل فی هذا الوعيد مندرج فی جملة الكاذبين على رسول الله ﷺ، يدلّ عليه الحديث السابق ”من حدّث عنّی بحديث يرىٰ أنه كذب فهو أحد الكاذبين“۔

وقال أبو عمرو بن الصلاح فی علوم الحدیث (ص ۸۹): اعلم أن الحدیث الموضوع شرّ الأحادیث الضعیفة، ولَا تحلّ روایته لِأحد علم حاله فی أیّ معنی کان إلّا مقرونا ببیان وضعه۔

وقال الحافظ ابن حجرفی شرح النخبة (ص ۸۵): واتفقوا علی تحریم روایة الموضوع إلّا مقروناً ببیانه لقوله ﷺ: ''من حدّث عنّی بحدیث یریٰ أنه کذب فهو أحد الکاذبین''، أخرجه مسلم، انتهی، وقد تقدم کلام العلامة السیوطی فی بیان حکم الضعیف۔

اور جب موضوع روایات بنانا اوران کانقل کرنا جائز نہیں ہے تو ان پرعمل کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

امام بیہقی المدخل میں احادیث ضعیفہ متفق علیہا کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ص ۳۳): **ضربٌ رواه من کان معروفاً بوضع الحدیث والکذب فیه، فهٰذا الضرب لَا یکون مستعملاً فی شئ من أمور الدین إلّا علی وجه التبیین (ای لَا یجوز ذکره الّا علی وجه التبیین، محمد یونس)۔**

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی احادیثِ سابقہ دلیل میں پیش کی ہیں،

علامہ شمس الدین الرملی اور علامہ علاء الدین حصکفی صاحب الدر المختار فرماتے ہیں (ص ۸۷): **أما الموضوع فلا یجوز العمل به بحال ولَا روایته إلّا إذا قرن ببیانه۔**

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: **قوله 'بحال' أی ولو فی فضائل الأعمال، قال الطحطاوی: أی حیث کان مخالفا لقواعد الشریعة، أما لو کان داخلا تحت أصل عام فلا مانع منه، لَا لجعله حدیثاً بل لدخوله تحت الأصل العام، اهـ۔ قال ابن عابدین: فتأمل۔**

بندہ کے خیال میں علامہ طحطاوی کا کلام صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب موضوع روایت حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہے تو اس پرعمل کیسے جائز ہوسکتا ہے، اور اگر وہ اصل عام کے تحت داخل ہے تو عمل اس عام پر ہوگا نہ کہ اس باطل موضوع روایت پر، غالباً علامہ شامی نے **فتأمل** سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳۔ تیسرا جزء یہ ہے کہ ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟

اس کا جواب اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا جو حدیث کی تحقیق میں جزء اول میں ذکر کی گئی ہے، اور خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص ائمہ فنِ حدیث کے نزدیک بالاتفاق مجروح ہے، ایک جماعت نے اس کی تضعیف پر اکتفاء کیا لیکن اکثر نے شدید تضعیف کی ہے، اور دوسری جماعت امام احمد، ابن عدی، ابن حبان وحاکم اس کو واضع الحدیث اور دروغ گو بتاتے ہیں، امام احمد چونکہ معتدل ہیں اس لئے ان کا اتنی کڑی جرح بے معنی نہیں ہے۔

۴۔ چوتھا جزء یہ ہے کہ کیا صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق صحیح ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحبِ تحفہ نے ابوبکر بن ابی سبرہ کے متعلق جو کلام کیا ہے وہ تو بالکل صحیح ہے، اور جو کچھ صاحبِ تحفہ نے لکھا ہے وہ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے اور صاحبِ تحفہ نے حافظ ابن حجر کا اتباع کیا ہے۔

رہا اس حدیث کو موضوع قرار دینا! تو اس وقت تحفۃ الاحوذی بندہ کے سامنے نہیں ہے، بہرحال جس نے بھی اسکو موضوع کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظنِ غالب میں یہ موضوع ہے، یہ ماقبل میں نمبر ۲۔ کے ذیل میں گزر چکا کہ کسی حدیث کے راوی کے دروغ گو یا واضع الحدیث ہونے کی وجہ سے حدیث کے موضوع ہونے کا حکم ظنِ غالب کے درجہ میں لگایا جاتا ہے، البتہ جن ائمہ کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے گو شدید الضعف ہی سہی ان کے مسلک پر بظاہر حدیث درجہ ضعیف ہی میں رہے گی، گو قابل عمل پھر بھی نہ ہوگی، **كما تقدّم التفصيل**۔

۱۵؍شعبان کے روزہ کا حکم

۵۔ پانچواں جزء یہ ہے کہ شب برات کا روزہ کیا بدعت ہے؟

میری معلومات میں متقدمینِ فقہاء نے اس روزہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، امام محمد بن الحسن کی موجودہ کتابوں **كتاب الأصل، جامع صغير، كتاب الآثار، كتاب الحجج، كتاب السير الكبير** اور متونِ معتبرہ میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے، متاخرین نے بھی نصف شعبان کے روزہ کی تصریح نہیں کی ہے۔

البتہ مطلقاً صومِ شعبان کو مرغوبات میں شمار کیا ہے، **قال في الفتاوى العالمكيرية (ص۱۰۳/۱): المرغوبات من الصيام أنواع: أوّلها صوم المحرم، والثانی صوم رجب، والثالث صوم شعبان، وصوم عاشوراء هو اليوم العاشر من المحرم عند عامة العلماء والصحابة، كذا فی الظهيرية انتهى**۔

مطلقاً صومِ شعبان کے استحباب کے دلائل وہ احادیث ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کا کثرت سے اس ماہ میں روزہ رکھنے کا ذکر وارد ہوا ہے، اور یہ کہ آپ کل شعبان کا اور گاہے اکثر کا روزہ رکھتے تھے، کما تقدّم۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے **شرح سفر السعادة** (ص۳۱۰) میں مطلقاً شعبان کے روزہ کا استحباب ذکر کیا ہے اور صومِ نصفِ شعبان کا کوئی ذکر نہیں ہے، **أشعّة اللمعات** (ص۵۴۹/۱) میں صرف ابن ماجہ کی حدیث سابق کے ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے، اسی طرح **ما ثبت بالسنة** (ص۱۹۹) میں بھی صرف ابن ماجہ کی روایت ذکر کی

ہے اور اس حدیث کا حال معلوم ہو چکا۔

اسی طرح حنابلہ کی موجودہ کتب **مختصر الخرقی**، اس کی شرح **المغنی**، **المقنع**، اس کی شرح **الشافی** میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شافعیہ کی کتب مشہورہ جیسے **كتاب الأم للشافعي**، **المهذّب للشيرازي**، **شرح المهذّب للنووی** اور **المنهاج**، **المنهج**، **تحفة المحتاج** میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، البتہ عبدالحمید الشروانی نے **تحفة المحتاج** کے حاشیہ میں اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مالکیہ کی کتابوں میں سے **مختصر الخليل** اور اس کی شرح **جواهر الإكليل**، رسالہ ابن ابی زید، اس کی شرح **كفاية الطالب** اور کفایہ کے حاشیہ مصنّفہ علامہ علی صعیدی عدوی میں بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

اسلئے جہاں روایتی حیثیت سے خاص پندرہویں شعبان کا روزہ پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا وہیں فقہا کے کلام سے بھی کوئی ثبوت نہیں نکلتا ہے، اور غالباً حضرات فقہاء نے روایت کے غیر معتبر ہونے سے سکوت فرمایا ہے۔

اور بعض متاخرین شافعیہ نے جو اس کو مندوب کہہ دیا یا یوں کہئے کہ اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا بظاہر انہوں نے سند روایت پر نظر نہیں کی ہے یا اگر نظر کی تو تحقیق سے کام نہیں لیا۔

اگر پندرہویں دن سے قطع نظر کر لیا جائے تو پھر شعبان کے روزے کا ثبوت ان روایات صحیحہ وحسنہ سے ہوتا ہے جو ماقبل میں سوال کے جزء اول کے جواب کے اخیر میں گزر چکی ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان میں بلاتحدید روزہ رکھنا مندوب ہے **اتّباعاً للنبی ﷺ**۔

صاحب ظہیریہ وغیرہ فقہاء احناف نے صیامِ مندوبہ میں جو شعبان کا تذکرہ کیا ہے اس سے یہی صورت مراد ہے، ورنہ اگر خاص نصفِ شعبان کا روزہ مراد ہوتا تو اس کی تصریح کر دیتے۔

اب بظاہر یہی صواب معلوم ہوتا ہے کہ نصفِ شعبان کا خاص کرنا اور صرف اسکا روزہ رکھنا بدعت ہے الا یہ کہ ۱۳/۱۴ر کا روزہ بھی رکھا جائے تا کہ ایام بیض کے روزے ہو جائیں۔

یہاں تک لکھنے کے بعد علامہ مناوی کی کتاب **فيض القدير** (ص ۳۱۷/۲) میں ایک عبارت ملی جو ماقبل کی تحقیق کے لئے متن کا درجہ رکھتی ہے، فرماتے ہیں: **قال المجد بن تيمية: صوم شعبان جاء في فضلها أخبار صحيحة، وأمّا صوم يوم نصفه مفرداً فلا أصل له، بل يكره، قال: وكذا اتّخاذه موسماً تصنع فيه الأطعمة والحلوىٰ وتظهر فيه الزينة وهو من المواسم المحدثة المبتدعة التي لَا أصل لها، انتهى۔**

علامہ مناوی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھی علامہ مجد الدین ابن تیمیہ کے موافق ہیں۔

شب برأت میں عبادت کے فضائل کی تحقیق

یہ گفتگو تو نصف شعبان کے روزہ کے متعلق تھی، اب ضمناً نصفِ شعبان کی رات کے متعلق چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں، اوران کو تین فصلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول اس کے فضائل کے بیان میں۔

ثانی اس کے اِحیاء اور خاص طور سے اسمیں عبادت میں مصروف رہنے کے بارے میں علماء کے اقوال۔

ثالث ان خاص نمازوں کا بیان جو اس رات میں وارد ہوئی ہیں۔

فصل اول۔ اس رات کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں:

(۱) أخرج ابن أبی شیبة وأحمد (ص۲۳۸/۶) والترمذی (ص۱۹۲/۱) وابن ماجه (ص۱۰۰) والبیهقی من طریق الحجاج بن أرطاة عن یحیٰ بن أبی کثیر عن عروة عن عائشةؓ قالت: ”فقدت رسول الله ﷺ لیلةً فخرجت فإذا هو بالبقیع فقال: أکنتِ تخافین أن یحیف الله علیکِ ورسوله؟ قلت: یا رسول الله ! إنّی ظننت أنّک أتیت بعض نسائک، فقال: إنّ الله تعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان إلی السماء الدنیا فیغفر لأکثر من عدد شعرغنم کلب“۔

و الحجاج ابن أرطاة مع ضعفه مدلّس وقد عنعن، قال التر مذی: حدیث عائشةؓ هذا لَا نعرفه الّا من هذا الوجه، سمعت محمدًا یضعّف هذا الحدیث، وقال: یحیی بن أبی کثیر لم یسمع من عروة، قال محمد: والحجاج لم یسمع عن یحیی بن أبی کثیر، انتهی۔

وقال ابن العربی فی شرح الترمذی (ص۲۷۵/۳): فالحدیث مقطوع فی موضعین، وأیضاً الحجاج لیس بحجة، وقال ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص٦٦/۲): قال الدار قطنی: وقد روی من وجوه، وإسناده مضطرب غیر ثابت، وقال الزرقانی فی شرح المواهب

(ص ۷/۴۱۲): دعوى الاِنقطاع بين الحجاج ويحيىٰ مسلّم، وأمّا سماع يحيىٰ من عروة فنفاه ايضاً أبو زرعة وأبوحاتم فيما ظنّه، وأثبته ابن معين، والمثبت مقدّم على النافی۔

وقول الترمذی 'لَا نعرفه الّا من هذا الوجه' تقصير، فقد جاء من ثلاثة أوجه غيره كما بيّنهٗ الحافظ العراقی، وبالجملة فبعضها يعضد بعضاً فيرتقی إلى الحسن لغيره، ولذا قال ابن رجب: إنّه من أمثلها۔

(۲) أخرج البزّار وابن عدیّ والبيهقی وابن الجوزی فی العلل (ص ۲/۶۶) من طريق عبدالملک بن عبدالملک عن مصعب بن أبی ذئب عن القاسم بن محمد عن عمه وغيره عن أبی بكر الصديقؓ عن النبیﷺ قال: "ينزل الله عزّ وجلّ ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لكل نفس إلّا إنساناً فی قلبه شحناء أو المشرک بالله عزّ وجلّ"۔

وعبد الملک بن عبدالملک قال البخاری: فی حديثه نظر، قال العقيلی والذهبی: إنّه أراد هذا الحديث، وقال ابن عدی: وهو معروف بهذا الحديث ولَا يرويه عنه غير عمرو بن الحارث، وهو حديث منكر بهذا الاِسناد، وقال ابن حبان: منكرالحديث جدّاً يروی مالَا يتابع عليه، وذكره الذهبی فی الميزان فأشارالی نكارته۔

وأغرب الاِمام المنذری فی الترغيب (ص ۳/۴۵۹) فقال: رواه البزّار والبيهقی بإسناد لَا بأس به، وقال الهيثمی (ص ۸/۶۵): عبد الملک بن عبد الملک ذكره ابن أبی حاتم فی الجرح والتعديل ولم يضعّفه، وبقيّة رجاله ثقات، وقال العقيلی: وفی الباب أحاديث وفيها لين۔

(۳) وأخرج أحمد (ص ۲/۱۷۶) عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ أن رسول اللهﷺ قال: "يطلع الله عزّوجلّ إلى خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لعباده الّا اثنين مشاحن وقاتل نفس"۔

قال المنذری (ص ۳/۴۶۰): إسناده ليّن، قلت: فی إسناده ابن لهيعة وهو ضعيف، وقال الهيثمی(ص ۸/۶۵): وهو ليّن الحديث، وبقية رجاله قد وثّقوا۔

(۴) وأخرج ابن ماجه (ص ۱۰۰) من طريق ابن لهيعة عن الضحّاک بن أيمن عن الضحّاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب عن أبی موسى الأشعریؓ عن رسول الله ﷺ قال: "إن الله

لیطّلع لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الّا لمشرک ومشاحن“۔

فیه ابن لهیعة حاله معروف، وأیضاً الضحّاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب لم یلق أبا موسیؓ، قاله المنذری، کذا نقله السندی فی حاشیة ابن ماجه (ص۲۱۸)، ونقل عن صاحب الزوائد: إسناده ضعیف لضعف عبد الله بن لهیعة وتدلیس الولید بن مسلم، وقال المناوی فی فیض القدیر(ص ۲/۲۶۳): قال الزین العراقی: وابن لهیعة حاله معروف، والضحّاک بن أیمن لَا یعرف حاله ولَا یعرف روی عنه غیر ابن لهیعة، والضحّاک بن عبدالرحمٰن لم یسمع من أبی موسیؓ، قاله أبوحاتم، وقد اختلف علی ابن لهیعة ایضاً، انتهی۔ و قال ابن الجوزی فی العلل (ص ۷۱): هذا حدیث لَا یصح و ابن لهیعة ذاهب الحدیث۔

(۵) وأخرج الطبرانی فی الأوسط وابن حبان فی صحیحه وفی مسند الشامیین من حدیث مکحول عن مالک بن یخامر عن معاذ بن جبلؓ عن النبیﷺ قال: ”یطّلع الله إلی جمیع خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه إلّا لمشرک أو مشاحن“، کذا فی الترغیب (ص۲/۱۱۸ و ۳/۴۵۹)۔

قال الزرقانی (ص ۷/۴۱۲) عن ابن رجب: حدیث معاذ أمثلها أیضاً، فإنّ ابن حبّان صحّحه وکفٰی به عماداً، انتهی۔ وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجالهما ثقات۔

قلت: وأخرجه الطبرانی فی مسندالشامیین أیضاً من طریق ثوبان عن خالد بن معدان عن کثیر بن مرّة عن معاذؓ۔

(۶) وأخرج البزار وابن الجوزی فی العلل (ص ۷۰) من طریق هشام بن عبدالرحمٰن الکوفی عن الأعمش عن أبی صالح عن أبی هریرةؓ قال: قال رسو ل اللهﷺ: ”إذاکان لیلة النصف من شعبان یغفر الله لعباده إلّا لمشرک ومشاحن“۔

قال الهیثمی (ص۸/۶۵): هشام بن عبد الرحمٰن لم أعرفه، وبقیّة رجاله ثقات۔

قلت: وقال ابن الجوزی: لَا یصحّ وفیه مجاهیل۔

(۷) وأخرج البزّار عن عوف بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ :”یطّلع الله تبارک وتعالی

علی خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لهم کلّهم إلّا لمشرک أو مشاحن“۔

قال الهیثمی (ص۶۵/۸) وفیه عبد الرحمٰن بن زیاد بن أنعم وثّقه أحمد بن صالح وضعّفه جمهور الأئمة۔

(۸) وأخرج الطبرانی والبیهقی فی شعب الإیمان من طریق مکحول عن أبی ثعلبةؓ أنّ النبیﷺ قال: ”یطّلع الله عزّ وجلّ إلی عباده لیلة النصف من شعبان فیغفر للمؤمنین ویمهل الکافرین ویدع أهل الحقد بحقدهم حتّٰی یدعوه“۔

قال المنذری (ص۱۶۴/۳): قال البیهقی: هو بین مکحول وأبی ثعلبة مرسل جیّد، وأخرجه الدارقطنی فی العلل وابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص۷۰/۲)، وفیه الأحوص بن حکیم، قال ابن الجوزی: هذا حدیث لَا یصحّ، قال أحمد بن حنبل: الأحوص بن حکیم لَا یروٰی حدیثه، وقال یحییٰ: لیس بشئی، وقال الدار قطنی: منکر الحدیث، قال أی الدار قطنی: والحدیث مضطرب غیر ثابت، وعزاه الهیثمی (ص۶۵/۸) للطبرانی، وقال: فیه الأحوص بن حکیم وهو ضعیف، وقال الدار قطنی: وقیل إنّه من قول مکحول، والحدیث غیر ثابت۔

(۹) وأخرج عبد الرزّاق (ص۳۱۶/۴) والبیهقی فی الشعب عن مکحول عن کثیر بن مرّة عن النبیﷺ قال فی لیلة النصف من شعبان: ”یغفر الله عزّ وجلّ لأهل الأرض إلّا لمشرک أو مشاحن“۔

قال البیهقی: هذا مرسل جیّد، کذا فی الترغیب (ص۱۶۴/۳)۔

(۱۰) وأخرج البیهقی أیضاً من طریق العلاء بن الحارث عن عائشةؓ قالت: ”قام رسول اللهﷺ من اللیل فصلّٰی فأطال السجود حتّٰی ظننت أنّه قد قبض، فلمّا رأیت ذلک قمت حتّٰی حرّکت إبهامه فتحرّک فرجعت فسمعته یقول فی سجوده ’أعوذ بعفوک من عقابک، وأعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بک منک، لَا أحصی ثناء علیک، أنت کما أثنیت علی نفسک‘ فلمّا رفع رأسه من السجود وفرغ من صلوته قال: یا عائشة أو یا حمیراء! أظننتِ أنّ النبیﷺ قد خاس بکِ؟ قلت: لَا والله یا رسول الله! ولکنّی ظننت أنّک قبضت لطول سجودک، فقال: أتدرین ایّ لیلة هذه؟ قلت الله ورسوله أعلم، قال: هذه لیلة النصف من

شعبان إنّ الله عزّ وجلّ يطّلع علٰى عباده فى ليلة النصف من شعبان فيغفر للمستغفرين ويرحم المسترحمين ويؤخّر أهل الحقد كما هم“۔

قال البيهقى: هذا مرسل جيّد، يعنى أنّ العلاء لم يسمع من عائشةؓ، قاله المنذرى (ص۱۱۹/۳)، وقال فى موضع آخر (ص۴٦۰/۳): قال البيهقى: هذا مرسل جيّد، ويحتمل أنّ العلاء أخذه عن مكحول، انتهى۔

(۱۱) وأخرج البيهقى أيضاً عن عائشةؓ قالت: ”دخل علىّ رسول الله ﷺ فوضع عنه ثوبيه ثم لم يستتم أن قام، فلبسهما، فأخذتنى غيرة شديدة ظننت أنه يأتى بعض صويحباتى فخرجت أتّبعها فأدركته بالبقيع -بقيع الغرقد- يستغفر للمؤمنين والمؤمنات والشهداء، فقلت: بأبى وأمّى أنت فى حاجة ربّک وأنا فى حاجة الدنيا، فانصرفت فدخلت حجرتى ولى نفَس عال، ولحقنى رسول اللهﷺ فقال ما هذا النفَس يا عائشة؟ قلت: بأبى وأمى أتيتنى فوضعت عنک ثوبيک ثم لم تستتم أن قمت فلبستهما، فأخذتنى غيرة شديدة ظننت أنّک تأتى بعض صويحباتى حتّى رأيتک بالبقيع تصنع ما تصنع، فقال: يا عائشة! أكنتِ تخافين أن يحيف الله عليکِ ورسوله؟ بل أتانى جبريل فقال: هٰذه ليلة النصف من شعبان ولله فيها عتقاء من النار بعدد شعور غنم كلب، لَا ينظر الله فيها إلى مشرک ولَا إلى مشاحن ولَا إلى قاطع رحم ولَا إلى مسبل ولَا إلى عاقّ لوالديه ولَا إلى مدمن خمر، قالت: ثمّ وضع عنه ثوبيه، فقال لى: يا عائشة! تأذنين لى فى قيام هذه اللية؟ قلت: نعم بأبى وأمى! فقام فسجد ليلا طويلا حتى ظننت أنّه قد قبض فقمت التمسه، ووضعت يدى على باطن قدميه فتحرّک ففرحت، وسمعته يقول فى سجوده ’أعوذ بعفوک من عقابک، وأعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بک منک جلّ وجهک، لَا أحصى ثناءً عليک أنت كما أثنيت علٰى نفسک‘ فلمّا أصبح ذكرتهنّ له، فقال: يا عائشة تعلّميهنّ؟ فقلت: نعم، فقال: تعلّميهن وعلّميهن فإنّ جبريل عليه السلام علّمنيهنّ، وأمرنى أن أرددهن فى السجود“۔

أشار المندرى (ص۵۵۹/۳) إلى وهائه إذ صدره بلفظة: رُوى، ولم يتكلّم فى آخر الحديث، وقال السيوطى فى الدر المنثور (ص۲۷/٦) ضعّفه البيهقى۔

(۱۲) وأخرج البيهقی أيضاً عن عائشةؓ قالت: "كانت ليلة النصف من شعبان ليلتی وكان رسول الله ﷺ عندی فلمّا كان فی جوف الليل فقدته فأخذنی ما يأخذ النساء من الغيرة، فتلفّفت بمرطی، فطلبته فی حجر نسائه فلم أجده، فانصرفت إلی حجرتی فإذا أنا به كالثوب الساقط وهو يقول فی سجوده: سجد لک خيالی وسوادی، وآمن بک فؤادی، فهذه يدی وما جنيت بها علی نفسی، يا عظيم يرجی لكلّ عظيم اغفرالذنب العظيم، سجد وجهی للذی خلقه وشقّ سمعه وبصره، ثم رفع رأسه، ثم عاد ساجداً فقال: أعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بعفوک من عقابک، وأعوذ بک منک أنت كما أثنيت علی نفسک، أقول كما قال أخی داود: أعفر وجهی فی التراب لسيّدی، وحقّ له أن يسجد، ثمّ رفع رأسه، فقال: اللّهم ارزقنی قلباً تقيّاً، من الشرّ نقيّاً، لَا جافياً ولَا شقيّاً، ثمّ انصرف، فدخل معی فی الخميلة ولی نفَس عال، فقال: ما هٰذا النفس يا حميراء؟ فأخبرته، فطفق يمسح بيديه علی ركبتی ويقول: ويح هاتين الركبتين ما لقيتا فی هٰذه الليلة ليلة النصف من شعبان ينزل الله فيها إلی السماء الدنيا فيغفر لعباده إلّا لمشرک أو مشاحن"۔

كذا فی الدرالمنثور (ص۲۷/۶)، وأخرجه ابن الجوزی فی العلل المتناهية (ص۶۷/۲) وفيه سليمان بن أبی كريمة، قال ابن الجوزی: هذا حديث لَا يصح، قال ابن عدی: أحاديث سليمان بن أبی كريمة مناكير۔

(۱۳) وأخرج ابن الجوزی فی العلل المتناهية (ص۶۸/۲) من طريق سعيد بن عبد الكريم الواسطی عن أبی نعمان السعدی عن أبی رجاء العطاردی عن أنس ابن مالکؓ قال: "بعثنی النبی ﷺ إلی عائشة فقلت لها: اسرعی فإنی تركت رسول الله ﷺ يحدث بحديث ليلة النصف من شعبان، فقالت: يا أنيس! اجلس حتی أحدثک عن ليلة النصف من شعبان، كانت ليلتی فجاء النبی ﷺ، حتی دخل معی فی اللحاف، قالت: فانتبهت من الليل فلم أجده، فطفت فی حجرات نساءه فلم أجده، قالت: قلت: ذهب إلی جاريته مارية القبطية، قالت: فخرجت فمررت فی المسجد، فوقعت رجلی عليه وهو ساجد وهو يقول: سجد لک خيالی وسوادی، وآمن بک فؤادی، فهذه يدی التی جنيت بها علی نفسی، فيا عظيم أهل أن يغفر الذنب العظيم،

اغفر لی الذنب العظیم، قالت: فرفع رأسه، فقال: اللّهم هب لی قلباً تقیّاً نقیّاً من السوید، لَا کافراً ولَا شقیّاً، قالت: ثم عاد فسجد فقال: أقول لک کما قال أخی داودؑ: أعفر وجهی بالتراب یا سیّدی، وحقّاً لوجه سیّدی أن تعفر الوجوه لوجهه، قالت: ثمّ رفع رأسه فقلت: بأبی وأمی أنت فی وادٍ، وأنا فی وادٍ، قالت: فسمع حسّ قدمیّ فدخل الحجرة، وقال: یا حمیراء! أما تدرین ما هذه اللیلة؟ هذه لیلة النصف من شعبان، إن لله عزّ وجلّ فی هذه اللیلة عتقاء من النار بعدد شعر غنم کلب، قالت: قلت: وما بال غنم کلب؟ قال: لیس الیوم فی العرب قوم أکثر غنماً منهم، لَا أقول فیهم ستة نفر، مدمن خمر، وعاقّ والدیه، ولَا مصرّعلٰی الزنا، ولَا مصارم، ولَا مصوّر، ولَا قتّات”۔

وأخرج الذهبی فی المیزان (ص ۱۵۰/۲) طرفاً منه، قال ابن الجوزی: هذا الطریق لَا یصحّ، قال أبو الفتح الأزدی الحافظ: سعید بن عبد الکریم متروک۔

(۱۴) وأخرج الدارقطنی فی الأفراد ومن طریقه ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص ۶۹/۲) عن عائشةؓ قالت: ”استیقظت لیلة فإذا رسول الله ﷺ لیس فی البیت فأخذنی ما تقدم وما تأخّر، فخرجت أطلب رسول الله ﷺ فظننت إنّما خرج إلی بعض ما ظننت، فبینما أنا کذلک إذا برسول الله ﷺ قد أقبل، فکرهت أن یرانی فرجعت إلی البیت وأنا أسعی، فانتهی إلیّ رسو ل الله ﷺ وقد علا نفَسی، فقال: مالک؟ فکرهت أن أخبره بالذی کان منی حتی أقسم علیّ فحدّثته، فقال: کلّا ولکن هذه لیلة یعتق الله فیها من النار أکثر من عدد شعر غنم کلب، ویطلع الله فیها إلی أهل الأرض فیغفر فیها لمن یشاء إلّا أنّه لَا یغفر لمشرک ولَا لمشاحن وتلک لیلة النصف من شعبان”۔

قال ابن الجوزی تفرّد به عطاء ابن عجلان، قال: لیس بشئی کذّاب کان یوضع له الحدیث فیحدّث به، وقال أبو حاتم: متروک الحدیث، وقال ابن حبان: یروی الموضوعات عن الثقات لَا یحلّ کتب حدیثه إلّا علٰی جهة الاِعتبار۔

(۱۵) وأخرج البیهقی فی الشعب عن عثمان بن أبی العاصؓ عن النبیﷺ قال: ”إذا کان لیلة النصف من شعبان ینزل فیها إلی السماء الدنیا نادی مناد ’هل من مستغفر فأغفر له؟ هل من

سائل فأعطيه؟ فلا يسأل أحد إلّا أعطى إلّا زانية بفرجها أو مشرك"۔

كذا فى الدرالمنثور (ص ٢٧/٦)، ولم أقف علٰى حال إسناده۔

(١٦) وأخرج عبد الرزاق فى مصنفه (ص٣١٧/٤) قال: أخبرنى من سمع ابن البيلمانى يحدّث عن أبيه عن ابن عمرؓ قال: "خمس ليال لَا تردّ فيهنّ الدعاء، ليلة الجمعة وأوّل ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلتى العيدين"۔ قلت: إسناده واهٍ۔

(١٧) وأخرج الحسن بن سفيان وعبدان المروزى وابن شاهين وعلىّ بن سويد العسكرى وغيرهم فى الصحابة وابن الأعرابى فى معجمه من طريق مروان بن سالم عن ابن كردوس عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: "من أحيىٰ ليلتى العيد وليلة النصف من شعبان لم يمت قلبه يوم تموت القلوب"۔

وأخرجه ابن الجوزى فى العلل (ص ٧١) من هذا الوجه وقال: لَا يصح، وقال الحافظ ابن حجر فى الإِصابة (ص٢٩٠/٤): مروان هذا متروک متّهم بالكذب، وقال فى التلخيص (ص٨٠/٢): مروان تالف، وقال الذهبى فى الميزان (ص٣٠٨/٣): هذا حديث منكر مرسل۔

(١٨) وروى الخلّال فى كتاب فضل رجب له من طريق خالد بن معدان قال: "خمس ليال فى السنة، من واظب عليهنّ رجاء ثوابهنّ وتصديقاً بوعدهنّ أدخله الله الجنة، أول ليلة من رجب يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة الفطر وليلة الأضحى وليلة عاشوراء وليلة نصف شعبان"۔

(١٩) وروى الخطيب فى غنية الملتمس بإسناده إلى عمر بن عبد العزيز، أنّه كتب إلى عدى بن أرطاة: "عليک بأربع ليال فى السنة، فإنّ الله يفرغ فيهنّ الرحمة، أول ليلة من رجب، وليلة النصف من شعبان، وليلة الفطر، وليلة النحر"۔

ذكرهما ابن حجر فى التلخيص الحبير (ص ٨٠/٢)۔

تلاش کرنے سے اور بھی احادیث مل سکتی ہیں، مگر کوئی بھی خالی از کلام نہیں ہے۔

ماقبل میں عقیلی کا قول وفى الباب أحاديث وفيها لين گذر چکا ہے، علامہ ابن الجوزی نے سب کو ہی

معلول قرار دیا ہے، دارقطنی کا رجحان بھی یہی ہے، علامہ ابوالفضل بن طاہر فرماتے ہیں: **لم يصحّ فى ليلة النصف من شعبان شيء** ، ابن العربی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں (ص٧٥ ٣/٣): **ليس فى ليلة النصف من حديث يساوى سماعه**، اوراحکام القرآن میں لکھتے ہیں: **ليس فى ليلة النصف من شعبان حديث يعول عليه لَا فى فضلها ولَا فى نسخ الآجال فيها**، صاحبِ روح المعانی (ص١١١/٢٥) فرماتے ہیں: **وفى البحر قال الحافظ أبو بكر بن العربى: لَا يصحّ فيها شيء ولَا فى نسخ الآجال فيها ولَا يخلو عن مجازفة، اھ۔**

لیکن امام بیہقی کا رجحان اس کے خلاف ہے، ابوثعلبہ، کثیر بن مرّہ اورالعلاء بن الحارث نے جوروایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے بیہقی سب کے بارے میں 'مرسل جیّد' لکھتے ہیں یعنی سند جید ہے اگرچہ منقطع ہے، معاذ بن جبلؓ کی حدیث کوابن حبان صحیح قرار دیتے ہیں، ابن رجب اسکواحادیث باب میں سب سے امثل وافضل قرار دیتے ہیں، منذری اورزرقانی کا رجحان بھی یہی ہے، **وقال المناوى فى فيض القدير** (ص٣١٧/٢) : **قال المجد بن تيمية: ليلة نصف شعبان رُوى فى فضلها من الأخبار مايقتضى أنّها مفضّلة، ومن السلف من خصّها بالصلوة فيها .اھ۔**

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث کواگرالگ الگ دیکھا جائے تو کلام کرنا ٹھیک ہے، لیکن ان میں بہت سی روایات ایسی ہیں جوشدید الضعف نہیں ہے، اگران کوملا لیا جائے تو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

نسخ آجال والی روایات

فائدہ ۔ قاضی ابن العربی کے کلام میں یہ جوگذرا ہے کہ اس رات میں نسخ الآجال کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے، اس سے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات میں سال بھر ہونے والے امور لکھے جاتے ہیں، جن کی زندگی ختم ہوچکی ہوانکا نام مُردوں میں درج کردیا جاتا ہے،

فأخرج ابن جرير، وابن المنذر، وابن أبى حاتم من طريق محمد بن سوقة عن عكرمة ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ قال: "فى ليلة النصف من شعبان يبرم أمر السَنة، وينسخ الأحياء من الأموات، ويكتب الحاجّ، فلا يزاد فيهم ولَا ينقص منهم أحد"۔

وأخرج الدينورى فى المجالسة عن راشد بن سعد أن النبىﷺ قال: "ليلة النصف من شعبان

یوحی الله إلی ملک الموت بقبض کل نفس یرید قبضها فی تلک السنة"۔

وأخرج ابن أبی الدنیا عن عطاء بن یسار قال:" إذا کان لیلة النصف من شعبان دفع إلی ملک الموت صحیفة، فیقال: اقبض من فی هذه الصحیفة، فإن العبد لیفرش الفراش وینکح الأزواج ویبنی البنیان واسمه قد نسخ فی الموتیٰ"۔

وأخرج عبد الرزاق (ص۳۱۷/۴) عن ابن عیینة عن مسعر عن رجل عن عطاء بن یسار قال: "تنسخ فی النصف من شعبان الآجال، حتّی أنّ الرجل لیخرج مسافراً وقد نسخ من الأحیاء إلی الأموات ویتزوّج وقد نسخ من الأحیاء إلی الأ موات"۔

وأخرج الخطیب فی رواة مالک عن عائشةؓ سمعت النبیﷺ یقول: "یفتح الله الخیر فی أربع لیال، لیلة الأضحی والفطر ولیلة النصف من شعبان ینسخ فیها الآجال والأرزاق ویکتب فیها الحاجّ وفی لیلة عرفة إلی الأذان"۔

ان روایات وآثار میں "لیلة النصف من شعبان" کی تصریح ہے۔

اورمتعدد روایات ہیں جن میں مطلقاً شعبان کا ذکر ہے "لیلة النصف" کی تصریح نہیں ہے۔

أخرج ابن زنجویه و الدیلمی عن أبی هریرةؓ أن رسول لله ﷺ قال: "تقطع الآجال من شعبان إلی شعبان، حتّی أنّ الرجل لینکح ویولدله وقد خرج اسمه فی الموتیٰ"۔

وأخرج ابن أبی شیبة (ص۱۰۳/۳) عن عطاء بن یسار قال: "لم یکن رسول الله ﷺ فی شهر أکثر صیاماً منه فی شعبان، وذلک أنّه ینسخ فیه آجال من یموت فی السنة"۔

وأخرج ابن مردویه وابن عساکر عن عائشةؓ قالت: "لم یکن رسول الله ﷺ فی شهر أکثر صیاماً منه فی شعبان لأنّه ینسخ فیه أرواح الأحیاء فی الأموات حتّی أنّ الرجل یتزوّج وقد رفع اسمه فی من یموت وإنّ الرجل لیحجّ وقد رفع اسمه فی من یموت"۔

وأخرج أبویعلی عن عائشةؓ: "أنّ النبیﷺ کان یصوم شعبان کلّه، فسألته، قال: إن الله یکتب فیه کلّ نفس میتة تلک السنة فأحبّ أن یأتینی أجلی وأنا صائم"۔

وأخرج ابن جریروالبیهقی فی شعب الإیمان عن الزهری عن عثمان بن محمدبن المغیرة بن الأخنس قال: قال رسول الله ﷺ: "تقطع الآجال من شعبان إلی شعبان، حتّی أنّ الرجل

ینکح ویولدله و قد خرج اسمه فی الموتٰی"۔

وأخرج الخطیب وابن النجّار عن عائشةؓ قالت: "کان رسول اللهﷺ یصوم شعبان کلّه حتّی یصله برمضان، ولم یکن یصوم شهراً تامّاً إلّاشعبان، فقلت: یا رسول الله! إنّ شعبان لمن أحبّ الشهور إلیک أن تصومه؟ فقال: نعم یا عائشة! إنّه لیس نفس تموت فی سنة إلّاکتب أجلها فی شعبان فأحبّ أن یکتب أجلی وأنا فی عبادة ربّی وعمل صالح"۔ ولفظ ابن النجار: "یا عائشة! إنّه یکتب فیه ملک الموت من یقبض فأحبّ أن لا ینسخ اسمی إلّاوأنا صائم"۔

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سال بھر ہونے والے امور شعبان میں "**لیلة النصف من شعبان**" میں لکھے جاتے ہیں، اور آیت کریمہ **﴿إِنَّا أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ... فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾** میں لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔

لیکن راجح قول یہ ہے کہ "**لیلة مبارکة**" سے مراد **لیلة القدر** ہے۔

مفسر خطیب نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے اور علامہ ابوالبرکات نسفی نے جمہور سے نقل کیا ہے، ابن عباسؓ، قتادہ، عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ابوعبدالرحمٰن السلمی، ابوالجوزاء، ابونضرہ وغیرہ کا یہی قول ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں (ص ۲۵/۶ وص ۲۶/۶) انکے آثار ذکر کئے ہیں،۔

علامہ ابوطالب مکی نے قوت القلوب میں دونوں قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: **والصحیح من ذلک عندی أنّه –أی تفریق أمر حکیم– فی لیلة القدر، وبذلک سمّیت لأنّ التنزیل یشهد بذلک، إذ فی أوّل الآیة ﴿إِنَّا أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ ثم وصفها فقال ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ فالقرآن إنما أنزل فی لیلة القدر فکانت هذه اللیلة بهٰذا الوصف فی هذه اللیلة مواطئة لقوله تعالی ﴿إِنَّا أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾.** اھ۔

قاضی ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں: **جمهور العلماء علی أنّها لیلة القدر، ومنهم من قال أنّها لیلة النصف من شعبان و هو باطل، لأن الله تعالی قال فی کتابه الصادق القاطع ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ فنصّ علیٰ أنّ میقات نزوله رمضان، ثمّ عبّر عن زمانیة اللیل ههنا بقوله ﴿فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ فمن زعم أنّه فی غیره فقد أعظم الفریة علی الله۔**

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں (ص ۱۳۷/۴): **هی لیلة القدر کما قال الله عزّ و جلّ ﴿إِنَّا أَنزَلْنٰهُ فِي**

لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ وكان ذلك في شهر رمضان كما قال تبارك وتعالىٰ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِى أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ ومن قال أنّها ليلة النصف من شعبان كما روى عن عكرمة فقد أبعد النجعة، فإن نصّ القرآن أنّها في رمضان، والحديث الذى رواه عبد الله بن صالح عن الليث عن عقيل عن الزهرى أخبرنى عثمان بن محمد بن المغيرة بن الأخنس قال: إنّ رسول الله ﷺ قال: ”تقطع الآجال من شعبان إلى شعبان حتى أن الرجل لينكح ويولد له وقد خرج اسمه في الموتىٰ فهو حديث مرسل ومثله لَا يعارض به النصوص“۔ انتهى۔

بعض علماء نے دونوں اقوال میں جمع کیا ہے کہ ابتداء لیلۃ البراءۃ میں ہوتی ہے اور انتہاء لیلۃ القدر میں، یا فیصلہ لیلۃ البراءۃ میں اور فرشتوں کے حوالہ لیلۃ القدر میں کیا جاتا ہے۔

علامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں: قيل: يبدء في استنساخ ذلك من اللوح المحفوظ في ليلة البراءة ويقع الفراغ في ليلة القدر، فتدفع نسخة الأرزاق إلى ميكائيل، ونسخة الزلَازل والصواعق والخسف إلى جبريل، ونسخة الأعمال إلى اسماعيل صاحب سماء الدنيا وهو ملك عظيم، ونسخة المصائب إلى ملك الموت، انتهى۔

وروى البغوى عن ابن عباسؓ أنّه قال: ”إنّ الله يقضى الأقضية ليلة النصف من شعبان ثمّ يسلّمها إلى الملٰئكة ليلةالقدر“۔ قال الزرقانى (ص ۴۱۴/۷): وهذا إن صحّ يؤيّد الجمع المذكور ويعكر على جمع بعضهم أنّ إبتداء ذلك يكون ليلة نصف شعبان وتمامه في ليلةالقدر۔

فصل ثانی۔

اس رات میں خصوصیت کے ساتھ بیدار رہنا اور اجتماع کرنا مختلف فیہ ہے بعض سلف اور بہت سے متاخرین اسکے قائل ہیں اور دوسری جماعت اسکو بدعت کہتی ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ (ص ۴۱۳/۷) میں حافظ ابن رجب کی لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف *سے مفصل کلام نقل کیا ہے جو یہاں زرقانی کے بعض اضافات کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔*

وقد كان التابعون من أهل الشام كخالد بن معدان ومكحول يجتهدون ليلة النصف من شعبان في العبادة وعنهم أخذ الناس تعظيمها، ويقال: إنهم بلغهم في ذالك آثار إسرائيلية،

فلما اشتهر عنهم اختلف الناس فيه، فمنهم من قبله منهم، وقد أنكر ذالک أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم عطاء وابن أبی مليكة، ونقله عبد الرحمٰن بن زيد بن أسلم عن فقهاء أهل المدينة وهو قول أصحاب مالک وغيرهم من الشافعية، وإلّا فأكثرهم لم يتعرضوا لذالک أصلاً، وقالوا: إن ذالک كلّه بدعة إذ لم يأت فعله عن النبی ﷺ ولَا عن أحد من أصحابه۔

واختلف علماء أهل الشام فی صفة إحيائها على قولين، أحدهما أنه يستحبّ إحيائها جماعة فی المساجد، وكان خالد بن معدان ولقمان بن عامر يلبسون فيها أحسن ثيابهم ويتبخّرون ويكتحلون ويقومون فی المساجد ليلتهم تلک، ووافقهم إسحاق بن راهويه على ذالک، وقال فی قيامها فی المسجد جماعةً: ليس ذالک ببدعة، نقله عنهم حرب الكرمانی فی مسائله۔

والثانی أنه يكره الاِجتماع لها فی المساجد للصلوة والقصص والدعاء، ولَا يكره أن يصلی الرجل فيها لخاصة نفسه، قال الزرقانی للاحاديث المصرّحة بطلب قيامها وإن كانت مفرداتها ضعيفة، لأنه لم يشتدّ ضعفها واندرجت تحت مطلق الأمر بقيام الليل،

قال ابن رجب: وهذا أقرب، وهو قول الأوزاعی إمام أهل الشام وخطيبهم وفقيههم وعالمهم، ولَا يعرف للامام أحمد كلام فی ليلة النصف من شعبان، ويتخرج فی استحباب قيامها عنه روايتان من الروايتين عنه فی قيام ليلتی العيد، فإنه فی رواية لم يستحبّ قيامها جماعةً لأنه لم ينقل عن النبی ﷺ ولَا عن أحد من أصحابه فعلها، واستحبّها فی رواية لفعل عبد الرحمٰن بن يزيد بن الأسود لذالک وهو من التابعين، فكذالک قيام ليلة النصف من شعبان لم يثبت فيها شئ عن النبی ﷺ ولَا عن أصحابه، إنما ثبت عن طائفة من التابعين من أعيان فقهاء أهل الشام، فيتخرّج عن أحمد القولَان على قياس قوليه فی العيد، انتهی۔

(خط کشیدہ عبارتیں زرقانی نے قسطلانی پر اضافہ کیا ہے)

علامہ زبیدی إتحاف السادة المتقين میں لکھتے ہیں (ص۷۲۴ ج۳): قال النجم الغيطی فی صفة إحياء ليلة النصف من شعبان بجماعة: أنه قد أنكر ذالک أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم عطاء وابن ابی مليكة وفقهاء أهل المدينة وأصحاب مالک، وقالوا: ذالک كلّه بدعة ولم

يثبت فی قيامها جماعةً شئ عن النبیﷺ ولَا عن أصحابه، واختلف علماء الشام على قولين، أحدهما استحباب إحيائها بجماعة فی المسجد، وممّن قال بذالک من أعيان التابعين خالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقهم إسحٰق بن راهويه، والثانی كراهة الاِجتماع لها فی المساجد للصلوة، وإليه ذهب الأوزاعی فقيه الشام ومفتيهم، اھ۔

اس کلام میں سہو معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اہل حجاز تو مطلقاً مکروہ کہتے ہیں اور نجم غیطی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے ساتھ قیام کو مکروہ کہتے ہیں،

کراہت کے قائلین کی دلیل تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب سے اس مسئلہ میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، قال ابن دحية: لم يصحّ فی ليلة النصف من شعبان شئٌ، ولَا نطق بالصلوة فيها ذو صدق من الرواة، وما أحدثه إلّا متلاعبٌ بالشريعة المحمدية راغب فی زیّ المجوسية، كذا نقله المناوی (ص۳۱۷/۲)۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ اس رات کے اندر مغفرتِ عامہ کے متعلق بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں، اگرچہ اکثر متکلم فیہ ہیں مگر قوی بھی ہیں جیسے معاذ بن جبلؓ کی روایت جسکو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے،

بیہقی نے متعدد روایات کے متعلق انقطاع کے تسلیم کرنے کے باوجود جيّد السند ہونے کا حکم لگایا ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل گزرچکی، علامہ مجد الدین ابن تیمیہ کا کلام گزرچکا ہے کہ "ليلة النصف من شعبان روی فی فضلها من الأخبار ما يقتضی أنها مفضّلة"۔

امام شافعی فرماتے ہیں: بلغنا أن الدعاء يستجاب فی خمس ليال، فی ليلة الجمعة وليلة الأضحىٰ وليلة الفطر وأول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان، ذكره صاحب الروضة من زياداته، ووصله ابن ناصر فی كتاب فضائل شعبان له۔

قال الحافظ ابن حجر فی التلخيص (ص۸۰/۲): وفيه حديث ذكره صاحب مسند الفردوس من طريق إبراهيم بن أبی يحیٰ عن أبی معشر عن أبی أمامة هو ابن سهل مرفوعاً نحوه، انتهى۔

وقال الزبيدی فی الاِتحاف (ص۴۲۷/۳): ذكر التقی السبكی فی تفسيره: أن إحياء ليلة النصف من شعبان يكفّر ذنوب السنة وليلة الجمعة تكفّر ذنوب الأسبوع وليلة القدر تكفّر

ذنوب العمر"۔ اھ۔

صلوۃ الرغائب کا حکم

حنفیہ میں سے صاحب الدرالمختار نے (ص۴۶۰ ج۱) عیدین، نصف شعبان، رمضان کے عشرۂ اخیرہ اور ذی الحجہ کے عشرۂ اولی کی شب بیداری کو مندوبات میں شمار کیا ہے، علامہ محمد امین بن عمر عابدین الشامی کہتے ہیں (ص۴۶۰ ج۱): **قد بسط الشرنبلالی فی الاِمداد ما جاء فی فضل هذه اللیالی کلّها،**

لیکن مسجد میں اجتماع اور جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے،

صاحب امداد الفتاح نے فرادیٰ یعنی تنہا پڑھنے کے ساتھ مقید کیا ہے،

صاحبِ نورالایضاح فرماتے ہیں: **ویکره الاِجتماع علی إحیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد،**

علامہ ابن عابدین شامی کہتے ہیں (ص۱/۴۶۱): **وصرّح بکراهة ذالک فی الحاوی القدسی وقال: وما روی من الصلوات فی هذه الأوقات یصلّی فرادیٰ غیر التراویح.**

قال فی البحر: ومن هٰهنا یعلم کراهة الاِجتماع علی صلوة الرغائب الّتی تفعل فی رجب فی أول جمعة وأنها بدعة، وما یحتاله أهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والکراهة فباطل، اھ۔

قال ابن عابدین: وقد صرّح بذالک فی البزازیة وقد بسط الکلام علیها شارحا المنیة وصرّحا بأن ما روی فیها باطل موضوع، وللعلامة نور الدین المقدسی فیها تصنیف حسن سمّاه "ردع الراغب عن صلوة الرغائب" أحاط فیه بغالب کلام المتقدمین والمتأخرین من المذاهب الأربعة۔ اھ۔

صلوۃ الرغائب کا بدعت ہونا تقریباً متفق علیہ ہے، حافظ ابن الصلاح اولاً یہی کہتے تھے پھر رجوع کرلیا اور استحباب کے قائل ہوگئے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام ہمیشہ اسکی تردید کرتے رہے اور منع کے قائل تھے، اس سلسلہ میں بعض حدیثیں بھی نقل کی جاتی ہیں مگر وہ باطل ہیں، سارے محققین فرماتے ہیں کہ صلوۃ الرغائب بدعت ہے، اور اس سلسلہ میں جو حدیث نقل کی جاتی ہے وہ موضوع ہے، ابواسمٰعیل الانصاری، ابوبکر السمعانی، ابوالفضل بن ناصر، ابوالفرج بن الجوزی، ابوشامہ، نووی (ص۳۶۱ ج۱)، ابن دقیق العید، ابن تیمیہ، ذہبی، ابن رجب، عراقی، ابن حجر وغیرہم نے اسکی تصریح کی ہے،

شبِ براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم

اب ایک اور بات قابل تنبیہ ہے، وہ یہ کہ اب تک تو یہ گفتگو تھی کہ شبِ براءۃ میں خاص طور سے اجتماعاً یا انفراداً بیدار رہنا کیسا ہے؟ اسکے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس رات میں مخصوص طریقے پر نماز پڑھی جاتی ہے اور اسمیں متعدد روایات نقل کی جاتی ہیں، مگر وہ سب بے اصل و باطل ہیں، روایات مستقل فصل میں آرہی ہیں،

شیخ ابن حجر المکی تحفة المحتاج میں لکھتے ہیں (ص۲/۲۳۹): **والصلوة المعروفة ليلة الرغائب ونصف شعبان بدعة قبيحة، وحديثها موضوع، وبين ابن عبد السلام وابن الصلاح مكاتبات وإفتاءات متناقضة بينتها مع ما يتعلق بها فی كتاب مستقلّ سمّيته ”الاِيضاح والبيان لما جاء فی ليلتی الرغائب والنصف من شعبان“۔ انتهی۔**

وقال التقی السبكی فی تقييد التراجيح: الاِجتماع لصلٰوة ليلة النصف من شعبان ولصلوة الرغائب بدعة مذمومة۔

وقال النووی فی شرح المهذب(ص۴/۵۶): الصلوة المعروفة بصلوة الرغائب وهی ثنتی عشرة ركعة تصلّٰی بين المغرب والعشاء ليلة أول جمعة فی رجب وصلوة ليلة نصف شعبان مائة ركعة، وهاتان الصلٰوتان بدعتان ومنكرتان قبيحتان، ولَا يغترّ بذكرهما فی كتاب قوت القلوب وإحياء علوم الدين ولَا بالحديث المذكور فيهما فإن كل ذالک باطل، ولَا يغترّ ببعض من اشتبه عليه حكمهما من الأئمة فصنّف ورقات فی استحبابهما، فإنه غالط فی ذالک، وقد صنّف الاِمام ابومحمد عبد الرحمٰن بن اسمٰعيل المقدسی كتاباً نفيساً فی إبطالهما فأحسن فيه وأجاد، رحمه الله۔

وقال النووی كما ذكر الزبيدی فی الاِتحاف (ص۴۲۷ ج۳): هاتان الصلٰوتان بدعتان موضوعتان منكرتان قبيحتان، ولَا تغترّ بذكرهما فی كتاب القوت والاِحياء، وليس لأحد أن يستدلّ علی شرعيتهما بقولهﷺ 'الصلوة خير موضوع' فإن ذالک يختصّ بصلوة لَا تخالف الشرع بوجه من الوجوه، وقد صحّ النهی عن الصلوة فی الأوقات المكروهة، اهـ۔

فصل ثالث

ان بعض روایتوں کے بیان میں جن میں مخصوص نمازوں کا اس رات میں تذکرہ ہے۔

الصورة الأولیٰ

أخرج ابن الجوزی فی الموضوعات (ص۲/۱۲۷) فقال: أخبرنا محمد بن ناصر الحافظ أنبأنا أبو علی الحسن بن أحمد بن الحسن الحداد أنبأنا أبوبکر أحمد بن الفضل بن محمد المقری أنبأنا أبو عمرو عبد الرحمٰن بن طلحة الطلحی أنبأنا الفضل بن محمد الزعفرانی حدثنا هارون بن سلیمان حدثنا علی بن الحسن عن سفیان الثوری عن لیث عن مجاهد عن علی بن أبی طالبؓ عن النبی ﷺ أنه قال: ”یا علی! من صلّی مائة رکعة فی لیلة النصف من شعبان یقرأ فی کل رکعة بفاتحة الکتاب وقل هو الله أحد عشر مرّات قال النبیﷺ یا علی! ما من عبد یصلّی هذه الصلوات الّا قضیٰ الله عزوجل له کلّ حاجة طلبها تلک اللیلة، قیل یا رسول الله! وإن کان الله جعله شقیّا أیجعله سعیداً ؟ قال: والذی بعثنی بالحق یا علی! إنه مکتوب فی اللوح أن فلان بن فلان خلق شقیّا یمحوه الله عزوجل ویجعله سعیداً ویبعث الله إلیه سبعین الف ملک یکتبون له الحسنات ویمحون عنه السیئات ویرفعون له الدرجات الی رأس السنة ویبعث الله عزوجل فی جنّات عدن سبعین الف ملک أو سبع مائة الف ملک یبنون له المدائن والقصور ویغرسون له الأشجار ما لَا عین رأت ولَا أذن سمعت ولَا خطر علی قلب المخلوقین مثل هذه الجِنان، فی کل جنة علی ما وصفت لکم من المدائن والقصور والأشجار، فإن مات من لیلته قبل أن یحول الحول مات شهیداً ویعطیه الله عزوجل بکل حرف من قل هو الله أحد فی لیلته من ذالک سبعین الف حوراء لکل حوراء وصیف ووصیفة وسبعون الف غلمان وسبعون الف ولدان وسبعون الف قهارمة وسبعون الف حجاب، وکلّ من قرأ قل هو الله أحد فی تلک اللیلة یکتب له أجر سبعین شهیداً وتقبل صلٰوته التی صلاها قبل ذالک ویقبل ما صلّی بعدها، وان کان والداه فی النار دعا لهما أخرجهما الله من النار بعد أن لم یشرکا بالله شیئا ویدخلان الجنة ویشفع کلّ واحد منهما فی سبعین الفا الی آخر ثلث مرّات، والذی بعثنی بالحق انه لَا یخرج من الدنیا حتی یری منزله من الجنة کما خلقه الله أو یری له، والذی بعثنی

بالحق إن الله يبعث فى كلّ ساعة من ساعات الليل والنهار وهى أربع وعشرون ساعة سبعين الف ملک يسلّمون عليه ويصافحونه ويدعون له الىٰ أن ينفخ فى الصور، ويحشر يوم القيامة مع الكرام البررة ويأمر الكاتبين علىٰ أن لَا تكتبوا على عبدى سيئة واكتبوا له الحسنات الى أن يحول عليه الحول، ومن صلّى هذه الصلوة وهو يريد الصلوة والدار الآخرة يجعل الله له نصيباً من عنده تلک الليلة”۔

وأخرج الجوزقانى فى الأباطيل ومن طريقه ابن الجوزى فى الموضوعات (ص۱۲۸/۲): أنبأنا محمد بن جابان المذكر أنبأنا أبو بكرمحمد بن على بن زيرک أنبأنا أبو سهل عبيد الله بن محمد بن زيرک أنبأنا أبوبكر بن أبى زكريا الفقيه حدثنا إبراهيم بن محمد الدربندى حدثنا أحمد بن أصرم المزنى حدثنا أبو إبراهيم الترجمانى حدثنا صالح الشامى عن عبد الله بن ضرار عن يزيد بن محمد عن أبيه محمد بن مروان عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”من قرأ ليلة النصف من شعبان ألف مرّة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ فى مأة ركعة لم يخرج من الدنياحتى يبعث الله إليه فى منامه مائة ملک، ثلاثون يبشّرونه بالجنة وثلاثون يؤمنونه من النار وثلثون يعصمونه من أن يخطئ وعشر يكيدون من عاداه”۔

وأخرج ابن الجوزى (ص۱۲۸ ج۲) قال: أخبرنا محمد بن ناصر أنبأنا أبوعلى بن البناء أنبأنا أبو عبد الله الحسين بن عمر العلاف حدثنا أبو القاسم الفامى حدثنا على بن بندار البردعى حدثنا أبو يوسف يعقوب بن عبد الرحمٰن حدثنا محمد بن عبيد الله قال سمعت أبى يقول حدثنا على بن عاصم عن عمرو بن مقدام عن جعفربن محمد عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: ”من قرأ ليلة النصف من شعبان ألف مرّة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ فى مائة ركعة، فى كل ركعة ”الحمد“ مرة و﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ عشر مرّات لم يمت حتى يبعث الله إليه مائة ملک، ثلاثون يبشّرونه بالجنة وثلاثون يؤمنونه من النار وثلاثون يقوّمونه أن يخطئ وعشرة أملاک يكتبون أعداءه”۔

قال ابن الجوزى: هذا حديث لَا نشکّ أنه موضوع، وجمهور رواته فى الطرق الثلاثة مجاهيل وفيهم ضعفاء بمرّة، والحديث محال قطعاً، وقد رأينا كثيراً ممّن يصلى هذه الصلوة

يتفق قصر الليل فينامون عقيبها فتفوتهم صلوة الفجر ويصبحون كسالى، وقد جعلها جهلة أئمة المساجد مع صلوة الرغائب ونحوها من الصلوات شبكة لجمع العوام وطلباً للرياسة والتقدم وملأ بذكرها القصّاص مجالسهم، وكل ذالک عن الحق بمعزل، انتهى۔

وقد وافق ابن الجوزى السيوطى فى اللآلى (ص ۵۰و ۵۱ ج ۲) وابن عراق فى تنزيه الشريعة (ص ۹۳ ج ۲) وذكر الذهبى الطريق الأول فى الميزان فى ترجمة على بن الحسن بن يعمر السامى الراوى عن الثورى وقال: وهو باطل، ووافقه الحافظ ابن حجر فى اللسان، وعلى بن الحسن كذّبه الدارقطنى، وقال ابن حبان: لَا يحلّ كتب حديثه الّا على جهة التعجب، وقال الحاكم وأبو سعيد النقاش: روى أحاديث موضوعة۔

الصورة الثانية

قال ابن الجوزى (ص ۱۲۹ / ۲): أخبرنا محمد بن ناصر أنبأنا أبو على بن البنّاء أنبأنا أحمد بن على الكاتب أنبأنا أبو سهل عبد الصمد بن محمد القنطرى حدثنا أبو الحسن على بن أحمد البزنانى حدثنا أحمد بن عبد الله بن داود حدثنا محمد بن جبهان حدثنا عمر بن عبد الرحيم حدثنا محمد بن وهب بن عطية الدمشقى عن بقية بن الوليد عن ليث بن أبى سليم عن القعقاع بن مسور الشيبانى عن أبى هريرةؓ عن النبیﷺ قال: ”من صلّى ليلة النصف من شعبان ثنتى عشرة ركعة يقرأ فى كلّ ركعة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ ثلاثين مرّة لم يخرج حتى يرىٰ مقعده من الجنة ويشفع فى عشرة من أهل بيته كلّهم وجبت لهم النار“۔

قال ابن الجوزى: هذا موضوع أيضا، وفيه جماعة مجهولون قبل أن يصل إلى بقية وليث وهما ضعفاء فالبلاء من قبله، وأقرّه السيوطى فى اللآلى (ص ۵۹ / ۲)، وابن عراق فى تنزيه الشريعة (ص ۹۳) والزبيدى فى الإتحاف (ص ۴۲۶ / ۳)۔

الصورة الثالثة

وأخرج الجوزقانى ومن طريقه ابن الجوزى (ص ۱۲۹ / ۲): أنبأنا أبوالحسين على بن الحسن ابن محمد الكرجى حدثنا: أبو عبد الله الحسين بن على بن محمد الخطيب أنبأنا الحاكم أبو القاسم عبد الله بن أحمد الحسكانى حدثنى أبو القاسم عبد الخالق بن على

المؤذن حدثنا أبو جعفر محمد بن بسطام القومسی حدثنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن جابر حدثنا أحمد بن عبد الكريم حدثناخالد الحمصی عن عثمان بن سعيد بن كثيرعن محمد بن المهاجر عن الحكم بن عتيبة عن إبراهيم قال: قال علی بن أبی طالبؓ: ”رأيت رسول اللهﷺ ليلة النصف من شعبان قام فصلّى أربع عشرة ركعة، ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأمّ القرآن أربع عشرة مرّة، و﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ أربع عشرة مرّة، و﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ أربع عشرة مرّة و﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ أربع عشرة مرة، وآية الكرسی مرّةً و﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ﴾ الآية، فلما فرغ من صلوته سألته عمّا رأيت من صنيعه، فقال: من صنع مثل الذی رأيت كان له كعشرين حجّة مبرورة وكصيام عشرين سنة مقبولة، فإن أصبح فی ذالک اليوم صائماً كان له كصيام سنتين، سنة ماضية وسنة مستقبلة“۔

قال ابن الجوزی: هذا موضوع، وأقرّه السيوطی وابن عراق والزبيدی، وقد تقدم الكلام عليه۔

كتبه العبد محمد يونس عفی عنه

* * *

كان أبو هريرةؓ يوم الجمعة الخ“ کہاں ہے؟ اورکس خلیفہ کے دور میں منبر کے پاس روایت کرتے تھے؟

سوال:

مندرجہ ذیل روایت صحیح ہے یاغلط؟ روایت مستدرک حاکم کی ہے جومیرے پاس نہیں ہے، اسمیں اور دیگر کتبِ حدیث میں غور فرما کر مع صفحہ وجلد تحریر فرمائیں۔

روایت یہ ہے:

أخبرنا سلمان الفقيه ثنا إسماعيل بن اسحاق القاضی ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال: كان أبو هريرةؓ يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول: ”قال أبو القاسم

صلی الله عليه وسلم، قال الصادق المصدوق صلی الله عليه وسلم“ ثم يقول فی بعض ذلک: ”ويل للعرب من شرّ قد اقترب الخ“۔ فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس۔

هذا حديث صحيح ولم يخرجاه، قال الحاكم: إنما الغرض فيه استحباب رواية الحديث عند المنبر قبل خروج الإمام ۔

یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ ابو ہریرہؓ کس خلیفہ کے زمانہ میں منبر کے پاس روایت فرماتے تھے، شاید حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہو۔

مولانا ذاکرحسن بنگلور

جواب:

یہ روایت مستدرک حاکم کی ہے، اس کے الفاظ مع الاسناد والمتن حسب ذیل ہیں۔

أخبرنا أحمد بن سلمان الفقيه ثنا إسمعيل بن إسحاق القاضی ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال كان أبو هريرةؓ يقوم يوم الجمعة إلی جانب المنبر فيطرح أعقاب نعليه فی ذراعيه ثم يقبض علٰی رمانة المنبر يقول: ”قال أبو القاسم صلی الله عليه وسلم، قال محمد صلی الله عليه وسلم، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم، قال الصادق المصدوق صلی الله عليه وسلم“ ثم يقول فی بعض ذلک: ”ويل للعرب من شرّ قد اقترب“، فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس“۔

هذا حديث صحيح علٰی شرط الشيخين ولم يخرجاه هكذا، وليس الغرض فی تصحيح حديث ويل للعرب من شرّ قد اقترب، فقد أخرجاه، وإنّما الغرض فيه استحباب رواية الحديث علٰی المنبر قبل خروج الإمام، انتهٰی۔ قال الذهبی: فيه انقطاع۔

یہ تحقیق نہیں کہ کس خلیفہ کے زمانہ کا واقعہ ہے، بظاہر حضرت عثمانؓ کے زمانہ کی بات ہوگی جیسا کہ آپ نے خود ہی احتمالاً لکھا ہے۔ محمد یونس غفرلہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

◆◆◆

کیا کوئی صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے؟ کسی کو بھائی یا بہن بنا کر پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟

سوال ۱:

کسی صحابی کے بارے میں پڑھا کہ وہ پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے، ایک بار انہوں نے خود اپنا ہی پیٹ چاک کر لیا اور اسمیں موت واقع ہوگئی۔

خیال پڑتا ہے کہ اصابہ کی قسم رابع موالی صحابہ کے بیان میں ہے، یا اسطرح کا فن جراحی سے متعلق کوئی واقعہ عہد صحابہ میں یاد ہو تو تحریر کریں۔

سوال ۲: یہاں دلی میں کسی کو بھائی یا بہن بنا لینے کا دستور ہے اور پھر اس سے پردہ نہیں رہتا، اسکی قباحت عام احکام کے علاوہ کیا کوئی خصوصی نکیر یا نکیر کے لئے نظیر مل سکتی ہے؟

مولوی عبداللہ طارق دہلوی۔

جواب ۱:

مجھے ان صحابی کا واقعہ یاد نہیں جو پیٹ چاک کر کے پیٹ کا علاج کرتے تھے اور اپنا پیٹ ایک مرتبہ چاک کیا اسمیں انکی موت واقع ہوگئی۔

البتہ ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس عمل کا عہد نبوت میں وجود ملتا ہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر (ص ۲۱۶/ ۲) میں لکھتے ہیں: أخرج حميد بن زنجويه: ”أنّ أناساً جاؤا إلى المصطفٰیﷺ من الأنصار فقالوا: إنّ أخانا استسقٰی بطنه أفتأذن لنا أن نداويه؟ قال: بماذا؟ قالوا: يهودیّ هنا يشقّ بطنه، فكره ذٰلک وقال: لَاآذن حتیٰ جاء وه مرّتين أوثلثاً، وفی كلّ ذٰلک يأبی حتّی قال: افعلوا، فدعوا له اليهودیّ فشقّ بطنه ونزع منه فرخاً عظيماً ثمّ غسل بطنه ثم خاطه ثم واراه فصحّ وبرئ، فرآه المصطفٰیﷺ وهو مارّ بالمسجد فقال: أليس ذٰلک بفلان؟ قالوا: بلٰی فقال: أدعوه إلیّ فنظرإلی بطنه فوجده قد صحّ فقال: إن الذی خلق الداء

جعل له الدواء الّا السام"۔

جواب ۲:

کسی کو بھائی یا بہن بنالینا اور پھر اس سے پردہ نہ کرنا شرعاً قبیح ہے، لیکن اس پر کوئی خصوصی نکیر یا اس کی نظیر مستحضر نہیں ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۸/شوال ۱۴۰۱ھ

* * *

احادیث ورُوات کے متعلق بیس سوالات اور انکے جوابات

(نوٹ: جواب ہی سے سوال کا پتہ چل رہا ہے اس لئے سوالات نقل نہیں کئے ہیں۔)

جواب:

(۱) "الصلوة معراج المؤمنين" حدیث نہیں ہے، کسی کا مقولہ ہے، غالباً اس کا ماٗخذ حدیث "المصلّی يناجی ربّه" اور حضور اکرم ﷺ کا معراج میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے۔

(۲) حدیث "صلّوا كما رأيتمونی أصلّی" رواه البخاری عن مالك بن الحويرثؓ۔

أنظر البخاری 'باب الأذان للمسافر'۔

(۳) اگرچہ قاضی ابن العربی نے ساعتِ واحدہ میں جمع بين الأزواج فی الطواف عليهنّ کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بحوالہ مسلم نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عصر کے بعد ایک ساعت مخصوصہ عطاء کی گئی تھی جس میں آپ کو سب کے پاس جانے کا حق تھا اور اگر عصر کے بعد نہ ہو تو مغرب کے بعد، مگر یہ روایت مجھے حضرت ابن عباسؓ سے مسلم میں نہیں ملی۔

امام بخاری نے کتاب النکاح میں مختصراً (ص ۷۸۵) اور کتاب الطلاق میں (ص ۷۹۳) اور امام مسلم نے (ص ۱/۴۷۹) حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے، اس میں عصر کے بعد کا ذکر ہے مغرب کا ذکر نہیں ہے۔

(۴) حدیث "كل عبادة لم يتعبّدها أصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها، فإنّ الأوّل لم يدع

لـلآخـر مـقـالاً، فـاتّـقـوا الله يا معشر القرّاء وخذوا بطريق من كان قبلكم“، ذكره الشاطبي في الاِعتصام (ص ۱۳۲/ ۲)، ولـم أجـده في سنن أبي داود ولَا الترمذي ولَا ذكره الحافظ المزّي في الأطراف، ولَاالشيخ عبد الغني النابلسي في ذخائرالمواريث۔

(۵) ترمذی کی روایت (ص ۱۹۵/ ۲) ”قـام رسـول الله ﷺ عام أوّل“ کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ سال کھڑے ہوئے، ابن النحام کے قصہ میں بھی عام اول سے گذشتہ سال مراد ہے۔

(۶) ”لَايقلبه إلّا بذلک“ کا مطلب یہ ہے ’کپڑے کو الٹ پلٹ کرے‘، بس مس کرے، چھولے، یہی اسکا الٹنا پلٹنا ہے، چونکہ قاعدہ ہے کہ کپڑا خریدنے والا کپڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے، تو بیعِ ملامسہ کے وقت بائع مشتری سے یہ کہا کرتا تھا کہ اس کو تم چھولو، بس یہی الٹ پلٹ کر گویا دیکھنا ہوا۔

(۷) زین بن نجیم کا ضبط اس وقت کہیں نہیں ملا، لیکن یہ لفظ بلا تأمل بضم النون ہے، یہ نجم (تارا) کی تصغیر ہے۔

(۸) توربشتي: توربشت کی طرف نسبت ہے، وهـو بـضـمّ التاء المثنّاة من فوق بعدها واوساكنة ثـمّ راء مـكـسـورة ثـمّ مـوحّـدة مكسورة ثمّ شين معجمة ساكنة ثم تاء مثنّاة من فوق، قاله التاج السبكي (ص ۱۴۶/ ۵)۔

(۹) نابلسي: نابلس کی طرف نسبت ہے، وهـو بـضـمّ الباء الموحّدة واللام والسين مهملة، كذا ضبطـه الـحـموي في معجم البلدان (۲۳۲/ ۸)، وقـال: سـئـل شـيـخ من أهل المعرفة من أهل نـابلس لِم سمّيت بذلک؟ فقال: إنّه كان هٰهنا واد فيه حيّة قد امتنعت فيه وكانت عظيمة جدّا، وكانوا يسمّونها بلغتهم ’لُسُ‘ فاحتالوا عليها حتّى قتلوها وانتزعوا نابها وجاؤا بها فعلّقوها علٰى بـاب هـذه الـمـدينة، فقيل هذا ’نابُ لس‘ اى ناب الحيّة، ثمّ كثر استعمالها حتى كتبوها متّصلة ’نابلس‘ هكذا، وغلب هذا الاِسم عليها، وهي مدينة مشهورة بأرض فلسطين ۔

(۱۰) البـلـقـيـنـي: بـضـمّ فـسـكـون فـكـسـر ،كذا ضبطه الزرقاني في شرح المواهب، وقبله السخاوي كما في هامش لحظ الألحاظ (ص ۱۰۶)، وقـال محمد بن جعفرالكتّاني في رسالته (ص ۱۶۸): البـلـقـيـنـي نسبة إلى بُلقين بضمّ الموحّدة وسكون اللام والياء وكسر القاف، قرية بمصر قرب الحلة ۔

(۱۱) الدميرى، فى التعليقات السنيّة علىٰ الفوائد البهيّة عن مدينة العلوم للازنيقى: منهم من يقول: بكسر الدال المهملة وكسر الميم، ومنهم من يقول: بفتح الدال وكسر الميم، ولعلّ الصواب هو الأخير، لأنّى رأيته مضبوطاً بخطّ بعض الثقات، اھ ۔

(۱۲) القرطبى: قرطبة کی طرف نسبت ہے، قال الحموى: قرطبة، بضمّ أوّله وسكون ثانيه وضمّ الطاء المهملة أيضاً والباء الموحّدة، كلمة فيما أحسب أعجميّة روميّة، ولها فى العربية مجال، يجوز أن يكون من القرطب وهو العدو الشديد، وقال الأصمعى: طَعنه فقَرطَبهٗ إذا صرعه، والقرطب السيف كأنّه من قرطبه اى قطعه، وهى مدينة عظيمة بالأندلس، اھ۔

(۱۳) المقدسى: نسبت ہے بیت المقدس کی طرف، اور مقدس دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، بفتح الميم وكسر الدال بروزنِ مسجد اور بضمّ الميم وفتح القاف وتشديد الدال بروزنِ محمّد، دونوں کی طرف نسبت کی جاتی ہے، قال الجوهرى: بيت المقدس يشدّد ويخفّف، والنسبة إليه مقدسىّ مثال مجلسىّ، ومقدسىّ قال امرؤ القيس:

كما شبرق الولدان ثوب المقدّسى

يعنى يهوديّاً، كذا فى تهذيب اللغات للنووى (ص ۱۰۹/ ۲)۔

(۱۴) الطيبى: نسبت ہے طیب بكسر الطاء وسكون الياء ثم الباء الموحّدة کی طرف جو ایک شہر ہے، كذا ضبطه السمعانى (ص ۱۲۰/ ۹) والحموى (ص ۷۶/ ۶)، قال السمعانى: بليدة بين واسط وكور الأهواز۔ وقال الحموى: بليدة بين واسط وخوزستان، والأهواز هى خوزستان الأوّل اسم اسلامى، والثانى اسم قديم كان فى أيام الفرس، كما ذكره الحموى (ص ۳۸۰/ ۱)، وصرّح الزرقانى فى شرح المواهب (ص ۷۷/ ۵): أنّه منسوب إلىٰ هذه البلدة،

واسمه الحسين بن عبد الله بن محمد، هكذا سمّى نفسه فى أوّل شرح المشكوٰة، وكذا سمّاه تلميذه فى أسماء رجال المشكوٰة والحافظ ابن حجر فى أوّل تخريجه أحاديث المصابيح، وانقلب عليه فى الدرر الكامنة (ص ۱۸۵/ ۲)، فذكره فيمن اسمه الحسين بن محمد بن عبد الله، فذكر الجد موضع الأب والأب موضع الجد، وقال البغدادى فى هدية

العارفين: الحسن بن محمد، وهوأيضاً وهم، توفّى يوم الثلثاء ثالث عشر من شعبان ۷۴۳ھ۔

(۱۵) القسطلانی، قال الزرقانی فی شرح المواهب (ص ۸/۴۲۲): بفتح القاف وشدّ اللام علىٰ ما اشتهر، اھ۔ ہمارے اساتذہ بتخفیف اللام بولتے ہیں، میں نے بعض عربی کتابیں دیکھی ہیں جیسے **الرسالة المستطرفة** (ص ۱۶۳) اور **قواعد علوم الحديث** اسمیں تشدید لگی ہوئی ہے۔

علامہ ابن فرحون المالکی **الديباج المذهّب** (ص ۶۷) میں ابوالعباس احمد بن علی القیسی المالکی المعروف بابن القسطلانی کے متعلق لکھتے ہیں: **نسبة إلى قسطلنية من إقليم افريقية،** علامہ کتانی رسالہ مستطرفہ میں (ص ۱۰۳) حافظ قطب الدین القسطلانی کے متعلق لکھتے ہیں: **نسبة إلى قسطلنية بضمّ القاف وتخفيف اللام، وبعضهم ضبطه بفتحها وشدّ اللام من إقليم إفريقية بالمغرب، انتهى۔**

قسطلانی شارح بخاری کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۱۶) عياض: بكسرالعين المهملة وفتح الياء المثناة وبعدها ألف وضاد معجمة، كذا قاله الشهاب الخفاجی فی نسيم الرياض فی شرح شفاء القاضی عياض (ص ۱/۵)، وكذا ضبطه علیّ القاری بكسرالعين ۔

(۱۷) ابن خلکان کا ضبط نہیں ملا، لیکن زبان زد **بفتح الخاء المعجمة وشدّ اللام المكسورة** ہے، اور یہی اعراب عمر رضا کحّالہ کی **معجم المؤلفين** (ص ۲/۵۹) میں لگا ہوا ہے۔

(۱۸) ابن خلدون کا ضبط کہیں نہیں ملا، صاحبِ **نيل الاِبتهاج** نے اتنا لکھا ہے (ص ۱۶۹):

قال بعضهم: خلدون بفتح الخاء المعجمة وآخره نون، عمر رضا کحّالہ نے **معجم المؤلفين** میں (ص ۵/۱۸۸) ان کا تذکرہ کیا ہے اور خاء پر فتحہ اور لام پر جزم کی علامت لگائی ہے، حافظ ابن حجر انکے معاصر ہیں، **إنباء الغمر** میں (ص ۵/۳۲۷) انکا تذکرہ کیا ہے لیکن ضبط نہیں کیا۔

(۱۹) منبر نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کے بارے میں روایات مختلف ہیں،

فعند أحمد (ص ۳/۲۲۶) من حديث أنسؓ "ابنوا لی منبراً"، أراد أن يسمعهم، فبنوا له عتبتين،

وعند الطبرانی فی الكبير من حديث سهل بن سعدؓ: "فعمل له منبراً له عتبتان وجلس

علیهما‘‘،

وعند ابن سعد (ص۱/۲۵۰) من حدیث أبی هریرةؓ: ’’ثمّ عمل درجتین ومقعداً‘‘، وفیه الواقدی،

وعند ابن خزیمة (ص۳/۱۴۰) من حدیث أنسؓ: ’’فصنع له منبراً له درجتان ویقعد علی الثالثة‘‘،

وعند أبی داود (ص۲/۱۷۸) من حدیث ابن عمرؓ: ’’فاتّخذ له منبراً مرقاتین‘‘،

وعند البیهقی (ص۵/۱۹۶) من حدیثه: ’’فاتّخذ له مرقاتین او ثلاثة‘‘

وعند أحمد (ص۲/۱۰۹) من حدیثه أیضاً: ’’فصنعوا له منبراً ثلاث مراقٍ‘‘

وعند الدارمی (ص۱/۳۶۷) من حدیث سهل بن سعدؓ: ’’فجعلوا له مرقاتین أوثلثاً‘‘۔

وعند مسلم (ص۱/۲۰۶) من حدیث سهلؓ أیضاً: ’’فعمل هذه الثلاث درجات‘‘۔

وعند أحمد (ص۵/۳۳۹) من حدیثه: ’’فعمل المنبر ثلاث درجات‘‘۔

وعند البیهقی (ص۳/۱۹۵) من حدیثه: ’’فعمل له هذه الدرجات الثلاث‘‘۔

وعند ابن سعد (ص۱/۲۵۲) من حدیثه: ’’فعمل هذه الثلاث الدرجات من طرفاء الغابة‘‘، وعنده من حدیثه: ’’قطع للنبیﷺ ثلاث درجات من طرفاء الغابة‘‘۔

وعند أحمد (ص۵/۱۳۷) من حدیث أبیّ بن کعبؓ: ’’فصنع له ثلاث درجات التی علی المنبر‘‘۔

وعند عبد الله بن أحمد فی زوائد مسند أبیه (ص۵/۱۳۸) من حدیث أبیؓ أیضاً: ’’فصنع له ثلاث درجات هی التی علی المنبر‘‘، وعنده أیضاً (ص۵/ ۱۳۹) من حدیثه: ’’فصنعوا له ثلاث درجات‘‘۔

وعند ابن سعد (ص۱/۲۵۲) من حدیثه: ’’فصنع له ثلاث درجات هنّ اللاتی علی المنبر أعلی المنبر‘‘۔

وأخرج إسماعیل القاضی فی فضل الصلوة علی النبیﷺ (ص۳۵) والحاکم فی المستدرک عن کعب بن عجرةؓ قال قال رسول اللهﷺ: ’’أحضروا المنبر! فحضرنا فلمّا ارتقی

الدرجة قال: آمين، ثم ارتقى الدرجة الثانية فقال: آمين، ثم ارتقى الدرجة الثالثة فقال: آمين، فلما فرغ نزل عن المنبر، قال: فقلنا له يا رسول الله! لقد سمعنا منک اليوم شيئاً ما كنا نسمعه، قال: إن جبرائيل عرض لی فقال: بَعُد من أدرک رمضان فلم يغفر له، فقلت آمين، فلما رقيت الثانية قال: بَعُد من ذكرت عنده فلم يصلّ عليک، فقلت: آمين، فلما رقيت الثالثة قال: بَعُد من أدرک أبويه الكبر أو أحدهما فلم يدخلاه الجنة، فقلت: آمين"، قال الحاكم: صحيح الاِسناد۔

ونحوه حديث مالک بن الحويرثؓ عند ابن حبان فی صحيحه۔

وحديث عبد الله بن الحارث بن جزء عند الطبرانی والبزار بإسناد واهٍ۔

وحديث جابرؓ عند يحیٰ بن الحسن فی تاريخ المدينة فی كلّها ذكر ثلاث درجات۔

وعند الطبرانی فی الأوسط (ص۱۸۲/۲ مجمع) من حديث عائشةؓ: "فجعل له المنبر أربع مراقی"، وفيه صالح بن حيان وهو ضعيف۔

وعند يحيیٰ بن الحسن فی تاريخ المدينة منقطعاً عن ابن ابی الزناد وغيره: "ثم عملها درجتين ومجلساً"، كذا فی الوفاء (ص۲۷۸/۱)۔

وعند ابن عبد البرّ فی الاِستيعاب عن باقوم الرومیؓ قال: "صنعت لرسول اللهﷺ منبراً من طرفاء وله ثلاث درجات، المقعدة ودرجتيه"، قال ابن عبد البرّ: وإسناده ليس بالقائم (وفاء ص۲۸۰/۱)۔

وروی يحيیٰ عن ابن أبی الزناد: "أن النبیﷺ كان يجلس على المجلس ويضع رجليه على الدرجة الثانية، فلما ولی أبو بكرؓ قام على الدرجة الثانية ووضع رجليه على الدرجة السفلیٰ، فلما ولی عمرؓ قام على الدرجة السفلیٰ ووضع رجليه على الأرض إذا قعد، فلما ولی عثمانؓ فعل ذالک ستّ سنين من خلافته، ثم علا الیٰ موضع النبیﷺ ثمّ قال، قالوا: فلما استخلف معاويةؓ زاد فی المنبر فجعل له ستّ درجات (وفاء ص۲۸۲/۱)۔

وروی ابن زبالة عن ابن قطن: "قلع مروان بن الحكم منبر رسول الله ﷺ وكان درجتين والمجلس، وأراد أن يبعث به إلى معاويةؓ، قال فكسفت الشمس حتیٰ رأينا النجوم، قال فزاد فيه

ستّ درجات"،

وروى ابن النجار زيادة مروان فيه: "وأنه صار تسع درجات بالمجلس".

ان روایات وآثار کے دیکھنے سے چھ الفاظ ملتے ہیں (۱) **عتبتين** (۲) **مرقاتين** (۳) **مرقاتين أو ثلاثة** (۴) **درجتين ومقعداً وفى لفظ مجلس** (۵) **ثلاث درجات** (۶) **أربع مراقى**

لفظ ثالث شک راوی ہے، لفظ اول وثانی ورابع میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بعض نے مجلس کو ذکر کیا بعض نے نہیں کیا، لفظ خامس اکثر روایات میں وارد ہوا ہے، اس سے بظاہر تین درجات معلوم ہوتے ہیں،

بعض حضرات کہتے ہیں تین درجے تھے جسمیں مجلس بھی شامل تھی اور بعض کی رائے ہے کہ مجلس خارج ہے،

صاحبِ وفاء الوفا نے بہت سے آثار کے بعد لکھا ہے (ص ۱/۲۸۳) **وجميع ما قدّمنا من كلام المؤرخين يقتضي لِاتفاقهم علىٰ أن منبره ﷺ كان درجتين غير المجلس، ونقله ابن النجار عن الواقدى،**

وقال الكمال الدميرى فى شرح المنهاج: وكان ﷺ منبره ثلاث درج غير الدرجة التى تسمىٰ بالمستراح،

وقال ابن عابدين (۱/۵۵۲): ومنبره ﷺ كان له ثلاث درجات غير المسماة بالمستراح، وكذا قال ابن حجر المكى فى التحفة (ص ۲/۲۵۹)،

وقال الخفاجى (ص ۳/۶۱): وكان له درجة ثلاثا، ومن قال اثنتين اسقط محلّ قيامه ﷺ، وقيل: أنّه كان أكثر من ثلاث، اھ۔

علامہ سمہودی کی رائے یہ ہے کہ دو درجے اور ایک مجلس تھی، جن روایات میں تین درجات کا ذکر ہے انکی رائے ہے کہ مجلس پر مجازاً درجہ کا اطلاق کر دیا، اور حضور اقدس ﷺ جبرئیل کے آمین کہنے کے وقت مجلس پر چڑھ گئے تھے۔

بہرحال روایات بھی مختلف ہیں اور علماء کا کلام بھی۔

چار مراقی والی روایت بظاہر وہم ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ مجلس کو مستقل درجہ شمار کرلیا، واللہ اعلم۔

(۲۰) حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے ہم زلف ہونے کا بندہ کو علم نہیں، حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کی شرح شروع کرنے سے پہلے ہی اپنی شرح پوری کرلی تھی اور سب سے پہلے حافظ ابن حجر کی شرح چھپی ہے اور بار بار چھپی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

حضرت آدمؑ کی اجتہادی لغزش کو ان کی ذرّیت بھگت رہی ہے اس طرح کا انداز گفتگو کیسا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی اجتہادی لغزش پر تنقید و تبصرہ

سوال :

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے جنت کا پھل کھانے کے معاملے میں اجتہادی لغزش ہوئی، اور یہ واقعہ ہے کہ ان کی اس اجتہادی لغزش کا خمیازہ آج تک ان کی ذریت کو بھگتنا پڑ رہا ہے، زید کا یہ قول ازروئے شرع کیسا ہے؟

(۲) اسی طرح زید حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی یہ کہتا ہے کہ انہوں نے بعض مصالح کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کر دیں، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی اس اجتہادی غلطی کا امت کو کیسا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

زید کا یہ قول کیسا ہے؟ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں تو اجتہادی غلطی کے مرتکب مانے گئے ہیں، کیا یزید کو ولی عہد نامزد کرنے کے معاملہ میں بھی سنتِ کسریٰ وقیصر کا متبع کہا جائے گا؟ اور ان کے اس فعل کو بھی اجتہادی غلطی پر محمول کیا جائے گا؟

السائل: اعجاز اختر آگرہ

جواب

حامداًومصلیاً

(۱) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب بندے ہیں، انکا مرتبہ اتنا رفیع ہے کہ وہاں تک کسی امتی کی رسائی ناممکن ہے، مگر جیسے تمام انسان وجنات مکلّف ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی مکلّف ہیں، عمداً خدائے پاک کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے ہیں، لیکن بتقاضائے بشریت کبھی بھول چوک ہو سکتی ہے،

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَنَسِيَ آدَمُ فَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً﴾ یہ ممکن ہے کہ بعض وقت کسی خاص حکم کا کوئی مطلب سمجھ لیں جو اپنی جگہ ممکن ہو لیکن وہ مراد نہ ہو تو وہ حضرات اپنی جگہ معذور ہوں گے، لیکن انکی شان رفیع کے مناسب نہ ہونے

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرمائیں یہ عین ممکن ہے،

جیسے بدر کے قیدیوں کے متعلق ترمذی وغیرہ میں ہے کہ قتل وفداء میں اختیار دیا گیا تھا لیکن مسلم شریف میں ہے کہ فداء کے اختیار کرنے پر آیت ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ أَنْ يَّكُونَ لَهٗ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِی الْأَرْضِ﴾ نازل ہوئی،

اب سمجھئے کہ شجرۂ ممنوعہ کے پھل کھانے میں حضرت آدمؑ کو یہی صورت پیش آئی، اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہہ کر مطلق منع فرمایا تھا، شیطان نے جب موقع پاکر شجرہ کے فضائل بیان کئے اورکہا ﴿يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ اورکہا ﴿مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ اورقسم کھائی ﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّی لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾۔ تو حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ کی ممانعت یاد نہ رہی اور یہ سمجھے کہ یہ ابلیس سچی قسم کھا رہا ہے۔

بھلا کوئی جھوٹی قسم کھائے گا؟ ادھر حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کو پھل کھانے پر اصرار کیا تو پھل کھالیا،

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”أما كان لك فيما منحتك من الجنّة وأبحتك منها مندوحة عمّا حرمتُ عليك؟ قال: بلىٰ يا ربّ، ولكن عزّتك ما حسبت أن أحداً يحلف بك كاذباً، قال فبعزّتی لأهبطنك إلى الأرض ثم لا تنال العيش إلّا كدًّا“، رواه عبد الرزّاق۔

ایک دوسری روایت میں ہے ”لمّا أكل آدمؑ من الشجرة قيل لِمَ أكلتَ من الشجرة التی نهيتك عنه؟ قال: حوّاء أمرتنی، قال: فإنّی أعقبتها أن لا تحمل إلّا كُرهاً ولا تضع إلّا كُرها“، رواه ابن جرير (تفسیر ابن کثیر ص۲۰۶/۲)۔

اسکے بعد جنت سے دنیا میں بھیج دئے گئے اور جو کچھ ہوا اسمیں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر کارفرما تھی اور اسمیں خدائے پاک کی صفات کے ظہور کی حکمت مضمر تھی، آدمؑ کا خروج انبیاء وصالحین کے ظہور کا سبب بنا، اتنا بڑا کارخانۂ علم وعمل رونما ہوا۔

قال القاضی أبو بكر بن العربی فی شرح الترمذی: خروج آدمؑ من الجنة هو سبب وجود الذرّية وهذا النسل العظيم ووجود الرسل والأنبياء والصالحين والأولياء، ولم يخرج منها طرداً بل بقضاء أوطار ثم يعود إليها، اه، كذا فی البذل (ص ۱۵۹/۲ و شرح النووی علىٰ مسلم ص ۲۸۲/۱)۔

جب حضرت موسیٰؑ کی حضرت آدمؑ سے عالم بالا میں ملاقات ہوئی تو سوال کیا ”أنت أخرجت الناس من

الجنّة بذنبک وأشقیتهم؟" حضرت آدمؑ نے جواب دیا "**أتلومنی علیٰ أمر قد کتبه الله علیّ قبل أن یخلقنی**" (بخاری ص ۶۹۳)۔

حضرت موسیٰؑ نے جو کچھ کہا تھا صرف سوال مقصود تھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ حضرت آدمؑ کی تنقیص مقصود نہیں تھی، کوئی نبی کسی نبی کی تنقیص نہیں کرتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی ایسا کلمہ کہنا جائز نہیں جس سے انکی کسرِ شان لازم آتی ہو۔

سوال میں مذکورہ کلمات کی مراد متکلم کے اندازِ گفتگو اور اس کے طرزِ تحریر سے معلوم کی جاسکتی ہے، ایک ہی بات ایک خاص انداز میں کہی جائے تو اشکال بن جاتی ہے، واللہ اعلم۔

(۲) نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "**اللهَ اللهَ فی أصحابی! لَا تتّخذوهم غرضاً بعدي، فمن أحبّهم فبحبّی أحبّهم، ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله، ومن آذی الله یوشک أن یأخذه**"، **رواه الترمذی (ص ۲۲۶/ ۲)، عن عبد الله بن مغفلؓ**۔

انبیاء کے بعد حضرات صحابہؓ کا مرتبہ ہے، ان کے مقامِ رفیع کی رعایت ضروری ہے، ان سے بتقاضائے بشریت لغزشیں بھی ہوئی ہیں، لیکن وہ ان کے کمالات ومحاسن کے سامنے پاسنگ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔

ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا چاہیے، اگر ان سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ معذور تھے اور کسی خاص سبب کو سامنے رکھ کر ہی ایسا کیا ہے،

حضرت معاویہؓ سے واقعی اجتہادی غلطی ہوئی کہ یزید کو ولی عہد بنا دیا، انہوں نے اپنے بیٹے کو اس لائق خیال کیا اور سمجھا کہ مسلمانوں کا بہی خواہ اور دین کی فکر والا ثابت ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا، اس میں ان سے چوک ہوگئی،

مگر یہ بات بضرورت اس طرح بیان کرنے میں جسمیں انکی تنقیص نہ ہوتی ہو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اگر ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ اس سے تنقیص نکلتی ہو تو اسکی ہرگز اجازت نہیں ہے، اور ایسا شخص سلف صالح کے طرز سے ہٹا ہوا ہے، قیصر وکسریٰ بھی اپنی اولاد کو حکومت کیلئے نامزد کرتے تھے مگر ان کا مقصود صرف دنیا داری ہوتی تھی، اور ایک صحابی سے یہ بعید ہے، اسلئے ان کے فعل کو قیصر وکسریٰ کے فعل سے تشبیہ دینا درست نہیں۔

اور بعض صحابہ جیسے عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ سے علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء (ص ۱۸۳) میں جو نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسکو سنتِ کسریٰ وقیصر قرار دیا ہے **کما فی روایة للحاکم** (ص۴۸۱/ ۴) **سنّة هرقل وقیصر، وکذا فی روایة الإسمٰعیلی کذا فی الفتح وقد نقلت عبارته فی هامش الصحیح** (ص ۷۱۵) وہ اس لحاظ سے کہ بیٹے کو نامزد کیا، اولاد کی نامزدگی خلفاء راشدین کے یہاں نہیں تھی، یہ یقیناً کسریٰ

وقیصر کا طرز ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

* * *

’’أقیموا صفوفکم‘‘ کو ’’الجماعة للفائت من الصلوٰة‘‘ ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟

سوال:

نسائی شریف (ص ۱۳۵) پر ترجمۃ الجماعة للفائت من الصلوٰة کے تحت حضرت انسؓ کی حدیث أقیموا صفوفکم کو ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟

احقر کے ذہن میں ایک توجیہ آئی ہے کہ ممکن ہے کہ حدیث کے عموم سے ترجمہ ثابت کیا ہو۔

شبیر احمد لندنی

جواب:

حضرت انسؓ کی حدیث مرفوع ’’أقیموا صفوفکم وتراصّوا فإنّی أراکم من وراء ظهری‘‘، حمید کے طریق سے امام احمد (ص ۱۸۲/ ۳ ص ۲۶۳/ ۳) اور امام بخاری (ص ۱۰۰) نے تخریج کی ہے، اور یہ حدیث ایک ہی سند سے نسائی کے مصری و ہندی نسخوں میں دو جگہ ملتی ہے، اول ترجمہ حثّ الإمام علی رصّ الصفوف والمقاربة بینها کے تحت (ص ۱/۱۳۱)، اور دوسرے الجماعة للفائت من الصلوٰة کے تحت (ص ۱/۱۳۵)۔

یہ تکرار کسی ناسخ کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے، حافظ جمال الدین المزّی نے تحفۃ الاشراف (ص ۱/۱۷۷) میں نسائی کی طرف منسوب کی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث امام نسائی نے دو جگہ روایت کی ہے حالانکہ انکی عادت تنبیہ کرنے کی ہے، اور بظاہر پہلی ہی جگہ صحیح ہے، دوسری جگہ ناسخ کی غلطی سے درج ہوگئی ہے۔

اسکے تین قرائن ہیں: اول تو یہ کہ دوسری جگہ بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں کما ذکرہ صاحب الحاشیة

السلفیة (ص ۱/۹۷)، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ علامہ سندی نے اپنے حاشیہ میں صرف پہلی جگہ اس کے بعض الفاظ سے تعرض کیا ہے، اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ روایت پہلے ترجمہ کے تو مطابق ہے اور دوسرے ترجمہ کے نہیں۔

اور اگر بالفرض مان لیں کہ دوسری جگہ امام نسائی ہی نے درج کی ہے تو پھر ترجمہ عمومِ حدیث سے ثابت ہوگا، کیونکہ "أقیموا صفوفکم" جماعت کو خطاب ہے، اور یہ اپنے عموم کی وجہ سے حضر و سفر اداء و قضاء سب کو شامل ہے جیسا کہ تم نے لکھا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

◆◆◆

ایک راوی کی تحقیق

سوال:

عبداللہ بن زید بن عاصم بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن النجار الانصاری کے نسب میں عاصم کے بعد کعب کا واسطہ ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

اس میں مؤرخین و علماءِ انساب کا اختلاف ہے، ابن ہشام نے السیرۃ میں (ص ۲/۷۴)، ابن حبان نے کتاب الثقات میں (ص ۳/۲۲۳)، ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں (ص ۱/۳۲۸) و (ص ۱/۵۵۵) و (ص ۲/۳۱۲)، امام نووی نے تہذیب الاسماء (ص ۱/۲۶۸) میں، حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال اور تحفۃ الاشراف (ص ۴/۳۳۵) میں، علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں (ص ۲/۲۵۱) عاصم کے بعد کعب کو ذکر کیا ہے۔

ہشام بن الکلبی نے جمہرۃ الانساب میں اور حافظ ابو موسیٰ المدینی نے معرفۃ الصحابہ میں، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (ص ۵/۵۷) میں ذکر نہیں کیا ہے۔

ابن سعد نے ام عمارہؓ نسیبہ بنت کعب کے ترجمہ میں (ص ۸/۴۱۲) زید بن عاصم کا مکمل نسب نامہ مازن بن النجار تک ذکر کیا ہے، اور انکے دونوں صاحبزادگان حبیب اور عبداللہ کا ذکر کیا ہے اور کعب کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے، لیکن آگے چل کر ایک واقعہ میں ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں (ص ۸/۴۱۶): **أخبرنا محمد بن عمر يعنى الواقدى حدثنى المنذر بن سعيد مولى لبنى الزبير عن محمد بن يحيىٰ بن حبان قال: "جرحت أم عمارةؓ بأحد اثنى عشر جرحاً، وقطعت يدها باليمامة، وجرحت سوى يدها أحد عشر جرحاً، فقدمت المدينة وبها الجراحة، فلقد رؤى أبو بكرؓ يأتيها يسئل بها وهو يومئذٍ خليفة، قال: تزوجت ثلثة كلّهم لهم منها ولد، غزية بن عمرو المازنى لها منه تميم بن غزية، وتزوجت زيد بن عاصم بن كعب المازنى فلها منه خبيب الذى قطعه مسيلمة وعبد الله بن زيد قتل بالحرّة، والثالث نسيبة ومات ولده ولم يعقب"، انتهى**۔

حافظ ابن حجر کا کلام مختلف ہے، عبداللہ بن زید بن عاصم کے ترجمہ میں اصابہ، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب میں واسطہ ذکر کرتے ہیں اور انکے بھائی حبیب بن زید کے ترجمہ میں اصابہ میں واسطہ ذکر نہیں کرتے ہیں، اوران دونوں کے والد زید بن عاصم کا نسب مازن بن النجار تک لکھ کر فرماتے ہیں: **وزاد أبو عمر فى نسبه بين عاصم وعمرو بن عوف كعب بن المنذر**، فاللہ اعلم۔

علامہ موفق الدین بن قدامہ نے **الإستبصار فى أنساب الصحابة من الأنصار** میں (ص ۸۱) عبداللہ بن زید بن عاصم کے سلسلۂ نسب میں کعب کا ذکر نہیں کیا، اور بظاہر یہی درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن زید بن عاصم کی والدہ ام عمارہ کا سلسلۂ نسب بالاتفاق نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن ہے، **كذا ذكره ابن هشام (ص ۲/۷۴) وابن سعد (ص ۸/۴۱۲) وابن عبد البر وغيرهم**۔

تو زید بن عاصم اور انکی بیوی ام عمارہ کا سلسلہ نسب ایک ہے، دونوں عمرو بن عوف میں مل جاتے ہیں، ام عمارہ تو انکی پوتی ہے، اور زید بن عاصم کے نسب میں اگر کعب نہیں ہے تو پوتے ورنہ پڑپوتے ہونگے۔

اول صورت پر کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ زید بن عاصم کی بیوی انکی چچازاد بہن ہوئیں، لیکن ثانی صورت پر

اشکال ہے، اس لئے کہ اگر کعب زید کے دادا ہوں تو ام عمارہ انکی پھوپی ہوئیں، ان سے نکاح کیسے صحیح ہوگا؟
ہاں ایک صورت تصحیح کی نکل سکتی ہے وہ یہ کہ عمرو بن عوف کے دو لڑکے ہوں اور دونوں کا نام کعب ہو، ایک کی لڑکی ام عمارہ ہوں اور دوسرے کے پوتے زید بن عاصم ہوں، ولکن لَا یقبله قلبی۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب دوشنبہ یکم صفر الخیر ۱۴۰۲ھ

* * *

”ورزقهم کلّ شهر“ والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

مکرمی ومحترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی شریف (ص ۱/۳۱۰ اسطر ۲۵) حدثنا فهد... إلی آخره کا حاصل سمجھ میں نہیں آیا، خاص طور سے ”ورزقهم کلّ شهر، الفرس عشرة دراهم“، الخ۔ سے کیا فرمارہے ہیں، ایسی روایت اوجز (ص ۳/۲۵۲) پر بھی ہے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

مخدومی ومکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی شریف (ص ۱/۲۶۱)، اہل شام نے حضرت عمرؓ سے افراس وعبید کی زکوۃ لینے کی درخواست کی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ سے پیشتر جو میرے دو بڑے یعنی نبی اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ گذرے ہیں انہوں نے اس کی زکوۃ نہیں لی ہے اس لئے میں مشورہ کر کے جواب دونگا، صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے ایک زبان ہوکر کہا ’حسن‘ یعنی اچھی بات ہے لے لینا چاہئے۔

حضرت علیؓ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کیوں خاموش ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ سب نے مشورہ دیدیا اور مناسب مشورہ دیا بشرطیکہ یہ صدقہ واجب اور جزیہ لازمہ نہ سمجھا جائے، کہ اگر نہ دیں تو ”یؤخذون بها“ (ان سے زبردستی مطالبہ کیا جائے)، حضرت عمرؓ نے اموال کے لحاظ سے صدقہ مقرر فرمادیا اور غلام اور گھوڑے کی

زکوۃ دس دس درہم اور ہجین کی آٹھ اور برذون یا بغل کی پانچ پانچ درہم سال میں لینے کا حکم دے دیا، اور بیت المال سے سب کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا، اسی کو ”رزقهم“ سے بیان کیا ہے۔

گھوڑے کے لئے دس درہم، ہجین کے لئے آٹھ اور بغل کے لئے پانچ درہم ماہانہ مقرر فرما دیئے اور غلام کے لئے دو جریب، امید ہے کہ اثر کا مطلب حل ہو جائے گا۔

محمد یونس عفی عنہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

* * *

حضرت علیؓ کے ساتھ ’کرّم اللہ وجہہ‘ لکھنے کی وجہ

سوال:

حضرت علیؓ کے اسم مبارک کے ساتھ ’کرّم الله وجههٗ کیوں کہا جاتا ہے؟

عبید اللہ کاندھلوی۔

جواب:

حضرت گنگوہیؒ اپنے فتاوی میں (ص ۹۷) لکھتے ہیں:

چونکہ حضرت علیؓ کو خوارج بلفظ ’سوّد الله وجهه‘ اپنی خباثت سے یاد کرتے ہیں اسی واسطے اہل سنت نے ’کرّم الله وجهه‘ مقرر کیا۔

اور علامہ شمس الدین السخاوی فتح المغيث (ص ۱۶۴/ ۲) میں لکھتے ہیں:

وفی تاريخ اربل لِابن المسلوقی عن بعضهم أنه كان يسأل عن تخصيصهم عليًّاؓ بكرّم الله وجهه فرآى فى المنام من قال له، لأنّه لم يسجد لصنم قط، یہ توجیہ بظاہر ضعیف ہے، اس لئے کہ بہت سے صحابہ جیسے حضرات حسنین، ابن زبیر، نعمان بن بشیر وغیرہم رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اصنام کو سجدہ نہیں کیا، لہٰذا ان کے لئے بھی ’کرّم الله وجهه‘ استعمال کرنا چاہیئے۔

اقرب حضرت گنگوہی کی توجیہ معلوم ہوتی ہے، لیکن مجھے متقدمین میں سے کسی کے کلام میں یاد نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ،

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

* * *

سوال:

’’ إنّما بُعِثتُ معلّماً‘‘ ہے یا ’’إنّما أنا بُعِثتُ معلّماً؟‘‘

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

حدیث کالفظ’’إنّما بُعِثتُ معلّماً‘‘ ہے، كذا فی الزهد لِابن المبارك (ص۴۸۸) وابن ماجه (ص ۲۱) والدارمی (ص ۱۰۰/۱) من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ،

مشکوۃ میں (ص۳۶) پر ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۲/۱۱/۱۴۰۴ھ

◆◆◆

کیاباسی روٹی کھانا مسنون ہے؟

سوال:

هل يسنّ أكل الخبز البائت؟ الذی يقال له فی الهندية: باسی۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

أخرج الترمذی (ص۲/۶) من طريق أبی حمزة الثمالی عن الشعبی عن أم هانی بنت أبی طالبؓ قالت: ’’دخل علیّ رسول الله ﷺ فقال: هل عندكم شیء؟ فقلت: لَا، إلّا كِسر يابس وخلّ، فقال النبی ﷺ: قرّبيه، فما أقفر بيت من اُدم فيه خلّ‘‘،

وقال: هذا حديث حسن غريب لَا نعرفه من حديث أم هانیؓ إلّا من هذا الوجه۔

قلت: ولفظ المشكوة (ص۳۶۶) برواية الترمذی: إلّا خبز يابس، وهو لفظ الترمذی فی شمائله (ص۹۷)۔

ويستدلّ علی المقصود بما أخرجه مسلم عن أبی هريرةؓ: لمّا كان يوم غزوة تبوك أصاب

الناس مجاعة، فقال عمرؓ: يا رسول الله! أدع بفضل أزوادهم ثم ادع الله لهم عليها بالبركة، فقال: نعم، فدعا بنطع فبسطه، ثم دعا بفضل أزوادهم، فجعل الرجل يجيء بكفّ ذُرَة ويجيء الآخر بكفّ تمر ويجيء الآخر بكسرة، حتّى اجتمع علىٰ النطع من ذلك شيء يسير، فدعا رسول الله ﷺ بالبركة ثم قال: خذوا فى أوعيتكم، فأخذوا فى أوعيتهم حتى ما تركوا فى العسكر وعاء إلّا ملأوه، فأكلوا حتّى شبعوا وفضلت فضلة، فقال رسول الله ﷺ: أشهد أن لا إله إلّا الله وأنّى رسول الله، لا يلقى الله بهما عبد غير شاكّ فيحجب عن الجنة"، كذا فى المشكوة فى باب المعجزات (ص٥٣٨)،

والظاهر أنّ النبى ﷺ أيضاً أكل، ولا يكون ما اجتمع طريًّا سيّما فى غزوة تبوك، والله أعلم۔

محمد يونس عفى عنه

◆◆◆

"يركبون على سُرج كأشباه الرحال"، کا کیا مطلب ہے؟

سوال:

عن عبد الله بن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "يكون فى آخر أمّتى رجال يركبون على سُرج كأشباه الرحال، ينزلون علىٰ أبواب المساجد، نساء هم كاسيات عاريات على رؤوسهنّ كأسنمة البخت العجاف، العنوهن فإنّهن ملعونات، لوكان وراء كم أمة من الأمم خدمتهنّ نسائكم كما خدمكم نساء الأمم قبلكم"۔

رواه ابن حبان فى صحيحه، واللفظ له، والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم (ترغيب ص٥٨/٣)، وكذا رواه أحمد والطبرانى فى الثلثة، ورجال أحمد رجال الصحيح، مجمع الزوائد (ص١٣٧/٥)۔

خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ ومطلب کیا ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عبارت خط کشیدہ کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی زینوں پر سواری کریں گے جو پالانوں جیسی ہوں گی، اور مساجد کے دروازوں پر اتریں گے، یعنی وہ لوگ اونچی اونچی موٹی زینوں پر جو پالانوں کی طرح موٹی ہوں گی، نہایت ناز ونعمت سے سوار ہو کر اور مساجد کے دروازوں پر بیٹھ کر اپنے لہو لعب میں مشغول ہو کر نماز وغیرہ حقوقِ مساجد کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔

اس صورت میں اس جملہ کی غرض ان کی نہایت بے دینی اور حُطامِ دنیا میں مشغولیت بیان کرنا ہے، اور آئندہ اجزاء حدیث بالکل مربوط ہیں،

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ان کے گھوڑوں کی زین پالانوں کی طرح سخت ہونگی، اور زیادہ لہو لعب میں مشغول نہیں ہوں گے، ہر وقت مساجد میں آمد ورفت ہوگی، مساجد ہی کے دروازے پر ہمہ وقت موجود ہوں گے، لیکن اپنے اہل وعیال سے بےفکر ہوں گے جس کا حال وہ ہوگا جو حدیث میں آئندہ بیان کیا گیا ہے۔

(تنبیہ) بندہ کو کسی کتاب میں اس حدیث کی کوئی تشریح نہیں ملی، جو ذہن قاصر میں آیا لکھدیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

***

دعاءِ حضرت عمرؓ ”اللّٰهم كبرت سنّى“ کہاں ہے؟

سوال:

دعاءِ حضرت عمرؓ ”اللّهم كبرت سنّى وضعفت قوّتى وانتشرت رعيّتى فاقبضنى اليک غير مفتون“ کہاں ہے؟ السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

أخرجه مالک فی الموطأ (أوجز ص٦/٢٥) عنه، ومحمد بن الحسن (ص۳۰۴) ولفظه ”فاقبضنى إليک غير مضيّع ولَا مفرّط“۔

محمد یونس عفی عنہ

***

سوال:

”من أشراط الساعة أن تكثر السيول والأمطار“ کہاں ہے؟

سوال از مولانا عبید اللہ بلیاوی
مرکز حضرت نظام الدین، دہلی

الجواب:

مخدومی ومکرمی زادت عنایاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ آمد پر جناب نے حدیث ”من أشراط الساعة أن تكثر السيول والأمطار“ کی تفتیش کے لئے فرمایا تھا، اس وقت تلاش کی مگر بایں الفاظ نہیں ملی، البتہ جامع صغیر میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے، جس کو صاحبِ ’الإشاعة فى أشراط الساعة‘ نے بھی نقل فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبد الرحمٰن بن عمرو الأنصاریؓ قال قال رسول الله ﷺ: ”مِن اقتراب الساعة كثرة المطر وقلّة النبات وكثرة القرّاء وقلّة الفقهاء وكثرة الأمراء وقلّة الأمناء“۔

علامہ نور الدین ہیثمی فرماتے ہیں: فيه عبد الغفار بن القاسم وهو وضّاع، قال المناوى (١٠/٦) فكان ينبغي للمصنّف (يعنى السيوطى) حذفه، انتهى۔

عبد الغفار بن القاسم ترجمته مبسوطة فى الميزان واللسان، ضعّفوه وكذّبوه وهو رافضيّ، ولكن الحديث له شواهد،

منها حديث عوف بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”يكون أمام الدجّال ستّون خوادع، يكثر فيها المطر ويقلّ فيها النبت، ويكذب فيها الصادق ويصدق فيها الكاذب، ويؤتمن فيها الخائن ويخوّن فيها الأمين، وينطق فيها الرويبضة، قيل: يا رسول الله! وما الرويبضة؟ قال: من لّا يؤبه له“۔

رواه الطبرانى بأسانيده، وفى أحسنها ابن إسحاق وهو مدلّس، وبقية رجاله ثقات، كذا فى

مجمع الزوائد۔

وقوله "ستون خوادع" أى تكثر فيها الأمطار ويقلّ الريح فذلك خداعها، لأنّها تطمعهم فى الخصب بالمطر ثم تخلف، كذا فى حاشية مجمع الزوائد (ص ۳۳۰/۷)۔

ومنها حديث أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "لَا تقوم الساعة حتّٰى تمطر السماء مطراً عامّاً ولَا تنبت الأرض شيئاً"، رواه أحمد والبزّار وأبو يعلى، ورجاله ثقات۔

ومنها حديث أنس رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لَا تقوم الساعة حتّٰى لَا يقال فى الأرض الله الله! وحتّٰى يمطر الناس مطراً ولَا تنبت الأرض"، الحديث۔

رواه البزار ورجاله رجال الصحيح، ذكر هذه الأحاديث نور الدين الهيثمى فى مجمع الزوائد۔

وله شاهد من حديث أبى موسىٰ رضی اللہ عنہ أخرجه ابن أبى الدنيا والطبرانى فى الكبير وأبو نصر السجزى فى الإبانة وابن عساكر فى حديث أوّله: "لَا تقوم الساعة حتّٰى تجعل كتاب الله عاراً" إلى أن قال "ويكثر المطر"، قال السيوطى لَا بأس بسنده (منتخب ۶۱/۶)۔

ومن حديث أبى هريرة رضی اللہ عنہ مرفوعاً: "لَا تقوم الساعة حتّٰى يمطر الناس مطراً لَا تكنّ بيوت المدر منه ولَا الشعر"، أخرجه أحمد (منتخب ۷۱/۶)۔

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

* * *

مسامحات الإمام الحافظ ابن حجرؒ

فی فتح الباری وغیره

(مفیدة لمن أراد الاِطّلاع والتحقیق)

۱ : قال –رحمه الله– فی الفتح (ص۳۶۰/۱۱) فی آخر 'باب یدخلون الجنة سبعون ألفاً بغیر حساب' من کتاب الرقاق:

تنبیه: هذه الأحادیث تخصّ عموم الحدیث الذی أخرجه مسلم عن أبی برزة الأسلمیؓ رفعه: "لَا تزول قدما عبد یوم القیامة حتّی یسئل عن أربع، عن عمره فیما أفناه وعن جسده فیما أبلاه وعن علمه فیما عمل به وعن ماله من أین اکتسبه وفیم أنفقه"۔

قلت: لم أجده فی مسلم، بل رواه الترمذی فی الزهد، والدارمی (ص ۴۷) فی العلم، ولم یذکر صاحب الذخائر (ص۱۴۳/۳) فی أطراف الستة إلّا الترمذی۔

وکذا اکتفی الحافظ المنذری فی الترغیب (ص۳۷/۱) فی 'باب الترهیب من أن یعلم ولَا یعمل' بعزوه إلی الترمذی (وکذا فی فصل ذکر الحساب و غیره فی أواخر الترغیب (ص۲۹۷/۲)) فقال: رواه الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، وکذا عزاه إلیه الزرقانی فی شرح المواهب (ص۳۸۴/۸)، ووهم القسطلانی فعزاه فی المواهب إلی الترمذی من حدیث أبی هریرةؓ، وهو فیه من حدیث أبی برزةؓ۔

۲ : وقال –رحمه الله– فی الفتح فی باب 'وکان عرشه علی الماء' من کتاب التوحید (ص۳۴۹/۱۳):

و یؤید أنّ فی حدیث أبی سعیدؓ المرفوع الذی أخرجه أبو داود وصحّحه الترمذی وابن حبان: "ویقال لصاحب القرآن: اقرأ وارق ورتّل کما کنت ترتّل فی الدنیا، فإنّ منزلک عند آخر آیة تقرؤها"۔

قلت: ليس هذا اللفظ فی الترمذی وأبی داود من حديث أبی سعيدؓ بل أخرجاه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، أخرجه الترمذی فی فضائل القرآن (ص۱۲۰/۲) وأبوداود فی الصلوٰة (ص۳۴۲ بذل)۔

ووهم المنذری فعزاه فی الترغيب لِابن ماجه من حديث عبد الله بن عمروؓ، وليس فی ابن ماجه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، نعم! أخرجه أحمد وابن ماجه عن أبی سعيد الخدریؓ مرفوعاً بلفظ: ”يقال لصاحب القرآن يوم القيامة إذا دخل الجنة: اقرأ واصعد فيقرأ ويصعد بكل آية درجة حتی يقرأ آخر شیء معه“۔

۳: قال الحافظ فی ’باب ما يذكر فی الطاعون‘ (ص۱۵۴/۱۰) من كتاب الطبّ بعد ذكر حديث أبی موسیؓ رفعه: ”فناء أمّتی بالطعن والطاعون، قيل يارسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال وخزأعدائكم من الجن“، أخرجه أحمد والبزار والطبرانی وصحّحه ابن خزيمة والحاكم،

تنبيه: يقع فی الألسنة وهو فی النهاية لِابن الأثير تبعاً لغريبی الهروی بلفظ ’وخز إخوانكم‘ ولم أره بلفظ ’إخوانكم‘ بعد التتبع الطويل البالغ فی شیء من طرق الحديث المسند، لَا فی الكتب المشهورة ولَا الأجزاء المنثورة، وقد عزاه بعضهم لمسند أحمد أوالطبرانی أو كتاب الطوّاعين لِابن أبی الدنيا ولَا وجود لذلک فی واحد منها، انتهی۔

قلت: أخرج الحاكم فی كتاب الإيمان من المستدرک (ص۵۰/۱) عن أبی بكر بن أبی موسی قال: ”ذكر الطاعون عند أبی موسی الأشعریؓ فقال أبو موسیؓ: سألنا عنه رسول الله ﷺ فقال: وخز إخوانكم أو قال أعدائكم من الجن وهو لكم شهادة، انتهی۔ هكذا علی الشک وخز إخوانكم أوقال أعدائكم، وقال هذا حديث صحيح علی شرط مسلم، وأقرّه الذهبی ولفظه فی تلخيص المستدرک كلفظ الحاكم علی الشک۔

۴: عن عتبة بن عبد السلمیؓ قال: ”سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من مسلم يموت له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث إلّا تلقّوه من أبواب الجنة الثمانية من أيّها شاء دخل“، أخرجه

ابن ماجه فی الجنائز من سننه (ص ١١٦) فی باب ماجاء فی ثواب من أصیب بولده والإمام أحمد (ص ١٨٣ و ٤/١٨٤) فی مسنده۔

وأشار الحافظ فی الفتح (ص ٦/٢٣٥) إلی أنّ الترمذی أخرجه، فقال فی باب صفة أبواب الجنة:

وقد وردت هذه العدّة یعنی الثمانیة لأبواب الجنة فی عدّة أحادیث إلی أن قال: وعن عتبة بن عبد عند الترمذی وابن ماجه، اھ۔

قلت: قال شیخنا: لم أجده فی الترمذی، وکذا لم أجده أنا فی الترمذی، وقد عزاه العینی فی شرح البخاری فی 'باب فضل من مات له ولد فاحتسب' الی ابن ماجه فقط، وکذا عزاه صاحب الذخائر (ص ٢/٢٢٩) إلی ابن ماجه فقط، ولیس فی الکتب الستة حدیث فیه ذکر الأبواب إلّا هذا الحدیث، وکذا عزاه المنذری فی الترغیب (ص ٢/٥١) فیمن مات له ثلاثة من الأولَاد إلی ابن ماجه فقط فقال: رواه ابن ماجه باسناد حسن۔

٥: قال فی التلخیص الحبیر (ص ٨٧) فی باب صفة الصلوة: حدیث "أنّه ﷺ قرأ بفاتحة الکتاب فقرأ بسم الله الرحمٰن الرحیم، وعدّها"، رواه الشافعی و الطحاوی وابن خزیمة والدار قطنی والحاکم من طریق ابن جریج عن ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ، انتهٰی ملخّصاً۔

ثمّ قال بعد ذلک ما نصّه: و أعلّ الطحاوی الخبر بالإنقطاع فقال: لم یسمعه ابن أبی ملیکة من أم سلمةؓ، واستدلّ علی ذلک بروایة اللیث عن ابن أبی ملیکة عن یعلی بن مملک عن أم سلمةؓ: "أنّه سألها عن قرأة رسول الله ﷺ فنعتت له قرأةً مفسرّةً حرفاً حرفاً"۔

قال الحافظ: وهذا الذی أعلّه به لیس بعلّة، فقد رواه الترمذی من طریق ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ بلا واسطة وصحّحه ورجّحه علٰی الإسناد الذی فیه یعلی بن مملک، انتهی۔

قلت: فیه وهم، فإنّ الترمذی عکس ماحکاه عنه الحافظ، ونصّ کلام الترمذی فی فضائل القرآن فی 'باب ما جاء کیف کانت قرأة النبی ﷺ': حدثنا قتیبة نا اللیث عن عبد الله بن عبید الله بن أبی ملیکة عن یعلی بن مملک: "أنّه سأل أم سلمةؓ زوج النبی ﷺ عن قرأة النبی ﷺ

فقالت: وما لكم وصلوته؟ وكان يصلّى ثمّ ينام قدر ما صلّى ثمّ يصلّى قدر ما نام ثمّ ينام قدر ما يصلّى حتّى يصبح، ثمّ نعتت قرأته فإذا هى تنعت قراءةً مفسّرةً حرفاً حرفاً“، هذا حديث حسن صحيح غريب لَا نعرفه إلّا من حديث الليث بن سعد عن ابن أبى ملكية عن يعلى بن مملك عن أم سلمةؓ، وقد روى ابن جريج هذا الحديث عن ابن أبى مليكة عن أم سلمةؓ ”أنّ النبى ﷺ كان يقطع قراءته“، وحديث الليث أصحّ، انتهى۔

وقال فى أبواب القراءات: حدثنا على بن حجرنا يحيى بن سعيد الأموى عن ابن جريج عن ابن أبى مليكة عن أم سلمةؓ قالت: ”كان رسول الله ﷺ يقطّع قراءته، يقرأ ﴿الحَمْدُ لِلهِ رَبِّ العٰلَمِينَ﴾ ثم يقف ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف وكان يقرؤها ﴿ملك يوم الدين﴾“۔

هذا حديث غريب، وبه يقرأ أبو عبيدة و يختاره، هكذا روى يحيى بن سعيد الأموى وغيره عن ابن جريج عن ابن أبى مليكة عن أم سلمةؓ، وليس إسناده بمتّصل، لأنّ الليث بن سعد روى هذا الحديث عن ابن أبى مليكة عن يعلى بن مملك عن أم سلمةؓ: ”أنّها وصفت قرأة النبى ﷺ حرفاً حرفاً، وحديث الليث أصحّ، وليس فى حديث الليث وكان يقرأ ﴿ملك يوم الدين﴾، انتهى۔

٦: قال فى التلخيص (ص ۲/۱۵۹ ذيل شرح المهذب) روى أحمد وأصحاب السنن من حديث أبى رافعؓ: ”أنّه ﷺ طاف على نسائه ذات ليلة، يغتسل عند هذه وعند هذه، فقيل: يارسول الله! ألَا تجعله غسلاً واحداً؟ فقال: هذا أزكىٰ وأطيب“۔

قلت: صنيع الحافظ هذا أوهم أنّ الترمذى أخرجه، ولم أجده فيه ولَاعزاه إليه صاحب الذخائر فى أطراف الستة، وتبع الشوكانى (ص ۱/۲۰۱) الحافظ ابن حجر فعزاه للترمذى، وعزاه المنذرى وغيره للنسائى ولعله فى الكبرىٰ، وراجع المحلى وحاشيته (ص ۲/۲۲۲)۔

محمد یونس عفی عنہ

⁂

”ألَا إنّ الدنيا خلقت لكم“ الخ كيا حديث ہے؟

سوال:

هل لما اشتهر فى خطب الجمعة من قوله ”ألَا إنّ الدنيا خلقت لكم، وأنّكم خلقتم للآخرة“ أصل فى المرفوع أو الموقوف أم لَا؟

(مولَانا) أبو الحسن على الندوى

جواب:

نعم، قال الغزالى فى الاِحياء فى بيان ذمّ الدنيا: وقال ﷺ فى بعض خطبه: ”المؤمن بين مخافتين، بين أجل قد مضىٰ لَا يدرى ما الله صانع فيه، وبين أجل قد بقى لَا يدرى ما الله قاض فيه، فليتزّود العبد من نفسه لنفسه، ومن دنياه لآخرته، ومن حياته لموته، ومن شبابه لهرمه، فإن الدنيا خلقت لكم وأنتم خلقتم للآخرة، والذى نفسى بيده ما بعد الموت من مستعتب، ولَا بعد الدنيا من دار إلّا الجنة أو النار“، انتهى۔

قال الحافظ العراقى فى تخريج الاِحياء (ص۱۷۷/۳) و (ص٨٦/٨ إتحاف): رواه البيهقى فى الشعب من رواية الحسن عن رجل من أصحاب النبى ﷺ وفيه انقطاع، انتهى۔ وقال فى موضع آخر (ص۱۵۱/۴): أخرجه البيهقى فى الشعب من رواية الحسن عن رجل من أصحاب النبى ﷺ، وذكره ابن المبارک فى الزهد بلاغاً وذكره صاحب الفردوس من حديث جابرؓ ولم يخرجه ولده فى مسند الفردوس، انتهى۔

العبد محمد يونس عفى عنه

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

”إنّ البلاء والدعاء يتصارمان“ کیا حدیث ہے؟

سوال:

هل ورد فی حديث ”إنّ البلاء والدعاء يتصارمان“؟

السائل..............

جواب:

نعم، أخرج الحاكم فی المستدرک (ص ۱/۴۹۲) من طريق زكريا بن منظور قال: أخبرنی عطاف بن خالد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: ”لَا يغنی حذر من قدر، والدعاء ينفع ممّا نزل وممّا لم ينزل، وأن البلاء لينزل فيتلقّاه الدعاء فيعتلجان إلی يوم القيامة“،

قال الحاكم: صحيح الإسناد وتعقّبه الذهبی فقال: زكريا مجمع علی ضعفه۔

العبد محمد يونس عفی عنه

◆◆◆

سوال:

کیا صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؟

السائل..............

جواب:

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله حمداً لَا نهاية له ولَا أمد، والصلوة والسلام علی سيدنا محمّد، من الأزل إلی الأبد، وعلی آله وصحبه أولی الرشد۔

حضرات صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

فقد أخرج الإمام أحمد (ص ۳/۱۳۲) والبخاری فی الأدب المفرد (ص ۱۳۶) والترمذی (ص ۴/۱۰۵) من طريق حمّاد بن سلمة عن حميد عن أنسؓ قال: ”ما كان شخص أحبّ إليهم

رؤيةً من النبی ﷺ، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا إليه لما يعلمون من كراهيته لذلک“،

قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب.

رہی یہ بات کہ پھر طلبہ کو اساتذہ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہونا چاہئے؟ تو علماء نے قیام کی مختلف صورتیں لکھی ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی شخص بیٹھا رہے اور دوسرا اس کے سر کے پاس کھڑا رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کو دیکھ کر کھڑے ہوں اور کھڑے ہونے والوں پر اظہار بڑائی کرتا ہو، یہ دونوں صورتیں حرام ہیں، کیونکہ یہ جبابرہ ومتکبرین کا فعل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے لئے قیام کیا جائے جو قیام کا خواہش مند نہ ہو مگر یہ ڈر ہو کہ کہیں اس کے اندر یہ رذیلہ نہ پیدا ہو جائے کہ وہ شخص قیام کو پسند کرنے لگے یا جبابرہ کے ساتھ تشبہ ہو، یہ صورت مکروہ ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے قیام کیا جائے جو نہ تو قیام کا خواہشمند ہو اور نہ ہی استحبابِ قیام کا خوف یا تشبہ بالجبابرہ ہو، یہ صورت جائز ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی سفر سے آرہا ہو اس کے استقبال میں کھڑا ہو۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت حاصل ہو اس کو کھڑے ہو کر مبارک باد دے، ان دونوں صورتوں میں قیام میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ابن الحاج المالکی نے ابوالولید بن رشد سے ان دونوں کا مندوب ہونا نقل کیا ہے۔

ساتویں صورت ہے کہ کوئی حاکم اپنے محل ولایت میں آئے اس کی تکریم کے لئے کھڑا ہو۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

اختلف العلماء فی جواز القيام للوارد إذا جاء علٰی أقوال:

فمنهم من رخّص فی ذلک محتجّاً بحديث ”قوموا إلی سيّدكم“، قلت: أخرجه الشيخان وغيرهما عن أبی سعيدؓ.

ومنهم من منع من ذلک محتجّاً بحديث ”من أحبّ أن يتمثّل له الرجال قياماً فليتبوّأ مقعده من النار“، قلت: أخرجه أحمد وأبوداود (ص ۲۰۹/۵ بذل) والترمذی (ص ۱۰۵/۲) وحسّنه، والبخاری فی الأدب المفرد (ص ۱۴۲) والدولابی فی الكنٰی (ص ۹۵/۱) من حديث معاويةؓ.

ومنهم من فصّل قال: يجوز عند القدوم من سفر، وللحاكم فی محل ولايته كما دلّ عليه

قصّة سعد بن معاذؓ، فإنّه لمّا استقدمه النبی ﷺ حاکما فی بنی قریظة، فرآه مقبلاً قال للمسلمین: قوموا إلی سیّدکم،

قلت: أخرجه الشیخان من حدیث أبی سعیدؓ، وما ذاک إلّا لیکون أنفذ لحکمه، والله أعلم۔

فأمّا اتّخاذه دیدناً فإنّه من شعار العجم، وقد جاء فی السنن: أنه لم یکن شئ أحبّ إلیهم من رسول الله ﷺ وکان إذا جاء لَا یقومون له لما یعلمون من کراهیته لذلک، انتهی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ اساتذہ کے لئے کھڑے ہوسکتے ہیں، کیونکہ استاذ حاکم کی حیثیت رکھتا ہے، نیز اس کا اکرام مطلوب ہے۔

وقد قال الغزالی فی الإحیاء (ص ۲/۱۸۱): والقیام مکروہ علیٰ سبیل الإعظام لَا علی سبیل الإکرام۔

مگر اس کو ضروری نہ سمجھے جیسا کہ ابن کثیر نے **فأما اتخاذه دیدناً** سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

نیز بندہ کے نزدیک حدیث انسؓ: **”ما کان شخص أحبّ إلیهم“** کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر حضور ﷺ حضرات صحابہ کو کھڑے ہونے دیتے تو بہت ممکن تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد فرض یا واجب سمجھ لیتے، واللہ اعلم۔

حرّره العبد محمد یونس عفی عنه
بأمر الأستاذ الإمام العلامة محمد زکریا صاحب مدّظلّهم
شیخ الحدیث بمظاهر العلوم سهارنپور
۹/جمادی الثانیة ۱۳۸۳ھ

اس کے بعد امام غزالی کی یہ عبارت نظر سے گذری اس کو درج کرنا مناسب معلوم ہوا،

امام ہمام احیاء العلوم (ص ۲/۴۶۸) میں تحریر فرماتے ہیں کہ: **والقیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادة العرب بل کان الصحابة رضی الله عنهم لَا یقومون لرسول الله ﷺ فی بعض الأحوال کما رواه أنسؓ، ولکن إذا لم یثبت فیه نهی عام فلا نری به بأسا فی البلاد التی جرت العادة فیها بإکرام الداخل بالقیام فإنّ المقصود منه الاِحترام والإکرام وتطییب القلب به، وکذلک سائر أنواع المساعدات إذا قصد بها تطییب القلب واصطلح علیها جماعة فلا بأس**

بمساعدتهم عليها، بل الأحسن المساعدة إلّا فيما ورد فيه نهى لَا يقبل التأويل، اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالیؒ نے حدیث انسؓ کو جسمیں نفی قیام صحابہ کی گئی ہے بعض احوال پر حمل کیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

”ترکتکم علٰی مثل البیضاء“ الخ کا مطلب
ابن ماجہ کی سند مطلوب ہے

جواب:

عزیزم مولوی شبیر احمد لندنی سلمہ

تم نے ایک خط میں دوسوال لکھے تھے، ایک ابن ماجہ کی حدیث: **”ترکتکم علٰی مثل البیضاء لیلها ونهارها سواء“** کا مطلب پوچھا تھا جو ابوالدرداءؓ سے مروی ہے، اور دوسرے ابن ماجہ کی سند معلوم کی تھی، میرا خیال تھا کہ اس کا جواب لکھ چکا ہوں لیکن کاپی میں نقل نہیں ہے، اس لئے تردد ہوگیا۔

(ا): اس حدیث میں ملت محمدیہ کو اس شاہراہ عام اور واضح راستے سے تشبیہ دی گئی ہے جو رات و دن میں یکساں واضح ہو، چلنے والے کو کوئی اشتباہ نہ ہو، بخلاف راستوں کی چھوٹی چھوٹی شاخوں کے کہ جن کو پگڈنڈی کہتے ہیں، ان پر دن میں چلنا آسان ہے لیکن رات میں کثرت سے دھوکہ لگ جاتا ہے، خاص طور سے حجازِ مقدس اور کوہستانی اور ریگستانی علاقوں میں، زمینِ حجاز **کثیر الأودية والشعاب** ہے، وہاں عام راستے پر چلنا ہی مفید ہے، ہاں دن میں دشواری کم ہوتی ہے، لیکن رات میں **خرّیت ماهر** بھی بعض وقت پریشان ہوجاتا ہے، اور غیر ماہر تو بعض اوقات ہلاک ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہاں تو میلوں تک ریگستان ہی ریگستان ہے، اگر راستہ چھوٹ جائے تو نہ معلوم کس بے آب وگیاہ میدان میں یا کس خطرناک مقام میں پہونچ جائے اور پھر جانبر نہ ہو، بڑا خطرہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ اس ملت شریفہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بالکل اس عام شاہراہ جیسی ہے، جو رات دن میں یکساں طور پر واضح ہو بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہ ہو اور اس پر چل کر منزل مقصود پر پہونچ جائے، اس کی ہر بات پر چاہے

عقیدہ کا مسئلہ ہو یا اعمال واخلاق ومعاملات کا سب واضح ہی واضح ہے، صاف و بے غبار ہے، اس میں کوئی کھٹک اور تردد نہیں۔

علامہ سندھی نے ایک دوسرا مطلب تجویز کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں قلوب کی حالت بیان کی گئی ہے اور مطلب ہے کہ حضور ﷺ کی برکت سے سب کے قلوب اصلاح پذیر ہوکر ایسے صاف ستھرے ہوگئے کہ اس کے بعد میل الی الباطل کا خطرہ باقی نہیں رہا، ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

قوله "على مثل البيضاء" ظاهره السوق أن هذا بيان لحال القلوب، لَا لحال الملّة، والمعنى على قلوب هي مثل أرض البيضاء ليلاً و نهاراً، ويحتمل أن يكون لفظ 'المثل' مقحماً، والمعنى على قلوب بيضاء نقيّة عن الميل إلى الباطل لَا يميلها عن الاقبال إلى الله تعالى السرّاء والضرّاء، فليفهم، انتهى۔

لیکن یہ معنی بعید ہیں، علامہ سندھی نے اس کے ظاہری سیاق وسباق پر نظر کر کے یہ لکھا ہے، یہی جملہ اس دوسری حدیث میں وارد ہے، وہاں مطلب اول کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں ہوسکتا، اور خود علامہ سندھی نے پہلا مطلب ہی لیا ہے۔

فأخرج أحمد (ص ١٢٦/٤) وابن ماجه (ص ٢٠) وابن أبی عاصم فی السنّة (ص ٢٦و٢٧/١) والحاكم (ص ٩٦/١) عن العرباض بن ساريةؓ قال: "وعظنا رسول الله ﷺ موعظة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، قلنا: يا رسول الله! إنّ هذه لموعظة مودّع فماذا تعهد إلينا؟ قال: قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها، لَا يزيغ عنها بعدى إلّا هالک، ومن يعش منكم فسيرىٰ اختلافا كثيراً، فعليكم بما عرفتم من سنّتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين، وعليكم بالطاعة وإن عبداً حبشيّاً، عضّوا عليها بالنواجذ، فإنّما المؤمن كالجمل الأنف حيثما انقيد انقاد، إسناده حسن۔

اس سیاق میں دوسرے معنی مراد نہیں، علامہ سندھی نے پہلا ہی مطلب یہاں لیا ہے، لکھتے ہیں (ص ۲۰):

قوله "على البيضاء" اى الملة والحجة الواضحة الذى لَا تقبل الشُبه أصلاً، فصار حال إيراد الشُبه عليها كحال كشف الشُبه عنها ودفعها، وإليه الإشارة بقوله "ليلها كنهارها"، انتهى۔

ابن عاصم نے ابوالدرداءؓ کی حدیث بھی تخریج کی ہے، اور دونوں حدیثوں پر جو ترجمہ منعقد کیا ہے اس کا خلاصہ بھی

مطلب اول ہی ہے، لکھتے ہیں (ص ۲۶):

باب ذكر قول النبى ﷺ "تركتكم على مثل البيضاء"، وتحذيره إيّاهم عن أن يتغيّروا عمّا يتركهم عليه، وأمره بسنّته وسنّة الخلفاء الراشدين بعده، انتهى۔

ابن ماجہ نے ابوالدرداءؓ کی حدیث پر 'اتباع سنّة رسول الله ﷺ' ترجمہ منعقد کیا ہے، علامہ منذری کے تراجم بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲): ابن ماجہ کی سند یہ ہے:

أخبرنا الشيخ العلامة أمير أحمد الكاندهلوى بقراءة أكثره منّى وبعضه من غيرى وأنا أسمع قال: أخبرنا مولَانا منظور أحمد السهارنفورى، قال: أخبرنا مولَانا ثابت على الفورقاضوى قال: أخبرنا مولَانا محمد مظهر النانوتوى وهو يروى عن مولَانا مملوك على عن مولَانا رشيد الدين الدهلوى عن الشاه عبد العزيز عن الشاه ولى الله قدّس سره وخاله الشيخ محمد عاشق الفلتى وهما عن الشيخ أبى طاهر عن أبيه إبراهيم بن حسن الكورانى الكردى عن الشيخ أحمد القشاشى عن أحمد بن عبد القدوس الشناوى عن الشمس محمد بن أحمد الرملى عن الزين زكريا بن محمد عن الحافظ ابن حجر عن أبى الحسن على بن أبى المجد الدمشقى عن أبى العباس الحجار عن الأنجب بن أبى السعادات عن الحافظ أبى زرعة طاهر بن طاهر المقدسى عن الفقيه أبى منصور محمد بن الحسين بن أحمد المقوّمى القزوينى عن أبى طلحة القاسم بن أبى المنذر عن أبى الحسن على بن إبراهيم بن سلمة بن بحر القطان عن مؤلف الكتاب أبى عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينى رحمهم الله تعالى۔

حرره العبد محمد يونس غفرله

۳/شعبان ۱۴۰۵ھ

* * *

چند علمی ہدایات

(محترم مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب نے ایک مکتوب میں چند علمی سوالات اور مشورے استاذ محترم سے کئے تھے جس کا حسبِ ذیل جواب مرحمت فرمایا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذاہبِ مختلفہ کے علماء سے تعلیم و تعلم

عزیزم الحاج مولوی عبد الحفیظ سلمہ

آپ نے لکھا ہے کہ مالکی عالم سے تعلم کے سلسلہ کا خیال ہے، اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ سلفاً و خلفاً مذاہب مختلفہ کے اصحاب ایک دوسرے سے علم حاصل کرتے آئے ہیں، اور مالکیہ تو حنفیہ کے ساتھ مسائل فرعیہ میں بہت قریب تر ہیں۔

آپ رفع یدین، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل معروفہ ہی کو لے لیں تو دونوں امام ان میں بہت قریب ہیں۔

علم منطق کا پڑھنا کیسا ہے؟

البتہ منطق وغیرہ کے بارہ میں بندہ کا خیال ہے کہ ایک آدھ کتاب بغرض علمِ اصطلاح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر اس کے ساتھ ہی حدیث و قرآن کا مطالعہ اس سے چندر چند زیادہ ہوتا کہ منطق کی وجہ سے طبیعت پر کوئی اثر نہ ہونے پائے۔ خود یہ مختلف فیہ علم ہے۔

ایک جم غفیر اس کی تحریم کا قائل ہے، جیسے سراج الدین قزوینی حنفی، ابن العربی مالکی، الباجی، ابن ابی زید طرطوشی، ابن المنیّر وغیرہ مالکیہ، اور امام شافعی اور ان کے اتباع میں سے امام الحرمین، غزالی، ابن الصلاح، امام نووی، ابن دقیق العید وغیرہم اور ابن الجوزی، سعد الدین الحارثی، ابن تیمیہ وغیرہم حنابلہ میں سے،

لیکن اس کے برخلاف تعلیماً و تعلماً ایک جماعت عظیمہ جواز کی قائل ہے، اور بعض واجب تک کہہ ڈالتے ہیں، مگر یہ سب غلو ہے، صاحب السلم المنورق کہتے ہیں:

واختلف في جواز الاشتغال به على ثلاثة أقوال

فابن الصلاح والنواوی حرّما   وقال قوم ینبغی أن یُعلّما
والقولة المشهورة الصحیحة   جوازه لکامل القریحة
ممارس السنّة والکتاب   یهتدی به إلی الصواب

ہمارے مشائخ کے یہاں تو تمہیں معلوم ہے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے کا دستور ہے لیکن بقدرِ ضرورت، اور ہمارے حضرت اقدس قطب الوجود حضرت گنگوہیؒ اس علم سے بہت ہی نفرت فرماتے تھے، جیسا کہ تذکرۃ الرشید (ص ۵۰/ ۲) میں مذکور ہے، لیکن ان سب کا محل ہمارے یہاں یہ ہے کہ اسی کا ہوکر رہ جائے، البتہ کتاب و سنت کا علم اگر غالب ہوتو کامل القریحہ کیلئے کچھ بھی حرج نہیں ہے، علم مناظرہ میں نہ معلوم وہاں کونسی کتاب چلتی ہے، ہمارے یہاں تو رشیدیہ شرح شریفیہ متداول ہے، قاضی عضد وغیرہ کے متون بھی اچھے ہیں۔

عقیدہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

نزولِ عیسی علیہ السلام کے سلسلے میں عام طور سے دوقسم کے لوگ گڑبڑ کرتے ہیں، ایک تو وہ ہیں جن کو کتاب وسنت سے واقفیت نہیں ہے، دوسرے وہ فریق باطل ہے جو اس وقت مرزائیہ قادیانیہ کے ساتھ موسوم ہے،

اگر قدماء میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو نزولِ مسیح کو ظنی کہے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو نزول کی روایاتِ متواترہ کا علم نہیں ہوا، ورنہ جو حضرات کتاب وسنت کے ماہرین ہیں ان میں کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے، ابن جریر طبری، ابن عطیہ غرناطی الاندلسی، ابوحیان اندلسی المالکیون، ابن کثیر شافعی وغیرہم نے اپنی تفاسیر میں سورۂ آل عمران میں نزولِ عیسیٰؑ کے بارہ میں تواتر کی تصریح فرمائی ہے، اسی طرح ابوالحسن الآبری الشافعی ابن حجر عسقلانی شافعی ابن رشد مالکی وغیرہ تصریح کرتے ہیں، علامہ سفّارینی حنبلی فرماتے ہیں:

قد أجمعت الأمة علی نزول عیسی ابن مریمؑ، ولم یخالف فیه أحد من أهل العلم الشرعی، وإنّما أنکر ذلک الفلاسفة والملاحدة ممّن لَا یعتدّ بخلافه، وقد انعقد الإِجماع علیٰ أنّه ینزل ویحکم بهذه الشریعة المحمدیة ولیس ینزل بشریعة مستقلّة عند نزوله من السماء وإن کانت النبوّة قائمة به وهو متّصف بها، اه۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: **وعیسیٰؑ حیّ فی السماء ولم یمت بعد، وإذا نزل من السماء لم یحکم إلّا بالکتاب والسنة لَابشیء یخالف ذلک (فتاوی ابن تیمیه طبع ریاض** ص ۳۱۶/ ۴) اور اس سے زیادہ بسط سے (ص ۳۲۴/ ۴) پر مذکور ہے۔

نزول عیسیٰؑ کے بارے میں علماء نے اس زمانہ میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے **عقیدة الاِسلام فی حیاة عیسی علیه السلام، وتحیّة الاِسلام فی حیاة عیسی علیه السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح** حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مشہورِ عالم تالیفات ہیں۔

اس کے علاوہ علماء عرب وعجم کی بکثرت تصنیفات ہیں۔

کیا نزولِ عیسیٰؑ کی روایات بحدِ تواتر نہیں پہونچیں؟

اور یہ وہم کرنا کہ اس کے رواۃ بحدِ تواتر نہیں پہنچے یا تو ناواقفیت ہے یا عناد، اس لئے کہ تواتر میں کوئی عدد مخصوص شرط نہیں ہے، بلکہ ایک جماعت نقل کرلے کہ جن کا توافق علی الکذب نہ ہو، ظاہر ہے کہ جس مضمون کے روایت کرنے والے پچاسوں سے زیادہ ہوں اس کے بارے میں کیا شک وشبہ کیا جاسکتا ہے، یہ ہر عاقل بصیر سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک آدمی نے کسی شہر کو نہیں دیکھا ہے اور دو چار آدمی خبر دیں کہ فلاں ملک میں فلاں شہر ایسا ہے، اور ہمیں معلوم ہے کہ اس پر اتفاق کرکے نہیں آئے، تو یقیناً ہر سننے والا تصدیق ہی کرے گا، الا یہ کہ کوئی طبائع سلیمہ کی حد سے تجاوز کر گیا ہو۔

نزولِ عیسیٰؑ کی روایات کے ناقل بہت سے صحابہ ہیں

پھر جبکہ صحابہ کی ایک جماعتِ کثیرہ اس مضمون کو نقل کررہی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ سارے عدول وثقات ہیں، پھر ان میں توافق علی الکذب ہونا من اَمحل المحال ہے، بلکہ ایسا خیال اوہام وظنون فاسدہ کے قبیل سے شمار ہوگا، نہ معلوم کتنی روایات ہیں جن کے بارے میں علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متواتر ہیں اور ان کے رواۃ کی نوعیت یہی ہے، احادیثِ رؤیۃ باری وحشر نشر ومیزان وصراط وغیرہا صدہا روایات ہیں، علامہ سیوطی کی مشہور تالیف **الأزهار المتناثرة فی الأخبار المتواترة** کا مطالعہ فرمائیں، بسا اوقات کسی روایت کے تواتر کا انکار اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ آدمی حالاتِ رواۃ ورجال سے ناواقف ہوتا ہے اور دوسرا واقف ہوتا ہے وہ مقرّ ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی الحرّانی اپنے فتاوی (ص ۱۸/۵۰ طبع ریاض) میں تحریر فرماتے ہیں:

والصحیح الذی علیه الجمهور أنّ التواتر لیس له عدد محصور، والعلم الحاصل بخبر من الأخبار یحصل فی القلب ضرورةً، کما یحصل الشبع عقیب الأکل والریّ عند الشرب، ولیس لما یشبع کلّ واحد ویرویه قدر معیّن، بل قد یکون الشبع لکثرة الطعام وقد یکون لجودته وغیر ذلک، کذلک العلم الحاصل عقیب الخبر تارة یکون لکثرة المخبرین، وإذا

كثروا فقد يفيد خبرهم العلم وإن كانوا كفّاراً، وتارة يكون لدينهم وضبطهم، فربّ رجلين أو ثلاثة يحصل من العلم بخبرهم ما لَا يحصل بعشرة وعشرين لَا يوثق بدينهم وضبطهم، وتارة قد يحصل العلم بكون كل من المخبرين أخبروا بمثل ما أخبره الآخر مع العلم بأنّهما لم يتواطآ، وأنّه يمتنع فى العادة الاِتفاق فى مثل ذلک، كمن يروى حديثاً طويلاً فيه فصول ويرويه الآخر لم يلقه، وتارة يحصل العلم بالخبر لمن عنده الفطنة والذكاء والعلم بأحوال المخبرين وبما أخبروا به ما ليس لمن له مثل ذالک، وتارة يحصل العلم بالخبر لكونه رُوى بحضرة جماعة كثيرة شاركوا المخبر فى العلم ولم يكذّبه أحد منهم، فإنّ الجماعة الكثيرة قد يمتنع تواطؤهم على الكتمان كما يمتنع تواطؤهم على الكذب۔

وإذا عرفت أنّ العلم بأخبار المخبرين له أسباب غير مجرّد العدد علم أنّ من قيّد العلم بعدد معيّن وسوّى بين جميع الأخبار فى ذلک فقد غلط غلطاً عظيماً، ولهذا كان التواتر ينقسم إلى خاصّ وعام، فأهل العلم بالحديث والفقه قد تواتر عندهم من السنّة ما لم يتواتر عند العامّة، كسجود السهو ووجوب الشفعة وحمل العاقلة العقل ورجم الزانى المحصن وأحاديث الرؤية وعذاب القبر والحوض والشفاعة وأمثال ذلک، اه باختصار حروف۔

یہ مضمون فتاوی میں دوسری جگہ (ص ۱۸/۴۰) کچھ اجمال کے ساتھ ہے۔

روایاتِ نزولِ عیسیٰؑ کا تواتر ہر دور میں رہا

اور یہ کہنا کہ ہر زمانہ میں حدیث متواتر کے راوی اسقدر ہوں کہ ان کا توافق علی الکذب نہ ہو اور احادیثِ نزول میں یہ بات نہیں ہے؟ یہ ایک مغالطہ ہے جو قادیانیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمیشہ روایات نزول کی یہی حیثیت رہی ہے، یہاں تک کہ اصحاب التدوین نے اطرافِ عالم میں الگ الگ بیٹھ کر انہیں اپنے یہاں کے رواۃ سے سنا اور تدوین فرمایا، یہ تو اس کی بیّن دلیل ہے کہ ان کا توافق نہیں ہوا، اُس زمانہ میں تو اجتماعات کے اتنے آسان وسائل بھی نہ تھے، صحاح ستہ کے مصنفین اکناف مختلفہ کے رہنے والے ہیں اور وہ سارے احادیثِ نزول عیسیٰؑ کو نقل کرتے ہیں۔

اسی طرح حاکم، بیہقی، دار قطنی، دارمی، طبرانی، بزار، خطیب، ابن عساکر، نعیم بن حماد، ابوالشیخ ابن حیان، ابونعیم، ابوسعید نقاش، احمد، ابن جریر، حکیم ترمذی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن مردویہ، وغیرہم نہ معلوم کتنے محدثین کرام و

حفاظِ عظام نے اس مضمون کی روایت تخریج فرمائی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ بخاری کی بعض روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے

اور یہ خیال کہ بخاری وغیرہ کی بعض روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے مثلاً شریک بن عبداللہ نخعی کی طویل حدیث حدیث المعراج جو بخاری کی کتاب التوحید میں ہے، اس کے بارہ میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ احادیثِ نزول میں کسی نے بھی کلام نہیں کیا ہے، نیز شریک کے اوہام پر کلام ہے نہ کہ نفس معراج پر یا اسراء پر، بلکہ نفس معراج اور اسراء چونکہ صحیحین وغیرہ میں بحالت یقظہ ہونا وارد ہے اور شریک کی روایت اس کے خلاف ہے اس لئے علما نے اس پر کلام کیا ہے اور بہت سے علما نے شریک کی روایت کا محمل یہ بتلایا ہے کہ وہ معراج منامی ہے، پھر اگر یہی صورت اختیار کی گئی تو ساری کتب حدیث بلکہ سارے دین کو بے اصل ماننا پڑے گا اور امت اسلامیہ کا یہ ایک مایہ ناز سرتاج کو پامال کرنا ہوگا۔

یہ مسلمات سے ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبها ألف ألف صلوات وتسليمات نے اپنے نبی کریم ﷺ کے احادیث کی جو حفاظت فرمائی ہے وہ امم سابقہ میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ روایاتِ نزولِ عیسیٰؑ بنوامیّہ کے دور میں گھڑی گئی ہیں

اور یہ دعوی کہ نزولِ عیسیٰؑ کی روایات بنوامیہ کے زمانہ میں گھڑی گئی ہیں یہ بھی بات انکار حدیث کی ایک کڑی ہے، کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟ یا محض وہم وخیالات ہیں؟ اگر بنوامیہ کے زمانہ میں بفرض محال ایسا ہوا تو کیا بعد میں بنوالعباس نے اس کی تلافی نہیں کی؟ اگر نہیں کی تو کیوں؟ بلکہ نزول کی روایت تو خود حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جو ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری (ص ۶/۳۵۷) میں ذکر فرمائی ہے۔

نیز کیا سارے علماءِ حق ختم ہو گئے تھے؟ جنہوں نے حجاج کے سامنے صاف گوئی نہیں چھوڑی کیا وہ بعد میں رک سکتے ہیں؟ جو اپنے اعزاء واقرباء کی پرواہ نہ کرتے ہوں وہ کسی اور کی کر سکتے ہیں؟ امام احمد نے خلفاء بنی العباس کے دور میں ضرب وحبس کی تکالیف مسئلۂ خلقِ قرآن میں برداشت کی کیا وہ احادیثِ نزول کے موضوع ہونے کی صورت میں خاموش ہو سکتے ہیں؟ اور مزید برآں اپنی مسند میں جسکی شرط ابوداؤد کی شرط کے برابر ہے ایسی روایات کو ذکر فرمانا گوارا کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

نیز احادیثِ نزول کے رواۃ کے سلسلہ کی کڑیاں بخاری ومسلم میں ثقاتِ معتمدین ہیں جن کو اصحاب رجال نے بلا لوث صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ نزولِ عیسیٰؑ کو تسلیم کرنے میں حضور ﷺ کی اہانت ہے

اور یہ کہنا کہ ان احادیث میں حضور اکرم ﷺ کی اہانت ہے بالکل حماقت ہے، اسمیں تو اعزاز ہے کہ ایک نبی حضور اقدس ﷺ کی امت کا ایک فرد ہو کر نازل ہوگا۔

حافظ ذہبی جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو علامہ تاج الدین سبکی جوان کے شاگرد ہیں ان کی عیادت کرنے گئے حافظ ذہبی نے استفسار کیا بھلا وہ کونسا آدمی ہے جو حضور اقدس ﷺ کی امت میں سے ہو اور ابوبکر و عمر و عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بالاتفاق افضل ہو، حافظ تاج الدین سبکی نے عرض کیا: **یقول لنا الشیخ!** حضرت ہی ارشاد فرمائیں، حافظ ذہبی نے ارشاد فرمایا: **ھو عیسی علیہ السلام ینزل فی آخر الزمان**، یہ سارا قصہ طبقات شافعیہ کبری کی جلد ششم میں مذکور ہے، مدت ہوئے دیکھا تھا۔

ذہبی کا نقد فی الحدیث سب کو معلوم ہے کسی کی بھی رعایت کو تیار نہیں ہوتا ہے، کیا روایاتِ باطلہ پر ایسا ناقد بصیر سکوت کرسکتا ہے؟

”لَا نبی بعدی“ کا مطلب

اور ”**لَا نبی بعدی**“ سے نزول عیسی علیہ السلام کے خلاف استدلال کرنا حماقت ہے، اس لئے کہ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اب کوئی جدید نبی نہیں آئے گا، اور حضرت عیسیٰؑ نبی ہو کر نہیں آئیں گے بلکہ ایک امتی ہو کر نازل ہوں گے، لیکن اپنے وصفِ نبوت کیساتھ متصف ہوں گے، جیسے کوئی قاضی کسی دوسرے قاضی کے محل قضاء میں جائے تو وہاں اس قاضی کے علاقہ کا پابند ہوگا، اگرچہ فی حد ذاتہ اپنے حاکم کی طرف سے وہ منصب قضاء کیساتھ سرفراز ہی ہو اور یہ باتیں تو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔

لَا نبی بعدی کا لانفی جنس کیلئے ہو تب بھی نزولِ عیسیٰؑ میں کوئی اشکال نہیں ہے

اور ہماری یہ توجیہ لانفی جنس ماننے کے مخالف نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ جنس نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اور حضرت عیسیٰؑ تو پرانے نبی ہیں، حضرت محمد ﷺ کے امتی ہو کر نازل ہوں گے۔

قادیانی ہرگز نبی نہیں

(ایقاظ) یہاں یہ بات دل نشین کرلینی چاہئے کہ ہماری یہ توجیہ مرزائیوں کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ وہ مرزا

لعین کو نبی جدید مانتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت کشمیری کی کتاب عقیدۃ الاسلام کا مطالعہ کریں، کراچی سے بسہولت مل جائے گی۔

بندہ نے درسِ مسلم میں خطبہ میں اور اسی طرح 'باب نزول عیسی علیه السلام' میں قدرے مختصر کلام کیا تھا، غالباً آپ کے پاس لکھا ہوگا، اسے بھی دیکھ لیں، اپنی کمزوری کی وجہ سے حفظ ہی لکھ رہا ہوں، خدا کرے قامعِ شبہِ مبتدعین ہو اور نافع ہو، 'التصریح بما تواتر فی نزول المسیح' بتحقیق الشیخ عبد الفتاح أبو غدّہ مکہ مکرمہ میں مل جائے گی، وہاں سے حاصل کر کے مطالعہ کر لیں۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

◆◆◆

کیا حضور ﷺ سے ''یا بُنیّ'' کہنا منقول ہے؟

سوال:

حضور اقدس ﷺ سے کہیں ''یا بُنیّ'' کہنا وارد ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

حضور اقدس ﷺ کا ''یا بنیّ'' کہنا روایات میں وارد ہے۔

فأخرج الترمذی (ص ۲/۹۲) عن سعید بن المسیب قال قال أنس بن مالکؓ قال لی رسول الله ﷺ: ''یا بنیّ إن قدرت أن تصبح وتمسی لیس فی قلبک غشّ لأحد فافعل، ثم قال لی: یا بنیّ! وذالک من سنّتی، ومن أحیا سنّتی فقد أحیانی، ومن أحیانی کان معی فی الجنة''۔

وأخرج الترمذی (ص ۲/۹۵) والطبرانی (ص ۱۷۷)، عن أنسؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: ''یا بنیّ إذا دخلت علی أهلک فسلّم یکون برکةً علیک وعلیٰ أهل بیتک''۔

وأخرج أحمد (ص ۲۳۵) وأبوداود والنسائی وابن ماجه والطحاوی وابن حبّان عن ابن عباسؓ قال: قدمنا علیٰ رسول الله ﷺ لیلة المزدلفة أغیلمة بنی المطلب علی حمرات، فجعل

يلطخ أفخاذنا ويقول: أُبَينِيّ! لَا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس“۔

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا حضرت عائشہؓ کو ”یا بنیّة“ کہنا بخاری میں وارد ہے۔

عن البراءؓ: ”دخلت مع أبی بکرؓ علی أهله فإذا عائشة ابنته مضطجعة قد أصابتها حمّٰی فرأيت أباها فقبّل خدّها وقال: كيف أنت يا بنيّة؟“

وأخرج مسلم (ص ۲/۲۱۰) والترمذی (ص ۲/۱۰۶) عن أنس بن مالکؓ قال: ”قال لی رسول الله ﷺ يا بنیّ!“

وأخرج مسلم عن المغيرة بن شعبةؓ قال: ”ما سأل رسول الله ﷺ أحد عن الدجّال أكثر ممّا سألته عنه فقال: أی بنیّ! وما يُنصبک منه أنّه لن يضرّک“، الحديث۔

وأخرج الترمذی (ص ۲/۷) عن عمر بن أبی سلمةؓ أنّه دخل علٰی رسول الله ﷺ وعنده طعام فقال: ”ادن يابنیّ فسمّ الله وكل بيمينک وكل مما يليک“۔

وأخرج البخاری فی الأدب المفرد (ص ۱۱۸) عن سلم العلوی قال: سمعت أنساً يقول: ”كنت خادماً للنبی ﷺ قال: فكنت أدخل بغير استيذان فجئت يوماً فقال: كما أنت يا بنیّ فإنّه قد حدث بعدک أمر، لَا تدخلن إلّا بإذن“۔

وأخرج أيضاً عن الصعب بن حكيم عن أبيه عن جدّه قال: أتيت عمر بن الخطابؓ فجعل يقول: ”يا ابن أخی! ثمّ سألنی فانتسبت له، فعرف أنّ أبی لم يدرک الإِسلام، فجعل يقول: يا بنیّ يا بنیّ“۔

وأخرج أيضاً عن ابن أبی صعصعة عن أبيه عن أبی سعيد الخدریؓ قال له: ”يا بنیّ“۔

وأخرج مسلم (ص ۱/۲۵۶) عن سعد بن هشام قال: ”قلت: يا أمّ المؤمنين أنبئينی عن وتر رسول الله ﷺ، -فذكر الحديث- وفيه، فتلک إحدى عشرة ركعة يا بُنیّ“۔

كتبه محمد يونس عفی عنه

◆ ◆ ◆

کیا حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟

السوال:

هل ورد ”عقّ رسول الله ﷺ عن نفسه بعد النبوة“ كما ذكره فی ”ما لَا بدّ منه“۔

السائل..................

الجواب:

ذكره الرافعی فی شرح الوجيز لكن قال النووی فی شرح المهذّب (ص ۴۳۱): هذا الحديث رواه البيهقی بإسناده عن عبد الله بن محرّر (بالحاء المهملة والراء المكسورة) عن قتادة عن أنسؓ: ”أنّ النبی ﷺ عقّ عن نفسه بعد النبوة“۔

قال: وهذا حديث باطل، قال البيهقی هو حديث منكر، وروى البيهقی بإسناده عن عبد الرزاق قال: إنما تركوا عبد الله بن محرّر بسبب هذا الحديث۔

قال البيهقی: وقد روى هذا الحديث من وجه آخر عن قتادة، ومن وجه آخر عن أنسؓ، وليس بشیء فهو حديث باطل، وعبد الله بن محرّر ضعيف متفق على ضعفه، قال الحفاظ: هو متروک، انتهی۔ وقال الذهبی فی الميزان فی ترجمة عبد الله بن محرّر: ومن بلاياه روى عن قتادة عن أنسؓ: ”أنّ رسول الله ﷺ عقّ عن نفسه بعد ما بعث“، انتهی۔

وقال الحافظ ابن حجر فی تخريج الرافعی (ص ۳۸۷): قوله ”روى أنه ﷺ عقّ عن نفسه بعد النبوة“ أخرجه البيهقی من حديث قتادة عن أنسؓ، وقال: منكر، وفيه عبد الله بن محرّر، وهو ضعيف جداً، وقال عبد الرزاق: إنما تكلموا فيه لِأجل هذا الحديث، قال البيهقی: وروى من وجه آخر عن قتادة، وعن وجه آخر عن أنسؓ وليس بشیء۔

قال الحافظ: أما الوجه الآخر عن قتادة فلم أره مرفوعاً، وإنما ورد أنه كان يفتی به، كما حكاه ابن عبد البرّ بل جزم البزار وغيره بتفرد عبد الله بن محرّر به عن قتادة، أما الوجه الآخر عن أنسؓ فأخرجه أبو الشيخ فی الأضاحی وابن أيمن فی مصنفه والخلال من طريق عبد الله بن المثنی عن ثمامة عن عبد الله بن أنس عن أبيه، وقال النووی فی شرح المهذب: هذا حديث باطل، انتهی۔

وقال فی فتح الباری (ص ۹/۵۱۴): أخرجه البزار من رواية عبد الله بن محرّر (وهو بمهملات) عن قتادة عن أنسؓ ولَا يثبت، قال البزار: تفرّد به عبد الله وهو ضعيف۔

وأخرجه أبو الشيخ من وجهين آخرين، أحدهما من رواية اسماعيل بن مسلم عن قتادة، وإسماعيل ضعيف أيضاً، وقد قال عبد الرزاق: إنهم تركوا حديث عبد الله بن محرّر من أجل هذا الحديث، فلعل إسماعيل سرقه منه، ثانيهما من رواية أبی بكر المستملی عن الهيثم بن جميل وداود بن المحبر قالَا حدثنا عبد الله بن المثنی عن ثمامة عن أنسؓ، و داود ضعيف لكن الهيثم ثقة وعبد الله من رجال البخاری، فالحديث قوی الإسناد۔

وقد أخرجه محمد بن عبد الملك بن أيمن عن إبراهيم بن إسحاق السراج عن عمرو الناقد۔

وأخرجه الطبرانی فی الأوسط عن أحمد بن مسعود كلاهما عن الهيثم بن جميل وحده به، فلولَا ما فی عبد الله بن المثنی من المقال لكان هذا الحديث صحيحاً، لكن قد قال ابن معين: ليس بشیء، وقال النسائی: ليس بقوی، وقال أبوداود: لَا أخرج حديثه، وقال الساجی: فيه ضعف لم يكن من أهل الحديث روی مناكير، وقال العقيلی: لَا يتابع علی أكثر حديثه، وقال ابن حبان فی الثقات: ربما أخطأ۔

ووثّقه العجلی والترمذی وغيرهما، فهذا من الشيوخ الذين إذا انفرد أحدهم بالحديث لم يكن حجّة، وقد مشی الحافظ الضياء علی ظاهر الإِسناد فأخرج هذا الحديث فی الأحاديث المختارة ممّا ليس فی الصحيحين، انتهی۔

وقال الهيثمی فی مجمع الزوائد (ص ۴/۵۹): رواه البزار والطبرانی فی الأوسط ورجال الطبرانی رجال الصحيح خلا الهيثم بن جميل وهو ثقة، وشيخ الطبرانی أحمد بن مسعود الخياط المقدسی ليس هو فی الميزان، انتهی۔

قلت: قد علمت ما فی عبد الله بن المثنی من الكلام، والله أعلم۔

كتبه العبد محمد يونس غفرله

۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۷ھ

* * *

حدیث عطارہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟

سوال:

حدیث عطارہ کہاں ہے؟ کس نے اسے روایت کیا ہے؟ اور یہ حدیث کیسی ہے؟

مولانا منور حسین صاحب بہاری

جواب:

حدیث العطارة وقع ذکره فی مقدمة مسلم، قال مسلم (ص۱۸/۱): حدثنا محمود بن غیلان قال: قلت لِأبی داود الطیالسی: قد أکثرت عن عباد بن منصور فمالک لم تسمع منه حدیث العطارة الذی روی لنا النضر بن شمیل؟ فقال لی: اسکت، فأنا لقیت زیاد بن میمون وعبد الرحمٰن بن مهدی فسألناه فقلنا له: هذه الأحادیث التی ترویها عن أنسؓ؟ فقال: أرأیتما رجلاً یذنب فیتوب ألیس یتوب الله علیه؟ قال: قلنا: نعم! قال: ما سمعت من أنسؓ من ذا قلیلاً ولَا کثیراً، إن کان لَا یعلم الناس فأنتما لَا تعلمان أنّی لم ألق أنساً! قال أبوداود: فبلغنا بعد أنّه یروی فأتیناه أنا وعبد الرحمٰن، فقال: أتوب، ثمّ کان بعد یحدّث فترکناه، انتهی۔

قال النووی: قوله 'حدیث العطارة' قال القاضی عیاض: هو حدیث رواه زیاد بن میمون هذا عن أنسؓ أنّ امرأةً یقال لها 'الحولَاء' عطارة کانت بالمدینة فدخلت علی عائشةؓ وذکرت خبرها مع زوجها وأنّ النبی ﷺ ذکرلها فی فضل الزوج، وهو حدیث طویل غیر صحیح، وذکره ابن وضّاح بکماله، ویقال: أنّ هذه العطارة هی الحولَاء بنت تویت، انتهی۔

وذکر الذهبی فی ترجمة زیاد بن میمون من المیزان ما ذکره مسلم ولم ینسبه إلی مسلم، قال الحافظ ابن حجر فی اللسان: وحدیث العطارة التی أشار إلیه أخرجه ابن الجوزی فی الموضوعات من طریق غنجار صاحب تاریخ بخاریٰ حدثنا محمد بن نصر بن خلف ثنا أبوکثیر سیف بن حفص حدثنی علی ابن الجنید ثنا محمد بن سلام ثنا أبوسهل المدائنی یعنی الصباح بن سهل عن زیاد بن میمون عن أنس بن مالکؓ قال: ”کانت امرأة بالمدینة عطارة یقال لها 'الحولَاء' فجاءت إلی عائشةؓ فقالت: یا أمّ المؤمنین نفسی لک الفداء! إنّی لَأزیّن نفسی لزوجی کلّ لیلة حتی کأنّی العروس أزفّ إلیه، فقالت: إنّ رسول الله ﷺ قال: لیس من امرأة

ترفع شيئاً من بيتها أو تضعه فى مكان تريد بذلك إصلاحا إلّا نظر الله إليها"– فذكر الحديث بطوله– و فيه فضل الولَادة والرضاع والفطام والمراودة والمعانقة والقبلة والمجامعة وغير ذلك، انتهى۔

وفى اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة للسيوطى (ص ۷۰۴): أخرج الخطيب (ص۲۳۸/ ۹) أخبرنى أبو الوليد الدربندى أنبأنا محمد بن أحمد بن سليمان الحافظ أنبأنا محمد بن نصر بن خلف حدثنا أبو كثير سيف بن حفص حدثنى على بن الجنيد و محمد بن حميد بن فروة قالَا حدثنا محمد بن سلام حدثنا أبو سهل المدائنى يعنى الصباح بن سهل عن زياد بن ميمون عن أنس بن مالكؓ قال: "كانت امرأة عطارة يقال لها 'الحولَاء' فجاء ت إلى عائشةؓ فقالت: يا أم المومنين نفسى لك الفداء! إنّى أزيّن نفسى لزوجى كلّ ليلة حتى كأنّى العروس أزفّ إليه"، قال الخطيب وذكر الحديث۔

قال المؤلّف –يعنى ابن الجوزى–: وتمامه فقال رسول الله ﷺ للحولَاء: "ليس من امرأة ترفع شيئا من بيتها من مكان وتضعه فى مكان تريد بذلك إصلاحا إلّا نظر الله إليها، وما نظر الله إلى عبد قطّ فعذّبه، قالت: زدنى يا رسول الله! قال: ما من امرأة من المسلمين تحمل من زوجها إلّا كان لها من الأجر كأجر الصائم القائم المخبت القانت، فإذا أرضعته كان لها بكلّ رضعة عتق رقبة، فإذا فطمته نادىٰ مناد من السماء أيّها المرأة! استأنفى العمل فقد كفيتِ ما مضى، فقالت عائشةؓ: يا رسول الله! هذا للنساء فما للرجال؟ قال: ما من رجل من المسلمين يأخذ بيد امرأته يراودها إلّا كتب الله له عشر حسنات، فإذا عانقها فعشرون حسنة، فإذا قبّلها فعشرون ومائة حسنة، فإذا جامعها ثمّ قام إلى مغتسله لم يمرّ الماء على شعرة من جسده إلّا كتب الله له بها عشر حسنات ورفع له بها عشر درجات وحطّ عنه عشر خطيئات، والله عز وجل ليباهى به الملائكة، فيقول: انظروا إلى عبدى قام فى هذه الليلة الشديدة بردها فاغتسل من الجنابة مؤمناً، إنّى ربّه أشهدكم أنّى قد غفرت له"۔

قال الدار قطنى: هذا حديث باطل، ذهب عبد الرحمٰن بن مهدى وأبو داود إلى زياد بن ميمون فأنكرا عليه هذا الحديث، فقال: اشهدوا أنّى قد رجعت عنه، انتهى۔

قال المؤلّف -يعنى ابن الجوزى-: زياد كذّاب والصباح منكر الحديث، قال السيوطى: أخرجه الطبرانى فى الأوسط، حدثنا محمد بن أحمد بن أبى خيثمة حدثنا بقيّة عن ابن جريج حدثنا أحمد بن محمد بن أبان بن صالح حدثنا القاسم بن الحكم العرنى حدثنا جرير بن أيّوب البجلى عن حمّاد بن أبى سليمان عن زياد عن أنسؓ، والله أعلم، انتهى۔

قلت: جرير بن أيّوب البجلى الكوفى قال الذهبى فى الميزان: مشهور بالضعف روى عباس عن يحى ليس بشىء، وروى عبد الله بن الدورقى عن يحيى ليس بذاك، وقال أبو نعيم: كان يضع الحديث، وقال البخارى: منكر الحديث، وقال النسائى: متروك، وقال ابن عدى: ولجرير أحاديث عن جدّه أبى زرعة بن عمرو بن جرير عن الشعبى ولم أر فى حديثه إلّا ما يحتمل، انتهى۔

وذكر الحافظ ابن حجر فى الإصابة فى ترجمة الحولَاء العطارة طرفاً من هذا الحديث، فقال: استدركها أبو موسى، وأخرج من طريق أبى الشيخ بسنده إلى زياد الثقفى عن أنس بن مالكؓ قال: "كان بالمدينة امرأة عطارة تسمّى الحولَاء بنت تويت فجاء ت حتى دخلت على عائشةؓ، فقالت..."، الخ۔

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

لتسع خلون من صفر المظفر سنة ألف وثلاثمائة وستّ وثمانين

◆◆◆

سوال:

کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟

محترم المقام قابل صد احترام جناب استاذی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون مودبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کا جواب بحوالہ تحریر فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک بریلوی عالم نے تقریر کی اور اس نے درمیان تقریر یہ کہا کہ حضور ﷺ کو سایہ نہیں تھا۔

اور اس کے استدلال میں اس نے ایک حدیث پیش کی اور اس نے کہا کہ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے، اور اس نے اس حدیث کو مستدل بنایا اس بات کا کہ حضور ﷺ بشر نہیں ہیں، اور مزید اس نے یہ کہا کہ ہر جسم والی چیز کا خاصہ ہے کہ اس کو سایہ ہو اور جب حضور ﷺ جسم والے تھے تو آپ کا سایہ ہونا ضروری ہے، اور مقرر کی استدلال کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہیں تھا۔

کیا یہ حدیث صحیحین یا دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ حدیث کیسی ہے؟ اور محدثین کی اس حدیث کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اور اگر حضور ﷺ کے سایہ کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو بحوالہ تحریر فرمائیں اور اس کے بارے میں محدثین کی رائے کا اظہار فرمائیں۔ فقط

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

حضور اقدس ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی حدیث صحاح ستہ اور مسانید مشہورہ و مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبد الرزاق اور دیگر کتب مشہورہ میں نہیں ہے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے بعض ایسی روایتیں لکھی ہیں لیکن وہ ساری معلول اور غیر معتبر ہیں، مسند احمد میں حضور اقدس ﷺ کے سایہ کی روایت موجود ہے، حضرت زینبؓ فرماتی ہیں: "فبينما أنا يوماً بنصف النهار وإذا أنا بظلّ رسول الله ﷺ مقبل"، مسند أحمد (ص ۱۳۱/۶)۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

سوال:

کیا مصحف میں دیکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عزیز گرامی قدر سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا جوابی کارڈ کافی روز سے رکھا ہوا ہے، خطوط کے معاملہ میں اپنی سستی سخت ندامت کا سبب بن جاتی ہے اور

اس خط کے جواب کا مؤخر ہونا ظاہر ہے۔

قرأة من المصحف میں حنفیہ کے یہاں امام ابوحنیفہ ہی کے قول پر فتوی ہے، صاحبین کراہت کے قائل ہیں، امام شافعی مطلقاً جواز کے قائل ہیں، اور امام مالک فقط نوافل میں، امام احمد کے دو قول ہیں مطلقاً جواز، بقید نفل،

مجوّزین حضرت عائشہؓ کے اثر سے اور مانعین حضرت ابن عباسؓ کے اثر: ”نهانا أمیر المؤمنین أن نؤمّ الناس فی المصحف وأن یؤمّنا أحد محتلم“، رواه أبوبکر بن أبی داود،

فی المصاحف سے استدلال کرنے میں اگر تم کو انشراح ہو تو جو قید تم نے لکھی ہے یعنی تنہائی میں پڑھ لو تاکہ انتشار نہ ہو، اور تمہارا مقصد یعنی طول قیام بھی حاصل ہو جاوے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ
۲۶/شعبان ۱۳۹۹ھ

◆ ◆ ◆

سوال:

کیا مصحف سے فال لینا درست ہے؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

قال القاری فی شرح شرح النخبة (ص ۹۷): والفال بالمصحف ما صدر عن السلف، واختلف فیه المتأخرون، و لَا شک أنّ التشاؤم بما فیه مکروه، سواء بالحروف أو بالمعنی، وأما التفاؤل بالمعنی أوبظهور بسملة ونحوها فلا بأس به، وأما الحروف فلا دلَالة لها علی القبح والحسن أبداً، انتهی۔

وقد ذکر الشیخ ابن حجر المکی کما فی المرقاة تحت حدیث عبیدة الملیکی: ”یا أهل القرآن لَا تتوسّدوا القرآن“ کراهةَ أخذ الفال من القرآن، ونقل تحریمه من بعض المالکیة، وراجع مجموعة الفتاوی لعبد الحیّ (ص ۸۳/۲)۔

وقال ابن تيمية فى فتاويه (ص٦٦/٢٣): وأما استفتاح الفال فى المصحف فلم ينقل عن السلف فيه شيء، وقد تنازع فيه المتأخرون، وذكر القاضى أبويعلىٰ فيه نزاعاً، ذكر عن ابن بطة أنه فعله، وذكر عن غيره أنه كرهه، فإنّ هذا ليس الفال الذى يحبّه رسول الله ﷺ، فإنه كان يحبّ الفال ويكره الطيرة.

والفال الذى يحبّه: هو أن يفعل أمراً أو يعزم عليه متوكلاً على الله فيسمع الكلمة الحسنة التى تسرّه مثل أن يسمع يا نجيح، يا مفلح، يا سعيد، يا منصور، ونحو ذلک، كما لقى فى سفر الهجرة رجلاً، فقال ما اسمک؟ قال: يزيد، قال: يا أبا بكر يزيد أمرنا، الخ۔

وذكر أحمد بن أحمد التنبكتى فى نيل الاِبتهاج بتطريز الديباج (ص٣١٢) قولين: الكراهة والاِباحة، وراجعه، ونقل عن الطرطوشى أنّ أخذ الفال من المصحف من الاِستقسام بالأزلَام۔

كتبه محمد يونس عفى عنه

* * *

سوال:

کیا رُحْماً رحیم سے مشتق ہے؟

قول البخارى (ص٦٨٩) فى تفسير سورة الكهف ﴿رُحماً﴾ من الرحم: وهى أشدّ مبالغة من الرحمة، ويظنّ أنه من الرحيم، انتهى، والرحيم مشتق من الرحمة،

ففى قول البخارى يلزم الاِشتقاق من المشتقّ، فهل لهذا أصل؟

حضرت شیخ مدّ ظلہ

جواب:

إنّه ليس المراد الاِشتقاق الاِصطلاحى، بل المعنى أنّه نقل إلى هذ المعنى۔

ثم رأيت البخارى قال فى كتاب الأنبياء فى 'باب قوله ﴿وإلى ثَمُودَ أخَاهُمْ صَالِحاً﴾': سمّى حطيم البيت حجراً، كأنّه مشتقّ من محطوم مثل قتيل من مقتول، انتهى۔

قال الحافظ ابن حجر (ص٢٦٩/٦): قوله 'مشتقّ' ليس هو محمولاً على الاِشتقاق الذى حدث اصطلاحه۔

وقال العینی (ص۷/۳۷۸): قوله 'كأنّه مشتقّ من محطوم': أراد أن الحطيم بمعنى المحطوم، كما أن القتيل بمعنى المقتول -يعنى فعيل- ولكنه بمعنى مفعول، وليس فيه اشتقاق اصطلاحی۔

وقال الشيخ زكريا الأنصارى فى تحفة البارى (ص۷/۱۴۶): أراد بذلک أنّ فعيلا بمعنى مفعول، لَا أنه مشتقّ منه اصطلاحاً، انتهى۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

⁂

سوال:

"لَا أدرى ما يفعل بى يوم القيامة" حدیث ہے یا نہیں؟

السائل: ------------

جواب:

أخرج البخارى (ص۱۶۶ و ۱۰۳۹) عن أمّ العلاء الأنصاريةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: "والله ما أدرى وأنا رسول الله ما يفعل بى ولَا بكم"، ولم أقف على زيادة "يوم القيامة"، والله أعلم۔ وفى لفظ للبخارى "ما يفعل به"، والضمير لعثمان بن مظعونؓ، قال ابن كثير (ص۴/۱۵۵): هذا أشبه أن يكون هو المحفوظ۔

محمد یونس عفی عنہ

⁂

سوال:

حدیث "إذا سلمت الجمعة سلمت الأيام" کس نے تخریج کی ہے؟

السائل: ------------

جواب:

قال الغزالی فی الاِحیاء (ص۱/۱۶۰) فی حدیث أنسؓ أنه ﷺ قال: ”إذا سلمت الجمعة سلمت الأیام“، قال العراقی فی تخریجه: رواه ابن حبّان فی الضعفاء وأبونعیم فی الحلیة و البیهقی فی الشعب من حدیث عائشةؓ، ولم أجده من حدیث أنسؓ، انتهی۔

وقال الغزالی فی موضع آخر (ص۱/۳۲۸): وقد روی أنسؓ عن رسول الله ﷺ: أنه قال: ”إذا سلم یوم الجمعة سلمت الأیام، وإذا سلم شهر رمضان سلمت السنة“، قال العراقی فی تخریجه تقدّم فی الباب الخامس من الصلوة ذکر یوم الجمعة، وقد رواه بجملته ابن حبّان فی الضعفاء، وأبو نعیم فی الحلیة من حدیث عائشةؓ، وهو ضعیف، انتهی۔

محمد یونس عفی عنه

❖❖❖

سوال:

حدیث: ’البلاء مؤکل بالمولود مالم یعقّ عنه‘ کہاں وارد ہے؟

السائل: ------------

جواب:

کتب حدیث میں بندہ کی نظر سے یہ حدیث کہیں نہیں گذری۔

کتبه العبد محمد یونس عفی عنه

۱۶ شوال المکرم ۱۳۸۶ھ

❖❖❖

سوال:

(۱) ”لولا عليّ لهلک عمر“ کہاں ہے؟

(۲) ”کان عمرؓ یتعوّذ من معضلة لیس لها“ کہاں ہے؟

السائل: ------------

جواب:

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ”لولَا علی لهلک عمر“ حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب (ص۳۹/ ۳) میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: وقال فی المجنونة التی أمر برجمها، وفی التی وضعت لستة أشهر فأراد عمرؓ رجمها فقال له علیؓ: ”إن الله تبارک تعالی یقول ﴿وحملُه وفصاله ثلٰثون شهراً﴾، وقال له: إن الله عزوجل رفع القلم عن المجنون“، الحدیث۔ فکان عمرؓ یقول: ”لولَا علیّ لهلک عمر“۔

(۲) کان عمرؓ یتعوّذ من معضلة لیس لها أبو حسن، حافظ ابن عبد البر (ص۳۹/ ۳) اور حافظ ابن حجر (ص۵۰۹/ ۲) نے نقل کیا ہے، ابن عبد البر فرماتے ہیں، قال أحمد بن زهیر: حدثنا عبید الله بن عمر القواریری حدثنا مؤمل بن إسماعیل حدثنا سفیان الثوری عن یحی بن سعید عن سعید بن المسیب قال: ”کان عمرؓ یتعوّذ بالله من معضلة لیس لها أبو حسن“، انتهی۔

لیکن مؤمل بن اِسماعیل کثیر الخطأ راوی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۲۵/ ۶/ ۱۴۱۰ھ

◆◆◆

صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہاء غریب حدیث سے کیوں؟

سوال:

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء اور انتہا غریب حدیث سے کیوں فرمائی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

غفران احمد بستوی

جواب:

حضرت امام بخاریؒ اپنی کتاب حدیث نیت سے شروع اور حدیث وزنِ اعمال پر ختم کرنا چاہتے ہیں،

اس لئے کہ انسان عمل کیلئے پیدا ہوا ہے، اور عمل کی اصل نیت ہے، اسی سے عمل کی ابتداء ہوتی ہے اور وہ مقبول یا مردود صحیح یا فاسد ہوتا ہے، اور عمل کی افادیت وزن کے بعد ہی ظاہر ہوگی جو عمل کے ساتھ آخری معاملہ ہے اور آخرت

میں ہوگا اور اسی کیساتھ امام بخاری تصنیف وقرأۃ جامع بخاری کی مجلس تسبیح پر ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے آخر میں حدیث كلمتان حبيبتان الخ لائے ہیں یہ اتفاق ہے کہ دونوں کی سندیں غریب ہیں،

یہ اور بات ہے کہ نکتہ بعد الوقوع کے طور پر بعض حکمتیں بھی ذکر کردی جاتی ہیں، مثلاً متعلم کو تنبیہ کرتے ہیں کہ طلب علم کے لئے غریب الوطنی اختیار کرے، اور آخرت کو یاد دلاتے ہیں اس لئے کہ مردہ گورستان میں غریب الوطن کے طور پر ہوتا ہے، یا ”بدء الإسلام غريباً وسيعود غريباً“ کو یاد دلایا ہے، فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۶/ ۶/ ۱۴۱۰ھ

* * *

امانت اور ”حتّی يقال للرجل ما أجلده“ کی تشریح

سوال:

ترمذی شریف (ص ۴۱ ج ۲) پر 'باب ما جاء في رفع الأمانة' کے تحت حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے۔

امانت سے متعلق احقر کو اس حدیث پر شراح کے کلام سے اپنی نااہلی کی وجہ سے تشفی نہیں ہورہی ہے۔

اگر جناب والا امانت کے مصداق اور حدیث پر صحابی کیا کہنا چاہتے ہیں خصوصاً حدیث کا آخری جملہ ”حتی يقال للرجل ما أجلده“ الخ اور ”ولقد أتىٰ عليّ زمان“ الخ کا خلاصہ چند سطروں میں ارقام فرمائیں تو کرم ہوگا۔

عبد الغفار بستوی

جواب:

آپ اپنے سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے ایک بات بطور تمہید ذہن نشیں کر لیجئے کہ امانت خیانت کی ضد ہے، اسکی اصل امن ہے، جو سکون قلب واطمینان وبے خوفی کے لئے بولا جاتا ہے، اور یہی امن ایمان کی اصل بھی ہے، اسی کی تصدیق کرتے ہیں جس پر اطمینان ہو، غلط بیانی کا خوف نہ ہو اور ایمان لانے والا بھی اپنے ایمان سے مومن بہ کو بیخوف کردیتا ہے، اور ایمان کے لئے امانت لازم ہے، آدمی جتنا ایماندار ہوتا ہے اتنا ہی امانت دار ہوتا ہے۔

اب آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں امانت سے ایمان اور اس کا لازم دونوں مراد ہیں، اور امانت سے مراد وہ فطری ایمان ومعرفت ہے جو عہد الست کے وقت انسان میں ودیعت ہوا، یہی ”إن الأمانة

نزلت فی جذر قلوب الرجال" کا مطلب ہے، یعنی اللہ نے اس کی فطرت میں اس کو ودیعت فرمادیا۔

پھر اس فطری ایمان کو جلا و نمو ایمانِ کسبی ایمان بالقرآن والسنۃ سے ملا، یہی "ثم علموا من القرآن ثم علموا من السنّة" کا حاصل ہے۔

پھر اس ایمان میں رفتہ رفتہ کمی آئے گی اس کیساتھ اس کے لازم یعنی امانت میں کمی آئے گی۔

اب آگے زوالِ امانت ہی کی صورت بیان کرتے ہیں کہ پہلے امانت زائل ہوگی لیکن بالکلیہ زوال نہ ہوگا، کچھ اثر رہ جائے گا، پھر دوبارہ بالکلیّہ زوال ہوجائے گا، امانت کی حقیقت تو ختم ہوجائے گی صرف نام ہی نام رہ جائے گا، اسی کو "ینام الرجل النومة فتقبض الأمانة" سے بیان فرماتے ہیں۔

اور "یبقی أثرها مثل المجل" سے یہ بتایا ہے کہ جیسے چھالہ نظر تو بہت آتا ہے لیکن اندر کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح آدمی کی امانت داری کا نام تو رہے گا حقیقت باقی نہ ہوگی۔

آگے "ما أعقله وما أظرفه" سے اسی کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ آدمی کی عقل وفہم قوت فی الدین کا شہرہ تو ہوگا لیکن اس کے دل میں ذرّہ برابر بھی امانت نہ ہوگی۔

"ولقد أتیٰ علیّ زمان" کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ گذشتہ میں کسی معاملہ مثلاً بیع وشراء کرنے میں اپنے مال کے ضیاع کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا، ہر شخص سے اس اطمینان پر معاملہ کرلیا کرتا تھا کہ اگر صاحبِ معاملہ مسلمان ہے تو اسکا ایمان خود ہمارا مال دلوادیگا، اور اگر نصرانی یعنی ذمی ہے تو حاکم کے ذریعہ حاصل ہوجائے گا، اور اب تو سوائے چند معیّن لوگوں کے کسی سے معاملہ کرنے کو تیار نہیں۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۲۹/ ۴/ ۱۴۱۰ھ

◆◆◆

کیا معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین کے ساتھ گئے؟

سوال:

لوگ ایک حدیث شریف نقل کررہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ومقام اتنا بلند تھا کہ جب معراج میں تشریف لے گئے تو نعلین شریفین اتارنے لگے، تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ آپ جوتے نہ اتاریں، آپ کے جوتے آنے سے میرے عرش کی عزت بڑھ جائے گی۔

السائل: ــــــــــــــــــــ

جواب:

نعلین شریفین کیساتھ عرش پر جانا میری نظر سے نہیں گذرا، یہ روایت بے اصل معلوم ہوتی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۱/۷/۱۴۲۰ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”الجهاد واجب عليكم...“ کی تحقیق

سوال:

حدثنا أحمد بن صالح نا ابن وهب حدثني معاوية بن صالح عن العلاء بن الحارث عن مكحول عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”الجهاد واجب عليكم مع كلّ أمير برًّا كان أو فاجراً، والصلوة واجبة عليكم خلف كلّ مسلم برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كلّ مسلم برّاً كان أو فاجراً وان عمل الكبائر“،

رواه أبوداود، باب الغزو مع أئمة الجور (ص ۳۴۳) مطبع أصح المطابع۔

(۱) حدیث مذکور عند الحنفیۃ قابل حجت ہے یا نہیں؟ اور اس حدیث پر عمل کرنا کیسا ہے؟

(۲) اس حدیث کے سلسلۂ اسناد میں کوئی راوی ضعیف اور مدلس ہے یا نہیں؟

وضاحت کے ساتھ اطمینان بخش جواب مرحمت فرمادیں، بڑی مہربانی ہوگی، والسلام۔

عظیم الدین

خادم مدرسہ دارالعلوم چلہ امروہہ مرادآباد یوپی

جواب:

(۱) هذا الحديث أخرجه أبوداود ومن طريقه البيهقى فى المعرفة إلّا أنّ فيه انقطاعاً بين مكحول وأبى هريرةؓ، ولكن المنقطع حجّة عند الحنفية بعد أن تكون رجاله ثقات كما صرّح

به ابن الهمام۔

حدیث کے ثبوت کے بعد درجۂ عمل میں عمل مطلوب ہے۔

(۲) مکحول مسلم اور سننِ اربعہ کے رواۃ میں ہیں، حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے **ثقة فقيه كثير الإرسال، وتلميذه: علاء بن الحارث صدوق فقيه، لكن رمي بالقدر وقد اختلط، روى له مسلم والأربعة، وتلميذه: معاوية بن صالح صدوق له أوهام، روى له مسلم والأربعة، وتلميذه: عبد الله بن وهب ثقة فقيه عابد روى له الستّة، وتلميذه: أحمد بن عبد الرحمٰن صدوق تغيّر بآخره روى له مسلم۔**

یہ سارا کلام تقریب التہذیب سے ماخوذ ہے، اس سے سارے رواۃ کا حال معلوم ہوگیا، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کوئی مدلس نہیں ہے، فقط۔

محمد یونس عفی عنہ
۸/ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق یکم مئی ۱۹۹۳ء

* * *

اوپر کے مکتوب پر مکرر سوال

سوال:

خدمت اقدس میں درخواست یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث کے بارے میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے بڑی خوشی ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث منقطع ہے اور عند الحنفیہ قابلِ حجت اور معمول بہا ہے۔

لیکن حدیث مذکور کے جتنے رواۃ ہیں ان کے بارے میں مکمل تشفی نہیں ہوئی، اگرچہ آپ نے مجموعی اعتبار سے حدیث مذکور کے رواۃ کے بارے میں کلام بحوالہ تقریب التہذیب کردیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مکحول کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ (ص۱۰۶/۱) پر لکھا ہے کہ مکحول مدلس ہے، اسی طرح غالبًا میزان الاعتدال (ص۲۱۰/۲) پر لکھا ہے کہ مکحول مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہوتا ہے، ہاں اگر ثقہ سے مدلس کا ثبوت مل جائے تو عند الجمہور مقبول ہوتا ہے جیسا کہ مقدمۂ مشکوۃ شریف میں مذکور ہے، لیکن اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ مکحول صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتا ہے غیر ثقہ سے نہیں۔

اسی طرح علاء بن الحارث کے بارے میں اور معاویہ بن صالح اور سب سے اوپر کے شیخ احمد بن صالح کے بارے میں بھی مکمل تشفی نہیں ہوئی کہ یہ کیسے ہیں اور کس نے ان پر کلام کیا ہے اور کس نے ان کی تصدیق کی اور ثقہ بتایا ہے، اس لئے درخواست ہے کہ حدیثِ مذکور کے تمام رواۃ پر نظر ثانی فرما کر ان کے حالات سے اطلاع فرماویں، تو بڑی مہربانی ہوگی۔

چونکہ آپ پر مکمل اعتماد ہے، بایں وجہ پھر دوبارہ زحمت دے رہا ہوں، امید کہ قبول فرما کر ممنون وشکر گذار فرمائیں گے۔

فقط والسلام عظیم الدین خادم مدرسہ دار العلوم چلہ امروہہ ضلع مراد آباد

۲۵/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

جواب:

(۱) آپ کا اگر پوری سند کے بارے میں رجال کا تفصیلی حالات معلوم کرنا ہے تو تہذیب التہذیب میں دیکھ لیں جو آپ کے مدرسہ میں ہوگی، اگر نہیں ہے تو شاہی کے کتب خانہ میں دیکھ لیں آپ کے لئے یہی مفید ہے، خود دیکھ کر فیصلہ کرلیں، حافظ ابن حجر کا فیصلہ تو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

(۲) مکحول کے متعلق متأخرین میں سے صرف ذہبی نے تدلیس کی تصریح کی ہے، اور قدماء میں ابن حبان (ص ۴۴۷) نے لکھا ہے: **ربّما دلّس**، اور بعد کے جتنے حضرات ان کو تدلیس سے موصوف کرتے ہیں وہ ابن حبان کا اتباع کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے **طبقات المدلّسین** میں ان کا تذکرہ ضرور کیا ہے لیکن تقریب میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے ابن حبان کی رائے سے موافقت نہیں کی اور اگر ابن حبان کی بات مان لیں تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا حکم تمام کثیر التدلیس رواۃ سے ہلکا ہوگا۔

(۳) معلوم نہیں کہ مکحول ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں یا غیر ثقہ سے، فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

۲/۴/۱۴۱۴ھ

◆ ◆ ◆

مسواک کے ستر فائدے، کس روایت میں ہے؟

گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟

سوال:

بغرض استفادہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق احادیث کا ثبوت مطلوب ہے۔

(۱) فضائل نماز میں فوائد مسواک کے ذیل میں لکھا ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے، کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہے؟ بعد میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستر مضرتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

(۲) تبلیغی جماعت والے حضرات گشت کی ترغیب دیتے وقت یہ فرماتے ہیں کہ گشت کر کے جو نماز پڑھی جاوے اس کا ثواب سات لاکھ درجہ ہے، یعنی سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور اللہ کے راستے میں نکلنے کا اجر بھی اسی طرح ہے کہ ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے،

اس کے بارے میں بھی حدیث یا قرآن کا ثبوت چاہئے تا کہ تسلی ہو، اگر کوئی ثبوت ہے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی اس تحریک سے پہلے امت مسلمہ اس ثواب عظیم سے محروم کیوں رہ گئی؟ گشت وتبلیغ کا یہ سلسلہ تو تقریباً پینسٹھ سال سے جاری ہوا ہے، امید کہ احادیث کے حوالہ سے آپ تشفی فرمائیں گے۔

السائل------------

جواب:

(۱) مسواک کے ستر فوائد اور افیون کے ستر ضرر کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔

(۲) اہل تبلیغ کے قول کی دلیل مشکوۃ شریف (ص ۳۳۵) کی روایت ہے:

”من غزا بنفسه فى سبيل الله، وأنفق فى وجهه ذلک، فله بكلّ درهم سبعمائة ألف درهم“، رواه ابن ماجه، وفى سنده مقال۔

سبیل اللہ عرف خاص میں جہاد پر بولا جاتا ہے، لیکن عرف عام میں ہر خیر کے راستے پر بولا جاتا ہے، انفاق کا مسئلہ نص روایت سے ماخوذ ہے، اور باقی بظاہر استدلال کے طور پر اخذ کیا گیا ہے،

اور سبیل اللہ کا مفہوم عام مان لینے کی صورت میں طلب علم یا دین کے لئے کسی بھی غرض سے نکلنا اسمیں داخل ہو جائے گا، اس لئے امت کی محرومی کا مسئلہ پیش نہیں آتا، اور اہل تبلیغ اس وقت امت کی عمومی دین سے بے خبری کی بناء پر تبلیغ پر زور دیتے ہیں، اس لئے کہ یہ امت کے تمام ہی لوگوں کے دین سے باخبر ہو جانے کا آسان راستہ ہے،

تجربہ اس کا شاہد ہے، فقط والسلام۔

محمد یونس عفا اللہ عنہ

۲۶/۳/۱۴۱۴ھ

* * *

سوال:

عدل فاروقی کے ایک واقعہ کی تحقیق

ماہنامہ ’حسنِ اخلاق‘ کے اندر مضمون شائع کیا ہے ’عدل فاروقی کی ایک جھلک‘ تفصیل مندرجہ ذیل ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کے ایک صاحبزادہ ابوشحمہ عبد الرحمٰن نے ایک عورت سے بنی نجار کے باغ میں شراب کے نشہ میں زنا کیا، عورت کو اس حرام کاری سے بچہ پیدا ہوا، عورت اس بچہ کو لیکر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئی اور دعوی کیا کہ حضرت یہ آپ کا بچہ ہے، آپ نے اس واقعہ کی تحقیق کے بعد ابوشحمہ پر حدِ رجم جاری کیا اور اسی حالت میں اس بچے کا انتقال ہو گیا۔

رسالہ البدر جو لکھنؤ سے مولانا عبد العلی صاحب فاروقی لکھنوی شائع کرتے ہیں، انہوں نے اسکی تکذیب کی اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان اور افترا پردازی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تو حضرت آپ سے رجوع کرنا پڑا جواب سے ضرور نوازیں گے۔ والسلام

آپ کا نالائق شاگرد تجمل حسین بستوی

مدرس مدرسہ مظہر العلوم لنگا پورہ آشٹہ سیہور ایم پی۔

جواب محترم المقام زید فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ واقعہ موضوع ہے، ابن الجوزی نے اسکو موضوع کہا ہے، علامہ سیوطی نے اللآلی میں (ص ۱۹۸/ ۲) اور ابن عراق نے تنبیه الشریعة میں (ص ۱۲۲/ ۲) ان کی موافقت کی ہے۔

اسی طرح انکی لاش یا قبر پر کوڑے مارنے کا قصہ مشہور ہے لیکن بے اصل ہے۔

والسلام محمد یونس عفی عنہ

۵ / رجب ۱۴۱۵ھ

◆◆◆ ○○○ ◆◆◆

سوال:

صاحب الکشف سے کیا مراد ہے؟

نیل الأمانی سے کیا مراد ہے؟

الاِتحاف سے کیا مراد ہے؟

رزین بن معاویہ عبدری کے حالات

تخریج أحادیث الرافعی للحسامی کی تفصیلات

علامہ ابن الترکمانی کون ہیں؟

مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری نے مدینہ منورہ سے ایک خط میں چند باتیں دریافت کی ہیں جواب سے سوال معلوم ہو جاتا ہے اس لئے اس کے الفاظ نقل نہیں کئے۔

جواب:

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) آپ نے صحیح سمجھا ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مقدمۂ لامع میں جگہ جگہ صاحب الکشف سے ملا کاتب چلپی صاحبِ کشف الظنون کو مراد لیا ہے، اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے کلام کا سیاق وسباق بھی اس کی دلیل ہے، انواع الکتب کے بیان میں النوع السادس والسابع کی عبارات اس پر بالکل وضاحت سے دلالت

کرتی ہیں۔

(۲) حضرت اقدس شیخ نور اللہ مرقدہ نے مقدمۂ لامع میں نیل الامانی سے علامہ عبدالہادی نجا ابیاری کی مقدمۃ القسطلانی کی شرح مراد لی ہے، جس کا پورا نام نیل الأمانی فی توضیح مقدّمة القسطلانی ہے، جو صاحب مطبع میمنیہ نے قسطلانی کیساتھ طبع کی تھی، اس کا ایک نسخہ مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ عبدالہادی کے متعلق اسماعیل پاشا بغدادی نے لکھا ہے: **عبد الهادی نجا بن السید رضوان بن محمد النحوی الأبیاری المصری الفقیه الأدیب ولد ۱۲۳۶ھ وتوفّی فی ذی القعدة من سنة خمس و ثلاثمائة وألف، ثمّ ذکر مؤلفاته، فیها: نیل الأمانی فی توضیح مقدّمة القسطلانی۔**

(۳) اسی طرح حضرتؒ نے الاتحاف سے نواب صدیق حسن خان کی تصنیف **إتحاف النبلاء المتّقین بإحیاء مآثر الفقهاء والمحدثین** مراد لی ہے، جو حضرت کے کتب خانہ میں موجود تھی، حضرت کتاب مذکور سے کثرت سے نقل کرتے ہیں، اور موالید و وفیات کے بیان میں نواب صاحب کی تقلیدی غلطیوں پر بعض بعض مواقع میں تنبیہ کی ہے، مثال کے طور پر (ص ۵۰ وص ۶۴ طبع ہند) کو دیکھا جا سکتا ہے۔

(۴) رزین بن معاویہ عبدری مالکی المذہب مشہور محدث ہیں، مکہ مکرمہ میں ۵۳۵ھ میں وفات پائی، انہوں نے کتب صحاح خمسہ اور موطا کی احادیث کو التجرید میں جمع فرمایا تھا جو اس وقت کافی مشہور تھی، علامہ ابن الاثیر الجزری نے ان کی کتاب مذکور کے متعلق قدرے تفصیل سے لکھا ہے جس کا بقدر ضرورت حصہ انہیں کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے، پہلے ان محدثین کا تذکرہ کیا جنہوں نے متقدمین کی کتابوں کو اپنے اپنے انداز میں جمع کیا جیسے ابو بکر برقانی، ابو مسعود دمشقی، ابو عبداللہ الحمیدی پھر فرمایا:

وتلاهم آخراً أبو الحسن رزین بن معٰویة العبدری السرقسطی فجمع بین کتب البخاری و مسلم والموطا لمالک وجامع أبی عیسی الترمذی وسنن أبی داود السجستانی وسنن أبی عبد الرحمٰن النسائی، ورتّب کتابه علٰی الأبواب دون المسانید، ولما وقفت علٰی هذه الکتب ورأیتها فی غایة من الوضع الحسن والترتیب الجمیل، ورأیت کتاب رزین هو أکبرها وأعمّها،

حيث حوىٰ هذه الكتب الستة التى هى أمّ كتب الحديث، وبأحاديثها أخذ العلماء واستدلّ الفقهاء، ومصنّفوها أشهر علماء الحديث، وأكثرهم حفظاً، وأعرفهم بمواضع الخطأ والصواب، وإليهم المنتهىٰ وعندهم الموقف، فحينئذٍ أحببت أن أشتغل بهذا الكتاب الجامع لهذه الصحاح، وأعتنى بأمره، فلمّا تتبعته وجدته على ما قد تعب فيه، قد أودع أحاديث فى أبواب غير تلك الأبواب أولى بها، وكرر فيه أحاديث كثيرة، وترك أكثر منها، إمّا للاختصار أو لغرض وقع له، ورأيت فى كتابه أحاديث كثيرة لم أجدها فى الأصول التى قرأتها و سمعتها ونقلت منها، وذلک لاِختلاف النسخ والطرق، فشرعت فى الجمع بين هذه الكتب الستة التى أودعها رزين فى كتابه، وصدفت عمّا فعله و رتّبه، فاعتمدت علىٰ الأصول دون كتابه، اھ۔

ابن الاثیر نے رزین کی کتاب کے دوعیب بیان کئے، ایک اصولِ ستّہ کی بہت سی احادیث کا ترک، دوسرا بعض ایسی احادیث کا کتاب میں اندراج جواصول مذکورہ میں موجود نہیں، ابن الاثیر اول کا سبب اختصار یااورکوئی غیر معلوم وجہ قرار دیتے ہیں اور ثانی کا اختلافِ نسخ، لیکن یہ ابن الاثیر کی تواضع ہے ورنہ نسخِ مختلفہ پرنظر ڈالنے کے باوجود قسم ثانی کا کوئی سراغ نہیں ملتا، منذری، حافظ ابن حجر جب ان کا تذکرہ کرتے ہیں تو صرف رزین کی طرف نسبت کرتے ہیں، انہیں روایات کے متعلق حافظ ذہبی سیر علام النبلاء میں (ص ۲۰۵/۲۰) میں لکھتے ہیں: أدخل كتابه زيادات واهية لو تنزّه عنها لأجاد، انتهى۔

خودامام رزین کی ذات پرکسی کواعتراض نہیں، ابن عساکر فرماتے ہیں: كان امام المالكيين بالحرم، حافظ ذہبی کہتے ہیں: الاِمام المحدث الشهير۔

(۵) تخريج أحاديث الرافعى للحسامى کے متعلق سوال کے تین اجزاء ہیں۔

اول رافعی سے کیا مراد ہے؟ دوسرا حسامی کون ہیں؟ تیسرا یہ ہے کہ تخریج سے کیا مراد ہے؟

جزء اول کا جواب یہ ہے کہ رافعی مشہور شافعی فقیہ ہیں، جن کا نام ونسب وکنیت امام نووی نے تہذیب الاسماء میں (ص ۲/۳۶۴) پراس طرح لکھا ہے کہ:

أبوالقاسم عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم بن الفضل القزوينى، الاِمام البارع المتبحّر

فی المذهب وعلوم كثيرة، قال الشيخ أبوعمرو بن الصلاح: أظنّ أنّی لم أر فی بلاد العجم مثله، قال: وكان ذا فنون حسن السيرة جميل الأثر، صنّف شرحاً كبيراً للوجيز فی بضعة عشر مجلّداً لم يشرح الوجيز بمثله، قال: بلغنا بدمشق وفاته فی سنة أربع و عشرين وستّمائة، وكانت وفاته فی أوائلها أوفی أواخر السنة التی قبلها بقزوين۔

وقال أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عمرو بن أبی بكر الصفار الأسفرائينی فی أربعين خرّجها شيخنا إمام الدين حقّاً وناصر السنة صدقاً أبو القاسم عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم الرافعی القزوينی: كان أوحد عصره فی العلوم الدينية أصولها و فروعها ومجتهد زمانه فی مذهب الشافعی وفريد وقته فی تفسير القرآن والمذهب، وكان له مجلس للتفسير وتسميع الحديث بجامع قزوين، صنّف شرح مسند الشافعی وأسمعه سنة تسع عشرة وستمائة، وشرَح الوجيز ثمّ صنّف أوجز منه ووقعا موقعاً عظيماً عند الخاصّة والعامّة، وصنّف كثيراً، وكان زاهداً ورعاً متواضعاً سمع الحديث الكثير، و توفّی فی حدود سنة ثلٰث و عشرين وستمائة ودفن بقزوين، هذا آخر كلام الأسفرائينی۔ قلت: الرافعی من الصالحين المتمكّنين وكانت له كرامات كثيرة ظاهرة، رحمه الله تعالی، انتهی كلام النووی۔

مزید تفصیل طبقات ابن السبکی میں دیکھی جاسکتی ہے، اسمیں (ص ۸/۲۸۴) ابن خلکان سے نقل کیا ہے: إنّ الاِمام الرافعی توفّی فی ذی القعدة سنة ثلاث و عشرين وستمائة۔

امام رافعی کی شرح کبیر للوجیز کا نام العزیز تھا، بعضوں نے اس کے بجائے الفتح العزیز کہا، تاج سبکی کہتے ہیں: (ص ۸/۱۸۱) الرافعی صاحب الشرح الكبير المسمّٰی بالعزيز، وقد تورّع بعضهم عن إطلاق لفظ العزيز علی غير كتاب الله، فقال: الفتح العزيز فی شرح الوجيز، انتهی۔ اسی شرح کبیر کو کبھی رافعی کبیر بھی کہا جاتا تھا، اسکی احادیث کی تخریج کے لئے علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(وفی الأعلام للزركلی ولد سنة ۵۵۷ھ وتوفی ۶۲۳ھ، المرتب)

دوسرے جزء کا جواب یہ ہے کہ حسامی مشہور محدث ہیں، جن کا مختصر حال حافظ ابن حجر کی الدرر الکامنة (ص ۱/۱۲۴) سے نقل کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

أحمد بن أيبک بن عبد الله الحسامی الدمياطی أبو الحسين ولد سنة سبعمائة، سمع من

أحمد بن عبد الرحیم بن درادة وحسن بن عمر الکردی وشھدة بنت الحصنی وستّ الوزراء وغیرھم، وقرأ وانتقی وذیّل علی ذیل الوفیات التی جمعھا المنذری ثم الحسینی، وخرّج للدبوسی معجماً ولغیرہ من الشیوخ، وجمع مجامیع ورحل إلی دمشق بآخرة فسمع بھا وظھرت فضائلہ ومات فی طاعون مصر سنہ ۷۴۹ھ، وذکرہ الذھبی فی معجمہ المختص فقال: المحدث الحافظ المفید محدث مصر قدم علینا فظھرت معارفہ وحسن مشارکتہ وخرّجت لہ جزءً سمع منی وسمعت منہ، قرأت بخط الشیخ بدر الدین الزرکشی أنّہ کان شرع فی تخریج أحادیث الرافعی ولم یکمل، اھ۔

تیسرے جزء کا جواب دوسرے جزء کے جواب سے معلوم ہو چکا۔

(۶) علامہ ابن الترکمانی علیّ بن عثمان بن مصطفی الماردینی المتوفی فی المحرم سنہ ۷۵۰ھ مشہور حنفی عالم ہیں، حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنة (ص ۱۰۰/۴) میں لکھا ہے: لہ من التصانیف غریب القرآن ومختصر ابن الصلاح والجوھر النقی وتخریج أحادیث الھدایة و مختصر المحصل والکفایة فی مختصر الھدایة وأشیاء کثیرة لم تکمل، انتھی۔

(۷) تخریج الزیلعی کا تذکرہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے تخاریج کے ضمن میں آگے چل کر کیا ہے خود دیکھ لیجئے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۵/شعبان سنہ ۱۴۱۶ھ

* * *

سوال:

ابدال سے متعلق روایت

حضرت سیدی مصلحی ومرشدی شیخی المعظم صاحب لازالت عنایتکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

'شریعت وطریقت' کتاب میں ابدال کے تعلق سے ایک حدیث نقل کی ہے، ایک صاحب نے اس کو صوفیہ کی موضوعات میں سے کہا ہے، تو کہاں تک حدیث ذیل صحیح ہے؟ اگر حوالہ بھی ذکر فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

عن شريح بن عبيد قال ذكر أهل الشام عند عليؓ وقيل: إلعنهم يا أمير المؤمنين! قال: لَا! إنّي سمعت رسول الله ﷺ يقول: "الأبدال يكونون بالشام وهم أربعون رجلا كلمّا مات رجل أبدل الله مكانه رجلاً يسقى بهم الغيث وينتصربهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب". (رواه احمد، بحوالہ شریعت وطریقت ص ۳۳۸)۔ فقط

جابر حسین
۴/۱/۱۴۱۷ھ

جواب:

عزیز محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ روایت موضوع نہیں ہے، **قال السيوطى فى الحاوى (ص ۲۴۲): رجاله رجال الصحيح غير شريح بن عبيد وهو ثقة، ولكن قال ابن عساكر: هذا منقطع بين شريح وعليؓ فإنّه لم يلقه، انتهى۔ وقال السخاوى فى المقاصد الحسنة (ص ۹): رجاله من رواة الصحيح إلّا شريحاً وهو ثقة، وقد سمع ممن هو أقدم من عليؓ و مع ذلك فقال الضياء المقدسى: إن رواية صفوان بن عبد الله عن عليؓ من غير رفع لَاتسبّوا أهل الشام جمّاً غفيراً فإنّ فيها الأبدال– قالها ثلثاً– أولى، أخرجها عبد الرزاق و من طريقه البيهقى فى الدلائل، ورواها غيرهما بل أخرجها الحاكم فى مستدركه ممّا صحّحه من قول عليؓ نحوه، انتهى۔**

اس کے بعد حدیث کی قوت کا قرینہ پیش کیا ہے کہ امام شافعی، امام بخاری اور بہت سے علماء نے بعض صلحاء کے بارے میں کہا ہے **كنا نعدّه من الأبدال۔**

محمد یونس عفی اللہ عنہ
۵/صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

* * *

نصائح غالیہ

سوال:

بخدمت گرامی مرتبت حضرت مولانا محمد یونس صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

بندہ رضوان محمد رافع ساکن آسٹریلیا متعلم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھڑوچ گجرات اس سال دورہ حدیث کی تکمیل کر کے آئندہ مہینہ سند فراغ اور دستار فضیلت پا رہا ہے، الحمد للہ علی ذالک

بعدہ وطن کے لئے عازم ہے، لہذا آنحضرت مدظلہ سے عرض ہے کہ مجھے ادعیہ صالحہ اور نصائح غالیہ سے نوازیں۔

شکریہ والسلام مع الاحترام

جواب:

عزیزم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز من آپ نے دین کا علم پڑھا ہے اس لئے آپ اپنے لئے اسی کو منتخب کریں، اسی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں، چند باتیں لکھتا ہوں جو اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے پسند کرتا ہوں۔

(۱) تصحیح نیت واخلاص کا اہتمام

(۲) اتباع سنت پر مداومت

(۳) معاصی سے کلی اجتناب اور مواقعِ معاصی سے حتی الوسع دوری

(۴) تعلیم دین سے اشتغال اور اشاعتِ دین کی مکمل فکر

(۵) تبلیغ سے حتی الوسع ربط

(۶) تزکیہ واصلاح کی غرض سے اہل اللہ سے تعلق اور ان کی ہدایات پر عمل

(۷) اصلاح فیما بین المسلمین کا اہتمام اور منازعت سے کلی گریز

(۸) قدرے نوافل کا اہتمام

(۹) اپنے اندر اللہ پاک کی محبت پیدا کرنے کی فکر۔

محمد یونس عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲/۷/۱۴۱۱ھ

◆◆◆

محمد بن فضیل راویِ بخاری کیا شیعہ تھے؟
کیا اہل کشف مخلوقات کی تسبیح سن لیتے ہیں؟

سوال:

(۱) محمد بن فضیل رواۃِ بخاری میں ہیں، بخاری کی آخری حدیث کی سند میں ان کا ذکر ہے، ان کے متعلق بھی شیخ سے تشیّع کا الزام مسموع ہوا اور بعض کتاب میں بھی اس کا ذکر دیکھا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور کن لوگوں نے لگایا؟

مسلم جلد ثانی (ص ۳۹۴) میں کئی سند میں ان کا نام ہے، کیا دونوں ایک ہیں؟

(۲) قرآن کریم میں ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ ہے، اور شیخ المشائخؒ نے فضائل ذکر (ص ۱۴۹) میں مفصل تسبیح کا ذکر فرمایا ہے، اہل کشف حضرات تسبیح دوسری چیزوں کی سمجھ لیتے ہیں، اور روایت بھی نقل کی، کیا یہ ﴿لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ کے معارض ہے؟ اگر ہے تو تطبیق اور توفیق کی صورت کیا ہوگی؟

جواب:

(۱) بخاری شریف کی آخری حدیث کے راوی محمد بن فضیل بن غزوان أبو عبد الرحمٰن الضبّی ولاءً الکوفی ہیں، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، اور یہی مسلم کے مذکورہ صفحہ میں واقع ہوئے ہیں۔

حافظ ابن حجر تقریب التهذیب میں لکھتے ہیں: صدوق عارف، رمی بالتشیّع، یحیی بن معین، علی بن المدینی، احمد عجلی وغیرہ ایک جماعت ان کو ثقہ کہتی ہے، ابوزرعہ کہتے ہیں: صدوق من أهل العلم، امام احمد فرماتے ہیں: کان یتشیّع وکان حسن الحدیث، ان کے تشیّع کا ماحصل حضرت علیؓ کی محبت وترجیح میں غلو ہے، ابوہشام الرفاعی کہتے ہیں: سمعت ابن فضیل یقول: رحم الله عثمان ولا رحم من لا یترحّم علیه، وسمعته یحلف بالله تعالی أنّه صاحب سنّة، رأیت علی خفّه أثر المسح، وصلیت خلفه ما لا یحصٰی فلم أسمعه یجهر یعنی بالبسملة۔

(۲) ﴿لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ تم سب لوگ نہیں سمجھتے، اس سے بعض کے سمجھنے کی نفی نہیں ہوتی، بخاری شریف میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: کنّا نسمع تسبیح الطعام وهو یؤکل۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

سوال:

تعلیم وتبلیغ اور عبادت میں کس کو مقدم رکھے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) دین سیکھنا اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا سب ہی ضروری ہے، تدریس وتعلیم میں بھی مشغول رہنا چاہئے، اور حسب استطاعت تبلیغ میں حصہ لینا چاہئے، حدیث پاک میں ہے: "إنّ الله تعالی لم یبعثنی معنّتاً ولَا متعنّتاً ولکن بعثنی معلّماً میسّراً"۔ رواہ أحمد (ص۳۲۸/۳)، ومسلم (ص۴۸۰/۱) عن جابرؓ۔

مسند دارمی، سنن ابن ماجہ (ص۲۱) میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں "إنما بعثنی معلّماً" ہے، دیکھو مشکوۃ (ص۳۶)۔

مسند احمد میں (۱۰۱/۴) حضرت معاویہؓ کی حدیث میں ہے "إنّما أنا مبلّغ والله یهدی"۔

مسلم (ص۴۸۲/۱)، ترمذی (ص۲۰۵/۲) میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں "إنّ الله أرسلنی مبلّغاً ولم یرسلنی متعنّتاً" ہے، ترمذی کے الفاظ "إنّما بعثنی الله مبلّغاً ولم یبعثنی متعنّتاً" ہے، وفی سنده انقطاع۔

(۲) یہ بالکل صحیح ہے کہ ایسی نفلی عبادت جس کا نفع صرف عابد کو پہونچے چاہے کتنی ہی بڑی ہو تعلیم وتبلیغ کا درجہ اس سے بڑا ہے، لیکن تعلیم پر تبلیغ کو ترجیح دینا یا اس کا عکس مناسب نہیں، یہ غالی لوگوں کا کام ہے، دونوں ضروری ہیں، ہاں بعض مواقع میں بعض کو دوسرے پر عارضی تقدیم ہوسکتی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

تعلیم مقدم یا تبلیغ ؟

سوال:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پڑھنا اور پڑھانا دو نمبر پر ہے اور تبلیغی جماعت میں کام کرنا نمبر ایک پر ہے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

تعلیم وتبلیغ دونوں ضروری ہیں، آپ مستقلاً تعلیمی کام کریں، جب تعطیل کے ایام ہوں تو تبلیغ کے لئے بھی سفر کرلیا کریں،

اہل تبلیغ کا اصرار اور نمبر ایک اور دو کہنا ان کی اپنی سمجھ کے اعتبار سے ہے، علم کے بغیر تبلیغ محال ہے، اور علم کے لئے تعلیم ضروری ہے، صحابہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں علم بھی سیکھتے تھے، اور تبلیغ بھی کرتے تھے۔

مالک بن الحویرثؓ کے ساتھی اور اسی طرح وفد عبدالقیس جب آئے تو پہلے علم سیکھا اس کے بعد واپسی پر ان کو تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ محمد یونس عفا اللہ عنہ

* * *

"ما اجتمع فی شیء من الحلال والحرام..." کیسی حدیث ہے؟

البداء ة بالملح و الختم به کیا سنت ہے؟

کیا فاسق کو سلام کر سکتے ہیں؟

سوال:

(۱) "ما اجتمع فی شیء من الحلال والحرام إلّا وقد غلب الحرام الحلال". کما فی مخزن تحقیق (ص ۳۸۱) بحوالہ بیہقی وتوضیح تلویح (ص۵۸۹/ ۴) فی بحث المعارضۃ والترجیح، وطحطاوی۔

کیا یہ حدیث ضعیف تو نہیں ہے؟ بیہقی کے الفاظ کیا ہیں؟ اور کس جلد میں ہے؟ بحوالہ صفحہ ومطبع تحریر کئے جانے کی التماس ہے،

(۲) شامی (ص۲۱۶/ ۵) کتاب الحظر والإباحة میں ہے: "ومن السنة البداءة بالملح و الختم

به، بل فيه شفاء من سبعين داء''۔ سنت کی تخریج فرمائیں۔

(۳) جلالین میں ہے: **وخصّت السنّة الكافر والمبتدع والفاسق۔ إلى قوله۔ لَا يجب الردّ عليهم بل يكره، (فى تفسير ﴿وإذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا﴾** پ۵ رکوع۸، جلالین ص ۱/۸۳)

دریافت طلب بات یہ ہے کہ فاسق کا لفظ حدیث میں ہے یا علماء کبار کا استنباط ہے؟ جیسا کہ تقویۃ الایمان میں مولانا اسماعیل شہید (ص۳۰۸) پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن عبد الله بن عمرؓ قال: ''مرّ رجل وعليه ثوبان أحمران فسلّم على النبى ﷺ فلم يردّ عليه''۔ رواه أبوداود والترمذى۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسق وفاجر کو سلام کا جواب دینا اچھا نہیں تاکہ باز آجائے، پھر محبت اور دوستی کا تو ذکر ہی کیا ہے، اھ

وكما فى البخارى (ص۲/۹۲۵) 'باب من لم يسلّم على من اقترف ذنباً ولم يردّه حتى يتبيّن توبته' ویسے حدیث **''تطعم الطعام وتقرأ السلام علىٰ من عرفت ومن لم تعرف''** تو مطلق ہے، کیا اس حدیث کی وجہ سے فاسق وفاجر کو سلام نہیں کرسکتے ہیں؟ اگر کرسکتے ہیں تو پھر حضرت گنگوہیؒ فتاوی رشیدیہ میں یہ کیوں تحریر فرمارہے ہیں: حقوق اسلام قرآن وحدیث صرف انہیں لوگوں کے واسطے ہے جو نیک اور پرہیزگار ہیں، فاسق وفاجر سے بالکل انقطاع چاہئے، لہذا فاسق وفاجر کی شرکتِ جنازہ وعیادتِ مریض نہ کرے،

سوال یہ ہے کہ حضور والا حضرت گنگوہی کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں یا اختلاف؟ اگر اتفاق کرتے ہیں تو پھر بڑے بڑے علماء کرام فاسق وفاجر کی نماز جنازہ سے کیوں نہیں گریز کرتے ہیں؟ مجوّزین کے دلائل کیا ہیں؟

حضرت! دل کی بات کیا بتاؤں، ڈاڑھی منڈا اور پتلون پہننے والے اور تارکِ صلوۃ وصوم ونحوہم من الآثام سے قطعاً طبیعت نہیں چاہتی ہے کہ سلام کروں یا پھر جواب ہی دوں، مذکورہ بالا باتیں کرنا **﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ أى نيةً وقولاً وعملاً كما فى روح المعانى** (رکوع ۴ پ۱۱) کے بھی خلاف ہے، ویسے آپ جو مشورہ دیں گے عمل کروں گا۔

فقط والسلام
محمد جہاں گیر کٹیہاری از شاگرداں

جواب:

مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) حدیث ”ما اجتمع الحرام والحلال إلّا غلب الحرام على الحلال“۔ ذكره البيهقى (ص ۷/۱۶۹) تعليقاً وقال: إنّما رواه جابر الجعفى عن الشعبى عن ابن مسعودؓ، و جابر الجعفى ضعيف، والشعبى عن ابن مسعود منقطع، وإنّما رواه غيره بمعناه عن الشعبى من قوله غير مرفوع إلى عبد الله بن مسعودؓ، انتهى۔

(۲) عن على بن أبى طالبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”إذا أكلت فابدأ بالملح واختم بالملح، فإنّ الملح شفاء سبعين داءً، أوّلها الجنون والجذام والبرص ووجع الضرس ووجع الحلق ووجع البطن“۔ رواه الحارث بن أبى أسامة كمافى المطالب العالية (ص ۲/۳۱۵)۔

قال البوصيرى: رواه الحارث عن عبد الرحيم بن واقد عن حماد بن عمرو عن السرىّ بن خالد و هم صعفاء۔

(۳) ”خصّت السنّة الكافر و المبتدع والفاسق“ بایں الفاظ میرے علم میں کوئی حدیث نہیں، آپ نے جو مطلب سمجھا ہے وہی مراد ہے، کسی حدیث سے کافر اور کسی سے فساق ومبتدعین کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے، اور فتاوی رشیدیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہی حکم ہے، نصوص مطلقہ دوسرے نصوص سے مقید کی جائیں گی ہاں اگر مصلحت مثلاً دفعِ شر یا تالیف قلب ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ

۳۰/۱۱/ ۱۴۱۲ھ

⁂

سوال:

بخاری کے معلّقات کا حکم

حدیث کے رفع ووقف میں اختلاف ہو تو کیا وہ شاذ ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عزیز مکرم زید علمہ وعرفانہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) آپ کے دونوں خط ملے، اپنی معذوری اور عدم فرصت کی وجہ سے فوراً جواب تو دشوار تھا اس لیے تاخیر ضروری تھی، آپ نے لکھا ہے کہ بخاری کے معلّقات کا تجزیہ کرتے ہوئے حافظ صاحب نے طاؤس عن معاذ والی روایت کو منقطع بتایا ہے اگرچہ رواۃ صحیح کے ہیں، النکت وغیرہ میں اس کے ضعف کے انجبار کا تذکرہ نہیں مگر الھدی الساری میں اس کے لئے ضعیف منجبر فرمایا ہے، جابر کیا ہے؟ کیا امام شافعی کا قول یا کچھ اور؟

اس کا جواب یہ ہے کہ **الھدی الساری** میں انجبار کی تصریح ہے، اور **النکت** میں سکوت ہے، اس صورت میں **الھدی الساری** کا بیان مقدم ہوگا، **لأنّ النا طق حجّة على الساكت،** اور جابر وہ روایات ہیں جو امام بخاری نے **باب العرض فی الزکوۃ** میں ذکر کی ہیں، جہاں حضرت معاذؓ کا اثر ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: **ھذا التعليق صحيح الإسناد إلى طاؤس، لكن طاؤساً لم يسمع من معاذؓ فهو منقطع، إلّا أنّ إيراده له في معرض الاحتجاج به يقتضي قوّته عنده وكأنّه عضده عنده الأحاديث التي ذكرها في الباب، انتهى،** اور عاضد تو روایت یا اثر ہوگا۔

امام شافعی کا قول: **و طاؤس عالم بأمر معاذؓ وإن كان لم يلقه على كثرة من لقي من أدرك معاذاًؓ من أهل اليمن، انتهى،** عاضد نہیں بلکہ معاذؓ کے اثر کے مستند ہونے کی ایک تقریر ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ حدیث کے رفع ووقف اور وصل وارسال کا اختلاف جو کہ ثقہ اور اوثق کے درمیان ہو یہ بھی شذوذ کے تحت آتا ہے یا نہیں؟ احقر کا خیال ہے کہ آتا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **فإن خولف أي الراوي بأرجح منه لمزيد ضبط أو كثرة عدد أو غير ذالک من وجوه الترجيحات فالراجح يقال له المحفوظ ومقابله وهو المرجوح يقال له الشاذ۔**

حافظ سخاوی لکھتے ہیں (ص۱۹۷/۱)، **ومن هنا يتبيّن أنّه لايحكم في تعارض الوصل والرفع مع الإرسال والوقف بشيء معيّن بل إن كان من أرسل أو وقف من الثقات أرجح قدم وكذا بالعكس، انتهى۔**

محمد یونس عفی عنہ ۴/۴/۱۴۱۳ھ

* * *

سوال:

تقوی کیسے حاصل ہوگا؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی عبدالحلیم صاحب سلمہ کے ذریعہ زبانی پیام ملا۔

تقوی وپرہیز اصلاً قلب کی صفت ہے، ’’التقوی ههنا وأشار إلى صدره‘‘۔ **مسند أحمد (ص ۵/۲۵)**

خود قرآن کریم میں تقوی القلوب کا ذکر ہے، اور یہ کیفیت عادۃً غلبۂ خوف سے پیدا ہوتی ہے، جسکی تدبیر آخرت کے ہولناک مناظر کا بار بار پڑھنا اور ان میں تدبر کرنا ہے اور اسکے علاوہ دوسری تدبیر اہل تقوی کی صحبت ہے۔

قال تعالی: ﴿إِتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ صحبتِ صادقین کا حکم تحصیلِ تقوی ہی کے لئے دیا گیا ہے اور صادقین سے مراد صادق الاقوال والافعال لوگ ہیں۔

والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۱۴۱۴/۸/۶ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

سوال:

عاشوراء کے دن توسیع علی العیال کا حکم
خط میں ’۷۸۶‘ لکھنے کا حکم

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) عاشوراء کے دن توسیع علی العیال یعنی اچھے کھانے پکانا بعض روایات میں ہے، لیکن اکابر محدثین امام احمد، ابو جعفر عقیلی، ابن طاہر، ابن الجوزی، ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن العز الحنفی، مجد الدین فیروز آبادی وغیرہ اس کے ثبوت کے قائل نہیں، اس کے برعکس بیہقی، ابن ناصر، عراقی، سخاوی، سیوطی، مناوی، ابن عراق، علی قاری، شوکانی،

زرقانی ثبوت کے قائل ہیں۔

(۲) خط میں ‘٨٦٧’ لکھنا بے اصل ہے، ہمارے استاذ ومربی حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم یہی فرماتے تھے اور خود براہ راست مجھ سے فرمایا تھا۔

محمد یونس عفی عنہ ۱۷/۲/۱۴۱۵ھ

* * *

سوال:

عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عقیق کی انگشتری کے متعلق ایک روایت میں ہے: **عن أنس رضؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: ”تختّموا بالعقيق فإنّه ينفى الفقر، واليمين أحقّ بالزينة“۔ رواه ابن الجوزى فى العلل المتناهية (ص٦٩٣/٢) وقال ابن عدى: هذا حديث باطل والحسين بن إبراهيم يعنى البابى مجهول، وقال الذهبى: لعّله من وضعه وأقرّه الحافظ فى اللسان،** فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

سوال:

تزویجِ فاطمہؓ کی روایت کہاں ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

تزویجِ فاطمہؓ کی روایت مصنف عبد الرزاق (ص٤٨٦/٥) اور انہیں کے طریق سے معجم طبرانی (۴۱۰/۲۲) اور طوالات للطبرانی (ص۱۳۲/۲۴) میں آئی ہے، اس کی سند میں یحیی بن العلاء متروک ہے۔

فقط والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۹/۲/۱۴۱۵ھ

* * *

فاروق اعظمؓ کا پہلے قتل پھر دیت دینے کا حکم

سوال:

عن النزال بن سبرة قال: ”قتل رجل من المسلمين رجلاً من العباد فذهب أخوه إلىٰ عمرؓ فكتب عمرؓ أن يقتل، فجعلوا يقولون: أقتل حنين، فيقول: حتى يجئ الغيظ، قال: فكتب عمرؓ أن يؤدى ولَا يقتل“۔ طحاوی شریف (صفحہ ۲/۹۵ طبع رحیمیہ)۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

”**رجلاً من العباد**“ سے مراد ذمی ہے اور ذمی پر عبد کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت ہوتے ہیں جیسے غلام آقا کا ماتحت ہوتا ہے، اور صحیح ”**أقتل حنين**“ ہے جیسا کہ حاشیہ کا نسخہ ہے، یہ ولی المقتول کا نام ہے۔

اثر کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا اس کے بھائی نے حضرت عمرؓ کے یہاں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ نے عامل کو خط لکھا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے، لوگوں نے ولی دم حنین سے کہنا شروع کیا ”**أقتل!**“ اس نے کہا ”**حتى يجئى الغيظ**“ یعنی جب غصہ آجائے گا تب قتل کروں گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے رویہ سے اس کا جوش ڈھیلا پڑ گیا تھا، اسکے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرا خط عامل کو لکھا کہ مقتول کی دیت ادا کر دی جائے اور قاتل کو قتل نہ کیا جائے،

امام طحاوی اس فرمان ثانی کی علت یہ بتاتے ہیں کہ جب ولی الدم نے قتل سے توقف کیا تو حضرت عمرؓ کی رائے بدل گئی اور انہیں قتل کے عمد ہونے میں شک ہو گیا اسلئے قتل کی ممانعت کی اور دیت کا حکم دے دیا،

لیکن یہ اثر مختصر ہے مفصل اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیرہ کا قصہ ہے، حضرت عمرؓ نے وہاں کے حاکم کو اولاً قاتل کے قتل کا فرمان لکھا اور پھر دیت کا،

چنانچہ امام شافعی کتاب الامّ (ص ۷/۳۲۱) میں لکھتے ہیں:

قال محمد بن الحسن: حدثنا أبو حنيفة عن حمّاد عن إبراهيم: ”أن رجلاً من بني بكر بن وائل قتل رجلاً من أهل الحيرة فكتب فيه عمر بن الخطابؓ أن يدفع إلى أولياء المقتول فإن شاؤا قتلوا وإن شاؤا عفوا، فدفع الرجل إلى وليّ المقتول إلى رجل يقال له حنين من أهل الحيرة فقتله، فكتب عمرؓ بعد ذلك: إن كان الرجل لم يُقتل فلا تقتلوه، فرأوا أن عمرؓ أراد أن

یرضیهم من الدية"۔ ورواه البيهقي في المعرفة من طريق الشافعي أنبانا محمد بن الحسن الخ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۶ رجب ۱۴۰۲ھ

* * *

ختمِ بخاری شریف کا دستور اور اس کی فضیلت

سوال:

بخاری شریف کے ختم کی فضیلت اور اس کا دستور کب سے رائج ہے؟

شبیر احمد لندنی

جواب:

یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ ختم بخاری شریف کا دستور کب سے چلا، لیکن علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے یہ طریق جاری ہے۔

قال القسطلانی (ص ۲۹): قال الشيخ أبو محمد عبد الله بن أبی جمرة: قال لی من لقيت من العارفين عمّن لقيه من السادة المقرّ لهم بالفضل: أن صحيح البخاری ما قرئ فی شدّة إلّا فرجت، ولَارکب به فی مرکب فغرقت، قال: وکان مجاب الدعوة قد دعا لقارئه۔ رحمه الله تعالٰی۔ انتهی۔ عارف ابن ابی جمرہ کی وفات ۶۷۵ھ میں ہوئی اور وہ متقدمین سے نقل کرتے ہیں۔

وقال الحافظ ابن کثير فی تاريخه البداية والنهاية (ص ۲۴): کتاب الصحيح يستسقیٰ بقراءته الغمام، وأجمع العلماء علیٰ قبوله وصحّة ما فيه، وکذلک سائر أهل الإسلام۔

حافظ ابن کثیر کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی۔

وقال العلامة أحمد بن أحمد التکروری ثم التنبکتی الشهير ببابا فی نيل الإبتهاج (ص ۲۷۶): قال القاضی ابن الأزرق: أخبرنی الفقيه القاضی الأجلّ خاتمة السلف أبو عبد الله الترلديوی نزيل تونس مکاتبة قال: کان ابن عرفة فی العلوم کما دلّت عليه تآليفه أوّل ما لقيناه عام ثلاثة وتسعين وله سبع وسبعون سنة وقرأنا عليه جميع صحيح البخاری بقراءة شيخنا قاضی الجماعة أبی مهدی الغبرينی وحضر هذه الختمة جميع أعلام تونس وعلمائها وطلبتها

صغاراً وکباراً، وکانت من الغرائب قراءة عالم علی عالم وهما علماء وقتهما وذلک فی رمضان أول عام هذا القرن، وسبب القراءة ما أصاب أمیر المؤمنین حجّة الله علی السلاطین أبا فارس بجبل أو رأس فأمر بقراءته لأنه تریاق الشدائد فقرئ کذلک ثم أجاز کلّ من حضر أبو مهدی بقراءته والشیخ الإمام بالقراءة علیه، انتهی۔

ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عرفۃ الورغمی التونسی کی وفات جمادی الاولی ۸۰۳ھ میں ہوئی اور یہ ابن عرفۃ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی الابیؒ شارح مسلم کے استاذ ہیں، جن کی وفات ۸۲۷ھ یا ۸۲۸ھ میں ہوئی، حافظ ابن حجر کو بھی ان سے اجازت ہے، اور ابومہدی عیسی ابن احمد التونسی الغبرینی کی وفات ۸۱۵ھ میں ہوئی، اور محمد بن محمد بن عیسی العقوی الترلدیوی کی وفات ۸۸۲ھ میں ہوئی۔

وقال علی القاری فی المرقاة (ص ۱۳/۱): قیل: ویسمّی أی صحیح البخاری 'التریاق المجرّب' ونقل السید جمال الدین عن عمّه السید أصیل الدین أنّه قال: قرأت البخاری مائة وعشرین مرّة للوقائع والمهمّات لی ولغیری فحصل المرادات وقضی الحاجات، وهذا کله ببرکة سیّد السادات ومنبع السعادات علیه أفضل الصلوات وأکمل التحیّات انتهی۔

سید اصیل الدین کی وفات ۸۸۳ھ یا ۸۸۴ھ میں ہوئی اور سید جمال الدین کی وفات ۹۳۲ھ میں، ملا علی قاری کی وفات ۱۰۱۴ھ میں۔

وقال محمد بن علان الصدیقی فی دلیل الفالحین (ص ۳۶/۱) تحت ترجمة البخاری: لم یقرأ کتابه فی کرب إلّا فرج، انتهی۔ ابن علان کی وفات ۱۰۵۷ھ میں ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں (ص ۱۱/۱) لکھتے ہیں:

بسیارے از مشائخ وعلماءِ ثقات از برائے حصولِ مرادات وکفایتِ مہمات وقضائے حاجات ودفعِ بلیات وکشفِ کربات وبرائے صحت وشفاءِ بیماران ودر مضایق وشدائد خواندہ اند وبمراد رسیدہ ومقصود خود درایافتہ اند وآنرا مانند تریاقِ مجرب دانستہ، واین معنی نزدِ علماء حدیث بمرتبۂ شہرت واستفاضہ رسیدہ، نیز جمال الدین محدث از استاذِ خود سید اصیل الدین رحمۃ اللہ علیہ نقل کردہ کہ گفت قریب صد وبست بار صحیح بخاری را در وقائع ومہمات برائے خود وبرائے مردم خواندہ ام وبہر نیت کہ خواندہ ام مقصود حاصل شدہ ومہم بکفایت انجامیدہ است، ومیانِ علماء این معنی بحدِ شہرت رسیدہ است کہ صحیح بخاری را در ہیچ شدتے نخواندہ اند الا کہ نجات وکشاد از اں شدت حاصل شدہ، ودر ہر کشتی وہر خانہ کہ آں کتاب

بودہ خداوند تعالی آنرا از غرق وحرق نگاہداشتہ، ونزدِ ثقات بثبوت رسیدہ کہ بخاری مستجاب الدعوات بودہ ودر شانِ قاریِ صحیح خود دعاء خیر کردہ، انتہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی، اس تفصیل سے ساتویں صدی سے ختمِ بخاری پر علماء کا تعامل نکلتا ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب جمعہ ۱۱ شعبان ۱۴۰۲ھ

* * *

"سيدة نساء أهل الجنة فاطمة رض"

"سيدا شباب أهل الجنة الحسن والحسين رض" کی تحقیق

سوال:

ایک شخص نے ایک رسالہ دکھلایا جو ایک عالم کا لکھا ہوا ہے اور عجیب خیال کے ہیں، انہوں نے طعنہ دیا ہے کہ "سيّدة نساء أهل الجنة" اور "سيّدا شباب أهل الجنة" لوگ خطبوں میں پڑھتے ہیں حالانکہ روایت صحیح نہیں۔

ترمذی کی روایت میں شیعہ راوی ہے اور بخاری میں یہ روایت نہیں، حالانکہ بخاری شریف میں "سيّدة نساء أهل الجنة" دوجگہ ہے، علامات النبوة میں شک کے ساتھ، اور حضرت سیدہ کے مناقب کے ترجمۃ الباب میں قال النبی ﷺ: "سيّدة نساء أهل الجنة فاطمة" ہے۔

ہمارے یہاں دستور ہے کہ شعبان میں کتابیں مدرسہ میں داخل کی جاتی ہیں اس لئے فی الحال احقر کے پاس کتابیں نہیں، پھر کتب خانہ کے منتظم باہر گئے ہیں نہ جانے کب آئیں، اس لئے ترمذی شریف کی روایت کے رجال کی مختصر تشریح اور ان دونوں روایتوں کی ایسی سند جو صحیح ہو درکار ہے، مرقات میں بہت سے صحابہ کا ذکر کیا ہے لیکن روایت کی صحت سے گفتگو نہیں کی، عینی فتح الباری میں بھی زیادہ تفصیل نہیں اس لئے آپ کو زحمت دی جارہی ہے۔

(مولانا) عبدالجبار اعظمی غفرلہ

۱۰ ر شوال المکرّم ۱۴۰۲ھ

جواب:

(۱) حدیث ”سیّدۃ نساء أھل الجنّۃ فاطمۃ“، تو بخاری شریف ہی میں ہے جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے، ولیس وراء عبّادان قریۃ، کیا امام بخاری کی تصحیح کے بعد بھی کوئی کلام رہ جاتا ہے؟ آگے حضرت حذیفہؓ کی حدیث آرہی ہے اس میں بھی یہ جملہ آرہا ہے۔

(۲): حدیث ”الحسن والحسین سیّدا شباب أھل الجنّۃ“۔ ابوسعید الخدریؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ، حذیفہ بن الیمانؓ سے منقول ہے۔

حدیث أبی سعید الخدریؓ أخرجه أحمد(ص ٨٢ و ٣/٦٢) من طریق سفیان الثوری و(ص ٦۴) من طریق خالد بن عبد الله الطحان، والترمذی (ص ٢/٢١٨) من طریق سفیان وجریر وابن فضیل کلّهم عن یزید بن أبی زیّاد عن عبد الرحمٰن بن أبی نعم عن أبی سعیدالخدریؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ”الحسن والحسین سیّدا شباب أهل الجنة“۔ زاد خالد الطحان ”وفاطمة سیدة نسائهم، إلّا ماکان لمریم بنت عمران“۔

قال الترمذی: هذا حدیث صحیح حسن، قلت: یزید بن أبی زیاد الهاشمی مولَاهم الکوفی، قال الحافظ فی التقریب: ضعیف کبر فتغیر صار یتلقّن، وکان شیعیّاً من الخامسة مات سنة ستّ وثلاثین، وقال نور الدین الهیثمی (٩/٣٦): یزید بن أبی زیاد حسن الحدیث علٰی ضعفه، وقال ابن دقیق العید فی الإمام: یزید بن أبی زیاد معدود فی أهل الصدق کوفیّ یکنٰی أبا عبد الله، ذکر أبو الحارث القروی قال أبو الحسن: یزید بن أبی زیاد جیّد الحدیث۔

وذکر مسلم فی مقدمة کتابه صنفا فقال فیهم: إنّ الستر والصدق وتعاطی العلم یشملهم کعطاء بن السائب ویزید بن أبی زیاد ولیث بن أبی سلیم، وادعی الدار قطنی وغیره أنه کان اختلط، والذی علیه المحدثون أنّ روایات المختلط إن لم تتمیّز فلا تقبل، وإن امتازت الأحادیث التی رواها قبل الإختلاط عمّا رواها بعد الإختلاط قبلت التی قبل الإختلاط، وذلک یعرف بتلامذته، فقدمائهم تقبل أحادیثهم، والثوری وخالد الطحان من قدماء أصحاب یزید کما صرّح به البخاری فی جزء رفع الیدین، فالحدیث علی هذا مقبول ولهٰذا حکم الترمذی علیه بالصحة والحسن۔

وأمّا أنّ يزيد شيعيّ فهذا ممّا يتخالج فى القلب، ولكن جوابه أنّ يزيد ليس من الدعاة إلى مذهبهم الذين تردّ حديثهم عند الجمهور، ولم ينفرد به يزيد، فقد تابعه الحكم بن عبد الرحمٰن بن أبى نعم عند النسائى فى الخصائص (ص ٢٦) والحاكم (ص ٣/١٦٦) ولفظه: ”الحسن والحسين سيّدا شباب أهل الجنة، إلّا ابنى الخالة عيسىٰ بن مريم ويحيىٰ بن زكريا“، قال الحاكم: هذا حديث قد صحّ من أوجه كثيرة وأنا أتعجب أنّهما لم يخرجاه۔

قال الذهبى: الحكم فيه لين، قلت: قال يحيى بن معين: ضعيف، وقال أبو حاتم: صالح الحديث، وذكره ابن حبان فى الثقات، وقال ابن حجر فى التقريب: صدوق سيئى الحفظ، قلت: فيعتبر حديثه فى المتابعة ولم يتّهمه أحد بالتشيّع فيما أعلم۔

وله متابع ثان يزيد بن مردانبه عند أحمد (ص ٣/٣) والنسائى فى خصائص علیؓ (ص ٢٦) والخطيب فى تاريخه (ص ١١/٩٠) وثّقه وكيع ويحيى بن معين والعجلى وابن حبان، وقال أبو حاتم لَا بأس به ولم يذكر بالتشيّع۔

ثم هذان الرجلان الحكم ويزيد بن مردانبة أخرج لهما النسائى فى سننه، وتعنته فى الرجال معروف، وعبد الرحمٰن بن أبى نعم قال ابن معين: ضعيف، وقال ابن سعد والنسائى: ثقة، قال ابن حجر فى المقدمة (ص ١٨١): واعتمده الشيخان، وثبت بهذا التفصيل ما اعتمده الترمذى من تحسينه بل صحّته۔

وحديث عبد الله بن مسعودؓ أخرجه الحاكم (ص ٣/١٦٧) من طريق على بن صالح عن عاصم عن زرّ عن ابن مسعودؓ بمثل اللفظ الأول عن أبى سعيد الخدریؓ وزاد ”وأبوهما خير منهما“ قال الحاكم: هذا حديث صحيح بهذه الزيادة، وأقرّه الذهبى، وعلى بن صالح بن صالح الحمدانى ثقة عابد كما فى التقريب روى له مسلم والأربعة، قال يعقوب بن سفيان فى تاريخه (١٨۴/٣) كان يميل الى التشيّع، قال الحاكم فى علوم الحديث (ص ١٧٢) فى الحسن بن صالح: كان زيدىّ المذهب، قلت: وعلى أخوه فالظاهر أنه أيضاً زيدىّ، وعاصم هو ابن بهدلة أبو بكر المقرى صدوق له أوهام، أخرج له الشيخان مقروناً۔

وحديث ابن عمرؓ أخرجه الحاكم (ص ٣/١٦٧) بلفظ ابن مسعودؓ وفيه معلى بن عبد

الرحمٰن الواسطی متّهم بالوضع ورمی بالرفض، قال أبوداود: وسمعت يحيیٰ بن معين وسئل عنه فقال: أحسن أحواله عندی أنه قيل له عند موته ألَا تستغفر الله؟ فقال: أرجو أن يغفر لی وقد وضعت فی فضل علیؓ سبعين حديثاً۔

حديث حذيفةؓ أخرجه أحمد (ص۳۹۲/۵) حدثنا أسود بن عامر ثنا اسرائيل عن ابن أبی السفر عن الشعبی عن حذيفةؓ قال: ”أتيت النبیﷺ فصليت معه الظهر والعصر والمغرب والعشاء ثمّ تبعته وهو يريد يدخل بعض حجره فقام وأنا خلفه كأنّه يكلّم أحدا ، قال: ثمّ قال: من هذا؟ قلت: حذيفة، قال: أتدری من كان معی؟ قلت: لَا! قال: فإنّ جبرئيل جاء يبشّرنی أنّ الحسن والحسين سيّدا شباب أهل الجنة، قال: فقال حذيفةؓ: فاستغفرلی ولأمّی، قال: غفر الله لک يا حذيفة ولِأمّک“۔ رجاله ثقات۔

وأخرج أحمد (ص ۳۹۱/۵) والترمذی (ص۲۱۸/۲) والنسائی فی السنن الكبری من طريق إسرائيل عن ميسرة بن حبيب عن المنهال بن عمروعن زرّ بن حبيش عن حذيفةؓ قال: ”سألتنی أمّی متی عهدک بالنبیﷺ؟ قال: فقلت لها: منذ كذا وكذا، قال: فنالت منی وسبّتنی قال: فقلت لها: دعينی فإنّی آتی النبیﷺ فأصلّی معه المغرب ثمّ لَاأدعه حتّی يستغفرلی ولک، قال: فأتيت النبیﷺ فصلّيت معه المغرب فصلّی النبیﷺ العشاء ثمّ انفتل فتبعته فعرض له عارض فناجاه ثمّ ذهب فاتبعته فسمع صوتی فقال: من هذا؟ فقلت: حذيفة! قال: مالک؟ فحدثّته بالأمر فقال: غفر الله لک ولِأمّک، ثمّ قال: أما رأيت العارض الذی عرض لی قبيل؟ قال: قلت: بلی! قال: فهو ملک من الملائكة لم يهبط الأرض قبل هذه الليلة فاستاذن ربّه أن يسلّم علیّ ويبشّرنی أنّ الحسن والحسين سيّدا شباب أهل الجنة وأنّ فاطمة سيدة نساء أهل الجنة“۔ قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب لَا نعرفه إلّامن حديث إسرائيل انتهی۔ إسرائيل ثقة وميسرة بن حبيب صدوق والمنهال بن عمرو صدوق ربّما وهم كما فی التقريب، فالإسناد حسن كما قال الترمذی ، والله اعلم۔

كتبه محمد يونس عفی عنه ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۰۲ھ

* * *

”الدنیا زور“ کی تحقیق

”إنّما ولدت بزمن الملک العادل“ کی تحقیق

سوال:

دوحدیثیں ”الدنیا زور لَا یحصل إلّا بالزور“، اور ”وإنما ولدت بزمن الملک العادل“ کی تحقیق مطلوب ہے، جواب سے نوازیں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

۱: حدیث ”الدنیا زور لَا یحصل إلّا بالزور“ باطل ہے، کتب حدیث میں ہماری معلومات میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور ابھی تک کسی معتمد شخص کے کلام میں بھی یہ مقولہ نظر سے نہیں گذرا۔

۲: ”إنّما ولدت بزمن الملک العادل“ یا ”إنّما ولدت بعهد الملک العادل“ یہ حدیث زبان زد ہے، متعدد لوگوں نے اپنی کتابوں میں بلاسند ”ولدت فی زمن الملک العادل“ کے الفاظ سے نقل کی ہے، بعض جگہ ”ولدت“ کے بجائے ”بعثت“ آیا ہے، بوستاں کے حاشیہ پر ”أنا ولدت فی زمان الملک العادل“ آیا ہے۔

شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ (ص ۳/ ۴) میں لکھا ہے: قال ﷺ فی تاریخ میلاده عن کسری وهو من جملة النوّاب الملوک قال: ”ولدت فی زمان الملک العادل“۔

لیکن محدثین کے نزدیک کوئی لفظ بھی ثابت نہیں۔ قال الصغانی: حدیث: ”ولدت فی زمن ملک عادل“ موضوع، وقال علی القاری فی الموضوعات: ”ولدت فی زمن الملک العادل“ قال السخاوی: لَا أصل له، وقال الزرکشی: کذب باطل، وقال السیوطی: قال البیهقی فی شعب الاِیمان: تکلّم شیخنا أبو عبد الله الحافظ ببطلان ما یرویه بعض الجهلاء عن نبینا ﷺ ”ولدت فی زمن الملک العادل“ یعنی نوشیروان۔ انتهی۔

وقال أبو سعد بن السمعانی الحافظ: سمعت أبا أحمد السنجی بمرو یقول: سمعت أبا عبد

الله محمد بن عبد الواحد الحافظ يقول سمعت الزكى أبا عبد الله إسمعيل بن عبد الغافر الفارسي يقول سمعت محمد بن عبد الواحد الأصبهانى قال يحكى أنّ القاضى أبا بكر الحيرى حكى له شيخ من الصالحين: أنّه راٰى النبىﷺ فى المنام قال: فقلت له يا رسول الله! بلغنى أنّک قلت 'ولدت فى زمن الملک العادل' وإنّى سألت الحاكم أبا عبد الله الحافظ عن هذا فقال: هذا كذب ولم يقله رسول اللهﷺ، فقال النبىﷺ: صدق أبو عبد الله، انتهى۔

وحكى هذه الحكاية الحافظ أبو القاسم بن عساكر فى تبيين كذب المفترى (ص ٢٣٠) عن أبى حازم العبدوى الحافظ أنّه حكاها عن القاضى أبى بكر الحيرى ، وكذا نقل التاج السبكى فى طبقاته (ص ٣/٦٦) عن أبى حازم ، فهؤلَاء الأئمة: الحاكم ومن تبعه كالبيهقى وأبى حازم العبدوى والقاضى أبى بكر الحيرى ومحمد بن عبد الواحد الأصبهانى وإسماعيل بن عبد الغافر ومحمد بن عبد الواحد الحافظ وأبى أحمد السنجى وأبى القاسم بن عساكر وأبى سعد السمعانى اتفقوا على كذب هٰذا الحديث وبطلانه۔

وقد يروى عن بعض الأئمة ما يقتضى ثبوته ، فقد قال الحافظ ابن رجب فى ذيل طبقات ابن أبى يعلى فى ترجمة أبى عمر بن قدامة الحنبلى (ص۴/۵۷) قال أبو المظفّر يعنى السبط ابن الجوزى: كراماته كثيرة وفضائله غزيرة ، فمنها أنّى صليت يوم جمعة بجامع الجبل فى أوّل سنة ستّ وستمائة والشيخ عبد الله البوتانى إلى جانبى ، فلمّا كان آخر الخطبة وأبو عمر يخطب نهض الشيخ عبد الله مسرعاً وصعد إلى منارة قريبة وكان نازلاً بها فظننت أنّه احتاج إلى الوضوء أوآلمه شئ ، فلمّا صلّيت الجمعة صعدت وراء ه وقلت له: خير، ما الذى أصابک؟ فقال هذا أبو عمر ما تحلّ خلفه صلوة، قلت: ولِمَ؟ قال لأنّه يقول على المنبر ما لَا يصلح، قلت: وما الذى يقول؟ قال: 'الملک العادل' وهو ظالم فما يصدق ، وكان أبو عمر يقول فى آخر الخطبة: اللهم أصلح عبدک الملک العادل سيف الدين أبا بكر بن أيوب، فقلت له: إذا كانت الصلوة خلف أبى عمر لَا تصلح فيا ليت شعرى خلف من تصحّ؟

وبينا نحن فى الحديث وإذا بالشيخ أبى عمر قد دخل ومعه مئزر فسلّم وحلّ المئزر وفيه رغيف وخيارتان فكسر الجميع، وقال: بسم الله الصلوة (كذا فى الأصل)، ثم قال ابتداءً: قد

جاء فی الحدیث أنّ النبیﷺ قال: ''ولدت فی زمن الملک العادل کسری'' ، فنظر إلیّ الشیخ عبد اللہ وتبسّم وَمَدَّ یَدہٗ فأکل، وقام أبو عمر فنزل ، فقال الشیخ عبد اللہ: ماذا؟ إلّا رجل صالح، انتھی۔

وقد نقل الحافظ ابن کثیر ھذہ الحکایة فی البدایة والنھایة (ص ۱۳/۶۰) ولفظ الحدیث فی حکایتہ ''بعثت فی زمن الملک العادل کسری'' قال ابن کثیر: ھذا الحدیث الذی احتج بہ الشیخ أبو عمر لَا أصل لہ، ولیس ھو فی شئ من الکتب المشھورة، وعجبًا لہ ولِأبی المظفر ثم لِأبی شامة فی قبول مثل ھذا، وأخذہ منہ مسلّماً إلیہ فیہ، انتھی۔

وقال السخاوی فی المقاصد (ص۴۵۴): ھذا لَایصحّ لِانقطاع سندہ، و إن صحّ فلعلّ الناقل للحکایة لم یضبط لفظ الشیخ وإن ضبط الحکایة، قلت: والذی یظھر أن الشیخ أبا عمرظنّ لِاشتھارہ ثبوتہ فحکاہ ووھم فی ذلک ، قال الحلیمی فی الشعب: إن ھذا الحدیث لَا یصحّ ، وإن صحّ فإطلاق العادل علیہ لتعریفہ بالاِسم الذی کان یدعٰی بہ لَا لوصفہ بالعدل، والشھادة لہ بذلک وبناء علی اعتقاد المعتقدین فیہ أنہ کان عدلاً کما قال تعالیٰ ﴿فَمَا أَغْنَتْ عَنْھُمْ آلِھَتُھُمْ﴾ أی ما کان عندھم آلھة ، ولَا یجوز أن یسمّی رسول اللہ ﷺ من یحکم بغیر حکم اللہ عادلاً، انتھی۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

◆◆◆ ○○○ ◆◆◆

سوال:

''لو کان موسیٰؑ وعیسیٰؑ حیّین...'' کی تخریج

''لولَاک لما خلقت الأفلاک'' کی تخریج

''أوّل ما خلق اللہ نوری'' کیا حدیث ہے؟

السائل:..................

جواب:

(۱) حدیث "لوكان موسٰى وعيسٰى عليهما السلام حيّين لما وسعهما إلّا اتّباعی" ، اس حدیث میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر غلط ہے، اور یہ غلطی حافظ ابن کثیر کو ہوئی ہے، انہوں نے بے حوالہ یہ روایت اپنی تفسیر (ص۳۷۸) میں لکھی ہے، اصل لفظ "لو كان موسى حيّاً ما وسعه إلّا اتّباعی" ہے، رواه أحمد والبيهقی فی شعب الاِيمان، كذا فی المشكوة (ص ۳۰)۔

(۲) "لولَاک لما خلقت الأفلاک"، یہ حدیث بہت مشہور ہے مگر یہ لفظ کہیں ثابت نہیں، مستدرک حاکم (ص۲/۶۱۵) میں حضرت عمرؓ کی ایک حدیث میں "يا آدم لولَا محمد ما خلقتک" ہے اور طبرانی کی معجم صغیر میں (ص۲/۸۳) "لولَاه يا آدم ما خلقتک" ہے، قال الحاكم: صحيح الاِسناد ، وقال الذهبی: بل موضوع، و عبد الرحمن أی ابن زيد بن أسلم واهٍ، حاکم کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں "لولَا محمد ما خلقت الجنة والنار" ہے، اور فرماتے ہیں: صحيح الاِسناد ، ذہبی کہتے ہیں: أظنّه موضوعاً ، وقال فی الميزان: والخبر منكر وأظنّه موضوعاً، وأقرّه ابن حجر فی اللسان۔

(۳) اور حدیث "أوّل ما خلق الله نوری" کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث بحوالہ عبدالرزاق حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے جسمیں "يا جابر! أول ما خلق الله نور نبيّک" ہے۔ اسکی سند باوجود تتبع بلیغ کے نہیں ملی، الفاظ کی بندش یہ بتاتی ہے کہ موضوع ہے، قسطلانی کے اعتماد پر بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں لیکن قسطلانی ناقدینِ حدیث میں نہیں ہیں، اور اگر بالفرض ہوتے تو بھی دوسروں کے اختلاف کی گنجائش ہوتی۔

محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

سوال:

"لوعاش إبراهيم لكان نبياً" کی تحقیق

”أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم“ کی تحقیق

”أنا مدینة العلم وعلیّ بابها“ کی تحقیق

السائل:...............

جواب:

(۱) حدیث ”لو عاش إبراهیم لکان نبیّاً“، یہ لفظ ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے،

”لما مات إبراهیم بن النبی ﷺ صلّی علیه وقال: إنّ له مُرضعًا فی الجنة، ولو عاش لکان صدّیقا نبیّاً، ولوعاش لأعتقت أخواله من القبط وما استرقّ قبطی“، وفی سنده أبو شیبة إبراهیم بن عثمان الواسطی وهو متروک، ومن طریقه أخرجه ابن منده فی المعرفة وقال: إنه غریب۔

وأخرج أحمد (ص ۲۸۱/۳) بطریق أبی عوانة عن إسماعیل السدّی قال سألت أنس بن مالکؓ قال: قلت صلّی رسول الله ﷺ علی ابنه إبراهیم؟ قال: لَا أدری، –رحمة الله علی إبراهیم– لو عاش کان صدّیقاً نبیّاً، قال الهیثمی (ص ۱۲۲/۹): رجاله رجال الصحیح۔

وأخرجه ابن عبد البرّ فی الاِستیعاب (ص ۴۶/۱) بطریق أسباط بن نصر عن السدّی قال: سألت أنس بن مالکؓ کم کان بلغ إبراهیم بن النبی ﷺ؟ قال: ”قد کان ملأ مهده ، ولو بقی لکان نبیّاً، ولکن لم یکن لیبقٰی لأنّ نبیّکم آخر الأنبیاء ﷺ“،

وأخرج البخاری (ص ۹۱۴) من طریق محمد بن بشر عن إسماعیل بن أبی خالد: قلت لِابن أبی أوفی: ”رأیت إبراهیم بن النبی ﷺ؟ قال: مات صغیراً ، ولو قضی أن یکون بعد محمد ﷺ نبیّ عاش ابنه، ولکن لَا نبیّ بعده“۔

قال ابن عبد البرّ فی الاِستیعاب بعد ذکر روایتَی أنسؓ وابن أبی أوفیؓ : هذا لَا أدری ما هو، وقد وُلِد لِنوح علیه السلام من لیس بنبیّ، وکما یلد غیر النبیّ نبیّاً فکذلک یجوز أن یلد النبیّ غیر نبیّ، والله أعلم، ولو لم یلد النبیُّ إلّا نبیًّا لکان کلّ أحد نبیّاً لأنه من وُلد نوح علیه السلام، وآدم علیه السلام نبیّ مکلّم وما أعلم فی وُلده لصلبه نبیّاً غیر شیث علیه السلام، انتهی

وقال النووی فی تهذیب الأسماء (ص ۱۰۳/۱): وأما ما روی عن بعض المتقدمین

”لو عاش إبراهيم لكان نبيّاً“ فباطل وجسارة على الكلام فى المغيبات، ومجازفة وهجوم على عظيم من الزلّات، انتهى۔

قال الحافظ فى الإِصابة (ص ۵۴ / ۱) بعد كلام النووى: وهو عجيب مع وروده عن ثلاثة من الصحابة ، وكأنه لم يظهر له وجه تأويله فبالغ فى إنكاره، وجوابه أن القضية الشرطية لَا تستلزم الوقوع ولَا نظنّ بالصحابى أنه يهجم على مثل هذا بظنّه، والله أعلم۔ وكذا أجاب الحافظ فى الفتح (ص ۲۰۰ / ۱۳) وأقرّه تلميذه السخاوى فى المقاصد (ص ۳۴۴)۔

(۲) حدیث ”أصحابى كالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم“ یہ حدیث مشہور ہے، متعدد صحابہ ابن عمرؓ، جابرؓ، انسؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ سے مروی ہے لیکن کوئی طریق علت سے خالی نہیں، ابوبکر بزار، ابومحمد ابن حزم، ابوحبان اس کو بے اصل کہتے ہیں، مشکوۃ میں (ص ۵۵۴) پر بھی ہے۔

(۳) حديث ”أنا مدينة العلم وعلیّ بابها“۔

أخرجه الحاكم فى المناقب من مستدركه والطبرانى فى معجمه الكبير وأبو الشيخ بن حيّان فى السنّة والخطيب فى تاريخه (ص ۳۴۸ / ۴) من طريق أبى معاوية عن الأَعمش عن مجاهد عن ابن عباسؓ مرفوعاً به بزيادة ”فمن أراد المدينة فليأت الباب“،

وهو حديث مختلف فيه، فحكم جماعة كأبى زرعة الرازى وابن عدى ومطيّن وابن حبان بأنه باطل، ومال إليه أحمد بن حنبل ، وحكم عليه ابن الجوزى بالوضع، وخالفه المتأخّرون كالصلاح العلائى وابن حجر والسخاوى والسيوطى فمالوا إلى ثبوت الحديث، والكلام فيه طويل ليس هذا موضع البسط، والله أعلم ۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۱۸ محرم ۱۴۰۳ھ

* * *

سوال:

جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت ہے؟
کھانے کی برکت کیا ہے؟
ناخن کاٹنے کی ترتیب کیا ہے؟

السائل: ....

جواب:

(۱) میرے علم میں کسی روایت میں جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت نہیں ہے، لیکن تلاش کی ضرورت ہے، مجھے فرصت نہیں ہے۔

(۲) روایات میں صرف ''برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده'' ہے، ترمذی (ص ۷/ ۲)، کلّی کے متعلق کوئی روایت اس وقت مستحضر نہیں۔

(۳) ناخن کاٹنے میں کوئی ترتیب حدیث میں نہیں آئی ہے، امام نووی کی رائے ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور ترتیب وار چھوٹی تک کاٹتا جائے، پھر انگوٹھے کا کاٹے اور بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے۔

محمد یونس عفا اللہ عنہ

⁂

سوال:

حدیث ''أمرت بیوم الأضحی عیدًا...'' کی تشریح
مشائخ کے یہاں ذِکر کا معمول کیوں؟
کیا اجتماعی ذکر سنت سے ثابت ہے؟

خواب کی تعبیر

السائل:................

جواب:

(۱) تم نے جو حدیث احکام العیدین کے حوالہ سے لکھی ہے وہ ابوداؤد (ص ۶۹/ ۴) ونسائی (ص ۲۰۰/ ۲) کی ہے، فإنهما أخرجاه من طريق سعيد بن أبی أيوب قال حدثنی عياش بن عباس القتبانی عن عيسى بن هلال الصدفی عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ: ”أن النبی ﷺ قال لرجل أمرت بيوم الأضحى عيداً جعله الله لهذه الأمة، فقال الرجل أرأيت إن لم أجد إلّا منيحة أنثى أفأضحّی بها؟ قال: لَا ، ولكن تأخذ من شعرک وتقلم أظفارک وتقصّ شاربک وتحلق عانتک، فذلک تمام أضحيتک عند الله عزّ وجلّ“،

سعيد وعياش ثقتان وعيسى بن هلال صدوق فالإسناد حسن۔

قال السندی قوله ”إلّا منيحة أنثى“ أصل المنيحة ما يعطيه الرجل غيره ليشرب لبنها ثم يردّها عليه، ثم يقع على كلّ شاة، لأن من شأنها أن تمنح بها وهو المراد ههنا، وإنما منعه لأنه لم يكن عنده غيرها ينتفع به، قال: ويحتمل أن المراد ههنا ما أعطاه غيره ليشرب اللبن ومنعه لأنه ملک الغير وقول الرجل لزعمه أن المنيحة لَا تردّ ولذلک قال ﷺ: ”المنحة مردودة“، والله تعالىٰ أعلم، انتهى۔

قوله ولكن تأخذ من شعرک الخ ، أراد به يوم الأضحى

وقوله فذلک تمام أضحيّتک ، هذا اللفظ بظاهره يقتضی أن من لم يقدر على الأضحيّة فيقام له قلم الأظفار وأخذ الشعر مقام الأضحيّة، قال السّندی: أی هو ما يتمّ به أضحيّتک بمعنى أنه يكتب لک به أضحيّة تامة، لَا بمعنى أنّ لک أضحيّة ناقصة إن لم تفعل ذلک وإن فعلته تصير تامة، اھ۔

وقال القاری (ص ۲۷۱/ ۲): فذلک أی ما ذكر من الأفعال تمام أضحيّتک عند الله، أی أضحيتک تامة بنيتک الخالصة ولک بذلک مثل ثواب الأضحيّة، اھ۔

ويحتمل أن يكون معناه أنک لمّا لم تقدر على الأضحيّة مع أنک أردت التضحية فتقوم

أرادتک ونیتک مقام الأضحية ، وأخذ الشعر وقلم الأظفار متمّم لها۔

قال ابن القيم فی تهذیب السنن (ص ۹۹/۴) فی الكلام علی حديث أم سلمةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ : ”من كان له ذبح يذبحه، فإذا أهلّ هلال ذی الحجة فلا يأخذنّ من شعره ولَا من أظفاره شيئا حتی يضحّی“، أخرجه مسلم والأربعة، أمّا تقليم الظّفر وأخذ الشّعر فإنه من تمام التعيّد بالأضحيّة ، وقد تقدّم حديث عبد الله بن عمروؓ، وقوله تأخذ من شعرک وتحلق عانتک، فتلک تمام أضحيّتک عند الله ، فأحبّ النبیّ ﷺ توفير الشّعر والظّفر فی العشر ليأخذه مع الأضحيّة فيكون ذلک من تمامها عند الله، وكلام ابن القيم هذا يؤيّد الاِحتمال الذی ذكرته، والله تعالیٰ أعلم۔

(۲) حضرات صوفیہ نے ذکر کی جو صورتیں اور تعداد وغیرہ ذکر کی ہیں یہ امراضِ قلب کے ازالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنیکے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجربات ہیں، اگر کسی کو اس کے بغیر کسی اور صورت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہو جاوے تو اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اصل تو اعمال مسنونہ ہیں،

جیسے مریض جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے اور مضر چیزوں سے بچایا جاتا ہے لیکن اصل چیز جن سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقوّیات اور اغذیہ ہیں،

حضرات صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کا دل میں دھیان جمانے کیلئے ہیں۔ پہلے لَا الٰہ الّا اللہ، اور پھر إلّا اللہ، اور پھر اللہُ اللہ کا ذکر کراتے ہیں۔

اول تو مصرح ہے ”أفضل الذكر لَا الٰہ الّا اللہ“ ، اور ثالث بحذف حرف النداء یا بحذف المبتدأ ہے أی هو الله، اور ثانی - یعنی إلّا اللہ - صرف ایسے ہے جیسے بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھاتے ہیں تو پہلے با، سین، زیر، بِس، میم، لام زیر مِل، لام الف زبر لَا، ہ زیر ہِ رٹاتے ہیں پھر بسم اللہ کہلواتے ہیں۔

اصل میں مرکب میں ذہن پر بوجھ زیادہ پڑتا ہے، اس لئے بسیط سے مرکب کی طرف چلتے ہیں، اور ذکر میں بظاہر مرکب سے بسیط کی طرف چلتے ہیں، پہلے نفی واثبات کراتے ہیں تاکہ توحید کا مفہوم دل میں اترے پھر ہلکا کر کے صرف اثبات کو رکھتے ہیں، اور پھر صرف اللہ اللہ کا ذکر بسیط کراتے ہیں کہ ذاتِ حق بسیط ہے تو مفہومِ توحید کے استحضار کیساتھ جس کی طرف پورے کلمے سے دل کو متوجہ کیا گیا تھا ذاتِ بسیط کے دھیان کو اسمِ بسیط سے دل میں جماتے ہیں۔

خدا کرے یہ باتیں تمہارے لئے باعث سکون ثابت ہوں، اس وقت ذہن حاضر نہیں ہے، کیف ما اتفق جو آ گیا لکھدیا۔

(۳) یہ تم نے صحیح لکھا ہے کہ منقول میں جو بات ہے وہ کسی چیز میں نہیں، رسول اکرم ﷺ محبوب ہیں، آپ کی ہر چیز محبوب کی ادا ہے اور اداءِ محبوب محبوب ہوتی ہے، لیکن اس ادا کو پوری طرح اداء کرنے کی ضرورت ہے اور وہ بغیر تزکیۂ قلب کے ناممکن ہے اس لئے اس کا تزکیہ کرنا اور اس کے ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا، اصل تو اعمالِ مسنونہ کو سمجھو اور کرو بھی اور انہیں ہی کرنا ہے، لیکن تھوڑی دیر کیلئے بطور علاج کے حضرات صوفیہ کا مجربہ نسخہ بھی استعمال کرو تا کہ پوری طاقت کے ساتھ اعمال مسنونہ کی ادائیگی ہو۔

اجتماعی ذکر میں صورت اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق کا پیدا ہونا مقصود ہے، اور مزید یہ ہے کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلبِ مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تا کہ طبیعت لگ جاوے اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں معین ہے، جیسے مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، اسی لئے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سالکین تنہائی میں اپنے معمولات پورا کرتے ہیں۔

أخرج ابن ماجه (ص ۲۱) عن عبد الله بن عمروؓ: "خرج رسول الله ﷺ ذات يوم من بعض حُجَره فدخل المسجد فإذا هو بحلقتين: إحداهما يقرؤون القرآن ويدعون والأخرى يتعلمون ويعلّمون، فقال النبي ﷺ كلّ على خيرٍ"، وفي إسناده الإفريقي وهو ضعيف۔

وأخرج مسلم وغيره عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلّا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفّتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده". یہ حدیثیں اجتماعی ذکر کی فی الجملہ مؤید ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کی نکیر ممکن ہے کسی خاص امر کی بناء پر ہو مثلاً وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہوں، واللہ اعلم۔

حدیث کی کتاب کا مطالعہ اور عمل کا جذبہ بے حد مبارک ہے. **اللهم آتنا منه حظًا وافرًا ونصيبًا تامًّا ۔**

(۴) تمہارے خواب مبارک ہیں، پانی میں تیرنا اور پار ہو جانا طالب کی ترقی اور کامیابی پر دلالت کرتا ہے، اوپر اڑنا بھی عروج وترقی ہے، عصا سنت ہے، خواب میں لاٹھی ملنا مبارک ہے، میکائیل علیہ السلام کی لاٹھی ہونا برکت فی

الرزق کی طرف اشارہ ہے، چھوٹے بچے کا خواب میں إنی عبد الله کہنا بھی اچھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ تمہارا نفس ہے، مبارک ہو، اس کا شیخ کی گود میں کھیلنا یہ شیخ کی نگرانی وتربیت ہے، مراد تمہارے شیخ ہیں، حضور اکرم ﷺ کا کسی کو بوسہ لینا آپ کے رضا ومحبت کی علامت ہے، مبارک ہو۔ فقط

محمد یونس عفی عنہ

شب جمعہ ۳۰ صفر ۱۴۰۳ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”إماطة الأذٰی عن الطریق“ کا مفہوم

لیلۃ القدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟

”ما أخطأنی ابن مسعودؓ عشیّة ...“ کا مطلب کیا ہے؟

سوال:

(۱) کتاب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ”الاِیمان بضع وسبعون شعبة“ والی حدیث میں ”أدناها إماطة الأذٰی عن الطّریق“ میں کیا ”أدنا“ دنوّ بمعنی قرب سے مشتق ہوکر ”أذی“ سے نفسانی گندگی اور ”طریق“ سے سلوکِ مخصوص (صوفیہ) مراد ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اثبات کی صورت میں کسی نے اس کی تصریح اگر فرمائی ہوتو تحریر فرمانے کی زحمت دیتا ہوں۔

(۲) بخاری جلد اول (ص ۲۷۱) ’باب رفع معرفة لیلة القدر لتلاحی الناس‘ اور مسلم (ص ۱/۳۷۰) میں ابو سعید خدریؓ کی روایت میں علامہ نووی نے ”رجلان یحْتقّان“ کے ذیل میں لکھا ہے: إنّ المخاصمة والمنازعة مذمومة، وأنها سبب للعقوبة المعنویة۔

حالانکہ عقلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر اس جگہ رفعِ تعیینِ لیل تو خیر وبرکت کا باعث ہوا نہ کہ حرمان کا، اس لئے کہ ابتغاءِ لیل کی وجہ سے پورے عشرہ کا اہتمام ہوگا بلکہ ہوتا ہے، تو پورے عشرہ میں عبادت کا موقعہ ملا، اور تعیین کی صورت میں اتّکال کا خطرہ تھا جیسا کہ امور شرعیہ کی بجا آوری میں کوتاہی پائی جاتی ہے اگرچہ دوسرے مقام پر منازعت حرمان کا باعث ہے۔

تو یہ رفعِ تعیین عقوبتِ معنویہ کیسے ہے؟ نیز ایک واعظ صاحب نے بھی اس رفع کو حرمان وقبیح کہا تھا، اسی وقت یہ سوال ذہن میں آیا، امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔

(۳) ابن ماجہ (ص ۴) **’باب التوقی فی الحدیث عن رسول الله ﷺ‘** میں عروہ بن میمون کی حدیث **قال: ”ما أخطأنی ابن مسعودؓ عشیّة خمیس إلّا أتیتُه فیه“** الحدیث کا مطلب کیا ہے؟

سائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب

(۱) : پہلے اس حدیث کے الفاظ لکھتا ہوں پھر اس کے معنی بیان کروں گا۔

مسلم (ص ۱/۴۷) الادب المفرد للبخاری (ص ۸۸) میں **”أفضلها قول لَا الٰه الّا الله، وأدناها إماطة الاَذٰی عن الطّریق“** ہے۔

مسند احمد (ص ۲/۴۱۴) ابوداؤد (ص ۵/۲۰۷) میں **”أفضلها لَا الٰه الّا الله، وأدناها إماطة العظم عن الطریق“** ہے۔

مسند احمد (ص ۲/۴۴۵) ترمذی (ص ۲/۸۶) ابن ماجہ (ص ۷) ابن حبان (۱/۲۱۷) میں **”أرفعها قول لَا الٰه الّا الله، وأدناها إماطة الاَذی عن الطریق“** ہے، مسند احمد کا لفظ **أدناه** ہے۔

مسند احمد (۲/۳۷۹) میں ایک جگہ **”أرفعها وأعلاها لَا الٰه الّا الله، وأدناها إماطة الاَذٰی عن الطریق“** ہے۔

نسائی (۲/۲۶۸) میں **”أفضلها لَا الٰه إلّا الله، وأوضعها إماطة الاَذٰی عن الطریق“** ہے،

مصنف عبدالرزاق (۱۱/۱۲۷) میں **”أفضلها شهادة أن لَا الٰه الّا الله، وأصغرها إماطة الأذی عن الطریق“** ہے۔

”لَا الٰه إلّا الله“ کے متعلق تین الفاظ **أفضل ، أرفع ، أعلٰی** وارد ہوئے ہیں، اور آخری شعبہ کے متعلق بھی تین ہی لفظ وارد ہیں **أدنٰی ، أوضع ، أصغر**۔ ان الفاظ کے جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ ایمان کے اعلیٰ یعنی سب سے اونچے وافضل شعبہ اور ادنی یعنی سب سے پست وکم درجہ کے شعبہ کو بتانا ہے۔

”لَا الٰه إلّا الله“ کے متعلق جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ تو ظاہر المراد ہیں، اور آخری شعبہ کیلئے لفظ ادنی آیا ہے، یہی زیادہ محتاج توجہ ہے، اسلئے کہ اس میں دو احتمال ہیں، یا تو **دنوّ** بمعنی قرب سے ماخوذ ہو، لفظ **أوضع** اس کا

مؤید ہے، یادناءۃ بمعنی حقارت سے مأخوذ ہو، لفظ **أصغر** اس کا مؤید ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں احتمال درست ہیں اور دونوں میں صرف لفظی فرق ہے، سب سے پست و نیچے اور کم درجہ کو بیان کرنا ہے، چاہے **دنوّ** سے لیا جائے اور چاہے **دنائة** سے، لیکن شراح کا رجحان اول کی طرف ہے بلکہ بعض نے تو اس کے علاوہ دوسرے مأخذ کو ذکر بھی نہیں کیا۔

قال الأبّی (ص ۱۳۲/ ۱): أدناها هو من الدنوّ بمعنی القرب. فالمعنی أقربها، یقال: فلان دنیّ المنزلة أی أقربها، کما یقال فی ضدّ ذلک: هو بعیدالمنزلة أی عَلِیُّ الهمة، انتهی.

وقال قریبها علیّ القاری (ص ۶۱/ ۱): أدناها أی أقربها منزلةً وأدونها مقداراً ومرتبةً بمعنی أقربها تناولاً وأسهلها تواصلاً من الدنوّ بمعنی القرب. فهو ضدّ ’فلان بعید المنزلة‘ أی رفیعها أو من الدنائة ای أقلها فائدةً لأنّها دفع أدنی ضرر. انتهی مختصراً.

اب أذی کی شرح سنو! اس کے معنی موذی اشیاء ہیں **قال الأبّی: إماطة الأذی هی إزالة ما تتوقّع أذیّته من شوک وغیره، وقال ابن الأثیر فی النهایة (ص ۳۴/ ۱): أدناها إماطة الاَذی عن الطریق وهو مایؤذی فی الطریق کالشّوک والحجر والنجاسة انتهی.**

ونحوه فی فیض القدیر للمناوی (ص ۱۸۵/ ۳)، وزهرالربٰی للسیوطی (ص ۲۶۸/ ۲)، واللمعات للشیخ عبد الحق (ص ۷۵/ ۱)، وغیرذلک من کتب شروح الحدیث.

مسند احمد وابوداؤد میں ”**إماطة الاَذی**“ کے بجائے ”**إماطة العظم**“ معنی سابق کی تعیین کرتا ہے۔

ہاں دوسرے معنی بعض صوفیہ لکھتے ہیں، ملا علی قاری نے مرقاۃ (ص۶۱/۱) میں معنی اول لکھنے کے بعد لکھا ہے :

وفی طریق أهل التحقیق: أرید بالأذی النفس التی هی منبع الاَذی لصاحبها وغیره إلی آخر ماذکر.

(۲) خصومت کا موجبِ نقصان ہونا ایک کھلی ہوئی چیز ہے، **قال تعالی ﴿وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾** لیلۃ القدر کی تعیین کا خیر ہونا تو ارادۂ نبوی سے ظاہر ہے، اگر اس کی تعیین خیر اور پسندیدہ نہ ہوتی تو حضور اکرم ﷺ اس کے بیان کیلئے باہر کیوں تشریف لاتے؟ اور بہت سے کمزور کم ہمت لوگ اگر تعیین باقی رہتی تو نفع اندوز ہوتے، لیکن منازعت اس خیر خاص سے محرومی کا سبب ہوگئی، اگر معلوم ہوتی تو ہر شخص اس کی برکات حاصل کرسکتا تھا، اب ہر شخص تو کیا بہت سے لوگ حاصل نہیں کرسکتے ہیں۔

ایک رات کی بیداری آسان ہے، پورے عشرہ یا پورے ماہ کی بیداری تو بہت ہی مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ وفعل الحکیم لَا یخلو عن الحکمۃ ، یہ بھلا دینا بھی خیر ہے، حضور اقدس ﷺ نے خود فرمایا ”فرُفعت عسیٰ أن یکون خیرًا لکم“۔ اوراس میں خیریت یہ ہے کہ اس رات کے تلاش کرنے میں بہت سی راتوں کے قیام کا موقع مل جائے گا،

بہر حال اخبار واطلاع بھی خیر تھی اور اخفاء وعدم اظہار بھی اور دونوں کی جہت مختلف ہے، اطلاع کی خیریت تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کو یہ شرف حاصل کرنا آسان ہے اور منازعت کی وجہ سے اس نفع عام سے محرومی ہوگئی، اور اخفاء کی خیریت اس وجہ سے ہے کہ صرف ایک رات کے قیام پر اتکال واعتماد نہ ہوگا بلکہ لیلۃ القدر کے حاصل کرنے کے لئے پورے ماہ یا کم ازکم اس کے آخر عشرے اور یا اس سے بھی اقل درجہ میں وتر راتوں کے قیام کا شرف حاصل ہوگا۔

(۳) یہ عرب کا محاورہ ہے، مقصد یہ ہے کہ میں کسی پنجشنبہ کی شام کو ابن مسعودؓ سے بغیر ملے نہیں رہا۔

قال السندی (ص ۸): قوله: ”ما أخطأنی ابن مسعودؓ“ أی ما فاتنی لقائه إلّا أتیتُه، فیه استثناء من أعمّ الأَحوال بتقدیر قد، وضمیره للعشیّة باعتبار الوقت، وهذا الإِستثناء من قبیل ﴿لَایَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی﴾، ومعلوم أنه لَایفوته الملاقاة حال إتیانه إیّاه، فهذا تأکید للزوم الملاقاة فی عشیّة کل خمیس، ویحتمل أن المراد أنّ ابن مسعودؓ کان یجیئه، فإن ما جاء یومًا أتاه هو فیه ، انتهی۔

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۳۰ صفر ۱۴۰۳ھ

◆◆◆

طحاوی ’باب الرجل ینام‘ کی پہلی ودوسری روایت کا حکم

سوال:

طحاوی (ص ۱/۲۶۹) ’باب الرجل ینام‘ کی پہلی ودوسری روایت کیسی ہے؟ اس پر کسی نے کلام کیا ہے یا نہیں؟ یہ دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے؟ یہ روایت کہاں کہاں ہے؟

(حضرت مفتی یحییٰ صاحب)

جواب:

الحديث الاوّل: أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير (ص۲۷۷ /۴) حدثنا أحمد بن داود المكّی ثنا قيس بن حفص الدارمی ثنا مسلمة بن علقمة المازنی ثنا داود بن أبی هند عن العباس بن عبدالرحمن مولی بنی هاشم ثنا ذومخمرؓ ابن أخی النجاشی قال: ”كنت مع رسول الله ﷺ فی غزاة فسرَوْا من الليل ما سروا ثم نزلوا، فأتانی رسول الله ﷺ فقال: ياذا مخمر! قلت: لبيک يا رسول الله وسعديک! فأخذ برأس ناقتی وقال: اقعد ههنا ولَا تكونن لكّاعاً الليلة، فأخذت برأس الناقة فغلبتنی عيناى فنِمتُ وانسلّتِ الناقة فذهبت، فلم أستيقظ إلّا بِحَرّ الشمس، فأتانی النبیﷺ فقال: ياذا مخمر! قلت: لبيک يارسول الله وسعديک! قال كنتَ واللّٰه الليلة لكع كما قلت، فتنحّينا عن ذلک المكان، فصلی بنا رسول اللهﷺ، فلما قضی الصلوة دعا أن تُردّ الناقة فجاء ت بها أعصار ريح تسوقها، فلما كان من الغد حين برق الفجر أمر بلالاً فأذّن ثم أمره فأقام ثم صلی بنا، فلما قضی الصلوة قال: هذه صلوتنا بالاَمس ،ثم ائتنف صلوة يومه ذلک“۔

قال الهيثمی فی مجمع الزوائد (ص۳۲۰/۱): العباس بن عبد الرحمن روی عنه داود بن أبی هند ولم أر له راويا غيره، وروی عن جماعة من الصحابة .انتهی۔

قال ابن حجر فی تهذيب التهذيب(ص۱۲۱/۵): روی له أبوداود فی المراسيل وفی كتاب القدر، وقال فی التقريب: مستور من الثالثة، ومسلمة بن علقمة المازنی صدوق له أوهام قاله ابن حجر، قال ابوزرعة: يحدث عن داود أحاديث حسانا، وقال الساجی: روی عن داود بن أبی هند مناكير، قال العقيلی: له عن داوٗد مناكير۔

والحديث الثانی: أخرجه أحمد (ص۲۲/۵) قال: ثنا عفان ثنا همام انا بشر بن حرب عن سمرة بن جندبؓ قال: أحسبه مرفوعًا: ”من نسی صلوةً فليُصلّها حين يذكرها ومن الغد للوقت“۔ حدثنا يونس وسريج قالَا ثنا حماد عن بشرقال سمعت سمرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ مثله۔ بشر بن حرب قال الحافظ فی التقريب: صدوق فيه لين۔

حضرت ذومخمرؓ کی حدیث میں ”فلما كان من الغد حين بزغ الشمس أمر بلالاً فأذّن ثم أمره فأقام

فصلّی بنا الصلوۃ فلمّا قضی الصلوۃ قال: ھذہ صلوتنا بالاَمس‘‘ ۔

اس عبارت میں دو امر جمہور کے مسلک کے خلاف ہیں، ایک اگلے دن دوبارہ قضا کرنا اور دوسرے طلوع شمس کے بعد قضا کرنا،

اورامر ثانی امام طحاوی ہی کی روایت میں ہے، اور طبرانی میں حین بزغ الشمس کے بجائے حین برق الفجر ہے اور یہی محفوظ ہے،

اول تو اس لئے کہ اگر دوسرے دن بھی طلوع شمس کے بعد ادا کیجاتی ہے تو پہلے دن کی قضا اور دوسرے دن کی نماز میں کوئی فرق ہی نہ ہوتا، اور دوسرے اس لئے کہ اس کے آگے طبرانی کی روایت میں ’’ثم ائتنف صلوۃ یومہ ذلک‘‘ ہے، اور دوسرے دن کی نماز اپنے وقت پر ہی ہوگی، اس کو بلاوجہ قضا کر کے پڑھے یہ جائز ہی نہیں ہے،

امر اول یعنی دوسرے دن دوبارہ قضا کرنا! اس ایک حدیث کے علاوہ میری ناقص معلومات میں اور کسی روایت میں نہیں آیا، ہاں ایسے بعض الفاظ ضرور آئے ہیں جن سے دوسرے دن مقضیّہ (قضاء نماز) کو دوبارہ وقت پر قضا کرنا معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد (ص ۱/۲۵۶) میں ابوقتادہؓ کی حدیث جسمیں لیلۃ التعریس کا ذکر ہے۔ ’’فمن أدرک صلوۃ الغداۃ من غد صالحا فلْیقض معھا مثلھا‘‘ ہے، قال البیھقی فی المعرفۃ: ھکذا رواہ خالد بن سمیر ولم یُتابع خالد علی ھذہ الروایۃ، وإنما الصحیح فیہ ’’فإذا کان من الغد فلیصلّھا عند وقتھا‘‘ کما رواہ مسلم (ص ۱/۲۳۹)، ولکن حملہ خالد علی الوھم، وقد صرّح فی حدیث عمران ’’أینھاکم اللہ عن الربٰوا ویقبلہ منکم‘‘۔

قلت: حدیث عمران أخرجہ أحمد وابن خزیمۃ وابن حبان والطحاوی (ص ۱/۲۳۳) والدارقطنی (ص ۱۴۸) والحاکم (ص ۱۷۴)۔

قال العلامۃ ابن حزم (ص ۲/۲۰۲): یشکل ھذا اللفظ ’’من أدرک منکم من صلوۃ الغداۃ فلیقض معھا مثلھا‘‘ وإذا تُؤمّل فلا إشکال فیہ، لأن الضمیر فی لغۃ العرب راجع إلی أقرب مذکور إلّا بدلیل، فالضمیر فی ’’معھا‘‘ راجع إلی الغداۃ لَا إلی الصلوۃ، أی فلیقض مع الغداۃ مثل ھذہ الصلوۃ التی یصلّی بلازیادہ علیھا، أی فلیؤدّ ما علیہ مثل ما فعل کل یوم، فتتّفق الألفاظ کلھا علی معنًی واحدٍ، انتھی۔

بعض لوگوں نے مسلم کے لفظ "فإن كان الغد فليصلّها عند وقتها" کا مطلب بھی دوبارہ پڑھنا لے لیا اور یہ کہا کہ یہ حکم استحبابی ہے، ابوداؤد میں اسی حدیث میں "ومن الغد للوقت" ہے، خطابی فرماتے ہیں (ص ۱/۲۵۲) **قوله: "ومن الغد للوقت" لا أعلم أحدًا من الفقهاء قال بها وجوباً، ويشبه أن يكون الأمر به استحبابا ليحرز فضيلة الوقت في القضاء۔اھ**

اسی طرح یہ توجیہ صاحب فیض القدیر نے ابن حبان سے نقل کی ہے، لیکن مسلم وغیرہ کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز سو جانے یا بھول جانے سے چھوٹ جاوے تو یاد آنے پر پڑھ لے کیونکہ جس وقت یاد آیا ہے وہی فوت شدہ نماز کا وقت ہے، اور ہوسکتا ہے کہ کوئی قلت تأمل کی وجہ سے یہ سمجھ لے کہ اب نماز کا وقت تبدیل ہو گیا، اس لئے **"فإذا كان الغد فليصلها عند وقتها"** کہہ کر یہ بتا دیا کہ نماز کا وقت تبدیل نہیں ہوا، اگلے دن اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو لفظ ہیں، ایک مسلم کا یعنی **"فإذا كان الغد فليصلها عند وقتها"** یا اس کے ہم معنی، جیسے ابوداؤد میں ابوقتادہؓ کی حدیث میں اور مسند احمد وطحاوی میں سمرہؓ کی روایت میں **"ومن الغد للوقت"** ہے، اس سے بعض نے قضاء فائتہ کا تکرار مراد لیا کہ ایک اس وقت پڑھی جائے جب یاد آئے، اور دوسرے دن وقت پر دوبارہ پڑھی جائے اور اس کو حکم استحبابی سمجھا اور مقصود قضاء میں بھی فضیلتِ وقت کا حاصل کرنا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صحیح مطلب یہ ہے کہ آج یاد آنے کے وقت پڑھنے کا حکم ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وقت بدل گیا بلکہ اگلے دن اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

دوسرا لفظ ابوداؤد کا ہے **"من أدرك منكم صلوة الغداة من غدٍ صالحا فليقض معها مثلها"**۔

اس کے بارے میں تین رائیں ہیں۔

اول تو یہ کہ یہ لفظ وہم ہے، اصل مسلم کا لفظ ہے اور اس سے تکرار قضا نہیں ثابت ہوتا،

اور دوسرے یہ کہ یہ استحباب پر محمول ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: **لم يقل أحد باستحباب ذلك بل عدّوا الحديث غلطا۔**

اور تیسری رائے ابن حزم کی ہے کہ ابوداؤد کا لفظ بھی صحیح المعنی ہے اور "**معها**" کے معنی **مع الغداة** ہیں **مع الصلوة** نہیں، اور مطلب یہ ہے کہ صبح کے وقت وقت پر پڑھی جائے، اور اس مضمون کی تیسری روایت طبرانی وطحاوی

کی ہے، ان دونوں میں دوبارہ قضا کرنا حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے، طحاوی میں "بعد طلوع الشمس" اور طبرانی میں "بعد طلوع الصبح" یہی صواب ہے۔

اور دوبارہ قضا کرنے کا ذکر سوائے اس حدیث کے نہیں ہے، اگر ثابت مانا جائے تو یہ روایت استحباب پر محمول ہوگی کما ذکره الخطابی فی حدیث أبی داود ، والله اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ یوم الثلثاء

* * *

"اطلبوا العلم ولو بالصين" پر مفصل کلام

سوال:

حدیث "أطلبوا العلم" کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے درست ہے مگر اس کی حمایت میں اتنا تو کم از کم ملتا ہے کہ اس کی بنیاد پر اسکو بے اصل نہیں کہہ سکتے جیسا کہ اگلے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔

حكم ابن الجوزی بوضعه، ونُوزع بقول المزّی، له طرق ربما يصل بمجموعها إلى الحسن ويقول الذهبی فی تلخيص الواهيات روى من عدة طرق واهية وبعضها صالح. اهـ

(فیض القدیر ص ۱/۵۴۲)

السائل: مولانا عبداللہ صاحب دہلی

جواب:

حدیث "أطلبوا العلم ولو بالصين" کی تائید میں جو عبارت بحوالہ فیض القدیر آپ نے لکھی ہے وہ میرے سامنے ہے، مناوی کو وہم ہوگیا، اس جملہ کے متعلق امام مزی نے کوئی تحسینی کلمہ نہیں کہا ہے بلکہ اس کے دوسرے جزء کے متعلق ان سے تحسینی کلام نقل کیا جاتا ہے

قال أبو الحسن علیّ بن محمد بن عراق الكنانی (م ۹۶۳ھ) فی تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاَخبار الشنيعة الموضوعة (ص ۲۵۸): حديث "أطلبوا العلم ولو بالصين فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم" أخرجه ابن عدی والعقيلی من حديث أنسؓ، وفيه أبوعاتكة طريف بن

سليمان منكر الحديث، وقال ابن حبان: حديث باطل لَا أصل له، وتعقّب بأن أبا عاتكة من رجال الترمذى ولَا يجرح بكذب ولَا تهمة، وأخرج البيهقى فى الشعب الحديث من طريقه وقال: متن مشهور واسناد ضعيف، انتهى۔

قلت كونه 'لم يجرح' ممنوع كما يعلم من ترجمته فى مقدمة تنزيه الشريعة (ص ٦٩): طريف بن سليمان وقيل بالعكس أبو عا تكة وهو بالكنية أشهر، قال الذهبى فى الكنى من الميزان: عدّه أحمد بن على السليمانى فيمن عرف بوضع الحديث۔

وله متابع أخرجه أبو يعلىٰ وابن عبد البر فى العلم من طريق كثير بن شنظير عن ابن سيرين عن أنسؓ، وأخرجه ابن عبد البر من طريق يعقوب بن اسحاق العسقلانى عن عبيد بن محمد الفِريابى عن ابن عيينة عن الزهرى عن أنسؓ، لكن يعقوب رُمى بالكذب، ووثّقهٗ مسلمة بن القاسم وحكى توثيقه عن بعضهم۔

ونصفه الثانى أخرجه ابن ماجه، قال الحافظ المزّى الشافعى: وله طرق كثيرة عن أنسؓ يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، وأخرجه البيهقى فى الشعب أيضا من حديث أبى سعيد الخدرىؓ۔

قلت: وأخرجه الحافظ العراقى الشافعى فى أماليه من حديث أنسؓ من غير طريق ابن ماجه۔ ثم قال: حديث حسن غريب من هذا الوجه، قال: وهو مشهور من حديث أنسؓ رويناه من رواية عشرين رجلا من التابعين عنه، قال وقد ضعف جماعة من الائَمة طرقَه كلّها۔ فقال أحمد لَا يثبت عندنا فى هذا الباب شئ۔ وكذا قال أبوعلى النيسابورى الشافعى والبيهقى وابن عبد البر، وذكره ابن الصلاح فى علوم الحديث مثالاً للحديث المشهور غير الصحيح، انتهى۔

وفى تلخيص الواهيات للذهبى: روى عن على وابن مسعود وابن عمر وابن عباس وجابر وأنس وأبى سعيد رضى الله عنهم، وبعض طرقه أوهىٰ من بعض وبعضها صالح، والله اعلم۔

ابن عراق کا سارا کلام بلفظہ اس لئے نقل کر دیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ حافظ مزی اور حافظ ذہبی کا کلام جزء ثانی سے متعلق ہے، علامہ سخاوی نے مزی کا کلام جزء ثانی کے تحت ذکر کیا ہے اور جزء اول کے ذیل میں نہیں ذکر کیا جیسا کہ مناوی کو وہم ہوا۔ اسی طرح اسماعیل جراحی کو کشف الخفا (ص ۱۳۸) میں وہم ہو گیا۔

علامہ سیوطی حدیث مشہور کے تحت تدریب الراوی میں لکھتے ہیں (ص ۱۷۴/۲) مثاله وهو حسن حديث "طلب العلم فريضة على كل مسلم" فقد قال المزّى أن له طرقًا يرتقى بها إلى رتبة الحسن۔ اهـ، وهو حسن کے معنی یہ ہیں کہ حدیث مشہور کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن کبھی ضعیف، یہ حدیث مشہور حسن کی مثال ہے،

وسئل النووى (ص ۲۷٦) عن هذا الحديث فقال فى فتاويه (ص ۲۷٦): هو حديث ضعيف وإن كان معناه صحيحا، وقال فى مقدمة شرح المهذب (ص ۲۴/۱): هذا الحديث وإن لم يكن ثابتا فمعناه صحيح۔

قال السندى فى تعليقه على ابن ماجه (ص ۵۱) تحت حديث طلب العلم: قال السيوطى سئل النووى فذكر كلامه ثم قال: وقال تلميذه جمال الدين المزى: هذا الحديث روى من طرق تبلغ رتبة الحسن وهو كما قال فإنى رأيت له نحو خمسين طرقا وقد جمعتها فى جزء، انتهى۔

وقد ذكر الغزالى حديث طلب العلم ثم حديث "اطلبوا العلم" وذكر الزبيدى فى الإتحاف (ص ۹۸/۱) كلام المزى تحت حديث طلب العلم، والله الموفق للصواب۔

کثیر بن شنظیر کے طریق میں اطلبوا العلم کا اضافہ ہماری معلومات میں نہیں ہے۔ اس طریق میں صرف طلب العلم فريضة ہے

فقد أخرج ابن ماجه فى سننه (ص ۲۰)، وحمزة السهمى فى تاريخ جرجان (ص ۳۴۹)، وابن الجوزى فى العلل (ص ۵۹) من طريق حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن محمد بن سيرين عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "طلب العلم فريضة على كل مسلم"۔ زاد ابن ماجه وحمزة: "وواضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب"۔

حفص بن سليمان هو القارى المشهور ضعيف جدا، قال أحمد: متروك الحديث، وقال أبو حاتم: متروك لَا يصدق، وقال ابن خراش: كذّاب يضع الحديث۔ وقال الذهبى فى ترجمة كثير بن شنظير: حفص واهٍ۔

وأما كثير بن شنظير فقال ابن حجر: صدوق يخطئ۔

ولم ينسبه إلى أبى يعلٰى أحد سوى السيوطى فى التعقبات(ص٦) وتبعه ابن عراق۔

نعم أخرج أبو يعلٰى حديث ابن مسعودؓ كما ذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد (ص ۱۱۹/ ۱) وابن حجر فى المطالب العالية (ص۱۳۰/ ۳) وليس فيه "اطلبوا العلم ولو بالصين"، فكلام ابن عراق وهم۔

اب مختصر طور سے حدیث "اطلبوا العلم" کے متعلق سن لیجئے۔

أخرجه ابن عدى فى الكامل وابن عبدالبر فى الجامع (ص ۹)، والخطيب فى تاريخه (ص۳٦۴/ ۹) والرحلة (ص ۷۲)، وابن الجوزى فى الموضوعات (ص ۲۱۵/ ۱)، وأبوحفص السهروردى فى العوارف (ص ۲۳۴/ ۱)، من طريق الحسن بن عطية عن أبى عاتكة عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول اللهﷺ: "اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم"، ولم يزد ابن الجوزى فى أحد طريقيه والسهروردى "فإن طلب العلم" الحديث۔

قال الخطيب فى تاريخه: لَا أعلم أحدًا رواه عن أبى عاتكة غيرالحسن بن عطية۔

وقال ابن عدى: قوله "ولوبالصين" ما أعلم يرويه غيرالحسن بن عطية عن أبى عاتكة عن أنسؓ، وقال الحاكم: أبو عبدالله النيسابورى، تفرد به الحسن بن عطية۔

قلت: تابعه حماد بن خالد الخياط، أخرجه العقيلى فى الضعفاء ومن طريقه ابن الجوزى فى الموضوعات(ص۲۱۵/ ۱): قال العقيلى: ولَايحفظ "ولو بالصين" إلّا عن أبى عاتكة وهو متروك الحديث و"فريضة على كل مسلم" الرواية فيها ليّن متقاربة فى الضعف۔

وأخرجه البخارى من هذا الوجه فى تاريخه الكبير(ص۲۵۷/ ۲) مقتصراً على قوله طلب العلم فريضة، وقال: أبو عاتكة منكر الحديث، وقال ابن حبان(۳۸۲/ ۱): طريف بن سليمان أبو عاتكة منكر الحديث جداً يروى عن أنسؓ ما لَا يشبه حديثه وربما روى ما ليس من حديثه، روى عن أنسؓ عن النبىﷺ: "اطلبوا العلم ولو بالصين"۔

قال السيوطى فى اللآلى (ص ۱۹۳/ ۱): والحديث أخرجه البيهقى فى شعب الاِيمان وتمّام من طرق عن الحسن، قال ابن الجوزى فى الموضوعات (ص۲۱٦/ ۱): قال ابن حبان:

هذا الحديث باطل لَا اصل له۔

وللحديث طريق آخر أخرجه ابن عبد البر فى الجامع (ص١٠١) من جهة يعقوب بن اسحاق العسقلانى عن عبيد بن محمد الفِريابى عن ابن عينية عن الزهرى عن أنسؓ۔

ويعقوب العسقلانى قال الذهبى فى الميزان: كذاب، وقال ابن حجر فى اللسان: ذكره مسلمة بن قاسم فى الصلة، وذكر له جماعة من الشيوخ، وقال: كتبت عنه وهو عندى صالح جائز الحديث۔

وقد ورد من حديث أبى هريرةؓ، قال الذهبى فى الميزان فى ترجمة أحمد بن عبد الله الجويبارى الكذاب: ابن كرام حدثنا أحمد عن الفضل بن موسى عن محمد بن عمرو عن أبى سلمة عن أبى هريرةؓ حديث "أطلبوا العلم ولو بالصين"، قال ابن عدى الجويبارى: كان يضع الحديث لاِبن كرام على مايريده۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

◆◆◆

حديث "اطلبوا العلم ولو بالصين" کی مزید تخریج

هذا الحديث رواه ابن عدى فى الكامل والبيهقى فى الشعب وأبو نعيم فى أخبار أصبهان (ص١٠٦/ ٢)، وأبو القاسم القشيرى فى الأربعين، والخطيب فى التاريخ (ص٣٦۴/ ٩) وفى كتاب الرحلة (ص۷٢)، وابن عبد البرّ فى جامع بيان العلم (ص٩)، وابن الجوزى فى الموضوعات (ص٢١٥/ ١)، والضياء فى المنتقىٰ من مسموعاته بمرو، وأبو حفص السهروردى فى العوارف (ص٢٣۴/ ١)، كلّهم من طريق الحسن بن عطية ثنا أبو عاتكة طريف بن سليمان عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "اطلبوا العلم ولو بالصين، فإنّ طلب العلم فريضة على كلّ مسلم"، ولم يذكر السهروردى هذه الزيادة۔

قال ابن عدى: قوله "ولو بالصين" ما أعلم يرويه غير الحسن بن عطية، وكذا قال الخطيب

ومن قبله الحاكم كما نقل عنه ابن الجوزی وغيره، واستغربه ابن الجوزی من الحاكم فقد أخرجه العقيلی فی الضعفاء من جهة حماد بن خالد الخياط قال حدثنا طريف بن سليمان أبو عاتكة به، وقال ولَا يحفظ "ولوبالصين" إلّا عن أبی عاتكة وهو متروک الحديث، "وفريضة على كلّ مسلم" الرواية فيها ليّن أيضا متقاربة فی الضعف۔

وأخرجه البخاری من هذا الوجه فی تاريخه الكبير (ص۳۵۷/۲ق۲) مقتصراً على قوله "طلب العلم فريضة" وقال: أبو عاتكة منكر الحديث، فمدار الحديث على أبی عاتكة وهو متّفق على جرحه، وقد تقدّم جرح البخاری الشديد، وقال أبوحاتم: ذاهب الحديث، وقال النسائی: ليس بثقة، وقال الدارقطنی: ضعيف، وقال أبو أحمد الحاكم: ليس بالقوی عندهم، وقال ابن عبد البرّ: هو عندهم ضعيف، وقال ابن حبان (ص ۳۸۲/۱): منكر الحديث جداً يروی عن أنسؓ ما لَا يشبه حديثه، وربما روی ما ليس من حديثه، روی عن أنسؓ عن النبیﷺ "اطلبوا العلم ولو بالصين"، وذكره السليمانی فيمن عرف بوضع الحديث۔

وذكر ابن قدامة فی المنتخب عن الدوری أنه قال: وسالت يحيىٰ بن معين عن أبی عاتكة فلم يعرفه، وعن المروزی أن أبا عبد الله يعنی الاِمام أحمد ذكر له هذا الحديث فأنكره انكاراً شديداً، وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات (ص ۲۱۵/۱) من الطريقين، وقال: هذا حديث لَا يصحّ عن رسول الله ﷺ، قال ابن حبان: وهذا الحديث باطل لَا أصل له، وأقرّه السخاوی فی المقاصد (ص۶۳)، وذكره أبو الفضل بن طاهر فی تذكرة الموضوعات (ص۲۹) وأعلّه بأبی عاتكة بانّه منكر الحديث۔

وللحديث طريقان آخران:

الأول: ما أخرجه ابن عبد البرّ فی الجامع (ص۱۰) من حديث يعقوب بن إسحاق العسقلانی عن عبيد بن محمد الفريابی عن ابن عيينة عن الزهری عن أنسؓ مرفوعاً۔

والثانی: ماذكره الذهبی فی الميزان فی ترجمة أحمد بن عبد الله الجويباری: روی ابن كرام حدّثنا أحمد عن الفضل بن موسى عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی هريرةؓ حديث "اطلبوا العلم ولو بالصين"۔

وهذان الطريقان ذكر هما السيوطى فى اللآلى (ص ١٩٣ / ١) متعقباً على ابن الجوزى ولكنهما واهيان، فيعقوب العسقلانى قال الذهبى: كذاب، وقال ابن حجر فى اللسان: ذكره مسلمة بن قاسم فى الصلة وذكر له جماعة من الشيوخ، وقال: كتبت عنه واختلف فيه أهل الحديث فبعضهم يضعّفه، وبعضهم يوثقه، ورأيتهم يكتبون عنه فكتبت عنه وهو عندى صالح جائز الحديث۔

ومال ابن حجر إلٰى قول الذهبى فذكر حديثاً وقال: هذا من أباطيل يعقوب، وقال: وقد وجدت له حكاية يشبه أن يكون من وضعه، وأحمد بن عبد الله الجويبارى دجّال وضّاع، قال النسائى والدار قطنى: كذّاب، وقال ابن حبان: دجّال من الدجاجلة، وقال ابن عدى: كان يضع الحديث لِابن كرام على ما يريده، قال الذهبى فى الميزان: الجويبارى ممّن يضرب المثل بكذبه۔

وقال السيوطى فى التعقبات على الموضوعات (ص ٦): أخرجه البيهقى فى شعب الاِيمان من طريق أبى عاتكة، وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف، وأبوعاتكة من رجال الترمذى لم يجرح بكذب ولَا تهمة۔

وقد وجدت له متابعا عن أنسؓ أخرجه أبو يعلى وابن عبد البر فى العلم من طريق كثير بن شنظير عن ابن سيرين عن أنسؓ به مرفوعا، وأخرجه ابن عبد البر أيضا من طريق عبيد بن محمد الفريابى عن سفيان بن عيينة عن الزهرى عن أنسؓ۔

ونصفه الثانى أخرجه ابن ماجه، وله طرق كثيرة عن أنسؓ يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن قاله الحافظ المزى۔

وأورده البيهقى فى الشعب من أربع طرق عن أنسؓ ومن حديث أبى سعيد الخدرىؓ، انتهى۔

وقال ابن عراق فى تنزيه الشريعة (ص ٢٥٨): حديث "اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم" رواه ابن عدى والعقيلى من حديث أنسؓ، وفيه أبوعاتكة طريف بن سليمان منكر الحديث، وقال ابن حبان: حديث باطل لَا أصل له، وتعقّب بأن أبا عاتكة من رجال الترمذى ولَا يجرح بكذب ولَا تهمة، وأخرج البيهقى فى الشعب الحديث من طريقه

وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف انتهى۔

قال ابن عراق: 'لم يجرح' ممنوع كما يعلم من ترجمته فى المقدمة، وذكر فى المقدمة أن أبا عاتكة قال الذهبى فى الكنى من الميزان: عدّه أحمد بن على السليمانى فيمن عرف بوضع الحديث۔

قال ابن عراق: وله متابع فذكر طريق كثير بن شنظير وطريق يعقوب العسقلانى كما تقدم فى كلام السيوطى، وقال: ولكن يعقوب رُمى بالكذب، و وثّقه مسلمة بن القاسم وحكى توثيقه عن بعضهم۔

ونصفه الثانى أخرجه ابن ماجه، قال الحافظ المزى: وله طرق كثيرة عن أنسؓ يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، وأخرجه البيهقى فى الشعب أيضا من حديث أبى سعيد الخدريؓ، قلت: وأخرجه الحافظ العراقى فى أماليه من حديث أنسؓ من غير طريق ابن ماجه، ثم قال: حديث حسن غريب من هذا الوجه، قال: وهو مشهور من حديث أنسؓ رويناه من رواية عشرين رجلًا من التابعين عنه۔

قال وضعّف جماعة من الائمة طرقه كلّها، فقال أحمد: لَا يثبت عندنا فى هذا الباب شئ، وكذا قال أبوعلى النيسابورى والبيهقى وابن عبد البر، وذكره ابن الصلاح فى علوم الحديث مثالًا للحديث المشهور غير الصحيح، انتهى، وفى تلخيص الواهيات للذهبى روى عن على وابن مسعود وابن عمر وابن عباس وجابر وانس وأبى سعيد رضى الله عنهم، وبعض طرقه أوهٰى من بعض، وبعضها صالح ، والله اعلم۔

قلت: للحديث طرفان، الأول: ''اطلبوا العلم ولوبالصين'' والثانى: ''طلب العلم فريضة على كل مسلم''۔

فأمّا الجزء الاول: فزعم السيوطى وتبعه ابن عراق أن البيهقىّ أخرجه من طريق أبى عاتكة، وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف، وأن أبا عاتكة لم يجرح بكذب، وأن له متابعا ، ابن سيرين من رواية كثير بن شنظير عند أبى يعلٰى وابن عبد البر ، والزهرى عند ابن عبد البر،

قلت: لم أرَ أحدًا ممن تكلّم على الطرف الأول أنه ذكر أن البيهقى أخرجه فى شعبه وتكلّم

عليه بما تقدّم، بل ذكروا كلامه فی الطرف الثانی۔

قال صاحب المشكوة (ص ۳۴) عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”طلب العلم فريضة علی كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذّهب“۔ رواه ابن ماجه، و روی البيهقی فی شعب الإيمان إلی قوله ”مسلم“ وقال: هذا متنه مشهور وإسناده ضعيف، وقد روی من أوجه كلها ضعيف انتهی۔

وهكذا نقل السخاوی كلام البيهقی المذكور فی النصف الثانی، لَا فی النصف الأول، ودعوی السيوطی أن أبا عاتكة لم يجرح بكذب ردّه ابن عراق، وسبق كلام أئمّة الفنّ فيه۔

وأمّا المتابعان فلم أجد فی روايتهما الطرف الأول وليس الطريق إليهما سالمًا، فقد أخرج ابن ماجه (ص ۲۰)، وحمزة السهمی فی تاريخ جرجان (ص ۳۴۹)، وابن عبد البر فی جامع العلم (ص ۱۱/۱) و ابن الجوزی فی العلل (ص ۵۹/۱)، من طريق حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن محمد بن سيرين عن أنسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ”طلب العلم فريضة علی كل مسلم“۔ زاد ابن ماجه وحمزة السهمی ”وواضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب“۔ حفص بن سليمان هو القاری المشهور، ضعيف جدًا، قال أحمد: متروك الحديث، وقال أبو حاتم: متروك لَا يصدق، وقال ابن خراش: كذّاب يضع الحديث، وقال الذهبی فی ترجمة كثير بن شنظير: حفص واهٍ، وكثير بن شنظير صدوق يخطئ۔

ولم أجد أحداً نسبه لأبی يعلٰی غير السيوطی وابن عراق، ولم يذكره الهيثمی فی مجمع الزوائد ولَا ابن حجر فی المطالب العالية، ولو كانت هذه الزيادة عند أبی يعلٰی لذكراه، وإنّما أخرج أبويعلٰی حديث ابن مسعودؓ، كما ذكره الهيثمی فی مجمع الزوائد (۱۱۹/۱)، وابن حجر فی المطالب العالية (ص ۱۳۰/۲) مقتصراً علی قوله ”طلب العلم فريضة علی كل مسلم“۔

ومتابعة الزهری أخرجها ابن عبد البر من طريق يعقوب بن إسحاق العسقلانی عن عبيد بن محمد الفريابی عن ابن عيينة عن الزهری عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله ﷺ:

"اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم". وقد تقدّم الكلام على يعقوب العسقلانى وأنه كذّاب، وشيخه عبيد بن محمد الفريابى لم يعرف حاله.

إذا عرفت ذلک فقد علمت أن راوى "اطلبوا العلم ولو بالصين" إمّا أبوعاتكة وإمّا يعقوب العسقلانى، والأول متهم، والثانى كاذب، وفى طريق أبى هريرةؓ الجويبارى وهوأيضا كذّاب، فلاوجه لإدّعاء ثبوته، وكلام المزّى والذهبى متعلقان بالجزء الثانى، وقد نقلهما ابن عراق تحت الجزء الثانى، ووهم المناوى فى فيض القدير، فظنّ أنهما يتعلقان بالحديث كله.

(**فائده**) قال الزبيدى (ص ۹۹/ ۱): وقد روى هذا الحديث عن أبى عاتكة ستة، محمد بن غالب التمتام، وجعفر بن هاشم، والحسن بن على بن عبّاد، وأبو بكر الأعين، والعباس بن طالب، والحسن بن عطية، وقد أخرج الخطيب فى رحلته من طرق هؤلاء.

قلت: هذا وهم فالخمسة الأول يروون عن الحسن بن عطية.

وأما الجزء الثانى : فقد ورد عن جماعةٍ: علىؓ، وابنه الحسين بن علىؓ، وابن مسعودؓ، وابن عمرؓ، وابن عباسؓ، وجابرؓ، وأنسؓ، وأبى سعيدؓ، وأبى هريرةؓ.

فحديث علىّ: أخرجه الخطيب (ص۴۰۷/ ۱) وأعلّه ابن الجوزى فى العلل بأن محمد بن إبراهيم السمرقندى يحدث بالمناكير، وشيخه أبو عبد الله محمد بن أيوب وكذا شيخه جعفر بن محمد فى غاية الضعف.

قلت: فيه عبد العزيز بن عمران، وهو عبد العزيز بن أبى ثابت الزهرى المدنى، قال البخارى: لَا يكتب حديثه، وقال النسائى وغيره: متروک.

وأخرجه ابن عدى فى الكامل والخطيب فى الفقيه والمتفقه (ص۴۴/ ۱) وابن الجوزى فى العلل (ص۵۵/ ۱) من وجه آخر بلفظ: "طلب الفقه فريضة على كل مسلم"، وفيه عيسى بن عبد الله العلوى، قال الدار قطنى: متروک، وقال ابن حبان: يروى عن آبائه أشياء موضوعة.

وأخرجه الخطيب فى الفقيه والمتفقه (ص۴۳/ ۱) من طريق الصبّاح بن موسى عن عبد الرحمن بن يزيد عن مكحول عن سعيد بن المسيب عن علىؓ مرفوعًا بلفظ: "طلب العلم فريضة على كل مؤمنٍ، أن يعرف الصوم والصلوة والحرام والحدود والاَحكام".

وعبد الرحمن بن يزيد هو ابن تميم الدمشقي، قال البخاری: منكر الحديث، وقال النسائی والدار قطنی: متروک، والراوی عنه الصباح بن موسی إن كان هو الذی روی عن أبی داود السبيعی فقال الذهبی: ليس بذاک القوی، ومشاه بعضهم، وإن كان غيره فلم أعرفه۔

وحديث الحسين بن علیؓ: أخرجه الطبرانی فی الصغير(ص ۲۹)، والخطيب (ص ۲۰۴/۵)، وابن الجوزی فی العلل المتناهية (ص ۵۴/ ۱)۔

وشيخ الطبرانی أحمد بن يحيیٰ بن أبی العباس الخوارزمی ضعيف، قال الطبرانی: ما كتبنا هذا الحديث إلّا عنه، قال الدار قطنی: وهو متروک۔

وفيه أيضا عبد العزيز بن عمران وهو عبد العزيز بن أبی ثابت الزهری المدنی، وهو ضعيف جدًا تقدم فی حديث علیؓ۔

وحديث ابن مسعودؓ: أخرجه ابويعلیٰ، والطبرانی، وابن عدی، والخطيب فی الموضح (ص ۲۷۰ / ۲)، وابن الجوزی فی العلل (۵٦ / ۱)، وفيه عثمان بن عبد الرحمن القرشی، قال البخاری: تركوه، وقال ابو حاتم والنسائی: متروک، وقال ابن معين: لَايكتب حديثه وكان يكذب۔

قلت ولم ينفرد به، فقد تابعه أبوحنيفة الإمام فی مسنده (ص ۲۰) ولكن ينظر الطريق إلی الإمام۔

وحديث ابن عمرؓ أخرجه ابن عدی فی الكامل، وابن الجوزی فی العلل (۵۵/ ۱)، وفيه محمد بن عبد الملک الأنصاری، قال أحمد: كان أعمی يضع الحديث ويكذب، وقال البخاری: منكر الحديث، وقال النسائی: متروک۔

وله طريق آخر: أخرجه ابن حبان فی الضعفاء (ص ۱۴۱/ ۱)، والدار قطنی فی الرواة عن مالک، وابن الجوزی فی العلل (ص۵۵/ ۱) من حديث مهنأ بن يحيیٰ الرملی ثنا أحمد بن إبراهيم بن موسی ثنا مالک عن نافع عن ابن عمرؓ به مرفوعا۔

قال ابن حبان: أحمد بن إبراهيم بن موسی شيخ، يروی عن مالک ما لم يحدث به قط، لَا تحلّ الرواية عنه، ولَا الاِحتجاج به، وهذا حديث لَا أصل له من حديث ابن عمرؓ ولَا من حديث

نافع ولَامن حديث مالک، وإنما هو من حديث أنس بن مالکؓ وليس بصحيح انتهى۔

وقالَ ابن عدى: منكر الحديث، وقا ل الدارقطنى فى الرواة عن مالک: أحسبه مهنأ وَهِم فيه، وإنما روى هذا عن مالکٍ موسى بن إبراهيم المروزى، ثم ساقه من طريق موسى به، وذكر الخطيب أن محمد بن بيان رواه عن مهنأ عن موسى بن إبراهيم أيضا عن مالک، وقال: لَا يثبت بشئ من القولين معا، كذا فى اللسان (ص ۱۳۲/ ۱)۔

وله طريق ثالث: أخرجه ابن عدى، وابن الجوزى فى العلل (ص ۵۵) بلفظ: “على كل مسلم مؤمن”، وفيه محمد بن أبى حميد الأنصارى الزّرقى ضعيف، قال البخارى: منكر الحديث، والراوى عنه أبو البخترى وهب بن وهب القرشى القاضى متهم فى الحديث، كذّبه وكيع، وأحمد، وابن معين، واسحاق، والنسائى، وابن الجارود وغيرهم، والعجب من ابن الجوزى حيث علله بمحمد بن أبى حميد ولم يعلّله بأبى البخترى۔

وله طريق رابع: أخرجه العقيلى فى الضعفاء، وابن الجوزى فى العلل(ص ۵۶/ ۱)، وأعلّه ابن الجوزى بليث بن أبى سليم، قال ابن حجر فى التقريب: صدوق اختلط أخيراً ولم يتميز حديثه فترک، وفيه: روح بن عبد الواحد القرشى الحرّانى، قال العقيلى: لَايتابع عليه، والرواية فى هذا (أى فى طلب العلم فريضة) ليّنة۔ وقال أبوحاتم: ليس بالمتين ، روى أحاديث متناقضة، وقال ابن عدى فى ترجمة خليد بن دَعلج عقب حديث أورده من رواية هذا عن خليد: لعلّ البلاء فيه من الراوى عنه، كذا نقله فى اللسان فى ترجمة روح بن عبد الواحد (۴۶۶/ ۲)۔

وحديث ابن عباسؓ: أخرجه العقيلى، والطبرانى فى الأوسط وابن الجوزى فى العلل (ص ۵۶/ ۱)، من طريق عبد الله بن عبد العزيز بن أبى رواد عن عائذ بن أيوب رجل من أهل طوس عن إسماعيل بن أبى خالد عن الشعبى عن ابن عباسؓ به مرفوعاً۔

قال العقيلى: لَا يصحّ سنده، ثم ساقه من طريق سفيان بن عيينة عن أيوب بن عائذ عن الشعبى قال: ما رأيت أحدًا كان أطلب للعلم من مسروق، قال العقيلى: هذا هوالحديث، وعبد الله بن عبد العزيز أخطأ فى السند والمتن، وقلّب اسم الراوى، قال الحافظ فى اللسان

(ص٢٢٦/٣): فظهر أن لَا ذنب لعائذ بن أيوب، بل لَا وجود له، وأيوب بن عائذ من رجال التهذيب، وعبد الله بن عبد العزيز بن أبى رواد قال أبو حاتم وغيره: أحاديثه منكرة، وقال ابن الجنيد: لَا يساوى فلسًا، يحدّث بأحاديث كذب، وذكره ابن حبان فى الثقات وقال: يعتبر حديثه إذا روى عن غير أبيه، وقال العقيلى: له أحاديث مناكير لَا يقيم الحديث، وقال الهيثمى فى المجمع (١٢٠/١): ضعيف جدًا.

وحديث جابرؓ: أخرجه ابن عدى، وابن الجوزى فى العلل (ص٥٧/١)، وفيه محمد بن عبد الملك الأنصارى المتقدم فى الطريق الأول من حديث ابن عمرؓ، وفيه العباس بن الوليد الخلال، قال ابن الجوزى: وهو مطعون فيه، قلت: هو صدوق، قاله الحافظ ابن حجر فى التقريب.

وحديث أنسؓ كثير الطرق، رواه عنه ثمانية عشر نفسا أو أكثر.

منهم المثنى بن دينار، أخرج حديثه ابن الجوزى فى العلل (ص٥٧/١)، والمثنى قال العقيلى: فى حديثه نظر، قلت: والراوى عنه الحجاج بن نصر، كما فى العلل واللسان، أو نصير، كما فى الميزان، فان كان الأول فمجهول، وإن كان الثانى فهو الفساطيطى من رواة الترمذى، ضعيف كان يقبل التلقين.

ومنهم إبراهيم النخعى، أخرج حديثه البيهقى فى الشعب، وابن عبد البر فى الجامع (ص٩/١) وتمّام فى فوائده، وابن الجوزى فى العلل (ص٥٨/١) من طريق عبد القدوس بن حبيب الدمشقى الوحاظى عن حماد بن أبى سليمان عنه، قال: لم اسمع من أنسؓ إلّا حديثًا واحدًا سمعته يقول فذكره مرفوعًا، وعبد القدوس بن حبيب كذّاب مشهور.

وتابعه إبراهيم بن سلام عند البزار وقال: إبراهيم بن سلام لَا نعلم روى عنه إلّا أبوعاصم، قال الذهبى: وهو مقلّ، بل لَا يعرف إلّا بهذا الحديث، قال البزار: إنه روى عن أنسؓ بأسانيد واهية أحسنها هذا.

ومنهم إبراهيم التيمى، أخرج حديثه ابن عدى وابن الجوزى فى علله (ص٥٨/١)، وفيه عبد الله بن خراش، قال أبو زرعة: ليس بشئ، ضعيف، وقال البخارى: منكر الحديث، وذكره

ابن حبان فی الثقات وقال: ربما أخطأ، وقال الساجی: ضعیف الحدیث جدًا، لیس بشئ، کان یضع الحدیث۔

ومنهم قتادة، أخرج حدیثه ابن شاهین فی الأفراد، وأبو الحسین بن شمعون فی الشمعونیات، وابن الجوزی فی العلل (۵۸/۱) من طریق موسی بن داود حدثنا حماد بن سلمة عن قتادة عن أنس ؓ به، قال ابن شاهین: إنه غریب، قال السخاوی فی المقاصد (ص۲۷۵): رجاله ثقات، لکن قال ابن الجوزی (ص۶۴/۱): موسی بن داود مجهول۔

قلت: یحتمل أن یکون هو موسی بن داود الضبّی من رجال مسلم، وثّقه جماعة وتکلم فیه آخرون، قال ابن حجر فی التقریب: صدوق فقیه زاهد له أوهام۔

ومنهم ابن سیرین، أخرج حدیثه جماعة: ابن ماجه، وحمزة السهمی فی تاریخ جرجان، وابن عبد البر فی الجامع (ص ۱۱/۱)، وابن الجوزی فی العلل، وتقدم الکلام علیه۔

ومنهم ثابت، أخرج حدیثه ابن شاهین، وابن عبد البر فی الجامع (ص۸/۱)، وابن الجوزی فی العلل (ص ۵۹/۱)، وفیه سلیمان بن قرم أبو داود البصری سیئ الحفظ، یتشیع، قاله ابن حجر فی التقریب، وروی له الشیخان، وجعفر بن مسافر التنّیسی صدوق ربما أخطأ، قاله ابن حجر فی التقریب، وهذا الطریق یمکن أن یکون أجود الطرق، ثم رأیت السخاوی (ص۲۷۶) قال: وأما ابن أبی داود السجستانی فإنّه أورده عن جعفر بن مسافر التنّیسی حدثنا یحییٰ بن حسّان عن سلیمان بن قرم عن ثابت البنانی عن أنس ؓ به، وقال سمعت أبی یقول: لیس فیه أصح من هذا۔

وله طریق آخر عن ثابت أخرجه ابن عدی وابن عبد البرفی الجامع (ص۸/۱) وابن الجوزی فی العلل(ص ۵۹/۱)، ولکن الراوی عنه حسّان بن سیاه، ضعّفه ابن عدی والدار قطنی، وقال ابن حبان: یأتی عن الاَثبات بما لَا یشبه حدیثهم۔

ومنهم زیاد بن میمون، أخرج حدیثه أبو نعیم فی أخبار أصبهان (ص۵۲/۲) وابن عبد البر فی الجامع (ص۹/۱) والخطیب فی تاریخه (ص۱۵۶/۴) وابن الجوزی (۶۰/۱) وهوضعیف جدًا، قال البخاری: ترکوه، وکذّبه یزید بن هارون، وقال أبوداود الطیالسی: أتیته

فقال: استغفر الله، وضعت هذه الاَحاديث، وعدّ الذهبی هذا الحديث من مناكيره۔

ومنهم أبو حنيفة أخرج حديثه الخطيب (ص۲۰۷/۴ وص ۱۱۱/۹) وابن الجوزی فی العلل (ص۶۰/۱) من طريق أبی العباس أحمد بن الصلت بن المغلّس الحمانی عن بشر بن الوليد عن أبی يوسف عن أبی حنيفة قال: سمعت أنساؓ فذكره، قال الخطيب (ص۲۰۸/۴): لم يروه عن بشر غير أحمد بن الصلت وليس بمحفوظ عن أبی يوسف، ولَا يثبت لأبی حنيفة سماع من أنس بن مالکؓ، وسئل أبو الحسن الدارقطنی عن سماع أبی حنيفة عن أنسؓ يصحّ؟ قال: لَا، ولَارؤيته، لم يلحق أبوحنيفة أحدًا من الصحابة، وقال الخطيب فی موضع آخر (۱۱۱/۹): لَا يصح لأبی حنيفة سماع من أنس بن مالکؓ۔ وهذا الحديث باطل بهذا الإِسناد، وضعه أحمد بن الصلت، قال الذهبی: أحمد بن الصلت الحمانی هالک۔ وقال الخطيب (ص۲۰۷/۴): روی أحاديث أكثرها باطلة، هو وضعها۔

ومنهم موسی بن جابان، أخرج حديثه الخطيب (ص۳۸۶/۷)، وابن الجوزی (ص۶۱/۱)، وفيه عمران بن عبد الله، قال ابن الجوزی: ضعفوه، قلت: وموسی بن جابان لم أجد من ترجم له، وفيه ميسرة بن عبد الله، ولم يوجد ترجمته، والظاهر بل الصواب أنه ميسرة بن عبد ربه وهو يروی عن موسی بن جابان كما فی تاريخ الخطيب (ص۲۲۲/۳)، وميسرة أقرّ بوضع الحديث۔

ومنهم عبد الوهاب بن بخت، أخرج حديثه ابن عدی وابن الجوزی (ص۶۱/۱)، وعبد الوهاب، قال الذهبی فی الميزان: كثير الاَوهام، وذكره ابن حبان فی الثقات، وقال كان يخطئ ويَهِم شديدا، وقال ابن معين وأبوزرعة ويعقوب بن سفيان والنسائی: ثقة، وقال أبو حاتم: صالح لَا بأس به، والراوی عنه معان بن رفاعة الدمشقی، وقيل: الحمصی، وثّقه ابن المدينی، وقال الجوزجانی: ليس بحجة، وليّنه يحيیٰ بن معين۔

ومنهم أبو عمار، أخرج حديثه ابن الجوزی فی العلل (ص۶۱/۱)، وفيه سليمان بن كران بالنون، كذا ضبطه عبد الحق، ويقال: كراز بالزای كذا ضبطه ابن ماكولَا وابن القطان والذهبی فی المشتبه، قال ابن حجر: رأيته فی كامل ابن عدی بالوجهين، قال العقيلی: الغالب

على حديثه الوهم، وقال عبد الحق تبعا للبزار: ليس به بأس، وتابعه مستلم بن سعيد الثقفى الواسطى عند ابن الجوزى وهو من رواة الاَربعة، قال ابن حجر صدوق عابد ربما وهِم۔

قلت: وأبو عمار هذا إن كان عريب بن حميد الدّهنى الكوفى فهو ثقة، وإن كان زياد بن ميمون كما أشار إليه السخاوى فهو مجروح وقد تقدم۔

ومنهم مسلم بن كيسان الضبّى الملائى الأعور، أخرج حديثه ابن عدى وابن عبد البر (ص ۹) وابن الجوزى فى العلل (ص ۶۲ / ۱)، ومسلم الأعور ضعيف، والراوى عنه أبو سهيل حصام بن مِصَكّ -بكسر الميم وفتح المهملة بعدها كاف مثقلة- البصرى، قال الدار قطنى: متروک، وقال أحمد: مطروح الحديث، وقال البخارى: ليس بالقوى عندهم، قال فى التقريب: ضعيف يكاد أن يترک، والراوى عنه إسماعيل بن عيّاش ضعيف فى غير أهل بلده، والراوى عنه عند ابن الجوزى عبد الوهاب بن الضحاک فأعلّه به، وقال: قال أبو حاتم الرازى: كذاب۔

قلت: ولم ينفرد به، فقد تابعه المعافى بن عمران أبو عمران الظّهرى الحميرى الحمصى عند ابن عبد البر، وذكره ابن حبان فى الثقات۔

ومنهم إسحاق بن عبد الله بن أبى طلحة، أخرج حديثه ابن عدى وابن الجوزى (ص ۶۲) وذكره ابن عبد البر تعليقًا (ص ۱۰) من طريق سليمان بن سلمة الخبائرى أخبرنا بقية أخبرنا الاَوزاعى عنه، قال ابن عبد البر: هذا الحديث لم يروه عن بقية عن الاَوزاعى إلّا الخبائرى وليس عندهم بالقوى۔

وأكثر الرواة عن بقية يروون هذا الحديث عن بقية عن حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن محمد بن سيرين عن أنسؓ، وعن بقية أيضًا عن أبى عبد السلام الوحاظى عن إسحاق بن عبد الله بن أبى طلحة عن أنسؓ، ولَا يعرف من حديث الاَوزاعى إلّا من رواية سليمان بن سلمة الخبائرى، قلت: والخبائرى قال أبو حاتم: متروک، وقال ابن الجنيد: كان يكذب۔

ومنهم أبو عاتكة طريف بن سليمان، تقدم حديثه فى الجزء الأول من الحديث۔

ومنهم الزبير بن خِرِّيت، أخرج حديثه ابن عبد البر فى الجامع (ص ۱۰ / ۱)، وفيه بقية بن

الوليد ولكنه صرّح بالتحديث، والراوى عنه عمران بن هارون وهو المقدسى، وقال أبوزرعة: صدوق، وقال ابن يونس: فى حديثه لين، وذكره ابن حبان فى الثقات وقال: يخطئ ويخالف۔

ومنهم ابن شهاب الزهرى، أخرج حديثه ابن عبد البر(ص ۱۰)، وتقدم الكلام عليه فى "اطلبوا العلم"، وله طريق آخر أخرجه ابن الجوزى (ص ۵۹) من جهة إسماعيل بن عياش عن يونس بن يزيد الاَيلى عن الزهرى عن أنسؓ به بدون الزيادة فى أوله، وإسماعيل بن عياش ضعيف فى غير أهل بلده۔

ومنهم سلّام الطويل، أخرج حديثه أبوالحسن القطان صاحب ابن ماجه فى كتاب العلل وقال: إنه غريب حسن الإسناد، كذا نقله السخاوى فى المقاصد (۲۷۶)۔

قلت: ولكن أخرجه ابن عبد البر فى الجامع (ص ۹) من طريق أحمد بن زهير أخبرنا خلف بن الوليد أخبرنا سلام الطويل أخبرنا زياد بن ميمون عن أنسؓ به، فأدخل زياد بن ميمون بعده۔

ومنهم حميد الطويل، أخرج حديثه الخطيب فى الفقيه والمتفقه (ص ۴۴) من وجهين، لفظ أحدهما "طلب الفقه" ولفظ الآخر "التفقه فى الدين حق على كل مسلم"، فى الاَول بشر بن الوليد الكندى، قال الآجرى: سالت أبا داود أ بشر بن الوليد ثقة؟ قال: لَا، وقال الدارقطنى ومسلمة بن القاسم: ثقة، وقال صالح جزرة: صدوق لكنه لَا يعقل قد كان خَرِفَ، وقال السليمانى: منكر الحديث، وقال الذهبى فى حديث فى إسناده بشر: هذا حديث صالح الإسناد، وشيخه عبد الحميد بن الحسن الهلالى من رواة الترمذى، قال الحافظ فى التقريب: صدوق يخطئ، وفيه محمد بن عمر بن العلاء تلميذ بشر لم أجد ترجمته۔

وفى الثانى معلّى بن هلال بن سويد أبو عبد الله الطحان، إتفق النقّاد على تكذيبه، والراوى عنه محمد بن أبان الغنوى أو العنبرى ذكره فى التهذيب ولم يعرف من حاله بشئ۔

وحديث أبى سعيدؓ: أخرجه الطبرانى فى الأوسط، قال الهيثمى (ص ۱۲۰): وفيه يحيٰى بن هاشم السمسار كذّاب، وأخرجه البيهقى فى الشّعب كماذكره السيوطى ولم أقف على إسناده، وأخرجه ابن الجوزى من وجه آخر (۶۲/۱) وفيه عطية العوفى، قال الحافظ: صدوق يخطئ كثيرًا، كان شيعيًا مدلّسا، قلت وقد عنعن، وفيه أيضا إسماعيل بن عمرو البجلى

مختلف فيه، قال ابن عدى: حدّث بأحاديث لَا يتابع عليها، وقال أبوحاتم والدار قطنى: ضعيف، وذكره ابن حبان فى الثقات وذكره إبراهيم بن أورمة فأحسن الثّناء عليه۔

وحديث ابى هريرةؓ: أخرجه الامام أبوحنيفة فى مسنده (ص ۲۰)، ولكن شيخه ناصح بن عبد الله المحلمى ضعيف۔

وهؤلَاء تسعة نفر ممن وقفت على أحاديثهم۔

قال السخاوى فى المقاصد (ص ۲۷۶): وفى الباب عن أُبىّ وحذيفة وسلمان وسمرة ومعاوية بن حيده ونبيط بن شريط وأم المؤمنين عائشة وعائشة بنت قدامة وأم هانئ وآخرين -رضى الله عنهم-، بسط الكلام فى تخريجها العراقى فى تخريجه الكبير للاحياء۔

ومع هذا كله قال البيهقى فى الشعب: متنه مشهور وإسناده ضعيف، وقد روى من أوجه كلها ضعيفة، وقال ابن الجوزى فى العلل (ص ۶۶): قال أحمد بن حنبل: لَايثبت عندنا فى هذا الباب شئ۔

وقال إسحاق بن منصورالكوسج: سمعت إسحاق بن راهويه يقول: ”طلب العلم واجب ولم يصحّ فيه الخبر إلّا أن معناه أنه يلزمه طلب علم مايحتاج إليه من وضوئه وصلوته وزكوته إن كان له مال وكذا لک الحج وغيره، قال: وما وجب عليه من ذلک لم يستاذن أبويه فى الخروج إليه، وماكان فضيلة لم يخرج إليه حتى يستاذن أبويه۔

قال ابن عبدالبر فى الجامع (ص ۱۱/۱): يريد إسحاق والله أعلم أن الحديث فى وجوب طلب العلم فى أسانيده مقال لأهل العلم بالنقل، ولكن معناه صحيح عندهم۔

وقال أبو على النيسابورى الحافظ: أنه لم يصح عن النبیﷺ فيه إسناد، و تقدم قول البزار: أسانيده واهية، وقول العقيلى: والرواية فى هذا ليّنة، وقال ابن القطان: لم يصح فيه شئ وأحسن ما فيه ضعف، وقال النووى فى فتاويه (ص ۲۷۶): وهو حديث ضعيف وإن كان معناه صحيحا، وقال فى مقدمة شرح المهذب (ص ۲۴): هذا الحديث وإن لم يكن ثابتا فمعناه صحيح، ومثّل به الحاكم فى علوم الحديث (ص ۱۱۴) وتبعه ابن الصلاح (ص ۲۶۳) للمشهور الذى ليس بصحيح۔

لكن قال العراقى: قد صحّح بعض الأئمة بعض طرقه كما بيّنتُه فى تخريج الإحياء، وقال الحافظ جمال الدين المزّى: هذا الحديث روى من طرق تبلغ رتبة الحسن۔

ووافقه السيوطى فى التدريب (ص ۱۷۴ / ۲) وقال فى حاشية ابن ماجه: وهو كما قال، فإنى رأيت له نحو خمسين طريقا وقد جمعتها فى جزء، وقال فى التعليقة المنيفة: وعندى أنه بلغ مرتبة الصحيح لأنى رأيت له نحو خمسين طريقا وقد جمعتها فى جزء، ونقل عنه المناوى (۲۴۷ / ۴): جمعت له خمسين طريقا وحكمت بصحته لغيره، ولم أصحّح حديثًا لم أسبق لتصحيحه سواه۔

وقال الزركشى: روى عن عدة من الصحابة، وفى كل طرقه مقال، وأجودها طريق قتادة وثابت عن أنسؓ وطريق مجاهد عن ابن عمر، وقد أخرجه ابن ماجه فى سننه عن كثير بن شنظير عن ابن سيرين عن أنسؓ، وكثير بن شنظير مختلف فيه، فالحديث حسن۔

قلت: وهو معلول ضعيف كما تقدم بيانه۔

وتقدم قول البزار: أحسن الطريق ما رواه إبراهيم بن سلام عن حماد بن أبى سليمان عن إبراهيم النخعى عن أنسؓ به مرفوعا۔

وتقدم قول أبى داود أن أصح الطرق طريق جعفر بن مسافر عن يحيى بن حسّان عن سليمان بن قرم عن ثابت البنانى عن أنسؓ به۔

وتقدم قول أبى الحسن القطان فى حديث سلام الطويل عن أنسؓ أنه غريب حسن الإسناد، وقال البيهقى فى المدخل: أراد –والله اعلم– العلم العام الذى لَا يسع البالغ العاقل جهلَه أو علم مايطرأ له خاصة، أو أراد أنه فريضة على كل مسلم حتى يقوم به من فيه الكفاية۔

قلت: الأَول ذكره ابن حبيب نقلا عن غيره، والثانى ذكره ابن المبارك، والثالث ذكره أحمد بن صالح المصرى وقبله ابن عيينة، وذكر نصوصهم ابن عبد البر فى جامع العلم (ص ۱۱ وص ۱۲ / ۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد یونس عفی عنہ

* * *

ایک صحابیؓ کے نماز میں تیر لگنے کا واقعہ

مسحِ رقبہ کا حکم

ابوعبید اور مسعودی کون ہیں؟

ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟

سوال:

(۱) حدیث جابرؓ جس میں ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ حالتِ نماز میں کسی نے تیر مارا مگر وہ نماز ہی پڑھتے رہے۔ **وهذا في سنن أبي داود وصحيح ابن حبان (إلى أن قال) وزاد فيه فبلغ ذلک رسول اللهﷺ فدعا لهما۔**

اسپر صاحب **عون المعبود** نے لکھا ہے: **قلت: أورده العلامة العيني في شرح الهداية۔ قال العيني: ولم يأمره بالوضوء ولَا بإعادة الصلوة، انتهى (ص۱/۷۸)۔**

سوال یہ ہے کہ کیا یہ زیادتی علامہ عینی نے ذکر کی ہے؟ اگر ہے تو پھر احناف حدیث جابر کا کیا جواب دینگے؟

(۲) مسحِ رقبہ کے سلسلہ میں جتنی روایات دیکھیں سب میں سر کے مسح کے ساتھ قفا اور عنق کا مسح ثابت ہوتا ہے اور اس میں کلام نہیں، کلام تو مسحِ رقبہ میں ہے جس کو سر کے مسح کے بعد ظہر کفین سے کیا جاتا ہے، اور یہ صورت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔

نيل الأَوطار اور **إحياء السنن** اور استدراک نیز **أماني الأحبار** اور **أوجز** میں سب جگہ صورتِ اول ہی ملتی ہے، صورت ثانی نہیں ملی، تو کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر نے فرمایا **روى أبو عبيد في كتاب الطهور عن عبد الرحمن بن مهدي الخ (ص ۱/۳۴)۔**

(۳) ابوعبید کون ہیں؟ اور ان کے احوال کہاں لکھے گئے ہیں؟ حوالہ ارشاد فرمائیں۔

نیز اسی میں مسعودی بھی ہیں یہ کون ہیں؟ نیل میں **روى القاسم بن سلام في كتاب الطهور** ہے جس سے ابوعبید کے نام کی تعیین ہوئی (ص ۱/۱۴۲)۔

(۴) **وفی النیل(ص ۲ ۴ ۱ /۱) باب مسح العنق قال الحافظ: قرأتُ جزءاً رواه أبو الحسین بن فارس** الخ، ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟ جبکہ حافظ نے **بین ابن فارس وفلیح مفازة** سے اس پر تعقب کیا ہے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) مسائل دو قسم کے ہیں، منصوص وغیر منصوص۔

قسم ثانی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ ﷺ پر قیاس کر کے نکالے جاتے ہیں۔

قسم اول دو نوع کے ہیں، اول وہ جہاں یکطرفہ دلیل ہو، دوسرے وہ جہاں دونوں طرف دلائل ہیں۔

اول محتاج بحث نہیں، ثانی میں علماء میں اختلاف ہوتا ہے، ہر ایک نص کے ساتھ اپنے فکر ونظر علم واجتہاد کو استعمال کرتا ہے،

حضرت امام ابوحنیفہ وامام احمد خون کو ناقض مانتے ہیں اور امام مالک وامام شافعی ناقض نہیں مانتے اور حدیث جابر یا اس جیسی روایات کو پیش کرتے ہیں،

نقضِ وضوء کے قائلین نے حدیث استحاضہ **"فإنّہ دم عرق، فإذا أقبلت الحیضة فدعی الصلوة وإذا أدبرتْ فاغسلی عنکِ الدم وصلّی"، وفی لفظ: "فاغتسلی"، وزاد فی روایة: "فتوضئ"** سے استدلال کیا ہے، وضو کے حکم کو دم عرق پر مرتب کرنا اس کی دلیل ہے کہ دم ناقض ہے۔

ان حضرات نے جابرؓ کی روایت کے مختلف انداز میں جواب دئے!

کوئی کہتا ہے کہ ابن اسحاق متکلم فیہ ہیں، کوئی عقیل بن جابر پر کلام کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو علم نہیں ہوسکا ہے کیونکہ کسی روایت میں ذکر نہیں کہ صحابہ نے ذکر کیا ہو لیکن یہ بعید ہے، ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو واقعہ کا علم ہوا ہوگا، اور علامہ عینی نے تو ایسی روایت بھی نقل کر دی جیسا کہ صاحبِ عون نقل کرتے ہیں۔

اس وقت ہمارے پاس البنایہ نہیں ہے لیکن ہماری معلومات میں اس روایت کے طرق میں حضور اکرم ﷺ کو اطلاع نہ پانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

یہ حدیث ابن اسحاق نے سیرة میں اور احمد نے مسند (ص ۳۵۵ / ۳) میں اور ابن المبارک نے الجہاد (ص ۱۴۹) میں اور ابوداؤد نے سنن میں (ص ۱۲۱ / ۱) اور ابن خزیمہ وابن حبان (ص ۳۰۲ / ۲) وحاکم

(ص۱۵۶/۱) ودارقطنی (ص ۸۲) وبیہقی نے اپنی کتب میں روایت کی ہے، اور کسی کی روایت میں مذکورہ زیادتی نہیں ہے۔

یہ جوابات ایسے نہیں کہ ان کا جواب نہ ہو اسلئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ استحاضہ والی روایت اس سے اقوی ہے، وہ ارجح ہوگی، لیکن دوسرے حضرات اس کا جواب دے سکتے ہیں کہ حدیث استحاضہ میں دخل 'خروج من احدی السبیلین' کو ہے۔

غرض یہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں ظن غالب پر اعتماد کیا جاتا ہے، جس مجتہد کو جس طرف کا رجحان معلوم ہوا اس کو اختیار کرلیا۔

(۲) مسحِ رقبہ کے بارے میں سب روایات معلول ہیں، مسح رأس مع العنق ابوداود وغیرہ کی روایت سے جس میں مسح علی القذال کا ذکر ہے ثابت ہوتا ہے، صورت ثانیہ کا مستدل مجھے معلوم نہیں!

(۳) یہ ابوعبید القاسم بن سلام مشہور محدث ولغوی ہیں، مکہ میں ۲۲۴ھ میں وفات ہوئی **کما فی التذکرة الذهبی** (۴۱۷/۲)، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جیسے کتاب الاموال، کتاب الطہور، کتاب الناسخ و المنسوخ۔

اور مسعودی کا نام ونسب عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الکوفی المسعودی ہے، **قال الحافظ فی التقریب: صدوق اختلط قبل موته، وضابطه أن من سمع منه ببغداد فبعد الاِختلاط**، انتہی۔

(۴) ابن فارس کی روایت حافظ ابن حجر نے التلخیص (ص ۹۳/۱) میں نقل کی ہے اور حافظ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے پوری سند نہیں ہے۔ **قال: وأنا قرأتُ جزءاً رواه أبو الحسين بن فارس بإسناده عن فليح بن سليمان عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: "من توضّأ ومسح بيديه على عنقه وُقِی الغلّ يوم القيمة"، وقال: هذا إنشاء الله حديث صحيح، قلت: بين ابن فارس وفليح مفازة فلينظر فيها، انتهى۔**

ہمارے سامنے نہ ابن فارس کا جزء ہے اور نہ اور کہیں یہ روایت نظر پڑی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

”یبدأ بالملح ویختم به“ کی تحقیق

سوال:۔

”یبدأ بالملح ویختم به“ الخ کی تحقیق اختصار کے ساتھ تحریر فرمائیں!

(حضرت مفتی محمد یحیٰ صاحب)

الجواب:۔

(۱) عن علیؓ قال: قال لی رسول الله ﷺ: ”إذا أکلت فابدأ بالملح واختم بالملح، فإن الملح شفاء سبعین داء، أولها الجنون والجذام والبرص ووجع الأَضراس ووجع الحلق ووجع البطن“، رواه الحارث بن أبی أسامة فی مسنده کما فی المطالب العالیة (۲/۳۱۵)۔

قال البوصیری: رواه الحارث عن عبد الرحیم بن واقد عن حماد بن عمرو عن السریّ بن خالد وهم ضعفاء۔

قلت: عبد الرحیم بن واقد قال الطبری فی تفسیره: مجهول غیر معروف بالنقل غیر جائز الاِحتجاج بما یرویه، کذا فی اللسان، وشیخه حماد بن عمرو هو النصیبی متّهم بالکذب والوضع، قال البخاری: یکنی أبا إسماعیل منکر الحدیث، وقال النسائی: متروک الحدیث۔ قال الجوزجانی: کان یکذب، وقال ابن حبان: کان یضع الحدیث وضعًا۔ وشیخه السریّ بن خالد! قال الذهبی: السریّ بن خالد مدنیّ لَایعرف، قال الأزدی لَا یحتجّ به۔

حضرت علیؓ سے اور بھی طریقوں سے بدائة بالملح مرفوعًا وموقوفًا منقول ہے لیکن سب معلول ہیں، کسی کا راوی متروک ہے تو کسی کا متہم بالوضع،

وفی الباب عن أنسؓ رفعه إلی رسول الله ﷺ قال: ”ابدأوا بالملح فإن فیه بضعا وسبعین دواءً، ومن بدأ بالملح فقال: بسم الله والحمد لله، اللهم بارک لنا فیما رزقتنا وارزقنا ما هو أفضل منه، وقاه الله من عذاب القبر، ثم لَا تستقرّ اللقمة فی بطنه حتی یغفر الله له“، أخرجه حمزة بن یوسف السهمی فی تاریخ جرجان (ص ۳۴۱)، وقال: هذا حدیث منکر، وعلی بن یزداد الجرجانی متّهم۔

محمد یونس عفی عنه

یوم الاحد ۲ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖ ○○○ ❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

باب ما یقتل المحرم من الدوابّ کی تحقیق

سوال:۔

طحاوی (ص ۳۸۴) 'باب ما یقتل المحرم من الدوابّ' کا حاصل مختصر الفاظ میں تحریر فرما کر بھیجئے، مجھے اس میں اطمینان نہیں ہوا، حضرت ناظم (مولانا اسعد اللہ) صاحبؒ کی تقریر بھی اس کی گم ہے۔

(حضرت مفتی یحییٰ صاحب)

جواب:۔

نبی اکرم ﷺ نے پانچ دوابّ کے قتل کی مُحرم کو اجازت دی ہے، اب اسمیں اختلاف ہے کہ حدیث میں کلب عقور کے قتل کی جو اجازت دی گئی ہے یہ صرف کلب کے ساتھ خاص ہے یا عام؟

ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عام ہے اور کلب عقور سے مراد صرف کلب نہیں ہے بلکہ کل ما عدا علی الناس وعقرھم ہے، چنانچہ ابو ہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے کی ہے جو سباع کی ایک نوع ہے، معلوم ہوا کہ اگر کلب سے نوع مخصوص مراد ہوتی تو ابو ہریرہؓ اس کی تفسیر اسد سے نہ کرتے،

حضرت ابو ہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے جو کی ہے یہ تعریف بالمثال کے قبیل سے ہے، جیسے کہتے ہیں ما الاِسم؟ جواب دیتے ہیں زید، تو اسمیں عمرو بکر سب داخل ہوتے ہیں، ایک فرد کو ذکر کر کے بقیہ پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے، اسی طرح یہاں کلب عقور کی تفسیر اسد سے کر کے بقیہ انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اسد کے وصف خاص عدو (حملہ کرنا) وعقر (زخمی کرنا) میں جو شریک ہوں گے سب مراد ہوں گے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں یہ ابو ہریرہؓ کی تفسیر ہے مرفوع نہیں ہے، اور حضرت جابرؓ کی حدیث مرفوع "الضبع صید وفیہ کبش" اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ضبع کو جو سباع کی قسم میں ہے اپنے دانت اور پنجوں سے شکار کرتا ہے صید قرار دیا اور قاتل پر فدیہ واجب قرار دیا، اگر ہر سبع کے قتل کی اجازت ہوتی تو قاتلِ ضبع پر جو سبع ہے فدیہ کیوں واجب ہوتا؟

لیکن امام طحاویؒ کا یہ اعتراض جمہور پر وارد نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ لوگ تمام سباع کا قتل جائز نہیں کہتے بلکہ صرف انکا قتل مباح کہتے ہیں جنہیں عدوان و عقر یعنی حملہ کی صفت ہوتی ہے، ضبع میں یہ وصف نہیں ہے۔

فان قال قائل: فلم لَا تبیحون قتل الذئب؟ سائل کہتا ہے کہ قتل ذئب کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟

امام طحاوی کہتے ہیں اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ نے صرف پانچ حیوانات کے قتل کی اجازت دی ہے مزید کی نہیں،

اوران پانچ کی تعیین فرمادی ہے، اگراوروں کے قتل کی بھی اجازت ہوتی تو صرف پانچ ہی کو کیوں ذکر فرماتے،

فالّذین أباحوا الخ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے قتل ذئب کی اجازت دی ہے سارے ہی سباع کے قتل کی اجازت دی، اور جو منع کرتے ہیں وہ سب کے قتل سے منع کرتے ہیں، صرف کلب عقور کے قتل کی ورودِ نص کی وجہ سے اجازت دیتے ہیں۔

فأمّا ما روی عن النبی ﷺ فیما یقتل فی الاِحرام والحرم الخ۔ امام طحاویؒ نے اس کے بعد حفصہؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ کی روایات ذکر کی ہیں جن میں غراب، حدأۃ، فارۃ، عقرب، کلب عقور کے قتل کی اجازت وارد ہے، پھر ابوسعیدؓ کی روایت لائے ہیں جس میں عقرب وحیّہ وفارۃ کا ذکر ہے۔

فھذا ما أباح الخ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان حیوانات کے قتل کی حضور اکرم ﷺ نے اجازت دی ہے اور سب کو پانچ شمار کیا ہے، اس عدد کی تعیین سے معلوم ہوا کہ باقی حیوانات جو مذکورہ حیوانات کے ساتھ وصف سبعیت میں شریک ہیں مراد نہ ہوں گے ورنہ پانچ کے عدد کی تخصیص بے سود ہوگی، ہاں وہ دوابّ داخل ہوں گے جن کے متعلق اجماع ہوگیا ہے کہ یہ مراد ہیں۔

فان قال قائل فقد رأینا الحیّة الخ۔ معترض کہتا ہے کہ حیّہ اور جمیع ہوام کا قتل مباح ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے صرف عقرب کا ذکر فرمایا، تو جیسے یہاں تنصیص علی العقرب تعیین کو مقتضی نہیں اسی طرح کلب عقور کی تنصیص تعیین کو مقتضی نہیں ہوگی بلکہ اشارہ ہوگا کہ انکے امثال کا قتل مباح ہے۔

قیل له قد أوجدناک نصًّا الخ۔ امام طحاویؒ جواب دیتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کی حدیث "**الضبع صید وفیه کبش**" کے نص سے یہ ثابت کرچکے ہیں کہ سارے سباع مراد نہیں ورنہ ضبع کے قتل پر فدیہ نہ آتا

ثم رأیناه أباح مع ذلک أیضًا قتل الغراب الخ۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو حدیث میں غراب وحدأۃ کے قتل کی اجازت ہے جو ذی مخلب طیور میں سے ہیں، اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ سارے ذی مخلب طیور جیسے باز، شکرہ وغیرہ کو قتل کیا جاسکتا ہے بلکہ اجماع ہے کہ سوائے دونوں منصوص طیور کے اور کسی کا قتل مباح نہیں، اور اس پر اجماع ہے کہ عقرب کے حکم میں جس کے قتل کی اجازت ہے سارے ہی ہوامّ الارض داخل ہیں۔

تو حاصل یہ ہوا کہ حدیث میں تین طرح کے جانوروں کے قتل کی اجازت ہے،

ایک غراب وحدأۃ، اسمیں اجماع ہے کہ باقی ذی مخلب طیوران دونوں کے حکم میں نہیں ہیں اوران کا قتل جائز نہیں ہے،

دوسرے عقرب ہے، اس پر اجماع ہے کہ سارے ہوامّ الارض کا حکم وہی ہے جو عقرب کا حکم ہے کہ اس کا قتل جائز ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث جو آگے آرہی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حیّہ کے قتل کی اجازت دی گئی جو ہوامّ الارض میں سے ہے تو باقی ہوام کا حکم بھی یہی ہوگا، اور معلوم ہوا کہ عقرب کی ذات مقصود نہیں ہے بلکہ عقرب بولکر ہوامّ الارض مراد ہے،

تیسری قسم کلب عقور ہے، اب یہاں دو احتمال ہیں، ایک یہ اس کو عقرب کی طرح جو ہوامّ میں سے ہے عام کیا جاوے، اور دوسرے یہ کہ غراب وحدأۃ کی طرح خاص کر دیا جائے،

فذو الناب من السباع الخ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں ذو ناب سباع کو ذی مخلب طیر کے حکم میں رکھنا زیادہ انسب ہے کہ دونوں شکار پکڑ کر کھانے میں مشترک ہیں بخلاف **ھوامّ الاَرض** کے، اور مزید یہ کہ جابرؓ کی حدیث جو ضبع کے بارے میں اوپر نقل کی گئی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ کلب عقور بول کر مطلقاً سبع مراد نہیں ہے،

فإن قال قائل إنما جعل الخ۔ معترض کہتا ہے کہ ضبع کو جو عام سباع کے حکم سے الگ رکھا اور اس کا قتل حرام کیا گیا اور اس پر فدیہ واجب ہوا وہ تو اسلئے کہ ضبع کھایا جاتا ہے بخلاف اسد وفہد وغیرہ سباع کے۔

قیل لہ قد غلطت فی التشبیہ الخ ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اباحتِ اکل یعنی ماکول ہونا اگر حرمتِ قتل کا سبب ہوتا تو غراب وحدأۃ وفارۃ کسی کا قتل بھی جائز نہ ہوتا اسلئے کہ یہ سب تمہارے یہاں یعنی امام مالک کے یہاں جائز الاکل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اباحتِ اکل حرمتِ قتل کا موجب نہیں ہے بلکہ صید ہونا موجبِ حرمت ہے اور چونکہ یہ سبع ہے لہٰذا ہر سبع صید ہوگا اور جابرؓ کی حدیث کے تحت اس کا قتل جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ صید جو سبع ہے محرّم القتل ہے، ہاں کلبِ عقور تنصیص کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔

فان قال قائل فکیف تکون سائر السباع الخ ۔ معترض کہتا ہے کہ سارے سباع ضبع کے حکم میں کیسے ہوسکتے ہیں؟ ضبع کھایا جاتا ہے اور باقی سباع کھائے نہیں جاتے۔

قیل لہ قد یکون من الصید الخ ۔ امام طحاویؒ جواب دیتے ہیں کہ بعض شکار کا کھانا انسان کیلئے جائز نہیں لیکن اگر وہ حلال ہو اور حرم سے باہر ہو تو انکو پکڑ کر اپنے کتوں کو کھلا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مطلقاً غیر ماکول ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، ضبع اگر بہت سے علماء کے یہاں انسان کیلئے جائز الاکل ہے تو دوسرے سباع انسان کے کتے کھا سکتے ہیں، لہٰذا جیسے ضبع کے شکار سے آدمی کا فائدہ ہے دوسرے سباع کے شکار سے بھی فائدہ ہے، اگر ضبع فائدۂ اکل کی وجہ سے ممنوع القتل ہے تو دوسرے سباع بھی ممنوع القتل ہوں گے اسلئے کہ ان کے شکار میں اس کے کتوں کا

فائدہ ہے، وہ کھائیں گے۔

محمد یونس عفی عنہ
یوم الجمعۃ ۱۸ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مضمونِ بالا کا مزید خلاصہ

(مفتی یحییٰ صاحب نے مزید خلاصہ کی خواہش فرمائی اس پر اگلی عبارت لکھی گئی)

مختصر خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانچ دواب کے قتل کی محرم کو اجازت دی ہے اس میں کلب عقور بھی ہے۔

اب یہ اختلاف ہے کہ کلب عقور کے حکم میں جملہ سباع داخل ہیں یا خاص کلب ہی مراد ہے۔

ائمہ ثلاثہ اول کے قائل ہیں اور امام طحاویؒ ثانی کے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کلبِ عقور کی تفسیر اسد سے کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خاص کلب مراد نہیں بلکہ اس کی صفت سبعیّت مراد ہے لہذا سارے سباع مراد ہوں گے۔

امام طحاوی نے جواب دیا کہ ابو ہریرہؓ کی تفسیر ان کی اپنی رائے ہے، اور حدیثِ مرفوع سے تو تخصیص ہی معلوم ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ نے ضبع کے قتل پر جو سباع کی قسم ہے فدیہ واجب قرار دیا ہے، اگر ہر سبع کلبِ عقور سے مراد ہوتا تو قتلِ ضبع پر جو سبع ہے فدیہ نہ آتا، معلوم ہوا کہ جنسِ سبع مراد نہیں بلکہ خاص کلب مراد ہے۔

معترض کہتا ہے کہ آپ ذئب کے قتل کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟

طحاوی کہتے ہیں کہ حدیث میں صرف پانچ کی اجازت مراد ہے، اگر ذئب کے قتل کی اجازت دیں گے تو عدد فوت ہو جائے گا۔

اس کے بعد امام طحاوی نے جن دواب کے قتل کی اجازت وارد ہوئی ہے ان کے متعلق روایات ذکر کی ہیں اور پھر آگے ایک لمبی بحث کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث میں تین قسم کے دواب کا ذکر ہے، غراب وحُدَیّا بالاتفاق مخصوص ہیں، یہاں تمام شکاری پرندے مراد نہیں ہیں، دوسرے عقرب وفارۃ اسمیں سارے ہوامّ الارض

داخل ہیں، اور تیسرے کلب عقور اس میں اختلاف ہے کہ اس میں سارے سباع داخل ہیں اور یہ تعریف بالمثال کے قبیل سے ہے یا کلب کی خاص ذات مراد ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ کلب کو جو ذو ناب ہے ذو مخلب طیر یعنی حدأۃ کے حکم میں رکھنا ، بنسبت فارہ وہوام کے حکم میں رکھنے کے زیادہ اولیٰ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سباعِ بہائم اور سباعِ طیور دونوں شکار کرتے ہیں۔

معترض کہتا ہے کہ ضبع کی روایت سے تخصیص پر استدلال نہیں کر سکتے اس لئے کہ ضبع تو ماکول ہے بخلاف دیگر سباع کے۔

طحاوی نے جواب دیا کہ اباحتِ اکل اگر سببِ حرمتِ قتل ہوتا تو حدأۃ، غراب، فارہ، کسی کا قتل جائز نہ ہوتا، اس لئے کہ سب تمہارے یعنی مالکیہ کے یہاں ماکول ہیں بلکہ علتِ حرمت صید ہونا ہے لہٰذا جو صید ہوگا اس کا قتل ناجائز ہوگا، جیسے ضبع جو سبع ہے اس کا قتل ناجائز ہے صرف کلب تنصیص کی وجہ سے حرمت سے خارج ہوگا۔

معترض نے کہا کہ سارے سباع کو ضبع کے حکم میں نہیں رکھا جا سکتا ہے کیونکہ ضبع ماکول ہے بخلاف دیگر سباع کے،

امام طحاوی نے جواب دیا کہ دوسرے سباع کو انسان کے کتے کھا سکتے ہیں لہذا اسباع کے ماکول ہونے کی مطلقا نفی صحیح نہیں ہے، اور جب فی الجملہ سب سے ہی فائدۂ اکل متعلق ہے کہیں اکل انسان کا کہیں اکل کلاب کا، تو ماکول وغیر ماکول کو ما بہ الفرق بنانا صحیح نہیں، **انتہٰی حاصل مراد الطحاوی، وفیہ منوع وخدشات لَا تخفٰی علی المتأمل۔**

محمد یونس عفی عنہ
۲۱ جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

سوال:

حدیث ”لَا یحلّ مال امرئ إلّا...“ طحاوی میں ہے؟

مفتی یحییٰ صاحب

جواب:

مخدومی حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

روایت طحاوی میں تو نہیں ملی، لیکن حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ (۱/۴۲۲) میں نقل کی ہے۔

اس کے الفاظ یہ ہیں: معتمر عن أبيه حدثني شيخ لقيته بالبحرين عن خطبة النبيﷺ في حجة الوداع أنه قال: ”لَا يحلّ مال امرئ إلّا ما أعطى عن طيب نفسه“۔

اور مجمع الزوائد میں اس مضمون کی کئی روایتیں ذکر کی گئی ہیں:

عن عمرو بن يثربيؓ قال: ”خطبنا رسول الله ﷺ فقال: ألَا ولَا يحلّ لِامرئ من مال أخيه شئ إلّا بطيب نفس منه، فقلت يا رسول الله! أرأيتَ إن لقيتُ غنم ابن عمي أجتزر منها شاةً؟ فقال: إن لقيتَها نَعْجَةً تحملُ شَفْرةً، وأزنادًا بِخَبْتِ الجُمِيْشِ فلا تَهِجْها۔ قال: يعني بِـ’خبت الجميش‘ أرضاً بين مكة والجار ليس بها أنيس“، (كذا في مسند أحمد رقم الحديث ٢١١٣٩)۔

وفي رواية عن عمرو بن يثربيؓ قال: ”سمعت خطبة النبيﷺ بِمنى فكان فيما خطب به أن قال: لَا يحل لِامرئ من مال أخيه إلّا ما طابت به نفسه، قال: فلما سمعت ذلك قلت يا رسول الله! أرأيتَ إن لقيتُ غنم ابن عمي“ فذكر نحوه۔ رواه أحمد (١١٣/٥) وابنه من زياداته أيضا ورجال أحمد ثقات، والطبراني في الكبير والاَوسط، وقال: بِـ’خَبْتٍ‘ على الصواب۔

وخبت الجميش بالخاء والباء الموحّدة ثم التاء المثناة: صحراء بين الحرمين كما في القاموس۔

وعن أبي حرّة الرقاشي عن عمّهؓ أن النبي ﷺ قال: لَا يحلّ مال امرئ مسلم إلّا بطيب نفس منه، رواه أبو يعلى، وأبوحرة وثّقه أبوداود وضعفه ابن معين، مجمع الزوائد (ص ١٧١/۴ وص ١٧٢/۴)۔

قلت: حديث أبي حرّة رواه الدارقطني (ص٢٦/٣) والبيهقي في السنن الكبرى (١٠٠/٦)، قال النووي في شرح المهذب (ص٥۴/٩) إسناده ضعيف۔

وحديث عمرو بن يثربيؓ أخرجه الدارقطني (ص٢٥) وأخرج (ص٢٥) عن أنس بن مالكؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”لَا يحل مال امرئ مسلم إلّا بطيب نفسه“، وإسناده واهٍ۔

وفي الباب أحاديث۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

سوال:

دارالعلوم چھاپی میں مولانا زین العابدین اعظمی حدیث شریف پڑھاتے ہیں جو مولانا انظر شاہ صاحب کے ساتھیوں میں ہیں، وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے، وہ کس باب میں اور کس صفحہ پر ہے؟ کئی دنوں سے اس کی تلاش تھی لیکن مل نہ سکی۔

جواب:

امام ابوحنیفہ کا ایک کلام ترمذی فی العلل الصغریٰ میں جابر جعفی اور عطاء بن ابی رباح کے متعلق روایت کیا ہے، امام صاحب کے واسطہ سے کوئی مرفوع یا موقوف اثر نقل نہیں کیا ہے، وہ کلام ترمذی مطبوعہ مصر میں موجود ہے جو مطبوعہ رشیدیہ کے اعتبار سے (ص۲۳۶/۲) کی حسب ذیل عبارت: **أخبرني موسیٰ بن حزام قال: سمعت يزيد بن هارون يقول: لَا يحل لأحد أن يروى عن سليمان بن عمرو النخعي الكوفي** کے بعد ہے وہ یہ ہے:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا أبو يحيىٰ الحماني قال: سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أحدًا أكذب من جابر الجعفي ولَا أفضل من عطاء بن أبى رباح، انتهى۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

تعویذ گنڈے کے متعلق صریح احادیث

سوال:

تعویذ گنڈے کے جواز کے دلائل کیا ہیں؟ جبکہ ابوداؤد کی روایت موجود ہے "**من علّق تميمةً فقد أشرك**" تاویلی جواب سے بچتے ہوئے نقلی جواب تحریر کریں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ حضور ﷺ سے کسی موقعہ پر تعویذ کا دینا یا اس کا امر یا صحابہ کرامؓ سے کوئی فعلی حکم سرزد ہوا ہے؟

عقلی وتاویلی جواب سے احتراز کرتے ہوئے بالدلیل ثابت کریں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدهؓ ”أن رسول الله ﷺقال: إذا فزع أحدكم فی النوم فليقل ’أعوذ بكلمات الله التامّات من غضبه وعقابه وشرّعباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون‘ فإنها لن تضرّه، وكان عبد الله بن عمروؓ يعلّمها من بلغ من وُلده، ومن لم يبلغ منهم كتبها فی صكّ ثم علّقها فی عنقه“۔

رواه أبوداود والترمذی وهذا لفظه، كذا فی المشكوة (ص۲۱۷) فی باب الاِستعاذة۔

وكذا رواه البخاری فی خلق أفعال العباد (ص۸۸) والنسائی فی اليوم والليلة من سننه، قال الترمذی: حسن غريب، قال المباركفوری فی تحفة الأحوذی (ص۲۶۷/۴): وأخرجه الحاكم وقال: صحيح الاِسناد وليس عنده تخصيصها بالنوم۔

وأخرج الطحاوی (ص۳۲۳/۲) عن عائشةؓ قالت: ”ليست بتميمة ما علّق بعد أن يقع البلاء“۔

وأخرج أبو نعيم فی أخبار أصبهان (ص۱۰۲) عن عائشةؓ قالت: ”إنما التمائم ما علّق قبل البلاء، فأما ما علّق بعد البلاء فليس من التمائم“، وكذا أخرجه الحاكم (ص۴۱۸/۴) وصحّحه على شرط الشيخين، وفی تلخيص الذّهبی ذكر التصحيح فقط۔

راجع المسئلة من شرح المهذب (ص۷۱/۲) وتحفة الأحوذی (ص۷۱/۳)۔

وفی طبقات الحنابلة لاِبن رجب(ص۵۷/۴) فی ترجمة أبی عمر بن قدامة قال الموفّق: كان مُجاب الدّعوة، وما كتب لأحد ورقةً للحمّی إلّا شفاه الله تعالى، اھ ۔

اس سے بھی بظاہر تعویذ مراد ہے اور سلف کا یہ معمول ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

خواب کا پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا مطلب

حضرت موسیٰؑ کو ہی کوہِ طور پر کیوں بلایا گیا؟

سوال :

(۱) ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا خواب پرندوں کے پاؤں پر ہوتا ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے اور جب اس کی تعبیر بیان کردی گئی تو وہ تعبیر واقع ہوجاتی ہے۔

خواب کے پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(۲) ہمارا ایک دوست پوچھتا ہے کہ سب پیغمبروں کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی کا پیغام پہنچایا گیا، کیا بات ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر خود خدا آ کر دکھائی دیا اور کلام کیا؟۔ فقط والسلام

السائلہ: زینب بی بی صاحبہ

جواب:

(۱) ابوداؤد شریف میں (ص ۴۶۴/۴) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”**الرؤیا علیٰ رِجل طائر ما لم تعبّر، فإذا عبّرت وقعت**“، خطابی کہتے ہیں (ص ۲۹۸/۷): **هذا مثل، ومعناه أنها لَا تستقرّ قرارها ما لم تعبّر**۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ایک تمثیلی کلام ہے، مقصد یہ ہے کہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے اس کی کوئی معین مراد نہیں ہوتی ہے گویا وہ پرندے کے پاؤں پر بندھا ہوا ہے، جیسے پرندے کو اکثر اوقات قرار نہیں ہوتا اور وہ کسی معین جگہ پر نہیں بیٹھتا اسی طرح خواب کی تعبیر دینے سے پیشتر اس کی کوئی معین مراد نہیں ہوتی، ہاں تعبیر دے دینے کے بعد معین ہوجاتی ہے اور جو تعبیر دی جاتی ہے واقع ہوجاتی ہے۔

لیکن اس حدیث کا تعلق اس خواب سے ہے جسکی مختلف تعبیریں ہوسکتی ہوں اور جو محتمل ہو، اور اگر کوئی خاص تعبیر ہو تو تعبیر کی صحت پر دار و مدار ہے۔

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ نے ایک شخص کے خواب کی تعبیر دی اور حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے تعبیر صحیح دی یا غلط؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”**أصبت بعضًا وأخطأت بعضًا**“ یعنی کچھ صحیح ہے کچھ غلط، امام بخاریؒ (ص ۱۰۴۳) نے اس حدیث پر ’**باب من لم یر الرؤیا لأوّل عابر إذا لم یُصب**‘ ترجمہ منعقد کیا ہے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے سرعتِ سقوط اور وقوع کو بیان کرنا ہے، پرندے کے پیر پر جو چیز ہوتی ہے وہ جلدی سے گرجاتی ہے، ادنیٰ حرکت سے ساقط ہوجاتی ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے پرندہ کے پاؤں پر جو چیز لٹکا دی

جائے وہ ادنیٰ حرکت سے گرجاتی ہے اسی طرح خواب کی تعبیر کا حال ہے کہ معبّر کے تعبیر بیان کرنے کے ساتھ تعبیر واقع ہوجاتی ہے یعنی اس کی مراد معین ہوجاتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا دیکھا نہیں بلکہ ﴿رَبِّ أرِنِیْ أنْظُرْ إلَیْکَ﴾ کہہ کر جب دیکھنے کی تمنا کی تو ﴿لَنْ تَرَانِیْ﴾ کا جواب ملا، یعنی دنیا میں کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

اب سنو! سارے انبیاء ہم رتبہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعض بعض کو خاص فضائل عطا فرمائے ہیں:

قال تعالیٰ: ﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلیٰ بَعْضٍ، مِّنْهُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ عام انبیاءؑ کے پاس فرشتہ وحی لیکر آتا تھا، حضرت موسیٰؑ سے اللہ پاک نے براہ راست کلام فرمایا اور حضور اقدس ﷺ کو اللہ پاک نے لیلۃ المعراج میں سارے آسمانوں کے اوپر بلایا، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں سے ہے، اس کو وہی جانتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

سوال:

” تخلّقوا بأخلاق الله“ کیا حدیث ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

”تخلّقوا بأخلاق الله“ صوفیانہ کلام ہے، حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

حضرت حفصہؓ وسودہؓ کی طلاق کا تذکرہ

سوال:

مکرمی و معظمی متّعنا الله بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے حکایاتِ صحابہ میں ازواجِ مطہرات کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حفصہؓ کو نبی کریم ﷺ نے طلاق دی ہے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ حضرت سودہؓ تھیں۔

اب آں محترم سے دونوں قول میں سے راجح قول کی وضاحت کی درخواست ہے، ظاہر و باطن کی اصلاح اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رہنے کیلئے دعاؤں کی درخواست ہے۔ والسلام

احقر محمد انعام اللہ شاہجہاں پوری

مدرسہ امدادیہ مرادآباد

جواب:

مکرم و محترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

آپ کا کارڈ کئی روز سے رکھا ہوا تھا لیکن موقع نہیں ملا، آج لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت حفصہؓ کو طلاق دینا تو مشہور ہے، فأخرج أبوداود (ص ۳۱۸/۳) والنسائی (ص ۱۲۰/۲) وابن ماجه (ص ۱۴۶) والدارمی (۱۶۰/۲) وعبد بن حميد وابن سعد (ص ۸۴/۸) والحاكم (ص ۱۹۷/۲) من طريق يحيىٰ بن زكريا بن أبی زائدة عن صالح بن صالح بن حیّ عن سلمة بن كهيل عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ عن عمرؓ أنّ النبیّ ﷺ طلّق حفصةؓ ثمّ راجعها۔

قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين۔

وأخرج ابن سعد (ص ۸۴/۸) والدارمی (ص ۱۶۱/۲) والحاكم فی المستدرك (۱۹۷/۲) من طريق هشيم عن حميد عن أنس: ”أنّ النبی ﷺ طلّق حفصةؓ ثمّ راجعها“،

قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين وأقرّه الذهبی، وقال الدارمی: كان علی بن المدينی أنكر هذا الحديث وقال: ليس عندنا هذا الحديث بالبصرة عن حميد۔

وأخرج الحاكم (ص ۱۵/۴) من طريق الحسن بن أبی جعفر عن ثابت عن أنسؓ: ”أنّ النبی ﷺ طلّق حفصةؓ تطليقة، فأتاه جبريلؑ فقال: يا محمد! طلّقت حفصة وهی صوّامة وقوّامة وهی زوجتك فی الآخرة، فراجعها“۔

وأخرج الحارث بن أبی أسامة وابن سعد (ص ۸۴/۸) والحاكم (ص ۱۵/۴) من طريق حمّاد بن سلمة عن أبی عمران المولىٰ عن قيس بن زيد: ”أنّ رسول الله ﷺ طلّق حفصة بنت

عمرؓ، فأتاها خالاها عثمان وقدامة ابنا مظعون فبكت وقالت: والله ما طلّقنی رسول الله ﷺ عن شبع، فجاء رسول الله ﷺ فدخل عليها فتجلببت، فقال رسو ل الله ﷺ: إنّ جبرئيل أتانی فقال لی: ارجع حفصة فإنّها صوّامة قوّامة وهی زوجتک فی الجنة"۔

وهو مرسل، فإنّ قيساً مختلف فی صحبته والصواب أنّه تابعیّ، وذكر عثمان وهم لأنّه مات قبل أحد بلا خلاف، وتزوّج النبیﷺ حفصة بعد أحد بلا خلاف، كما قاله الحافظ فی الإصابة۔

اس کے علاوہ اور بھی بعض روایات ہیں، بعض متصل اور بعض مرسل جو کہ طبقات ابن سعد اور اصابہ میں حضرت حفصہؓ کے ترجمہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت سودہؓ کے طلاق کا تذکرہ بعض روایات میں ہے۔

قال ابن سعد (ص ۸/۵۴): أخبرنا مسلم بن إبراهيم قال حدثنا هشام الدستوائی حدثنا القاسم بن أبی بزة "أنّ النبیﷺ بعث إلی سودة بطلاقها، فلمّا أتاها جلست علی طريقه بيت عائشة، فلمّا رأته قالت: أنشدک بالذی أنزل عليک كتابه واصطفاک علٰی خلقه بماطلّقتنی؟ ألموجدة وجدتها فیّ؟ قال: لَا، قالت: فإنّی أنشدک بمثل الأولی لمّا راجعتَنی وقد كبرتُ ولَا حاجة لی فی الرجال، ولكنّی أحبّ أن أبعث فی نسائک يوم القيامة، فراجعها النبیﷺ، قالت: فإنّی قد جعلت يومی وليلتی لعائشة حِبّة رسول الله ﷺ"، رجاله ثقات وهو مرسل۔

وأخرج البيهقی (ص ۷/۷۵) من طريق أحمد بن عبد الجبارالعطاردی عن حفص بن غياث عن هشام بن عروة عن أبيه: "أنّ رسول اللهﷺ طلّق سودة، فلمّا خرج إلی الصلوة أمسكت بثوبه وقالت: ما لی فی الرجال حاجة، ولكنّی أريد أن أحشر فی أزواجک، قال: فراجعها وجعل يومها لعائشة، وكان يقسم لها بيومها ويوم سودة"، وهو مرسل وأحمد بن عبد الجبار مختلف فيه۔

لیکن اس سے قوی روایات میں ہے کہ حضرت سودہؓ کو طلاق کا خطرہ تھا۔

فأخرج أبوداود (ص ۳/۳۵۰) والحاكم من طريق هشام بن عروة عن أبيه عن عائشةؓ قالت: "قالت سودة بنت زمعةؓ حين أسنّت وفرقت أن يفارقها رسول اللهﷺ: يا رسول الله! يومی لعائشة، فقبل رسولﷺ ذلک منها، قالت: تقول فی ذلک أنزل الله عزّوجلّ وفی

أشباهها أراه ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزاً﴾، صحّحه الحاكم وأقرّه الذهبی۔

وفی تخريج الإحياء (۲/۴۵) للعراقی بعد ذكر هذا الحديث: وللطبرانی ’فأراد ان يفارقها‘ وأخرج الترمذی (ص ۲/۲۹) من طريق سليمان بن معاذ عن سماک عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال: ”خشيت سودة أن يطلّقها رسول الله ﷺ فقالت: لَا تطلّقنی وأمسكنی واجعل يومی لعائشة، ففعل فنزلت ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحاً وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ فما اصطلحا عليه من شئ فهو جائز، قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح غريب۔

ہوسکتا ہے کہ بعض رواۃ نے مجازاً ارادۂ طلاق پر طلاق کا اطلاق کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۷ صفر ۱۴۰۴ھ

* * *

”مسح علٰی رأسہٖ ثلاثًا“ کی تحقیق

ابوسلمہ کندی نے لیث سے کب سنا؟

دارقطنی کی ایک عبارت کا حل

سوال:

حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب دامت فیوضہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حدیث کے سلسلہ میں چند باتیں دریافت کرنی ہیں اس لئے یہ عریضہ پیش خدمت کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جوابات عنایت فرما کر سرفراز فرمائیں گے۔

(۱) نصب الرایہ (ص ۱/۸) میں بزار سے وائل بن حُجرؓ کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”ثمّ مسح على رأسه ثلاثًا وظاهر أذنيه ثلاثًا وظاهر رقبته وباطن لحيته ثلاثًا“۔ اور اسی طریق میں محمد بن حجر ہیں، اور یہی روایت طبرانی کے اندر کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ بطریق سعید بن عبد الجبار مروی ہے۔

قابل طلب یہ امر ہے کہ اس وائل کی روایت کے اور بھی طرق ہیں؟ اگر ہیں تو براہ کرم نشاندہی فرمادیں۔

صاحب اعلاء نے استدراک الحسن (ص١/٢٦) پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے **فذکر مسح ظاهر الرقبة لَا ینافی روایة الثّقات الذین صرّحوا بِکون المسح مرّةً واحدةً** الخ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے طرق بھی ہیں جن میں تثلیثِ مسح کا ذکر نہیں ہے بلکہ مرّةً واحدةً کی تصریح ہے۔

(٢) لیث بن ابی سلیم سے طبرانی نے کعب بن عمرو (جدّ طلحہ) کی ایک روایت ابوسلمہ کندی روایت کرتے ہیں۔ ابوسلمہ کندی جن کو حافظ نے تقریب میں مجہول کہا ہے اور صاحبِ اعلاء نے اس پر تعقب کیا ہے، یہ ابوسلمہ لیث سے آیا اختلاط سے قبل سننے والوں میں ہیں یا بعد الاختلاط؟

اس کی جو تحقیق ہو حضرت کے پاس اس کو تحریر فرمادیں، نیز اگر یہ محقق نہ ہوا تو محدثین کے یہاں روایت کا کیا درجہ ہے؟

(٣) لیث کے بارے میں بذل (ص١/٧٨) پر دارقطنی کا یہ قول نقل کیا ہے **إنما أنکروا علیه الجمع بین عطاء وطاؤس ومجاهد حسب الخ**۔ اس انکار کا حاصل کیا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا، اس کی ذرا وضاحت فرمائیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

حرّره الأحقر محمد شعیب الله

الجواب:

عزیز گرامی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(١) حدیث اوّل نصب الرایہ (ص ١/١٣) پر مذکور ہے اور حافظ نورالدین الہیثمی نے کشف الاستار (ص١/١۴٠) میں نقل کی ہے اور مجمع الزوائد میں (ص ١/٢٣٢) بزار کے ساتھ طبرانی کا بھی حوالہ ہے، اور دونوں کا طریق **محمد بن حجر عن سعید بن عبد الجبار بن وائل عن أبیه عن أمّه عن وائل** ہے، مجھے اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا طریق معلوم نہیں ہے۔

اور صاحب اعلاء کے استدراک الحسن کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وائل کی روایت میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک مسح ظاہر الرقبۃ، دوسرے تثلیثِ مسحِ رأس،

مضمون اول ثقات کی روایت کے خلاف نہیں ہے اس لئے مقبول ہے، اور مضمون ثانی ثقات کی روایات کے خلاف ہے اس وجہ سے مقبول نہیں ہے، اور یہاں روایاتِ ثقات سے مراد خاص اس روایت کے رواۃ نہیں بلکہ

دوسرے صحابہ کی وہ روایات ہیں جو ثقہ روایوں نے نقل کی ہیں، اس لئے اس سے حدیثِ وائل کے تعدد طرق پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) ابوسلمۃ الکندی سے زید بن الحباب اور شیبان بن فرّوخ روایت کرتے ہیں، اس سے جہالۃ العین تو ختم ہو گئی لیکن جہالۃ الحال باقی ہے، یہی حافظ ابن حجر وغیرہ کے مجہول کہنے کا مطلب ہے،

یہ تحقیق نہیں کہ ابوسلمۃ الکندی نے لیث بن ابی سلیم سے قبل الاختلاط سنا ہے یا بعد الاختلاط۔

مختلط راوی کی روایات اگر قبل الاختلاط ہیں اور وہ اختلاط سے قبل مقبول الروایۃ تھا تو مقبول ہیں ورنہ نہیں، اور اختلاط کے بعد کی روایات مقبول نہیں ہیں، یہی حال ان روایات کا ہے جن کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہو سکی اس لئے کہ جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ اختلاط سے قبل کی روایات ہیں تو اس وقت تک یہ روایات موقوف رہیں گی **لعدم المرجّح للعمل**،

علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں (ص ۳۵۲): **والحکم فیهم أنه یقبل حدیث من أخذ عنهم قبل الاِختلاط ولَا یقبل حدیث من أخذ عنهم بعد الاِختلاط أو أشکل أمر فلم یدر هل أخذ عنه قبل الاِختلاط أو بعده۔**

وقال النووی فی التقریب (ص ۴۷): یقبل ماروی عنهم قبل الاِختلاط ولَا یقبل مابعده أو شکّ فیه، وقال العراقی فی ألفیته:

وفی الثقات من أخیرًا اختلط فما روی فیه أو أبهم سقط

قال السخاوی فی شرح الألفیة (۲/۳۳۲): فماروی المتّصف بذلک فی حال اختلاطه أو أبهم الأمر فیه وأشکل بحیث لم یعلم أروایته صدرت فی حال اتّصافه به أو قبله؟ سقط حدیثه فی الصورتین، بخلاف ما رواه قبل الاِختلاط، هکذا أطلقوه، ومذهب وکیع حسبما نقله عنه ابن معین کما سیأتی فی سعید بن أبی عروبة قریباً أنه إذا حدّث فی حال اختلاطه محدّث واتّفق أنه کان حدّث به فی حال صحته فلم یخالفه أنه یقبل، فلیُحمل إطلاقهم علیه، ویتمیز ذلک بالراوی عنه فإنه تارة یکون سمع منه قبله فقط أو بعده فقط أو فیهما مع التمییز وعدمه۔

(۳) دارقطنی کا کلام حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

قال البرقانی: سألت الدارقطنی عنه أی عن لیث، فقال: صاحب سنّة، یخرّج حدیثه، ثم قال:

إنما أنكروا عليه الجمع بين عطاء وطاؤس ومجاهد حسب، انتهى۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشائخ سے روایات مختلف الفاظ سے سنتے تھے اور سوءِ حفظ کی وجہ سے ان کے الفاظ میں فرق نہیں کرتے تھے۔

قال ابن سعد: كان رجلاً صالحًا عابدًا وكان ضعيفًا في الحديث، يقال: كان يسأل عطاءً وطاؤسًا ومجاهدًا عن الشئ فيختلفون فيه فيروى أنهم اتفقوا من غير تعمّد.

محمد یونس عفی عنہ

⁂

دارقطنی کی ایک روایت کی تحقیق

دارقطنی کے استاذ ابوبکر البزاز کا مختصر ترجمہ

سوال:

(۱) حدثنا أبوبكر يعقوب بن إبراهيم البزّاز ثنا العباس بن يزيد ثنا غسّان بن مضر ثنا أبو سلمة قال: سألت أنس بن مالکؓ "أكان رسول الله ﷺ يستفتح بالحمد لله أو بسم الله الرحمن الرحيم؟ فقال: إنک تسئلنی عن شئ ما أحفظه وما سألنی أحد قبلک "

سنن دارقطنی (ص ۱۲۰/۱) ومسند احمد (ص۱۶۶ و ۲۷۳/۳)، غالبًا ص ۱۹۰ سے ص ۲۰۰ کے درمیان میں بھی ہے۔ دارقطنی میں خط کشیدہ الفاظ اسی طرح ہیں، دونوں جملوں کے درمیان واؤ ہے، فتح الباری (ص ۱۸۹/۲) میں بھی اسی طرح ہے، نصب الرایہ میں بجائے واو کے أو ہے، (ص ۳۵۹/۱) نصب الرایہ (ص ۳۸۷/۱) میں واؤ ہے، عینی میں (ص ۲۹/۳) پر بھی أو ہے، تحفۃ الاحوذی (ص ۲۰۵/۱) میں بھی أو ہے، یہ روایت مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے لیکن وہ احقر کے پاس نہیں ہے، ملاحظہ فرما کر تحریر فرمائیں کہ اسمیں أو ہے یا واؤ۔

(۲) نیز دارقطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم کا مختصر ترجمہ چاہئے۔

(مولانا) عبدالجبار اعظمی غفرلہ

الجواب:

(۱) دارقطنی کے ہندی (ص ۱۲۰) ومصری (۳۱۶/۱) نسخوں میں واو واصلہ ہی ہے، اور علامہ جمال الدین

الزیلعی نے نصب الرایہ میں (ص ۱/۳۶۳) اور حافظ ابوبکر الحازمی نے الاعتبار میں (ص ۸۳) جب بحوالہ دارقطنی یہی روایت نقل کی تو واؤ کے ساتھ نقل کی۔

مسند احمد میں (ص ۳/۱۶۶) میں او فاصلہ کے ساتھ واقع ہے، اس کی سند و متن حسب ذیل ہے:

حدثنا غسان بن مضر ثنا سعید یعنی ابن یزید أبو مسلمة قال: سألت أنسًا رضی ”أ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم أو الحمدللہ ربّ العٰلمین؟ قال: إنّک لتسئلنی عن شئی ما أحفظه أو ماسألنی عنه أحد قبلک“

علامہ احمد بن عبدالرحمٰن البنا الساعاتی نے **الفتح الربّانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی** میں (ص ۳/۱۸۵) اسی طرح اُونقل کیا ہے، امام جمال الدین الزیلعی نے (ص ۱/۳۵۹) بحوالہ مسند احمد و دارقطنی اسی طرح نقل کیا ہے۔

خیال ہے کہ علامہ زیلعی نے تجوّز سے کام لیا، مسند کے الفاظ نقل کئے اور معنی میں اشتراک کے امکان یا اصل روایت میں اتحاد کیوجہ سے دارقطنی کی طرف بھی نسبت کردی، علامہ عینی اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے زیلعی کا اتباع کیا، حافظ بن حجر نے فتح الباری (ص ۲/۲۲۸) اور الدّرایہ میں (ص ۱/۱۳۶) **”إنک لتسئلنی عن شئی ما أحفظه ولاسألنی عنه أحد قبلک“** نقل کیا ہے، درایہ میں امام احمد اور دارقطنی کا حوالہ دیا ہے، **”ولا سألنی“** نہ تو مسند میں ہے اور نہ ہی سنن دارقطنی میں۔

مسند احمد میں **”أو ما سألنی“** ہے اور دارقطنی میں **”وما سألنی“**۔

مسند احمد میں دوسری جگہ (ص ۳/۱۹۰) یہ ہے:

حدثنا إسماعیل قال سعید بن یزید: أخبرنا قال: قلت لأنس بن مالک رضی: ”أکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح القراءة ببسم اللہ الرحمن الرحیم أو بالحمد للہ ربّ العٰلمین؟ فقال: إنک لتسئلنی عن شئی ماسألنی عنه أحد“۔

تیسری جگہ ہے (ص ۳/۲۷۳) **حدثنا حجاج حدثنا شعبة قال قتادة: ”سألت أنس بن مالک رضی بأیّ شئ کان یستفتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القراءة؟ فقال إنک لتسئلنی عن شئی ماسألنی عنه أحد“۔**

ان دونوں مقامات میں بس روایت کے الفاظ اتنے ہی ہیں۔

(۲) یعقوب بن ابراہیم ثقہ راوی ہیں، حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں (ص ۲۹۳/ ۱۴) ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے، چونکہ مختصر ہے اسلئے بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

يعقوب بن إبراهيم بن أحمد بن عيسٰى بن البختري أبوبكر البزّاز يعرف بالجراب، سمع رزق الله بن موسى وعليّ بن مسلم الطوسي والحسن بن عرفة وعمر بن شبّة وجعفر بن محمد بن فضيل الراسبي وأحمد بن بديل اليامي والحسين بن على الأسود العجلي، روى عنه الدارقطني وابن شاهين ويوسف بن عمر القواس وأبو القاسم الصيدلَاني المُقرى.

وذكر لي الخلاّل أن يوسف القواس ذكره في جملة شيوخه الثقات اخبرنا الأَزهري أخبرنا علي بن عمر الحافظ قال: يعقوب بن إبراهيم بن أحمد بن عيسى أبوبكر البزاز لقبه جراب، كتبنا عنه، كان ثقةً مامونًا مكثرًا، أخبرني الصوري أخبرنا عبد الغني بن سعيد الحافظ قال: يعقوب بن إبراهيم الجراب ثقة، أخبرنا السمسار أخبرنا الصفار حدثنا ابن قانع أن يعقوب بن إبراهيم البزاز مات في شهر ربيع الآخر سنة اثنتين و عشرين وثلاثمائة، قال غيره: مات وهو ساجد في ليلة الجمعة، ودفن يوم الجمعة لثمان بقين من شهر ربيع الآخر، ومولده في سنة سبع وثلاثين ومأتين، انتهى۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

”أن الثلاث كانت تجعل واحدة“ صحیحین میں کہاں ہے؟

سوال:

فتح القدیر (ص ۳۲۹/ ۳) میں صحیحین کے حوالہ سے یہ حدیث ہے **”أن أبا الصّهباء قال لاِبن عباسؓ: ”ألم تعلم أن الثلاث كانت تجعل واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكرؓ وصدرًا من خلافة عمرؓ؟ قال: نعم“۔**

مسلم میں تو (ص ۴۷۸/ ۱) پر موجود ہے، مگر بخاری شریف میں نہیں ملی، نشاندہی فرما کر مشکور فرمائیں۔

محمد یوسف

دار العلوم امروہہ

الجواب:

یہ حدیث صرف مسلم، ابوداود، نسائی میں ہے، باقی کتب ستہ میں نہیں ہے، امام بیہقی، جمال الدین المزی، ابن القیم (ص ۵۴/۴)، ابن حجر وغیرہ نے صرف مسلم کی طرف نسبت کی ہے۔

امام بیہقی لکھتے ہیں: ''**هذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخاری ومسلم، فأخرجه مسلم، وتركه البخاری**۔

محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

ماہ رمضان میں موت کی فضیلت
میت کا اپنے اقرباء کی آمد کا علم ہونا
میت کیلئے بہترین ذکر

سوال:

(۱) رمضان المبارک میں موت واقع ہونے کی کیا فضیلت ہے؟ رمضان کے بعد سوال ہوگا یا نہیں؟

(۲) قبرستان میں جاتے ہیں تو دو تین کے بعد ان کو پتہ چلتا ہے کہ میرا فلاں رشتہ دار آیا اور اس نے مجھ پر یہ پڑھا؟

(۳) بہترین ذکر کون سا ہے جو زیادہ مفید ہو (میت) کے واسطے؟

السائل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

(۱) تمہارے والد صاحب کا انتقال رمضان شریف میں ہوا جو رحمت ومغفرت کا مہینہ ہے۔

خاص رمضان میں وفات کی فضیلت کی کوئی حدیث اسوقت یاد نہیں، علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۱۳٦) میں بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن سے رمضان کے اخیر میں یا روزہ کی حالت میں موت کی فضیلت مذکور ہے، ایک حدیث بروایت ابی نعیم نقل کی ہے ''**من وافق موته عند إنقضاء رمضان دخل الجنة**''۔

اسی طرح ایک حدیث بروایت دیلمی نقل کی ہے ”من مات صائماً أوجب الله له الصیام إلی یوم القیامة“ ۔ اور لکھا ہے: **أخرج أبو نعیم عن خیثمة قال: کان یعجبهم أن یموت الرجل عند خیر عمله، إمّا حجّ وإمّا عمرة وإمّا غزوة وإمّا صیام رمضان۔**

(۲) تمہاری خاص مسئول حدیث تو نہیں ملی،

علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں متعدد حدیثیں ایسی ذکر کی ہیں جس میں قدرے مشترک یہ مضمون ہے کہ مُردوں کو زیارت کرنے والے کا علم ہوتا ہے، دیکھو (ص ۸۸ مطبوعہ مطابع الرشید) ۔

(۳) مُردوں کیلئے دعاء واستغفار اور صدقہ کرنا باتفاقِ اہلِ حق مفید ہے،

عباداتِ بدنیہ میں اختلاف ہے، حنفیہ وحنابلہ وصول کے قائل ہیں، یہی مالکیہ کا ایک قول ہے، اور متاخرین شافعیہ میں سے بعض جواز کے قائل ہیں،

علامہ ابن القیم نے الروح میں اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور مثبتین کے قول کو ثابت ومحقق قرار دیا ہے، بہرحال متفق علیہ مختلف فیہ سے افضل ہے، لیکن ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ میت کیلئے بیحد مفید ہے اور مجرب بھی۔

محمد یونس عفی عنہ

◆◆◆

سوال:

کیا حضرت عیسیٰؑ نبی ہوکر نازل ہوں گے یا امتی؟

السائل: -------------

جواب:

اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب نازل ہوں گے تو نبی ہونے کے ساتھ امت محمدیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے نزول ہوگا۔

نبوت نبی کا وصفِ لازم ہے، خدائے پاک کی طرف سے یہ ایک عطیۂ دائمہ ہے، کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں کہیں کوئی آیت یا روایت نہیں ہے کہ جس میں نبی کے وصفِ نبوت سے معزولی کا ذکر ہو۔ بالفرض ایسا ہوتا بھی تو دار دنیا میں جو کہ نبی کا مقامِ عمل ہے جس کے لئے یہاں بھیجا جاتا ہے اور جب اس دنیا سے اسکو تعلق نہیں رہا تو اب وصف نبوت کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔

حضرت علامہ قسطلانی نے المواہب میں علامہ تقی الدین السبکی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے التعظيم والمنّة فی لتؤمننّ به ولتنصرنّه میں لکھا ہے :

يأتي عيسى فى آخرالزمان على شريعته أى نبيّنا ﷺ بمعنى أنه مأمور بالعمل بها لكونه مأموراً باتباعه۔

وهو نبى كريم على حاله لَا كما يظنّ بعض الناس أنه يأتى واحداً من هذه الأمّة ليس متصفا بنبوته، وحذف هذه الجملة تأدباً، قال السيوطى وسبب هذا الظنّ تخيّله ذهاب صفة النبوة منه وهوفاسد لأنه لَا يذهب أبداً۔

ولَا بعد موته، نعم هو واحد من هذه الأمّة لما قلنا من اتّباعه النبى ﷺ وإنما يحكم بشريعة نبينا محمد ﷺ بالقرآن والسنّة، وهو نبى كريم على حاله لم ينقص منه شيء إذ النبوة لَا تذهب بالموت فكيف بمن هو حيّ۔ اهـ بزيادة من الزرقانى(ص١٦٥/٦)۔

وقال الذهبى فى التجريد (١/٤٣٢): عيسى ابن مريم صحابى ونبى، فإنه رأى النبىﷺ ليلة الإسراء وسلّم عليه، فهو آخر الصحابة موتًا۔ وقال التاج السبكى فى طبقاته (ص٢٢١/٥): قال: لى شيخنا الذهبى مرةً: من فى الأُمّة أفضل من أبى بكر الصديقؓ بالاِجماع؟ فقلت: يفيدنا الشيخ! فقال: عيسى ابن مريم عليه السلام، فإنه من أمة المصطفى ﷺ، ينزل على باب دمشق، ويأتم فى صلوة الصبح بإمامها، ويحكم بهذه الشريعة۔

قلت: هذا ما أشرت إليه بقصيدتى التى نظمتها فى المعاياة منها۔

من باتّفاق جميع الخلق أفضل من خير الصحاب أبى بكر ومن عمر
ومن على ومن عثمان وهو فتى من أمة المصطفى المختار من مضر

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ذہبی اور تاج الدین السبکی کا کلام بلانکیر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وأنكر مغلطاى على من ذكر خالد بن سنان فى الصحابة كأبى موسیٰ، وقال: إن كان ذكره لكونه ذكر النبىﷺ فكان ينبغى له أن يذكر عيسیٰ وغيره من الأنبياء أو من ذكره هو من الأنبياء غيرهم، ومن المعلوم أنهم لَا يذكرون فى الصحابة انتهى۔

قال الحافظ: ويتّجه ذكر عيسیٰؑ خاصّة لأمور اقتضت ذلک۔

أولها: أنه رُفع حيًّا وهو علی أحد القولين۔

ألثانی: أنه ينزل إلی الأرض فيقتل الدجال، ويحكم بشريعة محمد ﷺ، فبهذه الثلاث يدخل فی تعريف الصحابی، وهو الذی عليه الذهبی اھ۔ اور حافظ ابن حجر نے *فتح الباری* میں (ص۷۵/۲) *ابن عمرؓ کی حدیث:* "أرأيتكم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة لَا يبقی ممّن هو اليوم علی ظهر الأرض أحد" الحديث. رواه البخاری *کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:*

وأمّا من قال: المراد أمة محمد ﷺ سواء أمّة الإجابة وأمّة الدعوة، وخرج عيسیٰ والخضر لأنهما ليسا من أمته، فهو قول ضعيف لأن عيسیٰؑ يحكم بشريعته فيكون من أمّته، والقول فی الخضر إن كان حيًّا كالقول فی عيسیٰ، انتهی۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے الإعلام بحكم عيسیٰ عليه السلام *میں تقی الدین السبکی کی عبارت سابقہ اور دوسرے امور کے ساتھ بعض احادیث بھی لکھی ہیں جن سے حضرت عیسیٰؑ کا صاف اس شریعت کے اوپر ہونا معلوم ہوتا ہے۔*

أخرج أحمد والبزار والطبرانی من حديث سمرةؓ عن رسو ل الله ﷺ قال: "ينزل عيسی ابن مريمؑ مصدّقا بمحمد ﷺ وعلی ملّته، فيقتل الدّجال، ثم إنما هو قيام الساعة"۔

وأخرج الطبرانی فی الكبير، والبيهقی فی البعث بسند جيّد عن عبدالله بن مغفلؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "يلبث الدّجال فيكم ما شاء الله، ثم ينزل عيسیٰ ابن مريمؑ مصدّقا بمحمد ﷺ وعلی ملّته، إمامًا مهديًّا وحكمًا عدلاً فيقتل الدّجال"۔

وأخرج ابن حبان فی صحيحه عن أبی هريرةؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "ينزل عيسیٰ ابن مريمؑ فيؤمّهم، فإذا رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده قتل الله الدّجال، وأظهر المؤمنين"۔

ووجه الاِستدلَال عن هذا الحديث أن عيسیٰؑ يقول فی صلوته يومئذ "سمع الله لمن حمده"، وهذا الذكر فی الاِعتدال من خواصّ هذه الأمّة كما ورد فی حديث ذكرت فی كتاب المعجزات والخصائص۔

وأخرج ابن عساكر عن أبی هريرةؓ قال: "يهبط المسيح بن مريمؑ فيصلّی الصلوات ويجمع

الجمع”۔ فهذا صريح أنه ينزل بشرعنا، لأنّ مجموع الصلوٰت الخمس وصلوة الجمعة لم يكونا فی غير هذه الملّة۔

وأخرج ابن عساكر من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”كيف تهلک أمّة أنا أوّلها وعيسٰى بن مريم آخرها“۔

وأخرج بن عساكر أيضا من حديث ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”كيف تهلک أمّة أنا أوّلها وعيسى آخرها والمهدیُّ من أهل بيتی فی وسطها“۔

عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھی نازل ہوگی۔ فأخرج مسلم وأحمد أبوداود والترمذی والنسائی وغيرهم من حديث النواس بن سمعانؓ قال: ”ذكر رسول الله ﷺ الدّجال إلى ان قال: فبينما هم كذلک إذ بعث الله المسيح بن مريمؑ فينزل عند المنارة البيضاء شرقی دمشق واضعا يده على أجنحة ملَكين فيدركه فيقتله عند باب الشّرقی، فبينما هم كذلک أوحی الله إلى عيسى ابن مريم أنی قد أخرجت عبادًا من عبادی لَا يدان لک بقتالهم فحرّز عبادی إلى الطور، فيبعث الله يأجوج ومأجوج“ الحديث۔

قال السيوطی: فهذا صريح فی أنه يوحٰی إليه بعد النزول، ثم قال بعد كلام طويل (ص۱۶۶/۲): فعرف بذلک أنه لَا تنافی بين كونه ينزل متّبعًا للنبی ﷺ وبين كونه باقيًا على نبوته، ويأتيه جبرئيل ماشاء الله من الوحی. اھ۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس وقت نبی ہونے کے باوجود ان پر احکام تشریعیہ کے متعلق وحی نازل نہ ہوگی۔

قال النووی فی تهذيب الأسماء: إذا نزل عيسى كان مقرّرًا للشريعة المحمدية، لَا رسولاً إلى هذه الأمّة، ويصلّی وراء إمام هذه الأمّة تكرمةً من الله لها من أجل نبيّها۔

وفی الصحيح: ”كيف بكم إذا أنزل عيسى ابن مريم وإمامكم منكم، قال: وقدجاء أنه يتزوج بعد نزوله ويولد له ويدفن عند النبیﷺ“، انتهی۔

كذا نقله ابن حجر فی الإصابة (ص۵۴/۳)، وهو فی تهذيب الأسماء (ص۴۷/۲) وفی أوّله لفظ ”ينزل عيسٰى حكماً لَا رسولاً“ والباقی نحوه۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

* * *

عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال کی تحقیق

”أنھن صواحب یوسف ، و کرسف“ کہاں ہے؟

”الخیر فیما وقع“ کیا حدیث ہے؟

بخاری باب من سمّی الحیض نفاساً کی تحقیق

سوال:

(۱) آج کل واعظین حضرات ایک حدیث بیان کر رہے ہیں جو بنگلہ ماہانہ رسائل ’قرآن پرچار‘ وغیرہ میں چھپ رہی ہے کہ ”حضرت نبی کریم ﷺ مع خلفائے ثلاثہ، حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک عمدہ چمکدار صاف شفاف پلیٹ میں شہد پیش کیا، لیکن اس میں ایک بال پڑا ہوا تھا، اس پر سرور کائنات علیہ التحیات والتسلیمات نے فرمایا کہ تم سب اس کی حکمت بیان کرو اور تمثیل پیش کرو کہ عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال، چاروں خلفاء نے الگ الگ حکمتیں بیان کیں اور حضرت فاطمہؓ نے ایک الگ حکمت بیان کی۔

حضور ﷺ نے ایک نرالی شرح فرمائی کہ معرفتِ الٰہی پلیٹ سے زائد منوّر، اور اس معرفت کا حاصل کرنا شہد سے زائد لذیذ، اور اس معرفت وعلمِ معرفت کی حفاظت اس باریک بال سے بھی زیادہ باریک اور دشوار ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر فرمایا کہ راہِ خدا اس پلیٹ سے زیادہ روشن ہے، اس میں نکلنا شہد سے زیادہ لذت دہ ہے لیکن اس پر قائم رہنا بال سے بھی زیادہ باریک ودشوار ہے۔ حوالہ کنز المعارف للعلامۃ القسطلانی۔

اب سوال حضور سے یہ ہے کہ علامہ قسطلانی کی کوئی کتاب کنز المعارف ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ اس کی براہ کرم تحقیق فرمادیں۔

اصل سوال مولانا عزیز الحق صاحب قاسمی کا ہے انہوں نے مجھے حکم کیا حضرت والا کی جانب رجوع کرنے کا۔ انہوں نے اللآلی المصنوعۃ دیکھی اسمیں نہیں ہے،

(۲) غالبًا حضرت ہی کی زبانی درسِ بخاری میں حدیث میں أنتنّ صواحب یوسف وصواحب کرسف سنا تھا، صرف ذہنی طور پر یاد ہے قلم بند نہیں ہوسکا، صحاح ستہ میں غالبًا کہیں بھی یہ زیادتی نہیں ہے، تو کیا کسی دوسری کتاب مسند احمد وغیرہ میں ہے یا سماع وذہن نے خطا کی ہے؟

(۳) آپ بیتی میں ایک جگہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے **الخیر فی ماوقع "الحدیث"** لکھا ہے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظریف احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اکثر فرمایا کرتے تھے: حضرت نے الحدیث لکھا، آج تک مقولہ سمجھتے رہے، کیا یہ حدیث ہے؟

(۴) آج تک بخاری میں **باب من سمّی الحیض نفاسًا** میں ابوالحسن ابن بطال کی غرض **الحامل لَا تحیض** کی مناسبت سمجھ میں نہیں آئی۔ ان الفاظِ ترجمہ سے یہ غرض کیسے مترشح ہوتی ہے؟ نیز اس غرض پر حدیث الباب کیسے منطبق ہوتی ہے؟

تقریر بخاری، فتح الباری، الابواب والتراجم وغیرہ نیز حضرت سے ضبط کردہ کاپی کی مراجعت کی مگر اس میں انطباق لکھنے سے رہ گیا، سمجھ میں نہیں آیا۔

فقط والسلام مع الاحترام۔

ننگ تلامذہ عبدالواحد بردوان

خادم جامعہ مدینۃ العلوم معماری بردوان

الجواب:

عزیزم سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تمہارا خط عین رمضان میں اس وقت پہونچا جبکہ میری طبیعت حاضر نہیں تھی اور خراب بھی تھی۔

بہرحال مختصر طور سے جوابات لکھ رہا ہوں۔

(۱) حدیث اول کے متعلق پہلے بھی سوال کیا گیا، یہ حدیث پہلے بھی کسی نے معلوم کی تھی، اسوقت لاعلمی کا اظہار کردیا تھا اور اب بھی یہی بات ہے، علامہ قسطلانی کی تالیفات میں کنز المعارف کوئی کتاب مجھے معلوم نہیں۔

صاحبِ ہدیۃ العارفین نے جہاں قسطلانی کی تالیفات کا تذکرہ کیا ہے اس میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) حدیث ثانی حضرت ابوذرؓ اور عطیۃ بن بسر المازنیؓ سے منقول ہے۔

حدیث أبی ذرؓ أخرجه أحمد (ص ۵/۱۶۳) عن عبد الرزاق، وقد أخرجه عبد الرزاق فی مصنفه (ص ۶/۱۷۱) عن محمد بن راشد قال: سمعت مکحولاً یحدّث عن رجل عن أبی ذرؓ قال: "دخل علٰی رسول اللہ ﷺ رجل یقال له: عکاف بن بشر التمیمی، فقال له النبیﷺ: هل لک من زوجة؟ قال: لَا، قال: ولَا جاریة؟ قال: ولَا جاریة، قال: وأنت موسر بخیر؟ قال: وأنا

موسر بخير، قال أنت إذن من إخوان الشياطين، لو كنت فى النّصارىٰ كنتَ من رهبانهم، إنّ من سنّتنا النكاح، شراركم عزّابكم، وأراذل موتاكم عزّابكم، بالشياطين تتمرسون، ما للشياطين من سلاح أبلغ من النساء إلّا المتزوجين، أولئک المطهّرون المبرّء ون من الخنا، ويحک يا عكاف! إنهن صواحب أيوب وداود ويوسف وكرسف، فقال له بشر بن عطية: ومن كرسف يارسول الله؟ قال: رجل كان يعبد الله بساحل من سواحل البحر ثلاثمائة عام يصوم النّهار ويقوم الليل، ثم إنّه كفر بالله العظيم فى سبب امراة عشقها، وترک ماكان عليه من عبادة ربه، ثم استدركه الله ببعض ماكان منه فتاب عليه، ويحک يا عكاف تزوّج! وإلّا فأنت من المذبذبين، قال: زوّجنى يا رسول الله! قال: قد زوّجتک كريمة ابنة كلثوم الحميرى“.

رجاله ثقات إلّا الرجل المبهم، وهكذا فى هذا الطريق عكاف بن بشر، والمعروف عكاف بن وداعة الهلالى، وسيأتى كلام الحافظ.

وحديث عطية بن بسر المازنیؓ، أخرجه أبويعلیٰ قال: ”جاء عكاف بن وداعة الهلالیؓ إلى رسول الله ﷺ، فقال له رسول الله ﷺ: يا عكاف! أ لک زوجة؟ قال: لَا، قال: ولَا جارية؟ قال: لَا، قال: وأنت صحيح موسر، قال: نعم والحمد لله، قال: فأنت إذن من إخوان الشياطين، إمّا أن تكون من رهبان النصارىٰ فأنت منهم، وإمّا أن تكون منّا فأصنع كما نصنعُ، فإنّ من سنّتنا النكاح، شراركم عزّابكم، وأراذل موتاكم عزّابكم، إن الشيطان ما له فى نفسى سلاح أبلغ فى الصالحين من الرجال والنساء إلّا أن المتزوّجين أولئک المطهّرون المبرّء ون من الخنا، ويحک يا عكاف! إنّهن صواحب داود وصواحب أيّوب وصواحب يوسف وصواحب كرسف، قال: فقال: وماكرسف يارسول الله؟ قال: رجل كان فى بنى إسرائيل على ساحل من سواحل البحر يصوم النهار و يقوم الليل، لَا يفتر من صلوة ولَاصيام، ثم كفر بعد ذلک بالله العظيم فى سبب امرأة عشقها فترک ماكان عليه من عبادة ربه فتداركه الله بما سلف منه فتاب عليه، ويحک يا عكاف! تزوّج فإنک من المذبذبين، قال: فقال عكاف: لَا أتزوّج حتى تزوّجَنى من شئت، فقال رسول الله ﷺ: قدزوّجتک على اسم الله وبركته كريمة بنت كلثوم الحميرى“.

هكذا ذكره الحافظ فى المطالب العالية، ولكنه فرّقه فى موضعين (ص۳۶/ ۲و۲۷۷/ ۳)، وعزاه فى مجمع الزوائد (ص۲۵۱/ ۴) لأبى يعلٰى والطبرانى، وقال الحافظ فى الإصابة: رواه أبويعلٰى وابن مندة من طريق بقية عن معاوية بن يحيىٰ عن سليمان بن موسىٰ عن مكحول عن غُضَيْف بن الحارث عن عطية بن بسر المازنیؓ، وقال بعد ذكر عدة طرق: والطرق المذكورة كلّها لَا تخلو عن ضعف واضطراب اهـ.

وقال الذهبى فى التجريد (ص۳۸۷/ ۱): والحديث قوى.

قلت: فمداره عند الأكثر على معاوية بن يحيىٰ الصدفى، وهو ضعيف، ولكن أخرجه الطبرانى فى مسند الشاميين، والعقيلى، وفيه برد بن سنان وهو مختلف فيه، قال الذهبى فى الميزان: وثّقه ابن معين والنسائى، وضعّفه ابن المدينى، وقال أبوحاتم: ليس بالمتين، وقال مرةً: كان صدوقا قدريّا، وقال أبوزرعة لَا بأس به، وكأنّ الذهبى اعتمد على هذا الطريق، وقال ابن عبد البر فى الاستيعاب: فى إسناده مقال.

(**فائده**) قال الحافظ: واتفقت الطرق على أنه –أى صاحب هذه القصة– عكاف بن وداعة الهلالى، وشذّ محمد بن راشد فقال: عكاف بن بشر التميمى، وخالف فى الإسناد، اهـ.

(۳) ”الخير فى ما وقع“ حدیث نہیں ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی املاء کرائی ہے، انداز یہ ہے کہ کاتب کے قلم سے لغزش ہوئی، صاحب کشف الخفاء لکھتے ہیں: ’والخيرة فى الواقع‘ ليس بحديث۔

(۴) تم نے لکھا ہے آج تک بخاری میں ’باب من سمّى الحيض نفاسًا‘ میں ابوالحسن ابن بطال کی غرض الحامل لَا تحيض کی مناسبت سمجھ میں نہیں آئی، ان الفاظ سے یہ غرض کیسے مترشح ہوتی ہے؟ اس غرض پر حدیث الباب کیسے منطبق ہوتی ہے؟ انتہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غرض ابن بطال نے باب مذکور کے تحت نہیں لکھی ہے بلکہ انہوں نے علامہ مہلب کے اتباع میں یہ غرض بیان کی۔ امام بخاریؒ نے حیض کو نفاس کہنے سے یہ اخذ کیا ہے کہ حیض ونفاس کے خون کا ایک حکم ہے، (یعنی ما خصّ بأحدهما كمقدار الزمان کو چھوڑ کر)، اوراس غرض میں نیز أخذ من الحديث اور مطابقت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اگر ’سمّى‘ ’أطلق‘ کے معنی میں لے لیا جائے یااوراس کے علاوہ وہ معانی جوشراح نے بیان کئے ہیں جیسے

الحیض مفعول ثانی ہو یا منصوب بحذف الخافض ہو وغیرہ۔

اور اگر بالفرض ابن بطال نے اس ترجمہ کی غرض الحامل لَا تحیض ہی بیان کی ہوتی تو بھی تقریر مطابقت ممکن تھی، اسلئے کہ جب حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ دمِ نفاس دمِ حیض ہے کما یقتضیه قوله ﷺ ''أنفستِ'' حیث أطلق النفاسَ علی الحیض، فعُلم أن دم الحیض هو دم النفاس، ولذا أطلق علیه النفاس فلا بدّ أن یکون دم النفاس دم الحیض، تو معلوم ہوگیا کہ نفاس کا خون وہی حیض کا خون ہے جو ولد کیوجہ سے محبوس تھا، خروج ولد کے بعد اب نکل رہا ہے، اگر حامل کو حیض آتا تو بعد میں نفاس کا خون کیوں کر آتا؟ ولکن فیه خدشة ظاهرة، لأنه یمکن أن تکون الحامل تحیض، فإذا ولدت ألقت دم النفاس وهو دم آخر غیر دم الحیض، ولکن الاِمام البخاری یستدل بنحو هذه الاِستدلَالَات۔

ہاں تم نے جو غرض لکھی ہے وہ ابن بطال نے باب قول الله ﴿مُخَلَّقَةٍ وَغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ کے تحت لکھی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۲۳ محرم ۱۴۰۵ھ

✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧○○○✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧

''من مات ولیس فی عنقه بیعة'' سے کون سی بیعت مراد ہے؟

سوال:

''من مات ولیس فی عنقه بیعة'' سے کون سی بیعت مراد ہے؟

ازراہِ کرم شرح وبسط سے تحریر فرمادیں، جسارت کی معافی چاہتا ہوں، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے، جواب کیلئے لفافہ ارسال خدمت ہے۔

طالب دعا پرویز احمد
محلّہ کا نلی باغ قصبہ بارہ مولا کشمیر

جواب:

مکرمی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

یہ حدیث پاک مسلم شریف (ص۱۲۸/ ۲) پر ہے، پورے الفاظ یہ ہیں:

عن نافع قال: جاء عبد الله بن عمر إلی عبد الله بن مطیع حین کان من أمر الحرّة ما کان

زمن يـزيـد بـن معاوية، فقال: إطرحوا لأبی عبد الرحمٰن وسادةً، فقال: إنی لم آتک لأجلس، أتيتک لأحـدّثک حـديثاً سـمعت رسول الله ﷺ يقول: "من خلع يدًا من طاعة لقی الله يوم القيامة لَا حجّة له، ومن مات وليس فی عنقه بيعة مات مِيتةً جاهليةً"۔

یہ حدیث پاک کے پورے الفاظ ہیں جس سے بیعت کی مراد خود معلوم ہوتی ہے کہ بیعۃ الخلافہ مراد ہے، جنگ حرہ سے پیشتر اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور عبد اللہ بن مطیع کے ساتھ جمع ہو گئے، ابن عمرؓ ان کو سمجھانے آئے تھے کہ بیعت کر کے توڑنا ممنوع ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اکثر منع کرتے ہیں بلکہ ابن مجاہد نے جمیع علماء کا یہی مسلک بتایا ہے اور ایک جماعت جواز کی قائل ہے اگر امام جادۂ حق سے ہٹ جائے، لیکن اکثر حضرات ظاہر احادیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حدیث بالا بھی ہے۔

قال الأبّی (ص ۵/۲۰۲): كـان مـذهـب ابـن عـمـرؓ منع القيام على الإمام وخلعه إذا حدث فسقه بعد عقد البيعة فلذلک ذكر له الحديث، والمنع من القيام هو مذهب الأكثر أو هو مذهب الجميع كما ذكر ابن مجاهد۔

واحتج من أجاز القيام والخروج بقيام الحسينؓ وابن الزبيرؓ بمكة وأهل المدينة على بنی أمية۔

واحتج الأكثر للمنع بأنه ظاهر الأحاديث، وبأنّ القيام ربما أثار فتنةً وقتلاً وانتهاکَ حرمةٍ كما اتفق فی قضيّة الحرّة،

وقيل: أن الخلاف كان فی الصّدر الاَول ثم انعقد الإتّفاق على المنع، اهـ۔

اور "**من مات وليس فی عنقه بيعة**" میں جیسے بیعت کرنے کے بعد قلادۂ بیعت گردن سے نکال دینے کی صورت داخل ہے اسی طرح قدرت کے باوجود بیعتِ امامت نہ کرنا بھی داخل ہے، اقامتِ امام واجبات میں ہے، **قال التفتازانی فی شرح العقائد (ص ۱۰۹) ثم الإجماع على أن نصبَ الإمام واجب .اهـ۔**

یہ امر شرعی ہے جو حدیث بالا اور اس جیسی دوسری احادیث سے ثابت ہے اور دل سے اس کا ارادہ بھی رکھنا چاہئے اور حسبِ مقدور کوشش بھی کرے، لیکن لفظی کوشش اور محض پروپیگنڈہ جیسا کہ مولانا مودودی کے ہمنوا کرتے ہیں کچھ مفید نہیں۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ یوم الجمعۃ ۲۳ محرم ۱۴۰۵ھ

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆ ○○○ ◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

سوال:

کیا ”النکاح من سنتی فمن رغب...“ پوری ایک حدیث ہے؟ ”أنت ومالک لأبیک“ کہاں ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) حدیث ”النّکاح من سنّتی فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“ زبان زدخواص بلکہ عوام ہے اور بعض فقہاء جیسے ابوالقاسم الرافعی صاحبِ فتح العزیز نے اسی طرح نقل کی ہے، لیکن ان الفاظ سے کتب حدیث میں موجود نہیں، بلکہ ابن ماجہ (ص۵۶۷/۱) نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے قال النبی ﷺ: ”النّکاح من سنّتی فمن لم یعمل بسنّتی فلیس منّی“، الحدیث، وفی إسناده عیسی بن میمون وهو ضعیف۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی ایک حدیث میں ”لکنّی أصوم وأفطر وأصلّی وأنام وأتزوّج، فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“ وارد ہوا ہے، اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ لفظِ مشہور مجموعی طور پر کہیں نہیں ہے بلکہ دو حدیثوں سے مرکب ہے، جزءاول ابن ماجہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے اور جزء ثانی صحیحین کی حدیث کا۔

مسند احمد کی طرف لفظِ مشہور کی نسبت وہم ہے۔

(۲) حدیث ”أنت ومالک لأبیک“ ابن ماجہ نے (ص۴۴/۲) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے جو مسند احمد (ص۱۷۹/۲) اور ابوداود (ص۲۹۵/۴) میں بلفظ ”أنت ومالک لوالدک“ وارد ہے۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆○○○◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

سوال:

کیا حضور ﷺ کے یہاں بھی اعمال کی پیشی ہوگی؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

اللہ تعالیٰ کے یہاں پیر و جمعرات کو اعمال کی پیشی تو سنن کی روایت میں ہے: عن أبی هریرةؓ قال: قال

رسول الله ﷺ: ”تعرض الاَعمال يوم الاِثنين والخميس، فأحبّ أن يُعرض عملی وأنا صائم“ رواه الترمذی (ص۹۳ / ۱) مشكوة (ص ۱۸)۔

وعن أسامةؓ: ”رأيت رسول الله ﷺ يصوم يوم الاِثنين والخميس، فسألته فقال: إن الأعمال تعرض يوم الاِثنين والخميس، فأحبّ أن يُرفع عملی وأنا صائم“، أخرجه النسائی وأبو داود وصحّحه ابن خزيمة (فتح الباری ص ۲۳۶ / ۴)۔

حضور ﷺ کے یہاں اعمال کی پیشی بعض روایات میں تو آتی ہے لیکن صرف جمعہ کو،

أخرج الحكيم الترمذی فی نوادر الأصول من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ: ”تعرض الأعمال يوم الاِثنين والخميس على الله تعالى، وتعرض على الاَنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضًا وإشراقًا، فاتقوا الله عباد الله ولَا تؤذوا موتاكم“، (التذكرة ص ۵۵ وشرح الصدور ص ۱۱۵) ولكن عبد الغفور ضعيف۔ كتبه محمد يونس عفى عنه

* * *

خواب میں بحالتِ ایمان حضور اقدس ﷺ کی زیارت

سوال:

(۱) اگر کسی شخص کو حالت ایمان میں خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہو تو ایسے شخص کیلئے حدیث میں کوئی بشارت وارد ہوئی ہے کہ نہیں؟ جیسے کہ وہ آخرت میں حضور اقدس ﷺ کیساتھ ہوگا یا اور کوئی بشارت صحیح حدیث سے ملتی ہو تو لکھ کر بھیجنے کی کوشش کریں۔

(۲) دوسری بات یہ کہ بخاری شریف کی یہ حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو مجھ کو خواب میں دیکھے گا وہ مجھکو بیداری میں ضرور دیکھے گا، کی تشریح وتفسیر لکھ کر بھیجنے کی کوشش کریں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) حضور اقدس ﷺ کی زیارت بڑی زبردست سعادت ہے، حدیث شریف میں ہے ”من رآنی فی المنام فقد رآنی“ یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا ہے، ایک روایت میں ”فقد رأی

الحقّ‘‘ ہے یعنی یہ خواب اضغاث واحلام نہیں۔

البتہ اگر آپ ﷺ کو اصلی شکل میں دیکھے تو آپ ﷺ ہی کو دیکھا، ورنہ وہ خواب محتاج تعبیر ہے، اگر اچھی حالت میں دیکھے تو دیکھنے والے کے دین کی اچھائی یا اس کے مقصد میں کامیابی کی بشارت ہے، اور اچھے حال میں نہ دیکھا تو معاملہ برعکس ہے۔

اس کے بعد ایک روایت نظر پڑی جو بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

ویروی عنه ﷺ أنه قال: ’’من صلّى على روح محمد فى الأرواح وعلى جسده فى الأجساد وعلى قبره فى القبور رآنى فى منامه، ومن رآنى فى منامه رآنى يوم القيامة، ومن رآنى يوم القيامة شفعت له، ومن شفعت له شرب من حوضى، وحرّم الله جسده على النار‘‘.

ذكره أبو القاسم السبتى فى كتابه ’الدّر المنظّم فى المولد المعظّم‘ له، لكنّى لم أقف على أصله إلى الآن، كذا فى القول البديع (ص ۴۳).

(۲) حدیث بخاری شریف **’’من رآنى فى المنام فسيرانى فى اليقظة‘‘** کے محمل میں اختلاف ہے،

علامہ ابو عبد اللہ المازری کی رائے ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، یعنی اگر کسی نے آپ کی حیات میں آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اس کو بیداری میں آپ کی زیارت نصیب ہوگی، بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کل قیامت میں اس کی تعبیر دیکھے گا اور حضور اقدس ﷺ کی شفاعت اور خاص قرب پائے گا۔

قاضی ابن العربی کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ اس کی تعبیر بیداری میں دیکھے اس لئے کہ یہ خواب حق ہے،

اور بعض کہتے ہیں کہ جس کو حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا اشتیاق ہو اور خواب میں آپکو دیکھ لے تو بیداری میں ایسی طمانینت وتسلی حاصل ہوگی جیسے بیداری ہی میں دیکھ لیا ہو **وقيل غير ذلك**۔

محمد یونس عفی عنہ

◆ ◆ ◆

رمضان میں تہجد کی جماعت کا مسئلہ

سوال:

کیا رمضان میں تہجد کی جماعت کے بارے میں کوئی روایت ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

رمضان میں تہجد میں جماعت کی کوئی صریح روایت تو نہ یاد ہے اور نہ ہی تلاش کرنے کے بعد ملی، ہاں تہجد میں گاہے کسی کا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کھڑا ہونا وارد ہوا ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال: ”صلّیت مع النبی ﷺ لیلةً فلم یزل قائماً حتی هممت بأمرِ سوءٍ، قلنا: ما هممتَ؟ قال: هممتُ أن أقعد وأذر النبی ﷺ“، رواه البخاری (ص ۱۵۳/۱) ومسلم (ص ۲۶۴/۱)۔

وعن حذیفةؓ قال: ”صلّیت مع النبی ﷺ ذات لیلةٍ فافتتح البقرة، فقلت: یرکع عند المائة ثم مضی، فقلت: یصلی بها فی رکعة فمضی، فقلت: یرکع بها، ثم افتتح النساء فقرأها ثم افتتح آل عمران فقرأها، یقرأ مترسّلاً، إذا مرّ بآیة فیها تسبیح سبّح“، الحدیث، رواه مسلم (ص ۲۶۴/۱)۔

ہاں بعض روایات کچھ اجمال کے ساتھ وارد ہوئی ہیں جن کو محدثین قیامِ رمضان پر محمول کرتے ہیں، اور بعض متاخرین علماء کا خیال ہے کہ وہ تہجد کی نماز ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: **”إن رسول اللہ ﷺ خرج لیلةً من جوف اللیل، فصلّی فی المسجد وصلّی رجال بصلوته، فأصبح النّاس فتحدّثوا، فاجتمع أکثر منهم فصلّی فصلّوا معه، فأصبح الناس فتحدّثوا، فکثر أهل المسجد من اللیلة الثالثة، فخرج رسول اللہ ﷺ فصلّی فصلّوا بصلوته، فلما کانت الرابعة عجز المسجد عن أهله حتی خرج لصلوة الصبح، فلمّا قضی الفجر أقبل علی الناس فتشهّد ثم قال: أما بعد فإنّه لم یخف علیّ مکانکم ولکنّی خشیت أن تُفترض علیکم فتعجزوا عنها، فتوفّی رسول اللہ ﷺ والأمر علی ذلک“، رواه البخاری (ص ۲۶۹/۱) ومسلم (ص ۲۵۹) وابوداود (ص ۳۰۲/۲)۔**

وأخرج أحمد وابن أبی شیبة (ص ۳۹۴) وأبوداود (ص ۳۰۳/۲) والترمذی والنسائی (ص ۱۲۳/۱) ومحمد بن نصر عن ابی ذرؓ قال: ”صمنا مع رسول اللہ ﷺ رمضان، فلم یقم بنا شیئاً من الشّهر حتی بقی سبع، فقام بنا حتی ذهبت ثلث اللیل، فلما کانت السادسة لم یقم بنا،

فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل، فقلت: يا رسول الله! لو نفّلتنا قيام هذه الليلة؟ قال فقال: إن الرجل إذا صلّى مع الإمام حتى ينصرف حُسب له قيام ليلةٍ، قال: فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونسائه والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح، قال قلت ما الفلاح قال: السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر"۔

ان دونوں روایتوں کو اہل فن محدثین نے قیام رمضان پر محمول کیا ہے۔

ایک اور روایت ہے جس کو بعض لوگ نص فی الباب سمجھتے ہیں:

عن قيس بن طلق قال: "زارنا طلق بن عليؓ في يوم من رمضان وأمسٰى عندنا وأفطر، ثم قام بنا تلك الليلة وأوتر بنا، ثم انحدر إلى مسجده فصلّى بأصحابه حتى إذا بقي الوتر قدّم رجلاً فقال: أوتِر بأصحابك فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول لَا وتران في ليلةٍ"، رواه أبوداود (ص ۲/۳۳۲) والنسائي (ص ۳۴۷) وابن خزيمة۔

حضرت گنگوہی فتاوی رشیدیہ میں (ص ۳۱۱) حضرت طلق کی مسجد کی نماز کو صلوۃ تہجد پر محمول فرماتے ہیں، لیکن حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے بذل المجہود میں اس کو تراویح ہی پر محمول فرمایا ہے، آگے عبارت آرہی ہے، صاحب المنہل کا رجحان بھی یہی ہے، وہ تکرار پر محمول کرتے ہیں، اور مسئلہ مذکور فی الحدیث کو **اقتداء المفترض بالمتنفل** پر محمول کرتے ہیں۔ ان کا اصل کلام المنہل (ص ۸/۷۷) میں دیکھا جائے۔

ہمارے حضرت سہارنپوری فرماتے ہیں (ص ۲/۳۳۳) :

أما أداء طلق بن عليّ صلوة التراويح مرّتين، فيمكن أن يوجّه أنه صلّى عند ابنه قيس بن عليّ بعضها مع الوتر ثم صلّى ما بقي منها بأصحابه في مسجده، انتهى۔

لیکن کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ پیشگی وتر پڑھنے کا کوئی سوال نہیں ہوتا، طلق بن علیؓ افطار کے وقت اپنے بیٹے قیس بن طلق کے یہاں موجود تھے تو ظاہر ہے کہ تراویح میں ابتدا ہی سے شامل ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۷ شوال ۱۴۰۵ھ

* * *

حیاۃ الصحابہ سے متعلق مختلف سوالات

(محترم مولانا عبداللہ طارق دہلوی مظاہر علوم کے قابل فضلاء میں ہیں۔ کسی زمانہ میں وہ حیاۃ الصحابہ پر تحقیقی کام کررہے تھے۔ اس سلسلہ میں مختلف اوقات میں حضرت الاستاذ مدظلہ سے باربار رجوع فرماتے رہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سے سوالات آچکے ہیں جنکے تحقیقی جوابات پچھلے صفحات میں موجود ہیں۔ اب بقیہ سوالات کو نمبروار مسلسل ایک ساتھ نقل کیا جارہا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں اور بالخصوص حیاۃ الصحابہ کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے ان جوابات کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

نوٹ: مرتب نے سوال وجواب کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے متعلقہ سوال کی پوری عبارت اولاً نقل کی ہے)

أبو شبیل عوف بن أبی حیّۃ یا عوف بن أبی جمیلۃ

(۱) **سوال**:

قالوا: ورجل اشتری نفسه یعنون عوف بن أبی حیّة الأحمسی أبا شُبیل، حیاة الصحابة باب الصوم فی سبیل الله (ص ۱/۴۶۳)۔

عوف بن ابی حیّہ ابوشبیل یہ نام ٹھیک ہے؟

ابوشبیل مصغر ہے یا مکبر؟ تاریخ کبیر بخاری (ص ۴/۲۵۸) میں عوف بن ابی جمیلہ ابوسہل ہے، یہ کہیں اسکا مصحّف تو نہیں؟ یہ راوی حیاۃ الصحابہ میں (ص ۱/۴۶۳) میں آیا ہے۔

جواب:

حیاۃ الصحابہ میں حافظ ابن حجر کی الاصابۃ سے عوف بن ابی حیّہ ابوشبیل الاحمسی نقل ہوا ہے اور اسی طرح الاصابہ میں ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کا ایک مطبوعہ ناقص نسخہ میرے پاس ہے، اسمیں (ص ۵/۳۰۳) پر اثر تو ہے لیکن عوف بن ابی حیّہ کا کوئی تذکرہ نہیں، لیکن جو نقل ہوا ہے وہ صحیح ہے۔

انکے بیٹے شبیل کے ترجمہ میں امام بخاری (ص ۲/۲۵۸) ابن ابی حاتم (ص ۳۸۱/ ۲ق۱) نے لکھا ہے

شبیل بن عوف بن أبی حیّة أبو الطفیل الأحمسی، زاد ابن أبی حاتم: البجلی أدرک الجاهلیة، قال البخاری: قال أبو أسامة: وربما قال إسماعیل بن أبی خالد: شبل، وکان یقال: قد أدرک النبی ﷺ، انتهی مختصرًا۔

پھر یہ یعقوب الفسوی کی تاریخ میں (ص ۲۳۰/۲) اور انہیں کی سند سے سنن بیہقی میں (ص ۴٦/۹) ملا، اس کے آخر میں ہے والمقتول هو عوف بن أبی حيّة وهو أبو شبل، بیہقی کے حاشیہ کے نسخہ میں اسی طرح ہے اور یہی درست ہے، اور متن میں عوف بن ابی حمید چھپا ہے وہ غلط ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ شخص مسئول عنہ عوف ابن حیّہ الاحمسی ہیں، قبیلہ بُجیلۃ سے تعلق نسبی ہے اور ان کو ابو شُبیل اور ابو شِبل دونوں ہی کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ ان کے بیٹے کے نام میں دونوں روایتیں ہیں،

امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں (ص ۵۸/۴ق۱) پر جن کا تذکرہ کیا ہے وہ عوف بن أبی جميلة الأعرابی أبو سهل عبدی ہیں جو صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں، بہت بعد کے آدمی ہیں، حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا تو حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پانے کا کیا سوال ہوتا ہے۔

مجمّع بن جارية يا مجمّع بن حارثة

(۲) سوال:

مجمع بن جاریہ کے علاوہ کوئی مجمع بن حارثہ بھی ہیں؟ بظاہر تو کوئی نہیں،

جواب:

صحابہ میں مجمع بن حارثہ کوئی نہیں۔

جند بن مکیث کی تحقیق

(۳) سوال:

کیا کوئی راوی و صحابی (جندب نہیں) جند بن مکیث ہے؟

جواب:

صحیح جندب بن مُکیث ہے، مشہور صحابی ہیں، ان کا قصہ ابو داود (بذل ۱۴/۴) وغیرہ میں ہے،
جند بن مکیث کوئی صحابی نہیں۔

ابو جہاد صحابی کی تحقیق

(۴) **سوال**:

ابو جہاد صحابی کا نام ونسبت اور صحیح ضبط کیا ہے؟

جواب:

یہ صحابی غیر معروف الاسم ہیں، میرے پاس موجودہ کتابوں میں ان کا تذکرہ صرف ابو بشر الدولابی کی کتاب الکنٰی میں (ص ۱/۲۳) اور تجريد أسماء الصحابة للذهبی اور الاِصابة میں ہے، ذہبی نے اشارہ کیا ہے کہ ابن مندہ ابو نعیم نے ان کو اپنی کتاب المعرفة میں ذکر کیا ہے۔

لیکن کسی نے کوئی نام نہیں لکھا، امام بخاری نے کتاب الكنى میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعديل میں اور ابو حاتم بن حبان نے اپنی تاریخ میں تو ان کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔

جہاد بكسر الجيم ہی ہوگا اسلئے کہ محدثین کا طرز یہ ہے کہ معروف الاوزان الفاظ میں ضبط چھوڑ دیتے ہیں، اگر غیر معروف وزن ہو یا اشتباہ کا اندیشہ ہو تو ضبط کرتے ہیں، کسی کے کلام میں ضبط نہیں ملا۔

ضغينة کی تحقیق

ثم ذكر عن عائشةؓ قالت قدمنا مهاجرين فسلكنا فی ثنيّة ضعينة فنفر جمل كنت عليه نفورًا منكراً، حياة الصحابة باب هجرة النساء والصبيان (۱/۳۵۵)۔

(۵) **سوال**: مجمع الزوائد (ص ۹/۲۲۸) کی روایت میں ہے "فسلكنا فی ثنيّة ضعينة"، یہ ضعينة شاید الضغنة ہوگا جو عسرة المرور کے مفہوم میں ہے، یہ روایت ذرا فرق سے مستدرک (ص ۴/۴) میں بھی ہے۔

میرا قیاس درست ہے یا ضعینہ ہی درست ہے؟ اگر ضعینہ یاء کے ساتھ ہی ہے تو کیا مراد ہے؟

یہ روایت حیاۃ الصحابہ طبع حیدر آباد میں (ص ۱/۳۵۵) پر اور طبع دار القلم میں (ص ۱/۵۵۰) پر ہے۔

جواب:

اس لفظ کی پوری تحقیق نہیں ہو سکی، ممکن ہے کہ ضغينه بالضاد والغين المعجمتين ہو جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، لیکن تھوڑا سا تأمل یہ ہے کہ یہ لفظ ثنيّة کی صفت بن رہا ہے اور ضغينه دابّة عسرة الاِنقياد کیلئے آئے

گا، فإنّ الضّغن فی الدابّة أن تکون عسرة الإِنقیاد کما فی النهایة۔ بظاہر صعبة ہے دشوار کے معنی میں، واللہ اعلم۔

”لتردنه حافیًا ولترکبنّه قائمًا“

ولقد رأیتنی وإنّی لأجیر لابن عفّان وابنة غزوان بطعام بطنی وعقبة رجلی أسوق بهم إذا رکبوا وأخدمهم إذا نزلوا، فقالت لی یوما: لتردنّه حافیًا ولترکبنّه قائمًا، قال: فزوّجنیها الله بعد ذلک، فقلت لها: لتردنّه حافیةً ولترکبنّه قائمةً، (حیاة الصحابة باب جوع أبی ہریرةؓ ص ۱/۲۹۹)۔

(۶) **سوال**:

”لَتَرِدَنَّهُ حافیًا ولترکبنّه قائمًا“ اسی طرح اگلی سطر میں ”لتردنّه حافیةً ولترکبنّه قائمةً“ (ابن سعد ص ۵۳/ ۴ق ۲ حیاة الصحابہ طبع حیدرآباد ص ۱/۲۹۹ وطبعة الدار ص ۱/۴۶۸)

اس عبارت میں کوئی تصحیف وتحریف تو نہیں؟ مراد کیا ہے؟ حافیًا اور حافیةً اسی طرح قائمًا اور قائمةً انسان سے حال ہے، تو اشکال یہ ہے کہ ترکبنّه سے مراد سوار ہونا ہے، تو اسمیں نئی بات کیا ہوئی؟ سوار ہوتے وقت آدمی کھڑا ہی تو ہوتا ہے اور یہ حال ہے سواری سے تو دونوں جگہ صفت یکساں ہونی چاہئے تھی۔

جواب: یہ عبارت طبقات ابن سعد کے قدیم وجدید (ص ۳۲۶/ ۴ و ص ۳۲۷/ ۴) نسخوں میں اسی طرح ہے، آپ کا اشکال بظاہر معقول ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ ”لتردنّه حافیًا“ میں فاعل سے حال ہے اور ”لترکبنّه قائمًا“ میں مفعول سے، اور عبارت میں یہ انداز بر بنائے مزاوجت اختیار کیا گیا ہے جیسے غدایا وعشایا میں عشایا عشیة کی جمع ہے، اس کی مناسبت سے غدوة کی جمع غدوات لانے کے بجائے غدایا لائی گئی،

لیکن ”لتردنّه حافیةً ولترکبنّه قائمةً“ سے اشکال ہوتا ہے کہ پھر یہاں ذوالحال کی رعایت نہیں، قائمًا ہونا چاہئے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں حافیةً کی مناسبت سے قائمةً کہہ دیا گیا تو ممکن ہے، اور اقرب یہ ہے کہ دونوں جگہ فاعل ہی ذوالحال ہے۔

ایک دوسرے طریق میں طبقات ابن سعد میں (ص ۳۲۶/ ۴) فکانت تکلّفنی أن أرکب قائمًا وأن أردی أو أورد حافیاً، فلمّا کان بعد ذلک زوّجنیها الله فکلّفتها أن ترکب قائمةً وأن ترد أو

تردی حافیة ہے۔ جس میں حال من المفعول کا امکان نہیں ہے، اس صورت میں رکوب قائماً کا مطلب یہ ہوگا کہ سواری کھڑی ہو اسلئے کہ سواری کے کھڑی ہونے کی صورت میں سوار ہونے کیلئے راکب کا قیام لازم ہے، تو گویا قیامِ راکب بول کر جو لازم ہے قیامِ مرکوب جو ملزوم ہے مراد لیا گیا ہے اور سواری کھڑی ہونے کی صورت میں سوار ہونا مشقت کا باعث ہے۔ واللہ اعلم۔

مِمّن القوم، میم پر کیا اعراب ہے؟

(۷) **سوال**:

ایک جگہ کچھ لوگوں سے سوال کیا گیا کہ مِمّن القوم؟ آپ لوگ کون ہیں؟۔ جواب ملا من بنی فلان۔

سوال یہ ہے کہ القوم کی میم پر ضمہ ہوگا یا کسرہ؟ مجھے ضمہ معلوم ہوتا ہے۔

جواب:

مِمّن خبر مقدم ہے اور القوم مبتدا مؤخر، لہٰذا قوم کی میم مرفوع ہوگی۔

(۸) **سوال**:

مسند احمد (ص ۲۵۷/ ۴) میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کی پھوپھی کا قول ہے واللہ لولَا أتیت هذا الرجل، اس میں 'لَا' مسند احمد میں ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو یہ کاتب کی غلطی تو نہیں؟ بظاہر یہاں 'لا' غلط ہے۔

جواب:

یہ تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ ہی کا قول ہے، ان کی پھوپھی کا قصہ دوسرا ہے جو (ص ۳۷۸/ ۴) پر ہے، 'لا' صحیح ہے، یہاں 'لولَا' تندیم کیلئے ہے، لفظ 'لوْ' تمنائیہ جب 'لا' پر داخل ہوتا ہے تو تندیم و تحضیض کے لئے مفید ہے، ماضی پر داخل ہو تو تندیم یعنی عمل نہ کرنے پر کوتاہی و کمی دکھانے کیلئے ہوتا ہے جیسے ﴿لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾۔

اور اگر مضارع پر داخل ہو تو تحضیض و ترغیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾۔

حریدۃ جبل کی تحقیق

’عن أنسؓ أن رسول الله ﷺ استعمل المقداد بن الأسودؓ علی حریدة جبل، فلمّا قدم قال: کیف رأیت‘ الخ، حیاة الصحابة باب الإِنکار عن قبول الأمانة (ص۴۸/ ۲)۔

(۹) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۴۸/ ۲ وطبع دار القلم ص ۱۷۰/۱) میں ہے استعمل المقداد بن الاَسودؓ علی حریدة جبل یہ نشان زدہ عبارت حیاۃ الصحابۃ میں اور مجمع الزوائد (ص ۲۰۱/ ۵) میں اسی طرح سے ہے بے نقطہ، اصابہ اور حلیہ وغیرہ میں یہ لفظ نہیں ہے، اگر کہیں یہی روایت آئی ہو تو اس کے نقطوں کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

جواب:

حضرت انسؓ کی حدیث کے اصل الفاظ ”إن رسول الله ﷺ استعمل المقداد بن الاَسود علی جریدة خیل“ ہے، مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہے اور اہمال واقع ہوگیا، جریدۃ کے نقطے چھوڑ دئے اور خیل کا جبل بنا دیا، کشف الاستار میں (ص ۲۴۲/ ۲) صحیح چھپا ہے، جریدۃ گھوڑے سوار یا گھوڑے سواروں کی جماعت جن میں کوئی پیادہ نہ ہو، قال فی القاموس: الجریدة خیل لَا رَجالة فیها، ولم یتعرّض صاحب النهایة عن هذا الحدیث، مجمع الزوائد میں اس حدیث کے بعد حضرت مقدادؓ کی حدیث: ”بعثنی رسول الله ﷺ مَبعثاً“ بھی اسی مضمون کی ایک تعبیر ہے، کسی سریہ کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا عامل بنا کر نہیں۔

معاجر عامری یا مہاجر عامری کون ہے؟

’أخرج الدینوری وابن عساکر عن معاجر العامری قال: ”کتب علی بن أبی طالبؓ عهدًا لبعض أصحابه علی بلد فیه“ الخ حیاة الصحابة باب وصایا علی بن أبی طالبؓ (ص۱۱۷/ ۲)۔

(۱۰) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۱۷/ ۲ و طبع دار القلم ص ۲۸۱/ ۲) میں صحابی کا نام معاجر عامری ہے، اس میں ضرور تحریف ہوگئی ہے، یہ میرے خیال میں مہاجر ہے اور یہ علم نہیں بلکہ وصف ہے، اور اس سے مراد سکران بن عمرو عامری ہیں جو مہاجرین حبشہ میں سے ہیں (اصابہ ص ۵۹/ ۲ قسم اول صرف سین)، کیا میرا گمان صحیح ہے؟ یا پھر جو صحیح ہو وہ تحریر فرمائیں۔

جواب:

یہ لفظ اس طرح منتخب کنز العمّال (ص ۵۸/ ۵) حیاۃ الصحابہ کے مأخذ میں بھی معاجر العامری واقع ہوا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ مہاجر العامری ہے، کنز العمال کے حاشیہ میں (ص ۱۶۵/ ۱۵) اسی طرح کنز العمال کے بعض غیر مطبوعہ نسخ اور الجامع الکبیر کے حوالہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور مطبوعہ کنز العمال میں یعنی قدیم وجدید میں اصل میں مہاجر بن عامری واقع ہوا ہے جو غلط ہے، مہاجر العامری کا ترجمہ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بہت مختصر سا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں (ص ۳۸۱/ ۴ق):

مهاجر بن شمّاس العامری عن عمّه روى عنه فضيل بن غزوان الخ، وقال ابن أبی حاتم (ص ۲۶۱/ ۴ق): مهاجر بن شمّاس هو مهاجر العامری كوفی روى عن عمّه، روى عنه فضيل بن غزوان، سمعت أبی يقول ذلک، ثم نقل عن يحيىٰ بن معين قال: مهاجر العامری ثقة، السكران بن عمرو العامری من ولد عامر بن لؤىّ مراد نہیں، وہ تو عہد نبوی میں وفات پا گئے تھے اسلام کی حالت میں مکہ میں كما هو الأصحّ وعليه ابن إسحاق وغيره، یا حبشہ میں نصرانی ہوکر كما عليه أبو عبيدة، بہرحال وہ ہرگز مراد نہیں۔

ابو شُبیل یا ابو شِبل مکبرًا ہے یا مصغر؟

(۱۱) **سوال:**

عوف بن ابی حیّہ ابو شبیل الاحمسی میں شبیل مصغر ہے یا مکبر؟

جواب:

عوف بن ابی حیّہ کو ابو شبیل اور ابو شبل دونوں کہہ سکتے ہیں، عوف کے بیٹے کے نام میں دونوں قول ہیں، پہلے خط میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے، الاصابہ میں ابو شبیل اور تاریخ الفسوی اور سنن بیہقی میں ابو شِبل ہے۔

فقال کے بجائے فقلت ہے

(۱۲) **سوال:**

أخرج البزار عن ابن عمرؓ قال: "حضرتنى هذه الآية ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ الخ، فقال: هی حرّة

لوجه الله" الحديث یہ خط کشیدہ لفظ مجمع الزوائد (ص۳۲۶/ ۶) میں اسی طرح ہے جبکہ مستدرک (ص۵۶۱/ ۳) میں 'فقلت' ہے اور یہی اظہر ہے، دیکھنا یہ ہے کہ درِّ منثور یا کہیں اور بزار ہی کی روایت میں فقلت ہے؟

جواب:

مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی، حافظ ابن کثیر نے (ص۱/۳۸۱) میں یہ حدیث مسند بزار سے سند و متن کے ساتھ نقل کی ہے، اسمیں 'فقلت' ہی ہے۔ پوری روایت مع السند یہ ہے:

حدثنا زياد بن يحيىٰ الحسانی حدثنا يزيد بن هارون حدثنا محمد بن عمرو عن أبی عمرو بن حماس عن حمزة بن عبد الله بن عمر قال قال عبد اللهؓ: "حضرتنی هذه الآية ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ فذكرت ما أعطانی الله، فلم أجد شيئًا أحبّ إلیّ من جارية لی رومية، فقلت: هی حرّة لوجه الله، فلو أنّی أعود فی شئی فعلته لله لنكحتُها يعنی تزوّجتها"، انتهی ما نقله الحافظ ابن كثير، علامہ سیوطیؒ نے الدر المنثور میں (ص۵۰/ ۲) یہی روایت نقل کی ہے اور عبد بن حمید اور بزار کی طرف نسبت کی ہے، اس میں بھی "**فقلت هی حرّة لوجه الله**" ہے اور اس میں "**فلم أجد شيئًا أحبّ إلیّ من مرجانة جارية لی**" روایت ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

فانفلت کے بجائے فانقلب ہے یا نہیں؟

(۱۳) **سوال**:

مجمع الزوائد (ص۳۲ و ۳۳/ ۷) میں ہے **عن أبی عقيل: "أنّه بات يجرّ الجرير علی ظهره علی صاعين من تمر، فانفلت بأحدهما إلی أهله"**۔

یہ روایت اصابہ میں طبری کے حوالہ سے اور دوسرے ماخذ میں مختلف الفاظ سے ہے، مگر نشان زدہ لفظ صرف طبرانی کی روایت میں ہے اور بظاہر یہ **فانقلب** کا مصحّف ہے، اگر طبرانی کے الفاظ درِّ منثور وغیرہ میں ملیں تو یہ لفظ ملنے کی توقع ہے، یہ سورۂ توبہ کی ۷۹ ویں آیت ﴿أَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ﴾ کی تفسیر کے تحت ہوگی۔

جواب:

علامہ سیوطیؒ نے **الدرّ المنثور** (۲۶۲/ ۳) میں لکھا ہے:

أخرج ابن أبی شيبة وابن جرير وابن أبی حاتم والبغوی فی معجمه والطبرانی وأبو الشّيخ وابن مردوديه وأبو نعيم فی المعرفة عن أبی عقيل قال: "بتّ أجُرّ الجرير علٰی ظهری علٰی صاعين من تمر، فانقلبت بأحدهما إلٰی أهلی يتبلّغون به، وجئت بالآخر إلٰی رسول الله ﷺ أتقرّب به إلی ربّی، فأخبرته بالذی كان، فقال: أنثره فی المسجد، فسخر القوم وقالوا: كان الله غنيا عن صاع هذا المسكين۔ فأنزل الله ﴿أَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ الآية۔

حافظ ابن کثیر نے یہی حدیث بروایۃ ابن جریر طبری انہیں الفاظ سے نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے: رواه الطّبرانی الخ ، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں (۸/۳۳۱) طبرانی، طبری، باوردی کا حوالہ ذکر کیا ہے لیکن طبرانی کے خاص الفاظ نہیں لکھے، 'فانفلت' مصحف ہے، صحیح 'فانقلب' ہے، صاحب مجمع الزوائد نے صرف طبرانی کا حوالہ دیا ہے، طبرانی کی عادت ہے کہ وہ روایت کے مختلف الفاظ بعض اوقات درج کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض میں 'فانقلبت' اور بعض میں 'فانقلب' ہو، کسی نے صرف طبرانی کے حوالہ کے وہ الفاظ نہیں لکھے جو صاحب مجمع نے ذکر کئے ہیں۔

"فرض لمن شهد أحدًا ثلاثة آلاف" کی تحقیق

(۱۴) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص ۲/۳۰۳ س ۳) میں ہے، "وفرض لمن شهد أُحدًا ثلاثة آلاف"، یہ روایت مسند احمد (ص ۳/۴۷۵) کنز العمال (طبع دوم ص ۴/۳۷۴) میں ہے۔ اسی روایت میں بحوالہ بیہقی أُحــــد کی جگہ الحديبية ہے، (بیہقی ص ۶/۳۴۹)۔

پہلے تو مسند اور بیہقی دیکھنے کی ضرورت ہے اور پھر اگر دونوں میں مذکورہ فرق موجود ہو تو آپ یہ فرمائیں کہ اس کو اختلاف روایات مان کر خاموشی اختیار کر لی جائے یا ان دونوں میں سے کوئی ایک غلط ہے؟

جواب :

مسند احمد (ص ۳/۴۷۵) اور وہیں سے مجمع الزوائد (ص ۶/۳) میں "فرض لمن شهد أحدًا ثلثة آلاف" ہے، اور تاریخ یعقوب بن سفیان الفسوی (ص ۱/۴۶۳) اور وہیں سے بیہقی (ص ۶/۳۴۹) میں اور بیہقی سے کنز العمال میں نقل ہوئی اور اس میں اُحد کی جگہ الحدیبیہ ہے، اس کا عبداللہ بن المبارک پر دار مدار ہے، کہیں اور یہ روایت کسی دوسرے طریق سے نہیں ملی۔

ابن سعد نے طبقات میں (ص۲۹۶/ ۳) ایک روایت نقل کی ہے اس میں: "فبدأ لمن شهد بدراً من المهاجرين والأنصار، ففرض لكل رجل منهم خمسة آلاف درهم فى كل سنة حليفهم ومولاهم معهم بالسّواء، وفرض لمن كان إسلامه كإسلام أهل بدر من مهاجرة الحبشة، ومن شهد أحدًا أربعة الآف درهم لكل رجل منهم" الخ ہے، لیکن عام آثار میں جو ابوعبید نے الاموال (ص۲۸۷) میں اور دوسرے حضرات نے نقل کیا ہے، مہاجرین کیلئے ۵ ہزار اور انصار کیلئے چار ہزار کا ذکر ہے اور یہی راجح ہے۔

مغضب ومعصب کی تحقیق

فقال عمر بن الخطابؓ: "إنک قريب القرابة حديث السن مغضب فى ابن عمک"، حياة الصحابة 'باب قسم عمر الفاروقؓ وتفضيله على السابقة والنسب (ص۲۰۳/ ۲)۔

(۱۵) **سوال**:

حیاۃ الصحابۃ (ص۲۰۳/ ۲ س۱۱) میں جو 'مغضب' ہے یہ اسی طرح مسند احمد (۴۷۵/ ۳) میں ہے۔ اور مجمع الزوائد (ص۳/ ۶) میں 'معصب' ہے، مگر یہ روایت اسد الغابہ میں احمد بن حفص بن المغیرہ کے حالات میں ہے اسمیں 'مغضب' ہے جیسا کہ اس کے حوالے سے میں نے ایک اردو کتاب میں ترجمہ دیکھا ہے وہ ترجمہ مغضب کا ہے،

تو ایک تو اسد الغابہ دیکھ کر اس کی جلد وصفحہ تحریر فرمائیں۔ اور یہ کہ واقعۃً اس میں مغضب ہی ہے،

دوسرے یہ کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں (۱۳۹/ ۴) اس مطلوبہ روایت کا ابتدائی حصہ لکھ کر باقی کے لئے نسائی کا حوالہ دیا ہے، تو نسائی (مجتبیٰ) میں کہاں ہوگی؟ مزید اس میں کیا راجح ہے؟

جواب:

مسند احمد میں (ص۴۷۵/ ۳) تو 'معصب' بالمهملتين ہے، اسی طرح مجمع الزوائد (ص۳/ ۶) میں بھی، لیکن تاریخ الفسوی (۴۶۳/ ۱) میں 'تغضب فى ابن عمک' اور الاستیعاب (۱۲۴/ ۴) میں بطریق النسائی 'تغضب لابن عمک' ہے، اور الکنیٰ للبخاری میں (ص۵۴) 'فغضب فى ابن عمه' ہے۔

الکنیٰ کے الفاظ میں کچھ تقدیم وتاخیر اور تحریف ہے، بعد میں اس کی تصدیق ہوگئی، حافظ ابن کثیر نے البداية والنهاية میں (۱۱۵/ ۷) 'مغضب فى ابن عمک' ذکر کیا ہے اور تاریخ البخاری کا حوالہ دیا ہے، تاریخ سے

مرادالکنی ہے اسلئے کہ وہ تاریخ کا ایک جزء ہے، پھر بخاری کی تاریخ صغیر میں (ص۱/۵۷) علی الصواب ملی اور اس کے الفاظ 'مغضب فی ابن عمک' ہیں، اسی طرح سیر اعلام النبلاء میں بھی ہے (ص۳۷۹)۔

یہ روایت نسائی کی سنن کبری میں ہے **کما ذکرہ المزّی فی تحفة الأشراف** اور کبری ہی کے طریق سے ابن عبدالبر نے استیعاب میں لی ہے جس کا لفظ اوپر نقل ہوا، اسد الغابہ تو نہیں ہے، مدرسہ میں ایک ہی نسخہ ہے اسلئے وہ میرے پاس نہیں۔

عثمان بن عبیداللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبیداللہ کا ابن الاخ کہنا

"وفرض لعثمان بن عبد اللہ بن عثمان وھو ابن أخی طلحة بن عبید اللہؓ ۔ یعنی عثمان بن عبد اللہ ۔ ثمان مائة" حیاة الصحابة باب قسم النبی ﷺ المال و کیف کان قسمه (ص۲/۲۰۱)۔

(۱۶) **سوال**:

ایک معضلہ یہ حل فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ:

حیاۃ الصحابۃ (ص۲/۲۰۱س۱۰) میں حضرت عثمان بن عبیداللہ بن عثمان کو حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا ابن الاخ کہا ہے، اسی طرح (ص۲/۲۰۲س۱۰و۱۱) بالکل مختلف روایت اور مختلف مأخذ میں ہے،

جبکہ الاصابہ (ص۲/۴۶۱) میں عثمان بن عبیداللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبیداللہ کا اخ کہا ہے نہ کہ ابن الاخ۔

پہلی (ص۲/۲۰۲) والی روایت مجمع الزوائد (ص۶/۴) سے ہے، وہاں بھی اسی طرح ہے، اور یہی روایت کنز العمال طبع جدید (ص۵/۳۴۵) میں ہے، اس میں '**فجاءہ طلحة بن عبید اللہ بابنه عثمان**' ہے۔

سوال یہ ہے کہ حیاۃ (ص۲۰۲اور ص۲۰۱) کی روایتیں دو مختلف ماخذ سے ہیں، دونوں میں کیسے غلط ہوا ہے؟

اور بقیہ (ص۲۰۱) والی روایت معمولی لفظی فرق سے نقل کرتے ہیں تو اس میں بھی غلط ہوا تو یہ کیا بات ہے؟

کیا ہم اصابہ کے بیان کو قول فیصل سمجھیں اور ان سب کو غلط سمجھیں؟

بیہقی میں بھی عثمان بن عبیداللہ کو طلحہ بن عبیداللہ کا بھائی ہی کہا ہے اور بداہۃً یہی درست معلوم ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی دقیق بات اور پوشید ہو، توجہ فرما کر حل فرمایئے، کرم ہوگا۔

جواب:

حیاۃ الصحابہ میں عثمان بن عبداللہ مکبّر ہے، اسی طرح مجمع الزوائد، کشف الاستار (ص۲/۲۹۲) میں بھی ہے، اور الاصابہ میں عثمان بن عبیداللہ مصغّر ہے۔

احتمال کے درجہ میں کہا جا سکتا ہے کہ عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کا سلسلۂ نسب عثمان بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عثمان ہے، عبد اللہ کو روایت میں ان کے جد عثمان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور الاصابہ میں عثمان بن عبید اللہ کو ان کے باپ عبید اللہ بن عثمان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

اور کنز العمال اور منتخب الکنز (ص ۱۶۳/ ۲) میں بظاہر تحریف ہوگئی، اصل میں تھا ابن عثمان اور نسبت الی الجد کی گئی اور محرّف ہوکر بابنہ ہوگیا۔

لیکن ایک کھٹک رہ جاتی ہے کہ عثمان بن عبد اللہ بن عثمان کا ترجمہ کہیں نہیں حالانکہ طلحہ کے بھتیجے یا تو صحابی ہوں گے یا تابعی۔

ایک احتمال یہ ہے کہ اصل میں باخیہ ہو اور صحیح عثمان بن عبید اللہ بن عثمان ہو یعنی عثمان کے باپ کا نام عبد اللہ مکبر نہ ہو بلکہ عبید اللہ بالتصغیر ہو۔ اس صورت میں یہ وہی صحابی ہوں گے جنہیں حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔

پھر متعدد کتابوں سے اس کی تصدیق ہوئی۔ امام ابن ابی شیبۃ نے المصنف میں مطوّلا (ص ۳۰۶/ ۱۲) اور انہیں کے طریق سے امام بیہقی نے السنن الکبری میں مختصرًا (ص ۳۵۰/ ۶) عن زيد بن الحباب عن أبي معشر عن عمر مولى غفرة وغیرہ یہی روایت نقل کی ہے، اس میں فجاءه طلحة بن عبيد الله بأخيه عثمان واقع ہوا ہے۔ اسی طرح قاضی ابو یوسف نے الخراج میں (ص ۴۳) عن أبي معشر عن مولى غفرة وغيره یہی روایت مفصل نقل کی ہے اس میں بھی اسی طرح فجاء طلحة بن عبيد الله بأخيه واقع ہوا ہے۔

اقرب یہ ہے کہ یہی من حیث الروایۃ راجح ہے۔

اسلئے کہ روایت کا مدار ابو معشر پر ہے اور ان سے دو شخص قاضی ابو یوسف اور زید بن الحباب بأخيه نقل کرتے ہیں۔ اور بزار (ص ۴۰۷/ ۱) کی روایت میں تنہا حسین بن محمد اس کے خلاف نقل کرتے ہیں، امام طحاوی نے بھی روایت معانی الآثار میں (ص ۱۴۶/ ۲) بطريق محمد بن أبي رجاء الهاشمي عن أبي معشر عن زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر بن عبد الله مولى غفرة نقل کی ہے، اسکے الفاظ سے بھی بھائی ہونا معلوم ہوتا ہے

ہاں دوسری روایت جو حیوۃ الصحابہ میں بحوالہ ابن عساکر ابن اخ واقع ہوا ہے وہ بزار کی روایت کی مؤید ہے لیکن وجدان یہ ہے کہ اول ہی صواب ہے اور اصابہ کا بیان راجح ہے۔

جیش اسامہ کی تعداد

(۱۷) **سوال:**

جیشِ اسامہؓ کی صحیح تعداد کیا ہے؟ یہ تحقیق طلب ہے،

حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۴۱۴) میں کنز العمال (قدیم ص ۱/۱۲۹ وجدید ص ۳/۳۵۰) کے حوالے سے سبع مائۃ ہے جبکہ ابن عساکر (ص ۱/۱۲۴) میں 'ثلاثة آلاف' ہے اس میں صحیح یا راجح کیا ہے؟

براہ کرم تحریر فرمائیں۔ مجھے ثلاثۃ آلاف راجح معلوم ہوتا ہے مگر حوالہ پیش نظر نہیں ہے۔

جواب:

دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ ابن عساکر کی روایت میں پوری تعداد مذکور ہے اور کنز العمال میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جو قریشی تھے،

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں (۸/۱۵۲): **وعند الواقدی أن عدّة ذلک الجیش -أی جیش أسامة- کانت ثلاثة آلاف، فیهم سبعة مائة من قریش"۔ وفیه عن أبی هریرةؓ: "کانت عدّة الجیش سبعمائة"، انتهی۔**

عبد الرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی تحقیق

وأخرج الطبرانی عن عبد الرحمن بن الحارث بن أبی مرداس السلمیؓ قال: "کنا عند النبی ﷺ" الخ۔ حیاة الصحابة باب توقیر النبی ﷺ وإجلاله (ص ۲/۳۰۶)۔

(۱۸) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۲/۳۰۶ س ۳) میں عبد الرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی روایت ہے اور یہ نام بطور صحابی کے لکھا ہے، جبکہ استیعاب و اصابہ میں اس نام کا یا حارث بن ابی مرداس نام کے کسی صحابی کا ذکر نہیں۔

مجھے شبہ ہے کہ کسی جگہ کوئی سقط یا تصحیف ہے، براہ کرم رہبری فرمائیں۔

جواب:

یہاں پر مجمع الزوائد میں تو اسی طرح عبد الرحمٰن بن الحارث بن ابی مرداس واقع ہوا ہے اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے،

لیکن یہی روایت علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں (ص ۹۸/ ۳ فیض) بحوالہ طبرانی نقل کی ہے اور صحابی کا نام عبد الرحمٰن بن أبی قراد لکھا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے الإصابة (ص ۴۱۹/ ۲) میں عبدالرحمٰن بن ابی قراد کے ترجمہ میں بحوالہ أبو نعیم من طریق الحسن بن أبی جعفر الجفری عن أبی جعفر الخطمی عن الحارث بن فضیل عن عبد الرحمٰن بن أبی قراد، والحسن بن أبی جعفر ضعیف، وقد خالفه فیه ضعیف آخر کما سأذکره فی الکنی۔

ثم ذکر فی الکنی (ص ۱۶۰/ ۴): أخرج ابن أبی عاصم وابن السکن من طریق أبی جعفر الخطّی عن عبد الرحمٰن بن الحارث عن أبی قُراد السّلمیؓ قال: ”کنّا عند النبیﷺ فدعا بطهور فغمس یده فیه فتوضأ فتتبّعناه فحسوناه، فلما فرغ قال: ماحملکم علی ما صنعتم؟ قلنا: حبّ الله ورسوله، قال: فإن أحببتم أن یحبّکم الله ورسوله فأدّوا إذا ائتمنتم واصدقوا إذا حدّثتم وأحسنوا جوار من جاورکم“۔ قال الحافظ: ومداره علی عبد الله بن قیس وهو ضعیف، قال: وأحد الطریقین وهم، وأخلق أن تکون هذه –ای طریق الحسن بن أبی جعفر– أولی، انتهی مختصرًا من موضعین۔

عبدالرحمٰن بن ابی قراد کے متعلق ایک روایت میں ابن الفاکہ آیا ہے کما ذکرہ البخاری فی التاریخ (۲۴۴/ ۳) تو بہت ممکن ہے کہ مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہو، اصل میں عبد الرحمٰن بن الفاکه بن أبی قراد ہو یا پھر اصل میں عبد الرحمٰن بن الحارث عن أبی قراد ہو۔

لیکن صاحبِ مجمع الزوائد کا طبرانی کا نسخہ محرف ہو، اور عن ابی قراد کی جگہ بن ابی قراد ہو اور یہی اقرب معلوم ہوتا ہے، اور اگر طریق اول ہوتا تو عبدالرحمٰن کے بعد حارث کے واقع ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا لیکن سیوطی وغیرہ کا اس حدیث کو مسانید عبدالرحمٰن بن ابی قراد میں قرار دینا اور طبرانی کے حوالہ سے نقل کرنا خدشہ پیدا کرتا ہے،

بہت ممکن ہے کہ طبرانی نے عبدالرحمٰن بن ابی قراد کے ترجمہ میں یہ حدیث ذکر کی ہو اور طرق مختلفہ لائے ہوں، متن کا لفظ جس طریق سے وارد ہے اس میں عبدالرحمٰن بن الحارث عن ابی قراد ہو لیکن طبرانی کے عنوان کی رعایت کرتے ہوئے حدیث کو مسانیدِ عبدالرحمٰن بن ابی قراد میں ذکر کیا ہو۔

اور مجمع الزوائد میں جو ابی مرداس واقع ہوا ہے یہ بلا شبہ محرّف ہے، صحیح ابی قراد ہے۔

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی تحقیق

وأخرج ابن سعد (ص ۲۵۴/۱) عن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عبد القارى: "أنه نظر إلى ابن عمرؓ وضع يده على مقعد النبى ﷺ" الخ۔ حياة الصحابة باب توقير النبى ﷺ وإجلاله (ص ۳۱۰/۲)۔

(۱۹) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۳۱۰/۲ س ۹) میں ایک تابعی کا نام ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری ہے، یہ نام التقریب اورلسان کے اصل حصہ میں اور متفرقات میں کہیں نہیں ہے، تاریخ بخاری میں ہے مگر عبدالرحمٰن بین القوسین ہے (ص ۲۶۴/۱)، محشی نے لکھا ہے کہ یہ ابن ابی حاتم وغیرہ سے اور اصل نسخہ مخطوطہ سے اضافہ ہے، اور دوسری جگہ تاریخ بخاری میں (ص ۲۶۷/۱) میں اور تقریب وغیرہ میں ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالقاری ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ عبد اللہ کا عبدالرحمٰن ہو گیا ہو؟

جواب:

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری اور ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالقاری دوراوی الگ الگ ہیں۔

كذا فرّق بينهما البخارى فى التاريخ (۲۹۷/۱) و (۳۰۰/۱)، وأبوحاتم الرازى، وابنه أبو محمد عبد الرحمٰن (ص ۱۰۸/۱ و ص ۱۱۱/۱)، وأبوحاكم بن حبان البستى۔

فالأوّل يروى عن ابن عمر وروى عنه حمزة بن أبى جعفر، كذا قالوا، ولفظ البخارى "رأى ابن عمر"، وزاد فى الرّواة عنه جعفر بن أبى جعفر، زاد ابن حبان قال: "رأيت ابن عمر وضع يده على مقعد النبى ﷺ من المنبر ثم وضعها على وجهه"، وهذا الأثر هو الذى ذكره صاحب حياة الصحابة برواية ابن سعد (ص ۲۵۴/۱)۔

والثّانى قال أبو حاتم: روى عن علىّ مرسل، روى عن ابن عباس، روى عنه الجعيد۔

وقال ابن حبان فى الثقات: روى عن رجل من أصحاب النبى ﷺ روى عنه الجعيد بن عبد الرحمن، وذكر البخارى فى تاريخه (ص ۳۳۰/۱) روايته عن رجل من الصحابة وكذا عن ابن عباسؓ وأبى هريرةؓ، وذكررواية الأوّلَين من طريق الجعيد، وروايته الثالث من طريق عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله بن عبد القارى عن أبيه أو عمّه إبراهيم عن أبى هريرةؓ، وهذا

الراوی أخرج له النّسائی فی عمل الیوم واللیلة، وفی مسند علیّ، وترجم له المزّی فی تهذیب الکمال (ص۵۷/۱) وابن حجر فی تهذیب التهذیب (ص۱۳۴/۱) وتقریب التهذیب وهو ابن عبد الرحمٰن بن عبدالقاری کما ذکره المزّی۔

حطّ درس یا خطّ ورس؟

وأخرج عبد الرزاق عن الحسن: ”أن النبی ﷺ لقی رجلاً مختضبًا بصفرة وفی ید النبی ﷺ جریدة، فقال النبی ﷺ حطّ درس، فطعن بالجریدة بطن الرجل وقال: ألم أنهک عن هذا“ الخ۔ حیاة الصحابة باب تقبیل جسده ﷺ (ص ۳۱۱/۲)۔

(۲۰) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص۳۱۱/۲) ’حط درس‘ ہے، حاشیہ میں مصنفؒ نے ’خط درس‘ درست ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے جیسا کہ اگلے صفحہ پر ہے۔

سوال یہ ہے کہ صحیح لفظ کیا ہے؟ میرے خیال میں خط کے بجائے حط ہی درست ہے چھوڑنے اور ہٹانے کے معنی میں، البتہ ’ورس‘ واؤ سے ٹھیک لگتا ہے، دوسرے یہ کہ ترکیب میں اگر ورس مفعول ہے تو ورساً آنے میں کیا مانع ہے؟ یا الف لام سے کیا مانع ہے؟ اس کی ترکیب اور معنی تحریر کیجئے۔

جواب:

مصنف عبدالرزاق میں (۴۶۶/۹) ’حط ورس‘ ہے اور معنی ظاہر ہے، أی أسقط هذا ورس وهو لَایجوز للرجل، اور بہت ممکن ہے کہ ورس منصوب ہے، لغتِ ربیعہ میں منصوب بغیر الف لکھتے ہیں، طبقات ابن سعد میں (ص۵۱۶/۳) بظاہر ضمہّ ہوگا لیکن واضح نہ ہونے کے سبب کاتب یا طابع نے نقطہ سمجھ لیا۔

ابوسعید کی کتاب شرف المصطفی کی تحقیق

وأخرج أبوسعید النیسابوری فی کتابه شرف المصطفی من طریق ابن إسحاق عن الزهری عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن الخ۔ حیاة الصحابة کتابه ﷺ إلی کسریٰ ملک فارس (ص ۱۱۳/۱)۔

(۲۱) **سوال**:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۱۱۱۳/۱) میں ابوسعید نیساپوری کی کتاب شرف المصطفیٰ کا حوالہ ہے، دشواری یہ پیش آرہی ہے کہ ابوسعید نیساپوری دو ہیں، اور دونوں کی کتابیں شرف المصطفیٰ کے نام سے ہیں۔

ایک عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیساپوری المتوفی سنہ ۴۰۷ھ أنظر الأنساب (ص ۸۵/۵) و (ص ۱۰۱) والأعلام (ص ۱۶۳/۴)۔

اور دوسرے عبدالرحمٰن بن حسن النیساپوری المتوفی سنہ ۳۰۷ھ أنظر الأعلام (ص ۳۰۴/۳) من الرسالة المستطرفة (ص ۵۴)۔

پھر ان کی سنین وفات میں بھی التباس ہے، ایک کا دوسرے کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے،

اصل سوال یہ ہے کہ اس جگہ حیاة الصحابة میں اور الإصابة میں جو حوالہ ہے وہ کون سے مصنف کا ہے؟

شبلی نعمانی نے سیرت النبی میں (ص ۳۶/۱) عبدالملک نیساپوری کی 'شرف المصطفیٰ' کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ الاصابۃ میں بکثرت اس کے حوالے ہیں، شبلی بھی وسیع النظر محقق ہیں مگر للتحقیق مجال واسع، خاص طور پر اسلئے بھی کہ دوسری 'شرف المصطفیٰ' کا ذکر انہوں نے نہیں کیا، انہیں مغالطہ بھی ہوسکتا ہے۔

آپ براہِ کرم اس کی تعیین فرمائیں اور وجوہِ تعیین بھی تحریر فرمائیں۔

واضح رہے کہ ابن الجوزی کی 'شرف المصطفیٰ' جس کا کشف الظنون اور شبلی نے ذکر کیا ہے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔

(نوٹ) ابوسعید پر بھی روشنی ڈالیں کہ ابوسعید ہے یا ابوسعد؟ میرے نزدیک تو ابوسعد راجح ہے۔

جواب:

'شرف المصطفیٰ' حضور اقدس ﷺ کی سیرت سے متعلق ایک کتاب ہے، اس میں حضور پاک ﷺ کے خصائص ومعجزات وخوارق وعادات کا تذکرہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے (۴۳۹/۱): **وقد ذكر أبو سعد النيسابورى فى كتاب شرف المصطفىٰ أن العدد الذى اختصّ به نبينا ﷺ عن الأنبياء ستّون خصلة، وقال السيوطى فى الخصائص الكبرى (ص ۱۸۴/۲): قال أبوسعيد النيسابورى فى شرف المصطفىٰ: الفضائل التى فضّل بها النبى ﷺ على سائر الأنبياء عليهم السلام ستّون خصلة، انتهى۔**

حافظ ابن حجر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں (ص ۶/۵۸۳): **قوله 'باب علامات النبوة فی الاِسلام'، أی من حین المبعث وهلمّ جرًّا دون ما وقع قبل ذلک، وقد جمع ما وقع من ذلک قبل المبعث بل قبل المولد الحاکم فی الاِکلیل وأبو سعید النیسابوری فی شرف المصطفٰی وأبو نعیم والبیهقی فی دلَائل النبوة، اه۔**

حافظ سخاوی نے **الاِعلان بالتوبیخ** میں (ص ۹۱) سیرت کے متعلق کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: **ولأبی سعید النیسابوری شرف المصطفٰی فی مجلدات.** اھ اس میں زہدیات کے مضامین بھی ہیں **کما یستفاد من فهرست ابن خیر الاِشبینی،**

اس کے مؤلف ابوسعد عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیسا پوری ہیں **کما صرّح به ابن خیر فی فهرسته،** ان کا حال ابوعبداللہ الحاکم نے تاریخ نیسا پور اور ابوسعد السمعانی نے الانساب (ص ۵/۱۰۱) اور ابن الاثیر نے لباب الانساب اور ابن السبکی نے طبقات اور یاقوت الحموی نے معجم البلدان (ص ۳/۴۲۲) میں کیا ہے۔

قاضی ابومحمد یحیٰی بن منصور بن عبدالملک، ابوعمرو اسماعیل بن نجید السلمی، ابوعلی حامد بن محمد بن عبداللہ الرفاء، ابوسہل بشر بن احمد الاسفرائینی، علی بن بندار الصوفی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے بھی ایک جماعت ابوعمرو الحسن بن محمد الخلال، ابوالقاسم الازہری، عبدالعزیز بن علی الازجی، ابوالقاسم تنوجی وغیرہ روایت کرتے ہیں، انہیں میں ابوعبداللہ الحاکم کا بھی نام آتا ہے جو خرکوشی سے علم وفضل سن وسال میں بڑے تھے۔

تاریخ نیسا پور میں ان کے زہد وعبادت، مجاہدات ومحبوبیت کا تذکرہ کیا ہے، کہتے ہیں کہ: **تفقّه فی حداثة سنّه علی أبی الحسن الماسَرْجَسِی۔**

سمعانی اور ان کے متبعین لکھتے ہیں **کان عالماً زاهدًا فاضلاً رحل إلی العراق والحجاز ودیار مصر، وأدرک العلماء والشیوخ وصنّف التصانیف المفیدة، صنّف فی علوم الشریعة ودلَائل النبوة وفی سیر العباد والزهّاد۔**

وفات میں اختلاف ہے، الحموی نے معجم البلدان میں ٤٠٦ھ لکھا ہے، اور حافظ ذہبی نے التذکرۃ میں ٤٠٧ھ لکھا ہے۔ حافظ ابوسعد السمعانی (ص ۸۵ و ۵/۱۰۱) اور انہیں کی اتباع میں ابن الاثیر نے لباب الانساب

(ص١/۴٣٦ اوص١/۴٣٢) میں ایک جگہ توفی سنة ستّ وأربع مائة بنیسابور لکھا ہے، اور دوسری جگہ توفی فی جمادی الأولی سنة سبع واربع مائة لکھا ہے۔

والخرکوشی –بفتح المعجمة وسکون الرّاء المهملة وضمّ الکاف، وفی آخرها شین معجمة– هذه النسبة إلی خرکوش وهی سکة بنیسابور کبیرة یقال لها: خرجوش –بالجیم بدل الکاف– قال السمعانی: لَا أدری أبوسعد هذا نسب إلی هذه السکة أو السکة نسبت إلی أبی سعد .اھ

ان کی کنیت ابوسعد "بفتح السین وسکون العین" ہے، اسی طرح "تاریخ نیشابور للحافظ أبی إسحاق إبراهیم بن محمد الصّیرفینی میں (ص١٠٥) جو حافظ ابو الحسن عبد الغافر بن إسماعیل الفارسی کی تصنیف کا اختصار ہے، اورالأنساب للسمعانی (ص٥/٨٥) و(ص٥/١٠١) اللباب لاِبن الأثیر (٣/۴٣٢) و(ص١/۴٣٦) معجم البلدان لیاقوت الحموی (ص۴١٨ و ص٣/۴٢٢) طبقات ابن السبکی (ص٣/٣٨٢) القول البدیع (ص۴٦) والاِعلان بالتوبیخ (ص٩١) کلاهما للسخاوی" میں واقع ہوا ہے۔ اور ابن خیر أشبیلی کی الفهرست (ص٢٨٩) میں اسی طرح ہے لیکن ضبط کسی نے نہیں کیا ہے۔

لیکن الریاض النضرة للمحب الطبری (ص١/۴) تذکرة الحفاظ (ص١٠٦٦) میں کشف الظنون (ص١٠۴٥) کی طرح ابوسعید ہے، اسی طرح سمعانی کی الأنساب کے بعض نسخوں میں ہے۔

الاِصابة اور فتح الباری میں کہیں ابوسعد ہے جیسے فتح (ص١/٣٦) اصابہ (ص١/۴٣٦) اور کہیں ابوسعید ہے جیسے اصابہ (ص۔۔۔) فتح (ص٦/٥٨٣) میں ہے۔

میرے نزدیک راجح ابوسعد ہے کما فی کثیر من المراجع وسیأتی دلیله۔

الف: الاِصابة، فتح الباری، القول البدیع، الخصائص الکبریٰ میں جس کتاب شرف المصطفی کے حوالے ملتے ہیں وہ ابوسعد عبدالملک بن محمد النیساپوری کی تالیف ہے، حافظ ابوبکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاموی الاشبیلی المولود ٥٠٢ھ المتوفی ٥٧٥ھ نے اپنی فہرست میں کتب الزهد والرقائق وما یتصل بها کے عنوان کے تحت لکھا ہے: وکتاب شرف المصطفیٰ تألیف أبی سعد عبد الملک بن محمد الواعظ –رحمه الله– حدثنی به أبو محمد بن عتّاب عن الشیخ أبی محمد عبد الله بن

سعید السنتجالی عن مؤلفہ أبی سعد المذکور، انتھی۔

واضح رہے کہ یہ زہد کی کوئی دوسری الگ کتاب نہیں ہے، ابن خیر نے عنوان بالا کے تحت أخبار مکة للأرزقی ، أخبار مکة وفضائلھا للفاکھی، أخبار مکة والمدینة وفضلھما لرزین بن معاویة العبدری وغیرہ کتب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اسی 'شرف المصطفیٰ' کو علامہ محبّ الدین طبری نے 'شرف النبوة' لکھدیا ہے۔

الریاض النضرة فی مناقب العشرة کے دیباچہ میں کتاب مذکور کے مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وشرف النبوة لأبی سعید عبد الملک بن عثمان الواعظ۔ اسی طرح ابن عثمان الواعظ واقع ہوا ہے جو کاتب کی تحریف ہے، صحیح ابن ابی عثمان ہے کما نقل الملا کاتب الچلپی فی کشف الظنون (ص ۱۰۴۵) عن الکتاب المذکور، اورگمان یہ ہے کہ سمعانی کے کلام میں جس دلائل النبوة کا ذکر آیا ہے اس سے یہی کتاب مراد ہے، واللہ اعلم۔

ب: عبدالرحمٰن بن حسن النیساپوری کی 'شرف المصطفی' کا تذکرہ میری معلومات میں مذکورہ بالا مؤلفین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ سب سے پہلے جس نے لکھا ہے وہ علامہ زرقانی ہیں، صاحبِ الرسالة المستطرفة نے ان کا اتباع کرلیا ہے، اور وہیں سے بعد والوں نے لیا ہے، پہلے محمد بن جعفر کتانی کی الرسالة المستطرفة کی عبارت درج کرتا ہوں پھر زرقانی کی نقل کروں گا۔

قال صاحب الرسالة المستطرفة (ص ۶۱): ومسند أبی سعد –بسکون العین– علی ما ھو الصواب فیہ عبد الرحمن بن الحسن الإصبھانی الأصل النیسابوری، وھو أیضا صاحب کتاب شرف المصطفیٰ الحافظ المتوفّی فی ھذہ السنة (۳۰۷ھ) ، وأیضا ذکرہ الذھبی فی تاریخہ بوصف 'الحافظ' وأغفلہ فی طبقات الحفاظ، انتھی۔

وقال الزرقانی فی شرح المواھب (ص ۱/۱۸۱): وقد ذکر الحافظ أبو سعید عبد الرحمن الحسن الإصبھانی الأصل النیسابوری بفتح النون نسبة إلی نیسابور أشھر مدن خراسان، صاحب المسند وکتاب شرف المصطفی، الثقة، المتوفّی فی سنة سبع وثلاث مائة۔

وقلّد المصنف –أی القسطلانی صاحب المواھب– فی قولہ أبو سعید –بالیاء– السھیلی،

وقد تعقّبه مغلطائی بأنه إنما هو سعد بسكون العين، انتهى۔

وكذا قال صاحب رونق الألفاظ وقال: إن الذهبی ذكره أی بوصف 'الحافظ' فی تاريخه وأغفله من طبقات الحفاظ، انتہی۔

لیکن ان کا تذکرہ میرے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملا، اور غالب گمان ہے کہ یہ وہم ہے، ابن خیر اور محبّ طبری وغیرہ زرقانی اوران کے اَتباع سے اَثبت ہیں، اسلئے انکا قول مقدم ہے۔

حافظ ذہبی نے أبو سعد عبد الملک الخرکوشی النیساپوری کو تذکرة الحفاظ میں ضمناً لیا ہے اور أبو سعد یا أبو سعید عبد الرحمن بن الحسن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ہاں ایک اور عالم ہیں أبو سعيد عبد الرحمن بن الحسين بن خالد القاضی۔

حافظ ذہبی نے سير أعلام النبلاء میں (ص ۲۸۴ / ۱۴) ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ وهذه عبارته: عبد الرحمٰن بن الحسين بن خالد القاضی العلامة شيخ أهل الرأی بخراسان أبو سعيد النسيابوری الحنفی سمع الحسن بن عيسى بن ماسرجس ومحمد بن رافع وعلی بن سلمة اللبقی وسعدان بن نصر وأقرانه ببغداد وأبازرعة وأبا حاتم بالریّ، حدّث عنه ابنه القاضی عبد الحميد وأحمد بن هارون الفقيه وطائفة، قال أبوعبد الله الحاكم: كان إمام أهل الرأی فی عصره بلا مدافعة، قلت: مات فی سنة تسع وثلاث مائة بنيسابور عن نيف وثمانين سنة، اھ۔

ہوسکتا ہے کسی نے اپنے ظن سے 'شرف المصطفى' کو عبد الرحمٰن النیساپوری کی تألیف قرار دیدیا ہو اور تسع کا سبع بن گیا ہو، پھر ابوسعید کا ابوسعد بنادیا ہو واللہ اعلم۔

بہرحال گمان یہ ہے کہ زرقانی اور ان کے اَتباع کا کلام وہم ہے، والعلم عند الله۔

ج: ابوسعد ہی راجح ہے بلکہ صواب ہے وتقدم دليله فی كلام الزرقانی عن مغلطای وصاحب رونق الألفاظ۔

حنین کا لفظ یہاں درست ہے؟

قال الواقدی عن رجاله: وقال سهيل بن عمرو يوم حنين: "لَا يختبرهما محمد وأصحابه" الخ۔ حياة الصحابة، قصة إسلام عكرمة بن أبی جهلؓ (ص ۱۵۷ / ۱)۔

(۲۲) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص ۱/۱۵۷) کی اس عبارت میں جو لفظ 'حُنین' ہے اس پر منتخب کنز العمّال میں علامتِ شک ہے، یعنی یہاں یہ لفظ پتہ نہیں درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے بعد ہی جو **لَا یختبر ھما محمد و أصحابه** ہے اس پر دار القلم کے محشی نے لکھا ہے: **کذا فی الأصل و کنز العمال** گویا انہوں نے اس پر شک کا اظہار کیا ہے،

آپ براہ کرم ان دونوں چیزوں کو دیگر مآخذ میں مراجعت بھی فرمائیں، پھر غور فرما کر لکھیں، کیا درست ہے؟ نیز یہ کہ 'لَا یختبر ھما' سے کون سا اختبار مراد ہے؟

جواب:

یہ روایت کہیں اور نظر نہیں پڑی، سیرت واقدی اور تاریخ ابن عساکر پاس نہیں ہے، حنین بظاہر درست ہے، عکرمہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے ہیں اور بظاہر 'لَا یختبر ھا' ہے، **ھما** کے بجائے **ھا** ہے اور ضمیر ہوازن کی طرف عائد ہے، سہیل کا مطلب یہ ہے کہ محمد اور ان کے رفقاء نے ہوازن کا تجربہ نہیں کیا تھا اب معلوم ہو جائے گا۔

عکرمہ نے جواب دیا کہ محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ طاقت اور تجربہ پر جنگ ہوتی ہے، معاملہ اللہ کی تقدیر پر موقوف ہے، اگر آج ناکامی ہوگئی تو کیا ہوا، کل کامیابی ہو جائے گی، واللہ اعلم، فقط۔

ابن حیّان صحیح ہے یا ابن حبّان؟

(۲۳) **سوال:**

ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن حیّان کو اکثر لوگ ابن حبّان (بالباء الموحدۃ) لکھتے ہیں، یہ غلطی تقریباً ۹۸ فی صد ہے، حتی کہ الترغیب کے ایک قدیم نسخہ (مطبوعہ فاروقیہ دہلی ۱۲۹۹ھ) میں تو جدول الخطاء میں حبان کو صحیح کے خانہ میں اور حیان کو غلط کے خانہ میں لکھا ہے، اور مزید یہ کہ اس پر حاشیہ دیا ہے کہ '**حبان بالموحدة لَا بالتّحتانية فليُعلم**' مگر نصب الرایۃ (ص ۱/۲۷۸) میں صراحۃً الفاظ میں ضبط کیا ہے کہ یہ یاءِ مثناۃ کے ساتھ ہے:

قال القاضی شمس الدین السروجی فی الغایة: روی ابن حیان أنه علیه السلام: "أمر بلالاً أن یجعل إصبعیه فی أذنیه، وهذا لیس ابن حبان صاحب الصحیح، وإنما هو ابن حیان –بالیاء المثناة– أبو الشیخ الاِصبهانی، رواه فی کتاب الأذان وهو جزء حدیثی ظاہر ہے کہ یہ بالکل تحقیقی بات ہے۔ تاہم آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کوئی مزید حوالہ بھی آپ دیں تو بہت بہتر ہے۔

الأعلام میں بھی (ص ۴/۱۲۰) یہ حبّان (بالموحدہ) ہی ہے۔ غالباً آپ کے پاس **انتخاب الترغیب** کی جلد

اول موجود ہے۔ اسمیں میں نے (ص ۱/۲۳۴) پر اس کی مفصل تحقیق لکھی ہے، بس آپ سے مزید اطمینان کرنا ہے، مختصرًا اپنا حاصلِ مطالعہ یا تائید میں کوئی حوالہ ضبط بالا الفاظ لکھ دیجئے۔

جواب:

ابوحاتم بن حبّان اور ابوالشیخ بن حیان میں جو فرق منسوب الیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اول ’حِبّان‘ –بکسر الحاء المهملة وبالموحّدة– اور ثانی ’حَیّان‘ –بفتح الحاء المهملة وبالياء المثنّاة التحتية– ہے، اسی طرح ہمیشہ سے ذہن میں تھا، اور اصل منشا زیلعی ہی کا کلام ہے، انہوں نے صاحبِ ’الغایۃ‘ پر نقد کرتے ہوئے یہ فرق واضح کیا ہے۔

اور وجہ یہ پیش آئی کہ صاحبِ ’الغایۃ‘ نے ابوالشیخ ابن حیان کی ایک روایت جو انہوں نے کتاب الاذان میں درج کی ہے ’روى ابن حيان‘ کہہ کر نقل کردی، حالانکہ محدثین کے یہاں اوّل الذکر ’ابن حبّان‘ کو اس طرح علی الاطلاق ذکر کرتے ہیں اور ثانی الذکر (ابن حیّان) کو ابوالشیخ کے ساتھ یا ابن حیّان کے اضافہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

بہرحال باوجود تتبعِ کثیر کے اپنے پاس موجودہ کتب میں یہ فرق اس وضاحت سے نظر نہیں پڑا۔

ہاں ابوحاتم ابن حبان البستی کے متعلق امیر ابونصر بن ماکولا نے یہی لکھا ہے کہ حاء مہملہ مکسورۃ اور باء موحّدہ سے ہے، (دیکھو الاکمال ص ۳۰۳ و۲/۳۱۶ وص ۳/۳۰۷)، اسی طرح امام نووی نے شرحِ مقدمۂ مسلم (ص ۶) اور سخاوی نے فتح المغیث (ص ۱/۳۵) میں ضبط کیا ہے، لیکن ابوالشیخ اصبہانی کے متعلق اب تک کوئی تصریح نہ مل سکی۔

پھر اتفاق سے الرسالة المستطرفة میں (ص ۳۴) ان کے متعلق بھی تصریح مل گئی، ان کے ترجمہ میں لکھا ہے حیّان بفتح المهملة والتحتيّة، فقط۔

تعزیزاً صحیح ہے یا تقذیراً؟

عن عبد الرحمٰن بن أبی لیلیٰ قال: ”قدم علٰی عمرؓ ناس من أهل العراق فرأى كأنهم يأكلون تعزيزًا، فقال: هذا يا أهل العراق“ الخ۔ حياة الصحابة، زهد عمر بن الخطابؓ (ص ۲/۲۶۶)۔

(۲۴) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۲/۲۶۶) پر ایک لفظ ’تعزیزًا‘ ہے، میں نے مجمع البحار سے مختلف مادوں میں تلاش کرنیکے بعد تقذیرًا (قذر) کو ترجیح دی ہے، وهكذا فی كنز العمّال (طبع جديد ص ۱۴/۲۷۸) ومنتخب الكنز (ص ۴/۴۰۶)۔

اورحلیۃ الاولیاء (ص ۱/۴۹) میں تعزیزًا (عزز) ہے حیاۃ کی طرح۔

تعذیراً (عذر) کا معنی بھی درست ہوسکتا ہے، مگر روایۃً اس کی تائید نہیں ہوتی، کیا میری ترجیح سے آپ کو اتفاق ہے؟

ہاں کنز العمّال طبع جدید کے محشّی کے بقول الجامع الکبیر للسیوطی (رقم الحدیث ص ۲۳۰۳) میں تقدیرًا (قدر) ہے، یہ تو بظاہر غلط ہے۔

جواب:

’تقدیرًا‘ بالقاف والذال کا مطلب تو ظاہر ہے،

اور ’تعزیزًا‘ بزائین معجمین ہونے کی صورت میں کنایہ ہے ناخوشگواری اور تکلف سے کھانے سے، جیسا کہ موٹا کھانا کھانے کے وقت اہل رفاہیت وخوشحال لوگوں کو پیش آتا ہے، کہتے ہیں ’عزّز المطر الأرض‘ ومنها تعزیزًا بعدها۔ جب بارش سے زمین میں جماؤ پیدا ہوجاتا ہے اور اجزاءِ ارض جمع ہوجاتے ہیں، ضخامت کی ایک صورت بن جاتی ہے اور ایک سختی سی آجاتی ہے، موٹے کھانے میں چونکہ خشونت ہوتی ہے اسلئے اس کے کھانے میں کھانے والے کو خوشگواری نہیں ہوتی ہے،

اور تعزیرًا بزائے معجمہ وبراء مہملہ تو تحریف ہے۔

ایک احتمال یہ ہے کہ ’تغریزاً‘ یعنی (بغین معجمة وراء مهملة وزای معجمة فی آخره) ہو، کہا جاتا ہے ’غرّزت الناقة تغریزًا‘ إذا ترک حلبها أو کسع ضرعها بماء بارد لینقطع لبنها أو ترکتْ حلبةً بین حلبتین (قاموس)، اور مقصد یہ ہے کہ رک رک کر کھا رہے تھے، معتاد طور سے نہیں کھا رہے تھے جیسے مرغوب غذا کھائی جاتا ہے، وهذا إنشاء الله أقرب۔

أحفف صحیح ہے یا أحنق؟

عن سعید الجریری عن رجل قال: ”رأیت ابن عباسؓ أخذ بثمرة لسانه وهو یقول: ویحک! قل خیرا تغنم، واسکت عن شر تسلم، فقال له رجل : یا ابن عباس! ما لی أراک آخذًا بثمرة لسانک تقول کذا؟ قال: انّه بلغنی أن العبد یوم القیامة لیس هو علی شیء أحنق منه علی لسانه“، ۔ حیاة الصحابة، باب الصمت وحفظ اللسان (ص ۲/۶۲۲)،

(۲۵) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۲/۶۲۲) میں سطر آخری 'أحنق منه' ہے، یہ روایت ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء سے لی گئی ہے، اور حلیہ کے مرتب نے لکھا ہے کہ حلیہ کے وہ دونوں نسخے جن پر اس کی طباعت کی بنا ہے ان میں سے ایک میں یہ لفظ أحفف ہے اور دوسرے میں أحق ہے۔ اور یہ دونوں محشی کے خیال میں تصحیف ہے، اسلئے اپنے قیاس سے اس نے أحنق بنادیا،

أحنق کے معنی اشتدّ غیظه یہاں مناسب ہیں، مگر خود یہ لفظ روایت میں قیاساً لکھا گیا ہے روایۃً نہیں ہے۔

جواب:

حلیۃ الاولیاء کے مطبوعہ نسخہ میں (ص ۱/۳۲۸) أحنق ہے اور یہی صواب ہے، اسی طرح ہونا چاہئے، مخطوطَتین میں جو کچھ ہے محرّف ہے۔ صاحب الحلیہ نے یہ روایت بطریق عبدالله بن الاِمام أحمد عن أبیه تخریج کی ہے اور کتاب الزهد للامام أحمد بن حنبل بروایة ابنه عبد الله میں (ص ۱۸۹) اسی طرح أحنق ہے، اور اسی طرح کتاب الزهد للامام عبد الله بن المبارک (ص ۱۲۶) میں بھی ہے، فقط۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۸ شوال ۱۴۰۵ھ

یحیٰی بن ابی راشد البصری

وأخرج ابن سعد عن یحیی بن أبی راشد النصری: "أن عمر بن الخطابؓ لمّا حضرته الوفاة قال لاِبنه" الخ ، حیاة الصحابة، باب الاِیمان بما هو کائن فی القبر والبرزخ (ص ۳/۳۶).

(۲۶) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۳/۳۶۔ سطر ۵) میں ابن سعد کے حوالہ سے ایک روایت یحیٰی بن ابی راشد البصری سے مروی ہے، اس میں دو جگہ گڑبڑ ہے۔

ایک النصری جو مطبوع ہے وہ تو تصحیف ہے، صحیح البصری ہے، حیاۃ الصحابۃ میں طبقات ابن سعد کے اتباع میں یہ غلطی ہوگئی ہے۔

دوسرا مسئلہ ابن ابی راشد کا ہے۔ تاریخ کبیر بخاری (ج ۴ قدیم ۲/ ۲۷۱ و ۲۷۲) میں یحیٰی بن راشد ہے، تقریب میں بھی یہی ہے، اسی طرح لسان المیز ان میں بھی بلا کنیت ہے، لیکن کنز العمّال طبع دوم (ص ۱۴/۳۲۶)

میں یحییٰ بن ابی راشد ہے، *محقق* نے حاشیہ میں کچھ نہیں کہا، حیاۃ الصحابہ میں یحییٰ بن راشد چھپا تھا مگر اخیر میں غلطنامہ میں اس کو غلط کے خانہ میں اور یحییٰ بن ابی راشد کو صحیح کے خانہ میں لکھا ہے۔ تحقیق سے نوازیئے۔

جواب:

طبقات ابن سعد (ص ۵۸ ۳/ ۳) کنز العمال (ص ۲۶ ۳/ ۱۴) منتخب الکنز (ص ۷ ۲۴/ ۴) میں تو اسی طرح یحییٰ بن ابی راشد البصری ہے۔

یہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ البصری بالباء الموحدۃ ہے۔ اسی طرح کنز العمّال، منتخب الکنز، تاریخ کبیر للبخاری (ص ۲۷۱/ ۴)، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (ص ۱۴۳ ج ۴/ ۲) میں ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ یحییٰ بن راشد ہے یا بأداة الكنية ابن ابی راشد ہے۔ طبقات ابن سعد، کنز، منتخب الکنز میں تو یحییٰ بن ابی راشد بأداة الكنية ہے اور الجرح والتعدیل کے نسخوں میں اختلاف ہے۔ جو متن میں بلا کنیت ہے اور حاشیہ میں کنیت کے ساتھ دوسرا نسخہ ذکر کیا گیا ہے، تاریخ البخاری میں بلا کنیت ہی ہے، انکی روایت حضرت عمرؓ سے مرسل ہے، قال ابن حاتم: عن أبيه روى عن عمرؓ مرسل۔

(**فائدہ**) تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، تہذیب الکمال، میزان الاعتدال، لسان المیزان میں دوسرے رجال مذکور ہیں۔

نفیلہ یا بقیلہ

عن حميد بن منهب قال: قال جدّی خريم بن أوسؓ: "هاجرتُ إلى النبی ﷺ وقدمتُ عليه منصرفه من تبوک فأسلمت فسمعته يقول: هذه الحيرة البيضاء قد رفعت لی وهذه الشيماء بنت نفيلة الأزديّة على بغلة شهباء معتجرة بخمار أسود" الخ ، حياة الصحابة، باب اليقين بما أخبر به رسول الله ﷺ (ص ٦٨/ ٣).

(۲۷) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۶۷/ ۳ و ص ۱۱ و ۱۴ و ۱۷) میں نفیلة آیا ہے، یہ روایت دلائل النبوۃ لابی نعیم (ص ۱۹۶ و طبع ۳ ص ۲۷۴) سے لی گئی ہے۔ اسمیں بھی ہر سہ مقامات پر نفیلة ہے۔ وکذا فی الإصابة (ص ۲۷۱/ ۳) محمد بن بشير والإستيعاب على حاشية الإصابة (ص ۲۴۳/ ۳)، اور مجھے یہی درست معلوم ہوتا ہے،

مگر حیاۃ الصحابہ کے ایک محشی نے نفیلۃ کو تصحیف قرار دے کر کتاب میں ہر جگہ بقیلۃ - بالباء الموحدۃ والقاف - بتایا ہے، دلیل کوئی نہیں لکھی، آپ مختصراً کسی ایک کی تائید دوسرے کی تردید فرما دیجئے، جزاک اللہ۔

جواب:

صحیح بقیلۃ بالباء الموحدۃ والقاف ہے۔ یہ شیماء بنتِ بقیلہ عبد المسیح بن بقیلہ کی بہن ہیں، یہ نسبت الی الجد ہے، اصل عبد المسیح بن عمرو بن بقیلہ ہے، اسی طرح علامہ ابونصر بن ماکولا نے الاکمال (ص ۳۴۷ ج ۱) میں ضبط کیا ہے، حرف باء میں لکھتے ہیں:

أما بقيلة - بقاف مفتوحة - فهو بقيلة الأكبر الأشجعي وهو أبو المنهال وهو الذى أمدّ النبى ﷺ يوم أحد شاعر فارس، وبقيلة الأصغر وهو أبو المنهال أيضا واسمه جابر بن عبد الله بن عامر بن قيس شاعر أيضا، ثم ذكر من آبائه بقيلة فقال: عبد المسيح بن عمرو بن بقيلة، له خبر مشهور مع خالد بن الوليد،

قلت: والخبر أورده الطبرى فى تاريخه۔

عن أبی جابر الوالدی میں کوئی تصحیف تو نہیں

عن أبى جابر الوالدى قال: قلت لأبى هريرةؓ: ”هكذا كان رسول الله ﷺ يصلّى بكم؟ قال: وما أنكرتم من صلوتى“ الخ۔ حياة الصحابة، باب الإمامة و الإقتداء فى عهد النبى ﷺ وأصحابهؓ، (ص ۱۳۵ / ۳)

(۲۸) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۳۵ / ۳ س ۱۵) میں عن ابی جابر الوالدی کی روایت ہے، اس کنیت میں یا نسبت میں کہیں کوئی تصحیف تو نہیں؟ کنز العمال طبع دوم (ص ۱۷۵ / ۸) میں اسی کے ہم معنی روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ ہے:

عن إسماعيل بن أبى خالد عن أبيه: ”أنّه كان يصلّى خلف أبى هريرةؓ“ فذكر نحوه۔

ایسا تو نہیں کہ یہ ابو خالد الوالبی ہو اور اس سے مصحّف ہو کر ابو جابر الوالدی ہو گیا ہو، اگر ممکن ہو تو المسند بھی دیکھی جائے، والسلام۔

جواب:

یہ ابو خالد الاحمسی ہیں، پوری حدیث مع السند والمتن درج کرتا ہوں۔

حدثنا عبد الصمد ثنا عبد العزیز ثنا إسماعیل –یعنی ابن أبی خالد– عن أبیه قال: قلت لأبی هریرةؓ: هكذا كان رسول الله ﷺ یصلّی بکم؟ قال: وما أنكرتَ من صلوٰتی؟ قال: قلت: أردت أن أسألک عن ذلک، قال: نعم وأوجز، قال: وكان قیامه قدر ما ینزل المؤذن من المنارة ویصل إلی الصف” مسند أحمد (ص ۲/۳۳۶)۔

خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل

(۲۹) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۶۹/ ۳ س ۴) پر ایک روایت ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کو خروجِ منی کے باوجود عدم وجوبِ غسل کا فتویٰ دیا ہے بوجہ عدمِ شہوۃ وعدمِ فتور بعد الخروج کے۔

اس پوری صورت مسئولہ کے بارے میں براہ کرم ائمہ اربعہ کے مسالک تحریر فرمائیے۔ حنفیہ کا مسلک جو منیۃ المصلی وغیرہ کے حوالہ سے بہشتی زیور میں ہے وہ تو حضرت ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق ہی معلوم ہوتا ہے۔ باقی شوافع ومالکیہ اور حنابلہ کی رائے دریافت طلب ہے۔

اس روایت کو آخر تک إنما هذا بردة یجزیک منه الوضوء تک ملاحظہ فرمائیں۔

جواب:

قال النووی فی شرح مسلم (ص ۱۴۵/ ۱): مذهبنا أنه یجب الغسل بخروج المنی سواء کان بشهوة ودفق أم بنظر أم فی النوم أو فی الیقظة وسواء أحسّ بخروجه أم لَا، وسواء خرج من العاقل أم من المجنون، وقال نحوه فی شرح المهذب (ص ۱۳۹/ ۱)، وقال: وقال أبو حنیفة ومالک وأحمد لَا یجب إلّا إذا خرج بشهوة ودفق کما لَایجب بالمذی لعدم الدفق۔

نعیم بن نحمہ یا قحمہ؟

جریر بن عثمان یا حریز بن عثمان؟

وعنده أيضًا عن نعيم بن نمحة قال: ”كان فى خطبة أبى بكر الصديقؓ...الحديث، حياة الصحابة باب خطبات أمير المؤمنين أبى بكر الصديقؓ (ص ۴۳۶/۳)۔

(۳۰) سوال:

(۱) حیاۃ الصحابۃ (ص۴۳۶/ ۳وص۴۳۷) میں تین جگہ ’نعیم بن نحہ‘ آیا ہے۔ حلیۃ الاولیاء (ص۳۶/۱) میں بھی دیکھ چکا ہوں اس میں بھی یہی ہے، تفسیر ابن کثیر میرے پاس نہیں ہے مگر اس کے حوالہ سے حیاۃ الصحابۃ میں یہی لکھا ہے، کنز العمال (طبع ثانی ص۹۹/ ۲۱) میں نعیم بن قحمۃ ہے اور کتب رجال میں ان میں سے کوئی نہیں ملتا،

جبکہ درمنثور (ص۲۰۱/ ۶) میں یہی روایت ’نعیم بن محمد الرجبی‘ سے نقل کی ہے اور بخاری نے تاریخ کبیر (ف ۲ ص۱۰۰/ ۴) میں نعیم بن محمد نامی ایک راوی کے ترجمہ میں اسی خطبے کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ میرے خیال میں درمنثور میں درست ہے اور تاریخ کبیر والے نعیم بن محمد یہی شخص ہیں۔

آپ میری مدلل تائید متعدد حوالوں سے فرمادیں یا اختلاف فرمائیں۔ ثقات ابن حبان اور لسان المیزان، تقریب میں نہیں ملا۔

(۲) دوسری تصحیف حیاۃ الصحابۃ (ص۴۳۷/ ۳ س۶) میں جریر بن عثمان ہے جبکہ صحیح حریز بن عثمان ہے کما فی الحلیۃ (ص۳۶/۱) والاکمال (ص۸۵/ ۲) سمعانی (ص۹۳ و۹۵/۶) تاریخ کبیر (ف۱ ص۱۰۳/ ۲) لسان (ص۵۲۶/۶)۔

اس میں دریافت طلب صرف یہ ہے کہ تہذیب وغیرہ سے دیکھ کر یہ فرمائیں کہ ابن کثیر نے (ص۳۴۲/ ۴) جو جریر بن عثمان کے متعلق ابوداؤد سجستانی کا قول نقل کیا ہے یہ جریر بن عثمان کے متعلق ہے یا حریز بن عثمان کے متعلق ہے؟

اور یہ کہ یہ قول ابوداؤد کا کہاں ہے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ ابن کثیر کو التباس ہو رہا ہو اور ابوداؤد کی یہ رائے کسی جریر کے متعلق ہو حریز کیلئے نہ ہو،

براہِ کرم حیاۃ الصحابہ میں یہ مقام پورا دیکھ کر اپنی تحقیقات سے نوازیں۔

جواب:

(۱) تینوں مذکورہ کتابوں میں نعیم بن نحہ ہی ہے۔ کنز العمال اور منتخب الکنز (ص۲۰۳/ ۶) میں نعیم بن قحمۃ ہے۔ اس راوی کا تذکرہ کتب رجال۔ تاریخ البخاری، والجرح والتعدیل لابن ابی حاتم والثقات لابن حبان (۴۷۶

و۸۷/۴/۵ و۶۳۵۳ و۷۳۵۳/۷) وطبقات ابن سعد وتاریخ الفسوی اور بعد کے مؤلفین کی کتابوں میں نہیں ہے۔

نعیم بن محمد الرجبی کی روایت کا سراغ درمنثور کے علاوہ کہیں نہیں لگ سکا، تاریخ بخاری کے نسخے نعیم بن محمد کے تذکرہ میں مختلف ہیں جیسا کہ محشی کے کلام سے واضح ہے۔ حافظ ابن ابی حاتم نے رجال التاریخ کا استقصاء کیا ہے لیکن انہوں نے الجرح والتعدیل میں اس شخص کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی مذکورہ بالا کتب (یعنی نعیم بن نحمہ کے تذکرہ سے متعلق کتب) میں ان کا کوئی ترجمہ ہے۔ تاریخ ابن عساکر اور اس کی تہذیب یہاں موجود نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ یہ اور کوئی راوی ہوں اور ممکن ہے کہ محمد باپ کا نام ہو اور نحمہ ماں کا یا دادا کا، واللہ اعلم بالصواب۔

بہت تلاش وجستجو کے بعد بھی اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۲) حیاۃ الصحابہ میں جو روایت لی گئی ہے وہ طبرانی نے معجم کبیر میں (ص ۱/۱۴) اور انہیں سے ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں (ص ۱/۳۶) روایت کی ہے۔ دونوں کتابوں میں حریز بن عثمان ہے اور ابوداؤد سجستانی نے اسی کے متعلق کہا ہے **شیوخ حریز کلّھم ثقات**۔

حافظ ابن کثیر نے یہ روایت طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے لیکن طابع نے حریز کو جریر بنادیا جو طابع کی غلطی ہے، اس میں کوئی تردد نہیں ہے۔

بلقین قبیلہ کا نام ہے یا مقام کا؟

عاص بن اُبی قرصافہ ہے یا عیاض؟

وذکر ابن جریر فی تاریخه عن أشیاخ من غسّان وبَلقین قالوا، الخ، حیاة الصحابة باب انتفاض غرفات الأعداء بالتهلیل والتکبیر (ص۵۶۷/۳)۔

(۳۱) **سوال**:

(۱) تاریخ ابن جریر طبری (ص۹۷/۳) کے حوالہ سے حیاۃ الصحابہ (ص۵۶۷/۳) میں ایک لفظ ’بلقین‘ ہے جس کو حیاۃ الصحابہ کے محشی نے قبیلہ بنی القین کہا ہے اور بلقین کی ب پر زبر دیا ہے، اور یہ ہوتا بھی ہے کہ بنی فلاں کو مخفف کرکے ایسا کردیتے ہیں جیسے ’بلحارث‘

مگر میرا قیاس یہ ہے کہ یہ بلقین وہ مقام ہے جو مصر کا ایک قریہ اور مشہور امام وفاضل بلقینی کا وطن ہے۔

آپ فرمائیے کہ یہاں سیاق وسباق میں کیا صحیح ہے؟ اور بنی القین کوئی قبیلہ ہے بھی یا نہیں؟

انساب سمعانی (ص ۵۴۴ / ۱۰) کے حاشیہ میں ابن الاثیر کے حوالہ سے اس کو ایک شخص کا نام بتایا ہے جو قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ ہے، واللہ اعلم یہاں کون مراد ہے؟

(۲) عزہ بنت عاص بن ابی قرصافہ، یہ عاص ہے یا عیاض؟ تہذیب میں اس کا ذکر ابو قرصافة جندرة بن خیشنة کے حالات میں ہے، وہاں اور دیگر مقامات سے اس کی تحقیق سے نوازیں، كتاب الثقات لِابن حبان (ص ۲۸۹ / ۵) میں عزہ کا ذکر ہے مگر دادا کی طرف نسبت کر کے عزہ بنت ابی قرصافہ لکھا ہے۔ اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

یہ روایت مجمع الزوائد (ص ۳۹۶ / ۹) میں ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۵۷۰ / ۳)۔

جواب:

(۱) صحیح بَلقَین ہے بفتح الباء الموحدة والقاف ۔ اور یہ بنی القین کا مخفف ہے۔ امام ابن جریر الطبری نے کئی جگہ اس قبیلہ کا تذکرہ کیا ہے، ایک جگہ ایک خبر کے ذیل میں لکھتے ہیں (ص ۶۱۶) وأقبل رجلان أخوان من بَلقين، يقال لهما: مالک وعقيل ابنا فارج بن مالک بن كعب بن القين بن جسر، الخ۔

ایک دوسری جگہ (ص ۳۷ / ۳) لکھتے ہیں: وانضمت إليه (ہرقل) المستعربة من لخم وجذام وبلقين وبهراء وبلى۔ ایک اور جگہ بھی (ص ۵۷۰ / ۳) لخم وجذام وبلقين وبلى کا تذکرہ ہے۔

جس واقعہ کے متعلق استفسار ہے وہ (ص ۶۰۰ / ۳) پر ہے۔ غسان بھی قبیلہ ہے۔ اسی طرح بلقين۔ تاریخ طبری میں اس قبیلہ کا تذکرہ متعدد جگہ آیا ہے۔

(۲) صحیح عزہ بنت عیاض بن ابی قرصافہ ہے كما فى ترجمة جندرة بن خيشنة، أبى قرصافة، من تهذيب الكمال (ص ۲۰۶) وتهذيب التهذيب (ص ۱۱۹)۔

مستقل طور سے عزہ کا ترجمہ ثقات ابن حبان کے علاوہ اس وقت مل نہ سکا۔

محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو راوی ہیں یا ایک؟

وقال الهيثمى: رواه أبويعلى والطبرانى، إلّا أنه قال زينب بدل ربيبة، وفى إسنادهما محمد بن زياد البرجمى وهو اليشكرى وهو كذاب ، حياة الصحابة باب البركة فى اللبن والسمن

(ص۶۴۵/۳)۔

(۳۲) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص۶۴۵/۳س۵) میں تحت **وفی إسنادهما محمد بن زياد البرجمي وهو اليشكري وهو كذّاب**۔ اشکال یہ ہے کہ محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو الگ الگ راوی ہیں؟

تاریخ کبیر بخاری (ص۷۳/۱/۱) میں ان دونوں کا الگ الگ حال لکھا ہے، برجمی کو ابن حبان نے ثقات (۳۹۹/۷) میں لکھا ہے، اس کے ساتھ یشکری نہیں ہے، ابن حجر نے یشکری کا ذکر تقریب میں کر کے **کذّب**وہ لکھا ہے اور لسان میں (ص۱۷۲/۵) میں برجمی کا ذکر کے توثیق کی ہے۔

ان کے علاوہ اسناد میں بھی اس کا ذکر ابن حجر نے اصابہ (ص۳۲۰/۴) میں زینب غیر منسوبہ کے ترجمہ میں بحوالہ طبرانی کیا ہے، وہاں صرف برجمی لکھا ہے، اسی طرح ابونعیم نے **دلَائل النبوة، الفصل الثلاثون ذكر قصة عكّة أم سليم** (ص۴۹۰) میں اپنی مسند میں اسی حدیث کے تحت صرف محمد بن زیاد برجمی لکھا ہے، یشکری کا ذکر نہیں، تو سوال یہ ہے کہ نشان زدہ عبارت کہاں سے مندرج ہوگئی یا یہ مصنف ہیثمی کا وہم ہے؟ یا کوئی اور بات ہے۔ رہنمائی فرمائیں۔

جواب:

مسند ابی یعلیٰ کی سند حافظ ابن کثیر نے (ص۱۰۳/۶) پر نقل کی ہے، اس میں تو محمد بن زیاد البرجمی ہے، اسی طرح ابونعیم کے دلائل میں بھی (ص۴۹۰) اور طبرانی کی سند کا آخری حصہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لیا ہے، اس میں بھی برجمی ہی ہے، اسلئے یہ تو متعین ہے کہ راوی الحدیث محمد بن زیاد البرجمی ہے،

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ محمد بن زیاد المیمونی الیشکری بھی اسی کو کہا جاتا ہے یا یہ کہ وہ اور شخص ہے؟

حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال میں ابوظلال القسملی ہلال بن ابی ہلال کے ترجمہ میں (جس سے برجمی یہ حدیث نقل کرتا ہے) اس کے تلامذہ میں الیشکری کا تذکرہ کیا ہے اور البرجمی کو نہیں لیا،

اسی طرح الیشکری کے ترجمہ میں شیبان بن فروخ کو ذکر کیا ہے جو حدیث کتب بالا میں برجمی سے نقل کرتا ہے، اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ محمد بن زیاد البرجمی وہی ہے جس کو الیشکری بھی کہا جاتا ہے، غالبًا اسی لئے علامہ نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں **فيه محمد بن زياد البرجمي وهو اليشكري وهو كذّاب** لکھدیا، لیکن اتنا قرینہ کافی ہوجاتا جب کہ اس کے خلاف کا قرینہ نہ ہو، اور یہاں کھلا ہوا قرینہ موجود ہے کہ دونوں الگ

الگ راوی موجود ہیں، امام بخاری نے تاریخ کبیر (۱/۱/۸۳) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۳/۲/۲۵۸) میں دونوں میں تفریق کی ہے اور الگ الگ ترجمہ لکھا ہے۔

امام بخاری نے الیشکری کے متعلق لکھا ہے ‘یتهم بوضع الحدیث’۔ اور البرجمی کے متعلق توثیق یا تجریح کچھ بھی نہیں کی۔ ابن ابی حاتم نے الیشکری کے ترجمہ میں امام احمد سے ‘کان أعور کذّاباً خبیثاً یضع الأحادیث’ اور عمرو بن علی الفلاس سے ‘کان کذّاباً متروک الحدیث’ اور اپنے والد ابوحاتم سے ‘متروک الحدیث’ نقل کیا ہے، اور محمد بن زیاد البرجمی کے ترجمہ میں اپنے والد ابوحاتم سے مجهول نقل کیا ہے۔

ابن حبان نے البرجمی کو تو ثقات میں ذکر کیا ہے اور الیشکری کو الضعفاء والمجروحین میں (۲۵۰/۲) وضع الحدیث کیساتھ متہم قرار دیا،

اب صرف دو باتیں اور رہ جاتی ہیں،

ایک تو یہ کہ الیشکری کا تلمیذ شیبان بن فروخ ہے، وہی راوی حدیث ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ شیبان بن فروخ محمد بن زیاد البرجمی سے بھی روایت کرتا ہے کما صرّح به ابن أبی حاتم الرازی نقلاً عن أبیه،

دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاری، ابوحاتم رازی، ابن حبان، البرجمی کے اساتذہ میں صرف ثابت البنانی کو ذکر کرتے ہیں، ابوظلال القسملی کو کوئی بھی نہیں لکھتا ہے۔ اور حافظ جمال الدین المزی نے القسملی کو الیشکری کے اساتذہ میں لکھا ہے، اس سے شک ہوتا ہے، لیکن عین ممکن ہے کہ البرجمی القسملی سے بھی نقل کرتا ہو۔ عدم الذکر عدم کی دلیل نہیں ہے بلکہ روایت مذکور فی السوال اس کی دلیل ہے، اسلئے صحیح یہ ہے کہ البرجمی اور ہے اور الیشکری اور،

واللہ اعلم بالصواب۔

(**تنبیه**) البدایہ والنہایہ میں محمد بن زیادة: بزیادة التاء المدورة چھپ گیا ہے جو کاتب کی غلطی ہے۔

مقام تبالہ کیا ہے؟

أخرج الحاکم (۳/۹۴) عن مالک بن دینار قال: سمع صوت بجبل تبالة حین قتل عمر بن الخطابؓ الخ، حیاة الصحابة باب نوحة الجن علی قتلهم (ص ۶۷۴/۳)۔

(۳۳) سوال:

براہِ کرم مقام تبالہ کے متعلق رہنمائی فرمایئے۔ حیاۃ الصحابۃ (ص ٦۷۴/ ۳ س ۱۲) میں تبالہ جو آیا ہے حاشیہ میں اس کو 'بلد بالیمن' کہا ہے، منجد کے دوسرے حصہ میں بھی یہی ہے۔ یہ مجمع البحار (ص ۸۳/ ۲) سے مأخوذ ہے۔ جبکہ انساب سمعانی (ص ۱۱/ ۳) نے اس کو موضع بنواحی مکۃ کہا ہے، اور ابن ابی حاتم نے سلیمان بن داؤد بن سالم التبالی کے حالات میں یہی بات کہی ہے۔

تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ دو جگہیں ہیں یا ایک غلط ہے؟ اگر دو ہیں تو یہاں کونسی مراد ہے؟ ابن ابی حاتم کا ذرا صفحہ نمبر بھی لکھئے گا۔

جواب :

تبالہ کا ذکر مسلم شریف (ص ۳۹۴/ ۲) میں ایک جگہ ہے اور طبقات ابن سعد میں متعدد جگہ،

علامہ ابن الاثیر الجزری نہایۃ الغریب میں (ص ۱۸۰/ ۱) لکھتے ہیں: هو بفتح التّاء وتخفيف الباء بلد باليمن معروف، وقال الميدانى فى مجمع الأمثال (ص ۴۰۸/ ۲): 'أهون من تبالة على الحَجّاج' يعنى الحجّاج بن يوسف، وتبالة بلدة صغيرة من بلدان اليمن، هذا مثل من أمثال الطائف،

وقال الزمخشرى فى المستقصى (۴۴۵/ ۱): هى بلدة باليمن وليها الحجّاج أولاً فسار إليها، فلما قرب منها قال للدلّيل: أين هى؟ قال: تسترها عنك هذه الأكمة، فقال: أهون علىّ يعمل تستره عنّى أكمة ورجع عن مكانه، انتهى۔

وقال صاحب القاموس: تبالة بلد باليمن (۳۴۰/ ۳)، ثم ذكر المثال المذكور، وقال أبو عبيد القاسم بن سلاّم فى الأمثال (ص ۱٦۹): تبالة بلاد باليمن مخصبة، وقال شهاب الدين ياقوت بن عبد الله الحموى فى معجم البلدان (۳۵۷/ ۲): تبالة بالفتح، قيل: تبالة التى جاء ذكرها فى كتاب مسلم بن الحجاج موضع ببلاد اليمن وأظنّها غير تبالة الحجّاج، فإن تبالة الحجّاج بلدة مشهورة من أرض تهامة فى طريق اليمن، وقال النووى (۳۹۴/ ۲): تبالة الحجاج فى الطائف۔

قال المهلبى: تبالة فى الإِقليم الثانى، عرضها تسع وعشرون درجةً، أسلم أهل تبالة وجرش

عن غير حرب فأقرّهما رسو ل الله ﷺ فى أيدى أهلهما على ما أسلموا عليه، وهى مما يُضرب المثل بخصبها، وفيها قيل 'أهون من تبالة'، وبين تبالة ومكة اثنان وخمسون فرسخا نحو مسيرة ثمانية أيام، وبينها وبين الطائف ستة أيام، وبينها وبين بيشة يوم واحد، قيل سميت بتبالة بنت مكنف من عمليق، وزعم الكلبى: أنها سمّيت بتبالة بنت مدين بن إبراهيم، ولو تكلف متكلّف تخرّج معانى كل الأشياء من اللغة لسا غ أن يقول تبالة من التبل وهو الحقد، وينسب اليها أبو أيوب سليمان بن داود بن سالم بن زيد التبالى، روى عن محمد بن عثمان بن عبد الله بن مقلاص الثقفى الطائفى، سمع عنه أبو حاتم الرازى، انتهى باختصار۔

وقول ياقوت يؤيّده ماذكره ابن سعد (ص ۲/۱۶۲): ثم سرية قطبة بن عامر بن حديدة إلى خثعم بناحية بيشة قريبا من قرية، بعث رسول الله ﷺ قطبة بن عامر فى عشرين رجلا إلى حيّ من خثعم بنا حية تبالة، اھ۔ فناحية بيشة وناحية تبالة ليستا من أرض اليمن۔

وذكر ابن سعد أيضا (ص ۷/۴۰۴): فقبض رسول الله ﷺ وعكرمة (بن أبى جهل) بتبالة والياً على هوازن، اھ۔

وهوازن ما كانت باليمن، وقال ابن أبى حاتم (۱۱۳/۱/۲): سليمان بن داود بن سالم بن زياد التبالى من أهل تبالة من مخاليف مكة، أبو أيوب روى عن محمد بن عثمان بن عبد الله بن مقلاص الثقفى الطائفى، كتب عنه أبى فى الرحلة الأُولى، اھ۔

وأخرج الطبرى فى تاريخه (۲/۲۴۴) عن ابن عباسؓ: لما خرج عبد المطلب بعبد الله ليزوّجه مرّ به على كاهنة من خثعم يقال لها فاطمة بنت متهودة من أهل تبالة قرأت الكتب، وقال فى موضع آخر(۹/۱۴۹): وصاروا بتبالة وما يليها من حد عمل اليمن۔

قال الحافظ (ص ۱۳/۷۶): تبالة قرية بين الطائف واليمن، بينهما ستة أيّام، وهذا يدل على أن تبالة عمل اليمن فالظاهر أن الراجح ما صنعه ياقوت۔ والعلم عند الله۔

عوف صحیح ہے یا عون؟

و أخرج الطبرانى عن عون قال عبد الله بن مسعودؓ لأصحابه حين قدموا عليه الخ۔ (حياة

الصحابة، باب زيارة المسلم ۴۲۳/۲)۔

(۳۴) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۴۲۳/۲ سطر نمبر ۱۳) میں ایک روایت مجمع الزوائد (ص ۱۷۵/۸) ترغیب (ص ۳۶۵/۳ وفی نسخۃ ص ۱۴۴/۴) کے حوالہ سے ہے۔

مجمع الزوائد میں ’عن عوف عن أبی مسعود‘ ہے، اور ترغیب میں ’عون‘ ہے ترغیب کا ایک ملخّص التقریب المنتزع من الترغیب مخطوطہ (ص ۲۱/۳) اس میں ’عوف‘ ہے، مگر طبرانی کبیر کے مخطوطہ نسخہ میں جو لکھنؤ میں ایک صاحب کے پاس ہے اور مطبوعہ طبرانی کبیر (ص ۲۲۶/۹ رقم الحدیث ۸۹۷۹) میں ’عون‘ ہے۔

میں نے خط لکھا ہے کہ طبرانی کی سند نقل کر کے بھیجیں، سند سے شاگرد کو دیکھ کر تحقیق میں سہولت ہوگی، سر دست مجھے عوف راجح نظر آتا ہے، اور یہ عوف بن مالک بن نضلہ أبو الأحوص الجشمی ہو سکتے ہیں، فإنّ له سماعاً عن ابن مسعودؓ، انظر التاريخ الكبير (ج۴ ق ۱ ص ۵۶) الثقات (ص ۲۷۴/۵) اپنی تحقیق سے نوازیں۔

جواب:

عبداللہ بن مسعودؓ سے عوف بن مالک ابوالاحوص اگرچہ روایت کرتے ہیں لیکن یہاں صحیح ’عون‘ ہے جیسا کہ طبرانی کبیر مطبوعہ و مخطوطہ اور الترغیب میں ہے، اور یہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔

ایک قرینہ تو یہ ہے کہ طبرانی نے اس سے پہلے ایک روایت بطریق عبد الله بن رجاء وأبی نعيم الفضل بن دكين كلاهما عن المسعودی عن عون بن عبد الله نقل کی ہے، اس میں عون کی نسبت عبداللہ کی طرف کی ہے اور عون بن عبدالله کہا ہے۔

اس کے بعد پھر دوسری حدیث جو سوال مذکور ہے لائے ہیں اس میں صرف ’عون‘ آ گیا اس لیے اشتباہ لگ گیا۔

اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ المسعودی جنکا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود ہے، وہ عون کے تلامذہ میں ہیں كما ذكره المزّی (ص ۷۹۹/۲)، عوف بن مالک الجشمی کے تلامذہ میں نہیں ہیں۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ عوف بن مالک کا سماع تو عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت ہے لیکن عون بن عبداللہ کا نہیں ہے اور اس روایت میں المنذری الهيثمی وغیرہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ سند منقطع ہے، حافظ مزّی تہذیب الکمال میں عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں (ص ۷۴/۲) عوف بن مالک اور عون بن عبداللہ دونوں ہی کو ذکر کرتے ہیں لیکن

عون کے بعد لکھا 'ولم یدرکہ' عوف کے بعد نہیں لکھا۔

ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟

قال الهيثمي (ص۱۷/ ۶) و فيه: تدروس جدّ أبي الزبير، ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات، انتهى. وذكره ابن عبد البر في الاِستيعاب (۲۴۷/ ۲) عن ابن عيينة عن الوليد بن كثير عن ابن عبدوس عن أسماءؓ، فذكر بنحوه، وبهذا الإِسناد أخرجه أبو نعيم في الحلية (ص ۳۱/ ۱) مختصراً و فيه ابن تدرس عن أسماءؓ. (حياة الصحابة، باب تحمل النبي ﷺ الشدائد والأذى ص۲۴۷و۲۴۸/ ۱).

(۳۵) **سوال**:

حیاۃ الصحابہ کی اس عبارت میں میرے نزدیک ایک ہی راوی کو تدروس ابن عبدوس اور ابن تدرس کہا گیا ہے، محمد بن مسلم بن تدرس ابو الزبیر الاسدی مولاہم المکی کا ترجمہ تاریخ کبیر، لسان اور ثقات اور تقریب وغیرہ میں میں دیکھ چکا ہوں، اسی طرح مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ نام نمبر ایک اور نمبر دو غلط وتصحیف ہے، اور تیسرے نمبر والا یعنی ابن تدرس صحیح ہے۔

مصنف نے جو تین حوالے دیئے ہیں وہ سب میں دیکھ چکا ہوں، نقل مطابق اصل ہے۔

استیعاب (ص ۲۴۷/ ۲) اور حلیہ کی ایک ہی سند ہے صرف ابن عبدوس کا فرق ہے، استیعاب میں ابن عبدوس ہے اور حلیہ میں ابن تدرس ہے۔

اب آپ یہ رہنمائی فرمائیں کہ ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ اور اگر ابن تدرس صحیح ہے تو کیا یہ محمد بن مسلم بن تدرس ہی ہے یا کوئی اور؟ مجمع الزوائد میں (ص ۱۷/ ۶) جو تدروس جدّ ابی الزبیر ہے یہاں (ر) کے بعد (و) تو غلط ہے، مگر میرے خیال میں ہیثمی کی اصل میں 'ابن' بھی چھوٹ گیا ہے اسی لیے انہوں نے اسکو جدّ ابی الزبیر کہا ہے، کیونکہ جدّ ابی الزبیر (ابو الزبیر محمد بن مسلم کی کنیت ہے) تدرس ہی ہے جبکہ راوی حدیث تدرس نہیں ابن تدرس ہے، جیسا کہ حلیہ اور استیعاب سے ظاہر ہوتا ہے۔

میرے سوال کا خلاصہ صرف تین باتیں ہیں، (۱) ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ (۲) ابن تدرس محمد بن مسلم ہی ہے دادا کی طرف منسوب ہوگئے ہیں یا کوئی اور؟ (۳) میرا اندازہ کیا صحیح ہے کہ ہیثمی کی اصل میں 'ابن' ساقط ہوگیا

تھا، شیخ محمد طاہر پٹنی کی المغنی میں 'تدرس' کے خانہ میں محمد بن تدرس نامی ایک راوی کا ذکر ہے، میرے خیال میں یہ یہی ہیں کیونکہ مجھے کہیں محمد بن تدرس نہ مل سکے۔

جواب:

صحیح ابن تدرس ہے، اسی طرح مسند حمیدی (ص ۱۵۵) الحلیہ لابی نعیم (ص ۱۳۱ ج ۱) میں ہے، اور مسند ابی یعلی میں بظاہر تدرس ہے ابن کا لفظ ساقط ہے، غالباً وہی نسخہ امام جمال الدین المزی صاحب تہذیب الکمال کے سامنے ہے انہوں نے الولید بن کثیر راوی الحدیث کے اساتذہ میں تدرس جد ابی الزبیر محمد بن مسلم کا تذکرہ کیا ہے (۳۷ ۱۴)، اور حضرت اسماء کے تلامذہ میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے (۱۶۷۷)، لیکن بظاہر یہ نسخہ سقیم ہے اور بعض میں ابن تدرس ہوگا اور بظاہر حافظ ابن حجر وغیرہ کے نسخہ میں بھی یہی ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں (ص ۱۶۹) لکھا ہے: **أخرجه أبويعلى بإسناد حسن** اور البوصیری نے الاتحاف میں لکھا ہے: **رواه الحميدى وأبو يعلى ورواته ثقات**، اور یہ جبھی ممکن ہے کہ یہاں ابن تدرس ہو اور یہ بظاہر ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی ہیں، ورنہ تو تدرس اور مسلم بن تدرس کا حال کتب رجال میں نہیں ملتا، پھر رجال کے ثقات یا سند کے حسن ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔

الاستیعاب میں ابن عبدوس تحریف ہے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ تمام مخرجین **من طريق الوليد بن كثير عن ابن تدرس عن أسماء** نقل کرتے ہیں اور ابن عبدالبر نے بھی اسی سند سے نقل کیا ہے مگر نسخہ مطبوعہ میں ابن تدرس کی جگہ ابن عبدوس واقع ہوگیا ہے۔

اب ایک خلجان رہ جاتا ہے کہ ابولزبیر اپنی کنیت سے مشہور ہیں تو تلمیذ نے مشہور چھوڑ کر غیر مشہور کو کیوں ذکر کیا لیکن ہوسکتا ہے کہ ایسا تفنن فی التعبیر کی غرض سے کیا ہو **هذا ما عندى، والعلم عند الله تعالىٰ فقط**۔

مقبل صحیح ہے یا معبد؟

أخرج الطبرانى عن عمير بن مقبل الجذامى عن أبيه قال الخ: حياة الصحابة، باب كتابه ﷺ إلى بنى جذامة (ص ۱۲۴/ ۱)۔

(۳۶) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۲۴/۱ س ۷) میں عمیر بن مقبل الجذامی ہے، پھر اسی صفحہ کے اخیر میں عمیر بن معبد بن فلاں

الجذامی ہے، یہ ایک ہی شخص ہیں؟ میرے نزدیک 'مقبل' معبد کا محرّف ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ان عمیر کا تذکرہ کہیں نہیں ملا۔

یہ معبد اصابہ میں علاوہ (ص۴۴۱/۳) کے رفاعہ بن زید جذامی کے ترجمہ میں بھی ہے، یہ عمیر اسی طرح مجمع الزوائد اور اصابہ میں ہے، مگر کہیں نہ ملنے سے تصحیف کا شبہ ہوتا ہے۔

آپ ایک تو یہ فرمائیں کہ مقبل کو میرا محرف سمجھنا درست ہے؟ دوسرے عمیر کیوں نہ ملے؟ کیا اس میں تو کوئی تحریف نہیں؟

جواب:

صحیح عمیر بن معبد ہے، علامہ ہیثمی کی مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہے، معبد کا مقبل بن گیا، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے **معبد بن فلان الجذامی ذکرہ الطبرانی وغیرہ فی الصحابۃ۔**

حافظ نے اس کے بعد بحوالہ مغازی الاموی وہی روایات نقل کی ہیں جو حیاۃ الصحابہ میں ذکر کی گئی ہیں، اسلئے معبد صحیح ہے مقبل محرّف ہے۔

۲:۔ عمیر ہی صحیح ہے، اسی طرح مجمع الزوائد اور الاصابہ میں ہے لیکن راوی مجہول ہے۔

سلمہ بن یسوع کی تحقیق

أخرج البیهقی عن یونس بن بکیر عن سلمة بن عبد یسوع عن أبیه عن جدّه، قال یونس: وکان نصرانیاً فأسلم الخ، حیاة الصحابة باب کتابه ﷺ إلی أهل نجران (ص۱۱۸/۱)۔

(۳۷) **سوال:**

ایک راوی 'سلمة بن یسوع' ہے،

حیاۃ الصحابہ (ص۱۱۸/۱/اس۱۱) میں بحوالہ تفسیر ابن کثیر (ص۳۶۹/۱) وبحوالہ البدایہ (ص۵۵/۵) میں ہے، تفسیر میں دیکھا اسی طرح ہے، البدایہ میرے پاس نہیں ہے، یہ راوی کہیں نہیں ملا، ابن ابی حاتم میرے پاس نہیں ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تصحیف تو نہیں؟ یا کسی اور لفظ سے معروف ہوگا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ عن أبیه عن جده روایت کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اور ان کے باپ دادا سب مسلمان تھے تو 'عبد یسوع' نام کیوں نہ بدلا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ ان کے دادا کا کیا نام ہے؟ جس کے متعلق یونس بن بکیر نے کہا ہے کہ كان نصرانيّاً فأسلم۔

اسی روایت کے اندر حضور اقدس ﷺ کے مکتوب گرامی کے شروع میں ’’أسلم فإنّي أحمد، الخ‘‘ ہے، اس میں تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں بطرز مذکور ہے اور بعض میں ’’ أسلم أنتم‘‘ ہے جبکہ میں نے کہیں ’’سِلمٌ أنتم‘‘ بھی دیکھا ہے، اسلئے بیہقی وغیرہ سے اس لفظ کے متعلق بھی تحریر فرمائیے گا، یہ روایت بیہقی کی ہی ہے۔

جواب:

(۱) اس راوی کی تحقیق نہیں ہوسکی حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں یونس کے اساتذہ میں ان کو ذکر نہیں کیا، آجکل طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے استقراء تام کی ہمت بھی نہیں ہے۔

(۲) عبد یسوع مشہور ہونے کی وجہ سے ذکر ہوگیا ورنہ ظاہر ہے کہ نام تبدیل ہوگیا ہوگا، بعض لوگ غیر اسلامی ناموں سے مشہور ہوگئے، اسی لئے الاصابہ میں عبد الحجر وغیرہ اسماء بھی آئے ہیں، یہ ساری بحث اس وقت ہے جبکہ وكان نصرانياً ثم أسلم کا تعلق عبد یسوع سے ہو۔

صحیح یہ ہے کہ اس کا تعلق سلمہ بن عبد یسوع سے ہے، وہ مسلمان ہوگئے تھے، اور بظاہر انکے آباء واجداد اپنے دین پر ہی ہونگے۔

(۳) ان کے جد کی بھی تحقیق نہیں ہوسکی۔

(۴) أسلم أنتم ہی تفسیر و تاریخ میں واقع ہوا ہے، البتہ حیاۃ الصحابہ کے حاشیہ میں سِلمٌ أنتم تصحیح کے طور پر لکھا گیا ہے، درمنثور میں إن أسلمتم ہے، اور سِلمٌ أنتم ہی صواب ہے، یہی ابن القیم کی کتاب هداية الحيارىٰ میں (ص ۴۴) واقع ہوا ہے۔

کیا اُبو ہریرہؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے؟

(۳۸) **سوال**:

حیاۃ الصحابہ (ص ۹۷/۳) عنوان بناء المسجد کے شروع ہی میں جو روایت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد نبوی میں حضرت ابو ہریرہؓ شریک تھے جبکہ ان کا اسلام ۷ھ میں ہے بين الحديبية والخيبر۔

تو کیا عہد نبوی میں مسجد نبوی ایک بار سے زیادہ تعمیر ہوئی ہے؟ اگر یہی ہے تو اس کا تاریخی ثبوت ضروری ہے یا

روایت میں کوئی گڑبڑ ہے؟

جواب:

مسجد نبوی حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں دومرتبہ تعمیر کی گئی ہے، صرّح به العلامة السمهوی فی الوفاء وخلاصته، ولفظها (ص ۲۱۱): وقد صرّح ابن زیاد فیما رواه من طریق ابن جریج عن جعفر بن عمرو بأنّ النبی ﷺ بنیٰ مسجده مرّتین وقال: بناه حین قدم أقلّ من مائة فی مائة، أی فی أقلّ من مائة أیضاً، فلما فتح الله علیه خیبر بناه، وزاد علیه مثله فی الدور، پھر مزید اس سلسلہ کی روایات ومؤیدات ذکر کی ہیں۔

الأنحات ہے یا کچھ اور؟

وکان ینقلب إلی بیته فیجد الأرحام والدماء والأنحات قد نصبت علی بابه، فینحّی ذالک بسیة قوسه ویقول الخ۔ حیاة الصحابة، باب تحمل النبی ﷺ الشدائد والأذی فی الدعوة إلی الله (ص ۱/۲۵۳)۔

(۳۹) **سوال**:

حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۲۵۳) میں اس جگہ الأنحات ہے، نحت کا مادہ برادہ یا تراشہ کیلئے آتا ہے مگر وہ سیاق وسباق کے مناسب نہیں، شاید یہ أنحاء ہے، جس کے معنی چوڑے پھلوں کے تیر کے آتے ہیں۔

جواب:

اپنی وسعت کے موافق دوسرے مآخذ میں یہ روایت دیکھنے کی کوشش کی لیکن نہ مل سکی، میرا خیال ہے کہ الأنحات محرف ہے، صواب الأنجاس ہے، طبقات ابن سعد (ص ۱/۲۰۱) میں اسی مضمون کی ایک روایت میں الفروث آیا ہے۔

عبید اصل ہے یا عباد؟
الرافقی صحیح ہے یا الرافعی؟

وأخرج الطبرانی فی الأوسط عن ربیعة بن عبید الدیلی قال: ما أسمعکم تقولون الخ۔ حیاة الصحابة، باب تحمل النبی ﷺ الشدائد والأذی فی الدعوة إلی الله (ص ۱/۲۵۳)۔

(۴۰) سوال:

(۱) حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۲۵۳) میں مجمع الزوائد (ص ۶/۲۱) کے حوالہ سے ایک روایت ربیعہ بن عبید الدیلی سے نقل ہوئی، سیاق سے ان کا قطعی طور پر صحابی ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن اصابہ میں اس نام کا کوئی صحابی نہیں، شاید عبید مصحّف ہو اور صحیح عباد ہو مگر اس کا موید نہیں ملتا۔

(۲) اسی روایت کے ختم پر ایک راوی ابراہیم بن علی بن حسین الرافقی ہے، اب ہوسکتا ہے کہ یہ ابراہیم بن علی بن حسن الرافعی ہوں جن کا ذکر تاریخ بخاری (ص ۱/۱/۲۷۶) اور تقریب التہذیب میں ہے، اور تحریف ہوکر حسن کا حسین اور الرافعی کا جو ابورافع کی طرف نسبت ہے الرافقی ہوگیا ہو، کما فی الأنساب (ص ۶/۴۱) والتقریب، یا ابراہیم بن علی الرافقی ہوں، جنکا تذکرہ لسان المیزان (ص ۱/۸۵) میں ہے، اور رافقی بالفاء والقاف لفظوں میں ضبط کیا ہو، لیکن انکے جد کا کوئی ذکر نہیں۔

جواب:

تلاش بسیار کے بعد بھی ربیعۃ بن عبید الدیلی کی نہ تو یہ روایت ہی کہیں ملی اور نہ ہی ان کا ترجمہ، اقرب تو یہی ہے کہ عبید محرّف ہو اصل عباد ہو، لیکن ربیعۃ بن عباد الدیلی کے ترجمہ میں صاحب الاستیعاب اور صاحب الاصابہ نے ان کی اس روایت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا، بلکہ امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں انکا مستقل ترجمہ ذکر کیا اور اس روایت کو نہیں لیا، واللہ اعلم کیا حقیقت ہے۔

۲:۔ میرے نزدیک راجح إبراهیم بن علی بن حسن الرافعی ہے، مجمع میں حسن کا حسین اور الرافعی کا الرافقی بن گیا، رافقی بالفاء والقاف تو غیر معروف سا راوی ہے، انکا نسب ہی نہیں لیا گیا، ہاں الرافعی معروف الحال والنسب ہے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے یہاں لکھ کر معلوم کرلیں، ان کے یہاں مجمع البحرین ہے اس میں یہ حدیث ضرور ہوگی۔

سلیمان بن داود بن حصین کون ہے؟

قال الهیثمی (ص ۶/۶۴): رواه الطبرانی فی الأوسط من طریق عبد الله بن محمد بن عمارة

الأنصاری عن سلیمان بن داود بن الحصین وکلاهما لم یوثّق ولم یضعّف الخ۔ حیاۃ الصحابة، باب هجرة عبد الله بن عباسؓ وغیره من الصبیان (ص ۳۵۹/ ۱)۔

سوال: (۴۱)

حیاۃ الصحابہ (ص ۳۵۹/۱) میں مجمع الزوائد کے حوالہ سے سلیمان بن داود بن الحصین کا ذکر ہے، مجھے موجودہ کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں ملا، مجھے شبہ یہ ہوا کہ یہ سلیمان بن داود بن قیس ہے، یہ قیس کا حصین ہوگیا ہو، مگر موخر الذکر کا ترجمہ ثقات ابن حبان میں (ص ۲۷۵/۸) پر موجود ہے، جبکہ ہیثمی نے **لم یوثّق ولم یضعّف** لکھا ہے۔

جواب:

مجمع الزوائد میں جو ہے بظاہر وہی درست ہے، اور یہ راوی مجہول الحال ہے، یہی ہیثمی کے قول **لم یوثّق ولم یضعّف** کا مطلب ہے۔

اگر قیس کا الحصین بن گیا ہوتا اور یہ کاتب کی غلطی ہوتی تو یہ تو سلیمان بن داود بن قیس ہوتے جو مشہور راوی ہیں، صاحب المیزان (ص ۲۰۶/۱) نے ان کے متعلق لکھا ہے **قال أبو حاتم: لَا أفهمه کما ینبغی، وقال الأزدی: تکلّم فیه، انتهیٰ۔ وذکره ابن حبان فی الثقات۔**

ہاں اگر ہیثمی کا نسخہ جس سے انھوں نے نقل کیا ہے محرّف ہو تو اور بات ہے۔

عبدالرحمٰن بن کعب صحیح ہے یا عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب؟

أخرج ابن مردویه بإسناد صحیح إلی معمر عن الزهری أخبرنی عبد الله بن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک عن رجل من أصحاب النبی ﷺ قال: الخ۔ حیاۃ الصحابة، باب حدیث بنی النضیر (ص ۳۷۴/ ۱)۔

سوال: (۴۲)

حیاۃ الصحابہ (ص ۳۲۴/۱ س۶) کے اخیر میں جو "**عبد الله بن**" ہے، میرے خیال میں یہ زائد ہے بس "**أخبرنی عبد الرحمٰن بن کعب**" ہونا چاہئے، کیونکہ راوی حدیث عبدالرحمٰن ہے، میری تلاش میں کوئی راوی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک ہے بھی نہیں، اور ان سے روایت کرتے ہیں زہری جیسا کہ بذل المجہود (ص ۱۴۲/ ۴) میں ہے، اور اسی طرح درمنثور (ص ۱۸۹/ ۶) میں ہے،

یہ بھی تحقیق سے معلوم نہیں کہ مصنفِ حیاۃ الصحابہ نے یہ روایت فتح الباری سے ہی لی ہے یا کہیں اور سے؟ کہیں اور سے ہوتی تو حوالہ ضرور ہوتا، بہر حال اگر فتح الباری سے ہوتو براہ کرم دیکھئے کہ اس میں بھی **"عبد اللہ بن"** ہے یا نہیں، اگر ہے تو ابوداؤد اور بذل سے مطابقت کس طرح ہے، اور اگر **"عبد الله بن"** غلط ہے تو کیا یہ غلطی فتح الباری میں بھی ہے یا حیاۃ الصحابہ میں ہی ہوگئی۔

براہ کرم اپنی تحقیق سے نوازیں، **جزاکم الله خیراً۔**

جواب:

حدیث بنونضیر کی سند کے متعلق آپ کے خط میں چند امور ہیں۔

(۱) سند میں عبداللہ زائد ہے۔

(۲) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک نامی کوئی راوی نہیں ہے۔

(۳) فتح الباری میں یہ روایت کہاں ہے؟

(۴) فتح الباری اور بذل المجہود و در منثور کی نقل میں اختلاف ہے، اول الذکر نے 'عبداللہ' کو لیا ہے اخیر دو نے نہیں لیا۔

(۵) زہری تابعی ہوکر 'عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب' سے جو تابعی ہیں کیسے روایت لے سکتے ہیں؟

ان نمبروں کا جواب ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ص ۳۳۱/۶ طبع محبّ الدین الخطیب) میں یہ روایت بحوالہ ابن مردویہ نقل کی ہے، اس میں **معمر عن الزھری أخبرنی عبد الله بن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک عن رجل من أصحاب النبی ﷺ** آیا ہے، اسی طرح عبدالرزاق (ص ۳۵۸/۵) نے المصنف میں معمر سے یہ روایت مفصلاً نقل کی ہے اور عبد بن حمید نے عبدالرزاق سے کما فی الفتح (ص ۳۳۱/۷) وشرح المواھب اللدنیہ (ص ۸۱/۲)۔

صرف ابوداؤد (ص ۱۴۲/۴) میں اور انہیں کے طریق سے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ص ۴۴۵/۲) میں یہ روایت لی ہے، ان دونوں کتابوں میں **عبد الرزاق أخبرنا معمر عن الزھری عن عبد الرحمٰن بن کعب، الخ،** واقع ہوا ہے، ابن المنذر اپنے پاس نہیں اور کسی کے کلام میں ان کی سند نظر نہیں پڑی۔

اس اختلاف میں راجح اول ہے اس لئے کہ مدارِ سند عبدالرزاق ہیں انکی مصنَّف میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن

کعب ہے اور عبد الرزاق کے بلا واسطہ تلمیذ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اسی طرح نقل کیا ہے وهو إمام حافظ۔

اور ابوداؤد نے محمد بن داؤد بن سفیان کے واسطہ سے یہ روایت لی ہے، اور وہ عبد الرزاق سے روایت کرتا ہے ولَا يعرف له حال، ولم يَرو عنه غير أبی داود، ولذا قال ابن حجر فی التقريب: مقبول أی يعتبر به فی المتابعة، وههنا لم يتابع بل خالفه من هو أوثق منه، فعلم أنّ 'عبد الله' فی الإِسناد ثابت وليس بزائد، ولكن 'عبد الله' هذا لم أجده فی كتب الرجال التّی بحثت عن كتب الستّة، ولكنه موجود فی كتب الرجال كما يأتی۔

ولو قيل يمكن أن يقال: الأصل 'عبد الرحمٰن بن عبد الله بن كعب'، فانقلب علی الراوی، ولعله الزهری أو عبد الرزاق، فإن كان كذالک فـ'عبد الرحمٰن بن عبد الله بن كعب' ثقة عالم مشهور من رواة الصحيحين، ودعوی الوهم إن ثبت إلی عبد الرزاق أقرب، والله أعلم۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن کعب نام کا کوئی راوی تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب میں نہیں ہے، لیکن امام بخاری نے تاریخ کبیر میں (ص ۱۳۳/۳/۱) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (ص ۹۵/۲/۲) ان کا تذکرہ کیا ہے، قالَا: روی عن أبيه وروی عنه عبد الله بن محمد العقيلی، زاد البخاری 'وعاصم بن عبيد الله'، وذكره ابن حبان فی الثقات (ص ۷/۳)۔

(۳) فتح الباری کتاب المغازی میں یہ روایت نقل ہوئی ہے۔

(۴) فتح الباری کی نقل مستند ہے، صاحب البذل نے درمنثور کا اتباع کیا ہے، اور صاحبِ درمنثور نے تساہل سے کام لیا، ابوداؤد اور بیہقی کی دلائل کی سند کے مطابق سب ہی کی طرف عن عبد الرحمٰن بن كعب منسوب کردیا، اور اگر قلب کا دعوی تسلیم کرلیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ عبد الرحمٰن جد کی طرف منسوب ہیں، واللہ اعلم۔

(۵) اس میں کوئی اشکال نہیں، بلکہ صحابہ تابعین سے روایت کرتے ہیں، سہل بن سعدؓ مروان سے ایک روایت نقل کرتے ہیں وهی فی صحيح البخاری فی التفسير وغيره، ونبّه الترمذی علی أنّ فيه رواية الصحابی عن التابعی۔

محمد یونس عفی عنہ

۹ رمضان ۱۴۰۶ھ

* * *

ابوبکرہؓ کی تحقیق

سوال:

ابوبکرہ: یہ لفظ بفتح باء بکرہ ہے یا بکسر، اول کے معنی جماعت اور ثانی کی معنی اول صبح کے ہے،

الاصابہ میں یہ عبارت ملی ہے جس میں دونوں احتمال ہیں، کسی ایک کی تعیین میں تردد ہے، **في الإصابة في ترجمة نفيع بن الحارث المشهور بأبی بكرة ما نصّه: وكان تدلّى إلى النبیﷺ من حصن الطائف ببكرة فاشتهر بأبی بكرة۔**

الاِستيعاب على هامش الاِصابة میں ہے: **كنّاه بأبی بكرة لأنه تعلّق ببكرة من حصن الطائف فنزل إلى رسول الله ﷺ** (ص ۲۳/۴)، عبارتِ ثانیہ کے سیاق سے **بكرة** بالفتح معلوم ہوتا ہے؟

(مولانا) عقیل الرحمٰن

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد

جواب:

صحیح **أبوبكرة** بفتح الباء ہے، وجہ کنیت وہی ہے جو آپ نے نقل کی ہے، **وصرّح به صاحب القاموس أيضاً والنووی فی تهذيب الأسماء والكرمانی فی شرح البخاری** (ص ۱۴۲/۱)۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی طرف نسبت ’بکراوی‘ بفتح الباء آتی ہے، **كما فی الأنساب للسمعانی** (ص ۲۹۴/۱) **ولباب الأنساب لِابن الأثير۔**

اس کے بعد کرمانی شرح بخاری میں تصریح بھی مل گئی، قال: **’وأبوبكرة‘ بفتح الموحدة** (ص ۱۰۷/۲)۔

بُكرة بضم الباء، اول الصبح کیلئے آتا ہے، مولانا عبدالرؤف داناپوری صاحبِ اصحّ السیر کو وہم ہوگیا کہ انہوں نے ابوبکرہ بالضم ضبط کردیا ہے، یہ یاد سے لکھ رہا ہوں، اصحّ السیر اس وقت سامنے نہیں ہے، اگر مدرسہ میں ہو تو غزوۃ الطائف میں دیکھ لیں اور بکسر الباء بھی غلط ہے، فقط والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سات آدمی

سوال:

وہ سات آدمی کون ہیں جنہوں نے ایک بادشاہ کے دربار میں حق کا اعلان کیا اور ان کی تاریخ کیا ہے؟

خورشید احمد

امام مسجد نارواماجرہ، پنجاب

جواب:

وہ سات آدمی اصحاب کہف ہیں، سورہ کہف میں ان کا قصہ مذکور ہے، کتب تفسیر میں انکی تاریخ دیکھی جاسکتی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

◆

مطلّقہ مبتوتہ کے نفقہ میں ما دامت العدّة کی قید

کیا ختان کی دعوت مشروع ہے؟

سوال:

(۱) صاحب ہدایہ نے **باب النفقة** میں مطلقہ مبتوتہ کے نفقہ کی بابت احناف کے مسلک کے اثبات میں حضرت عمرؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد نفقہ وسکنی کے ثبوت کا نقل کیا ہے اس میں **ما دامت فی العدة** کی قید بھی مذکور ہے،

یہ قید مسند ابن خسرو میں حسن بن زیاد کے واسطے سے امام صاحب سے **بسند عن حماد عن إبراهيم عن علقمة** مروی ہے مگر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے طور پر نہ کہ فرمان نبویؐ کے طور پر۔

آنجناب کے علم میں اگر اس قید کے دوسرے مخارج و مآخذ ہوں۔ نیز یہ کہ فرمان نبویؐ کے طور پر کہاں ہے؟ اگر علم ہو تو تحریر کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

(۲) ایک دوسری چیز استفسار طلب یہ ہے کہ ختان کی دعوت کا علماء نے مشروع دعوتوں میں ذکر کیا ہے۔ ابن حجر وغیرہ نے تو تائید وتاکید کے ساتھ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کے اثر کی توجیہ بھی ذکر کی ہے،

آنجناب کی نظر میں ہوگی۔ تحقیق یہ کرنی ہے کہ علماء نے اس اہتمام کے ساتھ جو اس کو مشروع دعوتوں میں ذکر کیا ہے تو کیا اس سلسلہ میں کوئی دوسری روایت بھی موجود ہے جس میں اس کا کسی انداز میں اثبات ہو؟

السائل محمد عبید اللہ الاسعدی ہتھورا باندہ

جواب:

(۱) ما دامت فی العدة کی قید کسی روایت میں میری معلومات میں نہیں ہے بجز اس روایت کے جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، خوارزمی نے جامع المسانید میں (ص ۱۶۲/ ۲) بحوالہ مسند حسین بن محمد بن خسرو البلخی بروایة الحسن بن زیاد عن الاِمام أبی حنیفة بسنده (المذکور فی السوال) نقل کیا ہے، تعجب علامہ زیلعی سے ہے کہ صاحب ہدایہ کے ذکر کردہ لفظ کی تخریج ہی نہیں کی اور نہ ہی حافظ ابن حجر نے۔

ایک اور روایت ہے جو پورے مدعاء کیلئے تو مفید نہیں ہے لیکن جس موضوع کیلئے آپ کو ضرورت ہے اس میں کسی قدر مدد ضرور دیگی۔ امام نسائی نے (ص ۱۰۰/ ۲) پر اپنی سند سے فاطمہ بنت قیسؓ کا قصہ روایت کیا ہے، اس میں یہ لفظ ہے: فقال رسول الله ﷺ: ”إنما النفقة والسکنٰی للمرأة إذا کان زوجها علیها الرجعة“۔

(۲) دعوت ختان مشروع دعوتوں میں شمار ہوئی ہے۔ اس کی ایک دلیل تو وہ عمومات ہیں جن میں اجابتِ دعوة کو کہا گیا ہے اور دوسری ایک اور دلیل ہے۔

عن أبی هریرةؓ قال: ”الولیمة حق وسنّة، فمن دعی فلم یجب فقد عصی الله ورسوله، والخرس والاِعذار والتوکیر أنت فیه بالخیار، قال: قلت: إنّی واللّٰه لَا أدری ما الخرس والاِعذار والتوکیر؟ قال: الخرس الولَادة، والاِعذار الختان، والتوکیر الرجل یبنی الدار وینزل فی القوم فیجعل الطعام فیدعوهم، فهم بالخیار إن شاءوا جاءوا وإن شاءوا قعدوا“۔ رواه الطبرانی فی الأوسط وغیره، وبقیة رجاله رجال الصحیح، کذا فی مجمع الزوائد (ص ۵۲/ ۴)، وعزاه الحافظ (ص ۲۳۰/ ۹) لأبی الشیخ والطبرانی من طریق مجاهد عن أبی هریرةؓ وقال (ص ۲۴۲/ ۹): ظاهر سیاقه الرفع ویحتمل الوقف۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

* * *

مداہنت کی سزا

سوال:

ماہنامہ وصیۃ العرفان (ماہ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۸۲ء) میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے (بعنوان مداہنت کی سزا) فرمایا کہ روح المعانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ خطیب بغدادی حضرت ابو سلمہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ محمد ﷺ کی جان جس کے قبضہ میں ہے، میری امت میں سے بروز قیامت اپنی اپنی قبروں میں سے کچھ لوگ ایسے نکلیں گے جن کی صورتیں بندر اور سور کی سی ہوں گی (العیاذ باللہ) اور یہ اس لئے ہوگا کہ ان لوگوں نے اہل معصیت کو انکی معصیت سے روکنے میں مداہنت (سستی) کی ہوگی، یعنی ان کو باجود قدرت کے اس سے روکا نہ ہوگا۔

السائل محمد غفران کٹکی

جواب:

یہ روایت علامہ سیوطی نے درّ منثور (ص ۲/۳۰۲) میں خطیب بغدادی کی کتاب 'رواۃ مالک' کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ وہ کتاب سامنے نہیں ہے۔ اس لئے روایت کے متعلق اسنادی حیثیت سے کلام کرنا دشوار ہے۔

روایت تو جیسی بھی ہو لیکن قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا بہت سخت ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض تم نے مشکوۃ شریف میں پڑھی ہیں۔ اور بہت سی حافظ ابن کثیر نے (ص ۲/۸۳) پر اور علامہ سیوطی (ص ۳۰۱ و ص ۲/۳۰۲) نے درج کی ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

⁂

حضرت عمر فاروقؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا

سوال:

ایک ضروری امر یہ قابل دریافت ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۂ بقرہ کے ختم پر خوشی میں شیرینی تقسیم فرمائی تھی، اس کا حوالہ نہیں مل رہا ہے، اگر حضرت کے ذہن میں ہو تو تحریر فرمادیں۔

محمد زید کانپوری

جواب:

حضرت عمرؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا درمنثور میں ہے قال (ص ۱/۲۱): أخرج الخطیب فی رواۃ مالک والبیھقی فی شعب الاِیمان عن ابن عمرؓ قال: ”تعلّم عمرؓ البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ، فلمّا ختمھا نحر جزوراً“۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖

سب سے آخر میں جن صحابیؓ کی وفات ہوئی

سوال:

ہم نے اپنی علمی کم مائیگی اور قلتِ وسائل کے پیشِ نظر حتی المقدور کوشش کر لی لیکن مسئلہ حل نہ ہو سکا، یعنی یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کون صحابیؓ ہیں جو سب صحابہ کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے، صرف ان کے اسم گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

سب سے آخر میں جس صحابیؓ کی وفات ہوئی ہے وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی ہیں صرح بہ الاِمام ابن الصلاح والنووی والحافظ ابن حجر والسیوطی (ص ۲/۲۲۸) وغیرھم۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖

کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟

سوال:

ابھی حال ہی میں ایک فتوی شائع ہوا ہے جس میں لڑکی والوں کو دعوت کرنا مسنون لکھا ہے اور مصنف عبد الرزاق (ص ۵/۴۸۷) حدیث تزویج فاطمہؓ کا حوالہ دیا ہے، اس کے بارے میں جناب والا نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، تو اس حدیث میں کیا سقم ہے؟ اور وہ قابل احتجاج ہے یا نہیں؟

السائل محمد زید

جواب:

بیٹی والوں کی طرف سے دعوت کا مسنون ہونا اگرچہ بعض اہل فتوی نے لکھ دیا ہے اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت پر جس میں حضرت فاطمہؓ کے نکاح کا مفصل تذکرہ ہے اعتماد کیا ہے جو امام عبدالرزاق نے (ص ۴۸۷/ ۵) پر درج کی ہے، لیکن اسکا راوی یحیٰی بن العلاء البجلی ہے **وهو متروك قاله الدارقطني، وقال أحمد بن حنبل: كذّاب يضع الحديث.**

نکاح فاطمہؓ کے سلسلہ میں اسی انداز کی ایک روایت ابن حبان (ص ۵۵۰) نے نقل کی ہے جس میں دعوت کا مضمون نہیں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ص ۳۰۴/ ۱۱) میں اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے اور حاشیہ موارد الظمآن میں لکھا ہے: **والحديث ظاهر عليه الإفتعال.**

میرے خیال میں یہ حدیث بھی موضوع ہے، متروک راوی کی روایت سے مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا ہے جبکہ وہ متّہم بھی ہو۔

اسکے بعد ایک روایت ملی جس سے فی الجملۃ اسکی تائید ہوتی ہے: **عن جابر بن عبد اللهؓ قال: ”حضرنا عرس علی بن أبی طالبؓ وفاطمة بنت رسول الله ﷺ، فما رأينا عرساً كان أحسن منه حسناً، هيّأ رسول الله ﷺ زبيباً وتمراً فأكلنا، وكان فراشها ليلة عرسها إهاب كبش“. رواه الطبرانی فی الأوسط وفيه مسلم بن خالد الزنجی وهو ضعيف وقد وثّق، كذافی مجمع الزوائد** (ص ۵۰/ ۴)، لیکن سنیت کا اثبات مشکل ہے، بظاہر یہ **من باب ضيافة الأضياف الحاضرين** ہے۔

واللہ اعلم۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

⁂

سوال:

”علماء أمتی كأنبياء بنی إسرائيل“ من خرّجه؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

”علماء أمتی كأنبياء بنی إسرائيل“، هذا حديث لَا يثبت، وقد كنت أجبت بذالک، فقال بعض الطلبة: أنه فی البخاری، فأجبت بأنه ليس فی الصحاح الستّة، ولَا يصحّ لفظه عن حضرة

النبوة علىٰ صاحبها الصلوة والسلام، ثم رأيت السخاوى قال فى المقاصد: قال شيخنا ومن قبله الدميرى والزركشى أنه لَا أصل له، زاد بعضهم: ولَا يعرف فى كتاب معتبر۔

قال السخاوى: وقد ورد ”كاد حملة القرآن أن يكونوا أنبياء إلّا أنهم لَا يوحىٰ إليهم“، أخرجه الديلمى وقال: إنّه غريب جدّاً من رواية الأكابر عن الأصاغر، قال السخاوى: وفيه من لَا يعرف وأحسبه غير صحيح۔

قلت: وعزاه المناوى فى فيض القدير (ص۹۱/۲) للدارقطنى أيضا وقال: فيه خلف الضرير، أورده الذهبى فى الضعفاء وقال: قال ابن الجوزى: روى حديثاً منكراً، كأنّه يشير إلى هذا، انتهى۔

قلت: هذا الحديث كما ترى لَا يثبت، ومع ذالک ليس بواضح فى معنى الحديث المذكور فى السوال، ولعل حديث ”العلماء ورثة الأنبياء“ عند أحمد وأبى داود والترمذى وغيرهم أقرب، وصحّحه ابن حبان والحاكم وحسّنه حمزة الكتانى، وضعّفه غيرهم بالاِضطراب فى سنده، لكن له شواهد يتقوى بها، ولذا قال الحافظ ابن حجر: له طرق يعرف بها أن للحديث أصلاً، ومع ذالک فأصل حديث السؤال لَا يثبت، والله أعلم۔

ثمّ رأيت حديث السؤال ذكره المناوى (ص۱۵/۱) فى فيض القدير حاكياً عن ابن عطاء الله الاِسكندرى، وتكلّم المحشّى على الحديث بما مفاده أنّ هذا الحديث لَا يثبت۔

وفى شرح المواهب للزرقانى (ص۱۵۸/۶) سئل عنه الحافظ العراقى فقال: لَا أصل له ولَا إسناد بهذا اللفظ، ويغنى عنه ”العلماء ورثة الأنبياء“، وهو حديث صحيح۔

كتبه محمد يونس عفى عنه

* * *

سوال:

صُبّت عليّ مصائب الخ کیا حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے؟

السائل----------

جواب:

علامہ نورالدین سمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ (ص ۴۴۴/ ۲) میں نص کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور تحفہ ابن عساکر میں بھی اس طریق سے ہے،

عن طاهر بن يحيى الحسيني قال: حدثني أبي عن جدّي عن جعفربن محمد عن أبيه عن عليؓ قال: لمّا رمس رسول الله ﷺ جاء ت فاطمةؓ فوقفت على قبره ﷺ وأخذت قبضة من تراب القبر ووضعت على عينيها وبكت، وأنشأت تقول:

ما ذا على من شمّ تربة أحمد
أن لا يشمّ مدى الزمان غواليا
صبّت عليّ مصائب لو أنها
صبّت على الأيام صرن لياليا

پھر مجھے اس کے بعد علم ہوا کہ ابن النجار نے الدرة الثمينة في تاريخ المدينة (ص ۳۸۷/ ۲) میں اس کو اس طرح نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: أنبأنا أبوجعفر الواسطي عن أبي طالب عن ابن يوسف أخبرنا أبو الحسن بن الآبنوس عن عمر بن شاهين أخبرنا محمد بن موسى حدثنا أحمد بن محمد الكاتب حدثني طاهر بن يحيى حدثني أبي عن جدّي عن علي بن أبي طالبؓ قال: لمّا رمس رسول الله ﷺ جاء ت فاطمة فوقفت على قبره وأخذت قبضة من تراب القبر فوضعته على عينها وبكت، وأنشأت تقول:

ماذا على من شمّ تربة أحمد
أن لا يشمّ مدى الزمان غواليا
صبّت عليّ مصائب لو أنها
صبّت على الأيام صرن لياليا

ان کی التاریخ میں 'صِرن' کی جگہ 'عُدن' کا لفظ ہے، اور ابن القدامہ نے المغنی میں اور قسطلانی (۲۸۲/ ۳) نے شرح بخاری میں اس کو اسی طرح نقل کیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

* * *

تم المجلد الثانی من الیواقیت الغالیة وبه تم سلسلة المکاتیب
فلله الحمد علی التوفیق، و یتلوه المجلد الثالث إن شاء الله
ویشتمل علی الأجزاء والرسائل فی علم الحدیث وغیره

سوالاتِ کتبِ حدیث

عنوان صفحہ/جلد

بخاری شریف

باب الاِقتداء بسنن رسول الله اور باب الاِقتداء بأفعال النبی ﷺ میں کیا فرق ہے؟ ۱/۱۶۹
خطبة الإستسقاء يا خطبة الجمعه ؟ ۱/۲۳۱
حدیث ہرقل کے ایک جز کی تحقیق ۱/۲۴۱
حضرت شیخ کی ایک عبارت کی تحقیق ۱/۲۴۹
’ھل ترون قبلتی ھھنا الخ‘ کہاں ہے؟ ۱/۲۷۹
الدین النصیحة الخ کی تشریح ۱/۳۱۴
کیا بخاری شریف میں کچھ احادیث ضعیف ہیں؟ ۲/۲۲۱
کیا رُحماً رحیم سے مشتق ہے؟ ۲/۳۷۶
صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہاء غریب حدیث سے کیوں؟ ۲/۳۷۹
بخاری کے معلّقات کا تجزیہ ۲/۳۹۸
ختم بخاری شریف کا دستور اور اس کی فضیلت ۲/۴۰۳
باب من سمّی الحیض نفاساً کی تحقیق ۲/۴۷۲

مسلم شریف

’استحبّ کونھما‘ تثنیہ کی ضمیر ہے یا واحد کی؟ ۱/۲۰۹
مقدمۂ مسلم کے متعلق چند قابل تحقیق امور ۱/۲۱۲
مقدمۂ مسلم اور مقدمۂ حدیث سے متعلق چند سوالات ۱/۲۷۵

ترمذی

ترمذی کی ایک عبارت کا حل ۲/۱۸۳
ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟ ۲/۴۵۵

ابوداود

ابوداوٗد شریف میں ثلاثی حدیث ہے یا نہیں؟ ۲/۱۳۳
ابوداود شریف کی کچھ احادیث پر وضع کا حکم ۲/۱۹۹
الجهاد واجب عليكم الخ کی تحقیق ۲/۳۸۲
اوپر کے مکتوب پر مکرر سوال ۲/۳۸۳

نسائی

أقيموا صفوفكم کو الجماعة للفائت من الصلوٰة ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟ ۲/۳۴۰

ابن ماجہ

تركتكم على مثل البيضاء الخ کا مطلب ۲/۳۵۸
ابن ماجہ کی سند مطلوب ہے ۲/۳۵۸

طحاوی

طحاوی کی ایک سند، حبان کا عطف کس پر ہے؟ ۱/۳۴۰
محدث دہلویؒ تک طحاوی کی سند مطلوب ہے ۲/۲۵۰
ورزقهم كلّ شهر والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟ ۲/۳۴۳
فاروق اعظمؓ کا پہلے قتل پھر دیت دینے کا حکم ۲/۴۰۲
طحاوی کی باب الرجل ينام کی پہلی و دوسری روایت کس درجہ کی ہے؟ ۲/۴۲۲
باب مايقتل المحرم من الدوابّ کی تحقیق ۲/۴۴۹
مضمونِ بالا کا مزید خلاصہ ۲/۴۵۲

دارقطنی

دارقطنی کی ایک عبارت کا حل ۲/۴۶۱

دارقطنی کی ایک روایت کی تحقیق ۲/۴۶۴

دارقطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم البزاز کا مختصر ترجمہ ۲/۴۶۴

مشکوٰۃ

مشکوٰۃ المصابیح کی ایک روایت کی تحقیق ۱/۳۰۷

مشکوٰۃ میں سمعت أُبیًّا ہے یا سمعت أبِی؟ ۱/۳۵۸

کتاب الفتن میں باب الفضائل و المناقب وغیرہ کیسے؟ ۱/۳۵۸

إذا سمعتم بجبلٍ زال عن مکانہ اور تحسینِ اخلاق کے امر میں تعارض ۱/۳۵۸

سند مشکوٰۃ شریف (مولانا امیر احمد صاحبؒ) ۱/۳۵۸ و ۲/۵۳

حیاۃ الصحابہ

حیاۃ الصحابہ سے متعلق مختلف سوالات ۲/۴۸۳

ابوشبیل عوف بن ابی حیّۃ یا عوف بن ابی جمیلۃ ۲/۴۸۳

مجّمع بن جاریۃ یا مجّمع بن حارثۃ ۲/۴۸۴

جند بن مکیث کی تحقیق ۲/۴۸۴

ابو جہاد صحابی کی تحقیق مطلوب ہے ۲/۴۸۵

ضغینۃ کی تحقیق ۲/۴۸۵

لتردنہ حافیًا ولترکبنّہ قائمًا ۲/۴۸۶

مِمّن القوم، القوم کی میم پر کیا اعراب ہے؟ ۲/۴۸۷

حریدۃ جبل کی تحقیق ۲/۴۸۸

معاجر عامری یا مہاجر عامری کون ہے؟ ۲/۴۸۹

ابوشبیل یا ابوشبل مکبرًا ہے یا مصغر؟ ۲/۴۸۹

فقال کے بجائے فقلت ہے ۲/۴۸۹

فانفلت کے بجائے فانقلب ہے یا نہیں؟ ۲/۴۹۰

فرض لمن شهد أحدًا ثلاثة آلاف کی تحقیق ۲/۴۹۱

مغضب ومعصب کی تحقیق ۲/۴۹۲

عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہنا ۲/۴۹۳

جیش اسامہ کی تعداد ۲/۴۹۵

عبدالرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی تحقیق ۲/۴۹۵

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی تحقیق ۲/۴۹۷

حطّ درس یا حطّ ورس؟ ۲/۴۹۸

ابوسعید کی کتاب شرف المصطفی کی تحقیق ۲/۴۹۸

حنین کا لفظ یہاں درست ہے ۲/۵۰۳

ابن حیّان صحیح ہے یا ابن حبّان؟ ۲/۵۰۴

تعزیزاً صحیح ہے یا تقذیراً؟ ۲/۵۰۵

أحفف صحیح ہے یا أحنق؟ ۲/۵۰۶

یحیٰی بن ابی راشد البصری ۲/۵۰۷

نفیلہ یا بقیلہ ۲/۵۰۸

عن أبی جابر الوالدی میں کوئی تصحیف تو نہیں؟ ۲/۵۰۹

خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل ۲/۵۱۰

نعیم بن نمحہ یا قحمہ ۲/۵۱۰

جریر بن عثمان یا حریز بن عثمان ۲/۵۱۰

بلقین قبیلہ کا نام ہے یا مقام کا؟ ۲/۵۱۲

عاص بن ابی قرصافہ ہے یا عیاض؟ ۲/۵۱۲

محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو راوی ہیں یا ایک؟ ۲/۵۱۳

مقام تبالہ کیا ہے ۲/۵۱۵

عوف صحیح ہے یا عون ۲/۵۱۷
ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ ۲/۵۱۹
مقبل صحیح ہے یا معبد ۲/۵۲۰
سلمہ بن یسوع کی تحقیق ۲/۵۲۱
کیا ابو ہریرہؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے؟ ۲/۵۲۲
الأنحات ہے یا کچھ اور؟ ۲/۵۲۳
عبید اصل ہے یا عباد؟ ۲/۵۲۳
الرافقی صحیح ہے یا الرافعی؟ ۲/۵۲۳
سلیمان بن داود بن حصین کون ہے؟ ۲/۵۲۴
عبد الرحمٰن بن کعب صحیح ہے یا عبداللہ بن عبد الرحمٰن بن کعب؟ ۲/۵۲۵

اصول حدیث

رواۃ متواتر کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے؟ ۱/۳۹
تواطؤ علی الکذب کا محال ہونا عقلاً مراد ہے یا عادۃً؟ ۱/۳۹
صوفیاء کا روایاتِ حدیث میں اعتبار کیوں نہیں؟ ۱/۱۰۹
محدثین کے یہاں رکاکت کا مفہوم کیا ہے؟ ۱/۱۶۴
ضعیف حدیث کو لفظ قال اور روی سے بیان کرنا ۱/۲۴۶
شہادت اور روایت کا فرق ۱/۳۱۳
روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟ ۲/۲۸۳
مراتبِ جرح ۲/۲۸۸
اقسامِ ناقدین ۲/۲۹۲
ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ۲/۲۹۶
حدیث موضوع کی بحث ۲/۳۰۴

ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟ ۲/۳۰۵
حدیث کے رفع و وقف میں اختلاف ہو تو کیا وہ شاذ ہے؟ ۲/۳۹۸

تشریح احادیث

جہاد حقیقی کی فضیلت تبلیغی جماعت پر منطبق ہوگی؟ ۱/۴۳
شعبِ اربعہ کی تشریح ۱/۱۰۸
برکۃ الوحی کا مصداق کیا ہے؟ ۱/۱۳۲
فرشتوں کا طالب علم کے قدموں کے نیچے پر بچھانے کا مطلب ۱/۱۵۹
کیا وضو سے گناہ صغیرہ ہی معاف ہوتے ہیں؟ ۱/۱۵۹
حدیث من عزّٰی مصاباً میں ’فلہ مثل أجرہ‘ سے کیا مراد ہے؟ ۱/۲۰۳
مخدع اور بیت میں کیا فرق ہے؟ ۱/۲۰۳
الحرب خدعة کا مفہوم ۱/۲۳۸
کرجل الجراد کی تشبیہ کا تعلق ۱/۳۱۵
حدیث لَا تغزٰی بعد الیوم کا مطلب ۱/۳۱۷
کل بنی آدم خطّاء میں آدم اور انبیاء داخل ہیں؟ ۱/۳۱۷
وعلی مصر عقبةؓ وعلی الجماعة فضالةؓ کا کیا مطلب؟ ۱/۴۰۱
احسان کی جامع اور عمدہ تفسیر ۱/۴۰۴
لَا تتّخذوا شیئاً فیه الرّوح غَرَضاً کی تحقیق ۲/۱۱۷
لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟ ۲/۱۴۱
صومِ رمضان کو حج سے مؤخر کیوں کیا؟ ۲/۲۱۵
قام رسول الله ﷺ عام أول ۲/۳۳۱
یرکبون علی سُرج کأشباه الرحال الخ کا کیا مطلب ہے؟ ۲/۳۴۶
امانت اور حتّی یقال للرجل ما أجلده کی تشریح ۲/۳۸۰

کیا اہل کشف مخلوقات کی تسبیح سن لیتے ہیں؟ ۲/۳۹۴
إماطة الأذیٰ عن الطريق کی تحقیق اور اس کا مفہوم ۲/۴۱۹
لیلۃ القدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟ ۲/۴۱۹
ما أخطأني ابن مسعودؓ عشيّة خميس الخ کا مطلب کیا ہے؟ ۲/۴۱۹
من مات وليس في عنقه بيعة سے کون سی بیعت مراد ہے؟ ۲/۴۷۶

تحقیقی مضامین

بسم اللہ یا کسی آیت قرآنی کے اعداد نکال کر استعمال کرنے کی حقیقت ۱/۵۰
مفتاح الصلاة الطهور کی سند میں سفیان سے کون مراد ہے؟ ۱/۵۴
کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے ۱/۵۸
حدیث پاک کا پہلا راوی کون ہے؟ ۱/۷۰
أقيمت الصلوٰة والنبی ﷺ ينادي رجلاً میں رجل کی تعیین؟ ۱/۱۰۹
کتبِ ترغیب وترہیب کون کون سی ہیں؟ ۱/۱۳۰
ایک حدیث میں تقسیمِ صدقات کی جگہ کی تعیین ۱/۱۳۳
نبی کریم ﷺ کا بال مونڈنا ۱/۱۳۴
احادیث شفاء کا مقام اور اس کے مصنف کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۱/۱۴۱
حدیث ترکت فیکم أمرین لن تضلّوا ما تمسّکتم الخ کی تحقیق ۱/۱۴۵
حدیث نهى عن قتل النساء الخ میں سند کی تحقیق ۱/۱۵۲
فتنۂ انکارِ حدیث ۱/۱۵۷
محيّصة بن مسعود کا سلسلہ نسب کیا ہے؟ ۱/۱۷۰
'إنها خلقت من ضلع آدم' میں آدم کا اضافہ کہاں ہے؟ ۱/۱۷۱
اعتکاف کی ابتدا کس سال ہوئی؟ ۱/۱۸۷
نزولِ عیسیٰؑ کس نماز میں ہوگا؟ ۱/۱۸۸

چند علمی باتوں کی تحقیق ۱/۱۹۹

الفیومی کے حالات کیا ہیں؟ ۱/۱۹۹

منذری کی تصانیف کیا کیا ہیں؟ ۱/۲۰۰

قاطن کے کیا معنی ہے؟ ۱/۲۰۰

منذری شامی ہیں یا مصری؟ ۱/۲۰۰

کیا قیمتی پتھروں کا ذکر حدیث میں ہے؟ ۱/۲۰۰

پردہ کی مشروعیت کس سن میں ہوئی؟ ۱/۲۰۵

یوم عاشوراء کی فرضیت ۱/۲۰۶

حدیث التوسعۃ علی العیال اور استحباب صوم عاشوراء میں بظاہر تعارض ہے ۱/۲۰۷

کتاب 'امام ابوحنیفہ اور علم حدیث' معتبر ہے یا نہیں؟ ۱/۲۱۰

سورۂ فاتحہ کلام اللہ کا جز ہے یا نہیں؟ ۱/۲۲۰

کلام اللہ اور کلام من اللہ کا فرق ۱/۲۲۰

لفظ افطار کی توضیح و تحقیق ۱/۲۲۴

کن حدیث بوہریرہ راشمار الخ ۱/۲۲۹

تحیۃ الوضوء نام صحیح ہے؟ ۱/۲۴۲

آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے الخ اس حدیث کی تحقیق ۱/۲۶۱

پیر دابنے اور پنکھا جھلنے کی تحقیق ۱/۲۶۲

بئر اریس میں انگوٹھی کا گرنا ۱/۲۶۵

حضرات صحابہ کی تعداد کتنی تھی؟ ۱/۲۶۵

سبق المهاجرون الناس بأربعين خريفا الخ کی تحقیق ۱/۲۶۶

وبالأسماء الثمانية المكتوبة الخ کہاں ہے اور کیا مراد ہے؟ ۱/۲۶۸

حضور اکرم ﷺ کی معراج جسمانی یا منامی؟ ۱/۲۷۱

بلال ہجری ہے یا ہلال ہجری؟ ۱/۲۸۱

ابن حاتم یا ابن ابی حاتم ؟ ۱/۲۸۱
می سے دیلمی مراد ہے؟ ۱/۲۸۳
روایت میں خلید صحیح ہے یا خالد؟ ۱/۲۸۶
ہدایہ یا بدایہ؟ ۱/۲۸۶
حضور ﷺ کا پورے موئے مبارک کا منڈوانا ۱/۲۹۱
عبداللہ بن جابر صحابی کتنے ہیں؟ ۱/۲۹۱
امام کو لقمہ دینے سے متعلق کوئی کتاب ؟ ۱/۲۹۷
انتخاب الترغیب پر تبصرہ ۱/۲۹۷
حکایات صحابہ سے متعلق چند دریافت طلب امور ۱/۳۰۳
ظہر کے قبل کی چار رکعتوں کا ثواب ۱/۳۰۴
ثلٰثة لا تردّ دعوتهم الخ کے لفظ کی تحقیق ۱/۳۰۶
کیا تنعیم سے عمرہ کرنا بدعت ہے؟ ۱/۳۰۸
متقدمین ومتاخرین کے درمیان حد فاصل کیا ہے؟ ۱/۳۲۶
سلف وخلف کا مفہوم ۱/۳۲۶
حضور اکرم ﷺ کا کفن مبارک؟ ۱/۳۴۱
رکوبه أجر وعاریته أجر کی تحقیق ۱/۳۴۴
کیا امام دعا میں اپنے ساتھ مقتدیوں کو شریک کرے؟ ۱/۳۴۶
حدیث میں ۴۰ خصلتیں کونسی ہیں؟ ۱/۳۴۹
ایمان کے ۷۰ شعبے کیا کیا ہیں؟ ۱/۳۴۹
حضور ﷺ کا ام حرامؓ کے یہاں آرام کیوں؟ ۱/۳۶۶
سفر ہجرت کی ابتداء دوپہر کو ہوئی یا رات کو ۱/۳۷۴
کیا کوئی جن صحابی یا تابعی جسم انسانی میں حلول کرسکتا ہے؟ ۱/۳۸۰
اگر اس کو کسی انسان نے دیکھا اس کی فضیلت کیا ہے؟ ۱/۳۸۰

مقصوصة، مضرّجة یا مخضوبة کیا صحیح ہے؟ ۱/۴۰۱
کیا گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے؟ ۲/۵۴
قرآن پڑھتے ہوئے جنت کے درجات طے کرنے کا مطلب ۲/۵۴
آپ ﷺ کے کرتے کی لمبائی ۲/۵۶
صلوٰۃ الاوّابین کی تحقیق ۲/۷۱
حدیث التوسعۃ علی العیال کی کیا حقیقت ہے؟ ۲/۸۱
کیا جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا اللہ کے فضل سے؟ ۲/۱۱۶
مَنسَأة فی الأثر والی حدیث کی تحقیق ۲/۱۱۷
فصل کے بیاض میں کیا لفظ ہے؟ ۲/۱۳۱
حدیث قدسی کی تعریف ۲/۱۳۲
فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد کا جواب ۲/۱۳۴
غزوات وسرایا میں حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟ ۲/۱۴۷
نیز عید کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟ ۲/۱۴۷
خلفاء راشدین کے زمانے میں جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟ ۲/۱۴۷
ایک روایت میں ابن عمر یا ابن عمرو کیا صحیح ہے؟ ۲/۱۵۳
اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرلے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟ ۲/۱۵۴
کس صحابی نے تطویل قراءت کی اور کس نماز میں؟ ۲/۲۰۹
حضور ﷺ کے زمانہ میں کن کن صحابی نے نماز پڑھائی؟ ۲/۲۰۹
جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں حدیث کا حکم ۲/۲۲۶
با جماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ سے بھی زیادہ ہے ۲/۲۲۸
حضور ﷺ کے تاخیرِ جنازہ کی وجہ سے ایک انگلی میں سیاہ دھبہ کا آجانا ۲/۲۳۳
حضور ﷺ کا قیامِ قباء ۱۴ دن ہے یا ۲۴ دن؟ ۲/۲۴۴
عون المعبود کی ایک سند کی تحقیق ۲/۲۴۵

ایک عبارت کا ترجمہ ۲/۲۴۷

ایمان تو یمنیوں کا ہے ۲/۲۵۱

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ۲/۲۵۲

ملفوظات جوامع الکلم کے کچھ اجزاء پر تفصیلی نوٹ ۲/۲۵۵

زہری کا عروہ سے سماع؟ ۲/۲۷۳

زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ ۲/۲۷۵

النکاح من سنتی، فمن رغب کہاں ہے؟ ۲/۲۸۲

۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟ ۲/۲۸۳

روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟ ۲/۲۸۳

مراتبِ جرح ۲/۲۸۸

اقسامِ ناقدین ۲/۲۹۲

ماہ شعبان کے روزے ۲/۲۹۵

ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ۲/۲۹۶

حدیث موضوع کی بحث ۲/۳۰۴

ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟ ۲/۳۰۵

کیا صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق صحیح ہے؟ ۲/۳۰۶

شب براءۃ کا روزہ کیا بدعت ہے؟ ۲/۳۰۶

شب برأت میں عبادت کے فضائل کی تحقیق ۲/۳۰۸

فصل اول۔ اس رات کی فضیلت کی روایات ۲/۳۰۸

نسخ آجال والی روایات ۲/۳۱۶

فصل ثانی۔ اس رات میں بیداری اور اجتماع ۲/۳۱۹

صلوۃ الرغائب کا حکم ۲/۳۲۲

فصل ثالث۔ شب براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم ۲/۳۲۳

منبرنبوی کے کتنے زینے تھے ۲/۳۳۳
کیا حافظ ابن حجر اور عینی ہم زلف ہیں؟ ۲/۳۳۶
حضرت آدمؑ کی اجتہادی لغزش کو ان کی ذرّیت بھگت رہی ہے، یہ انداز گفتگو کیسا ہے؟ ۲/۳۳۷
حضرت معاویہؓ کی اجتہادی لغزش پر تنقید وتبصرہ ۲/۳۳۷
ایک راوی کی تحقیق ۲/۳۴۱
حضرت علیؓ کے ساتھ 'کرّم الله وجهه' لکھنے کی وجہ ۲/۳۴۴
مسامحات الإمام الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وغیرہ ۲/۳۵۰
کیا صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؟ ۲/۳۵۵
حضرت موسیٰؑ کو ہی کوہِ طور پر کیوں بلایا گیا؟ ۲/۴۵۶
حضرت حفصہؓ وسودہؓ کی طلاق کا تذکرہ ۲/۴۵۸
مسح علی رأسہٖ ثلثًا کی تحقیق ۲/۴۶۱
ابوسلمہ کندی نے لیث سے کب سنا؟ ۲/۴۶۱
مذاہب اربعہ کے علماء سے تعلیم وتعلم ۲/۳۶۱
علم منطق کا پڑھنا کیسا ہے؟ ۲/۳۶۱
میت کیلئے بہترین ذکر ۲/۴۶۷
کیا حضرت عیسیٰؑ نبی ہوکر نازل ہوں گے یا امتی؟ ۲/۴۶۸

تخریج احادیث

الف

ابدال سے متعلق روایت ۲/۳۹۱
ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟ ۲/۴۴۵
ابوطلحہؓ کے مہمانوں کا واقعہ مشکوۃ (ص۵۸۰) ۱/۳۰۷
أتیت رسول الله ﷺ فی رهط من مزینة ۱/۲۶۶

أحبّ العرب لثلاث (عربی زبان کی فضیلت پر ۱۳ احادیث)	۱/۳۸۷
إحفظ الله يحفظك، واحفظ الله تجده تجاهك	۱/۱۸۶
أخّروهن من حيث أخّرهن الله	۱/۳۰۷
إدخال السرور فی قلب مؤمن	۲/۱۲۵
إذا أحبّ الله عبداً الخ کا حوالہ	۲/۲۱۶
إذا أدخلتمونی فی قبری فضعونی فی اللحد وقولوا...	۱/۱۳۹
إذا جلس بين شعبها الأربع	۱/۱۰۸
إذا سلمت الجمعة سلمت الأيام کس نے تخریج کی ہے؟	۲/۳۷۷
إذا سمعتم بجبل زال عن مكانه	۱/۳۵۸
إذا عظّمت أمتی الدنيا نزعت منها هيبة الإسلام	۱/۱۳۱
إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره	۱/۱۴۰
أربع خصال من كن فيه	۲/۱۲۵
أربعون خصلة اعلاهن منيحة العنز	۱/۳۴۹
أصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم	۲/۲۳۳ و ۲/۴۱۳
أطلبوا العلم ولو بالصين	۲/۱۸۴
أطلبوا العلم ولو بالصين پر مفصل کلام	۲/۴۲۶ و ۲/۴۳۰
اعتلّ أبی فعاده علیّ	۱/۲۶۲
إعمل لدنياك كأنك تعيش أبداً	۱/۲۸۷
إفتح الطعام بالملح واختم به	۱/۳۰۱
أقيمت الصلوٰة والنبی ﷺ ينادی رجلاً میں رجل کی تعیین؟	۱/۱۰۹
أكرموا أولادكم	۲/۱۲۷
ألا إنّ الدنيا خلقت لكم الخ کیا حدیث ہے؟	۲/۳۵۴
ألا! رحیٰ الإسلام دائرة	۱/۲۸۴

ألَا من ظلم معاهداً أو انتقصه ۱/۵۲

الاِحسان أن تعبد الله كأنّک تراه ۱/۴۰۴

الاِيمان بضع وسبعون شعبة ۱/۳۴۹

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کا شکار ہوتے ہیں؟ ۲/۱۱۴

أمرت بيوم الاَضحٰى عيدًا الخ کی تشریح ۲/۴۱۵

إن أسماء بنت أبى بكر الصديقؓ كانت تصدع فتضع يدها ۱/۲۶۸

إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة ۱/۳۴۴

إنّ اعظم الأيّام عند الله يوم النحر ۱/۱۰۱

إن الأرواح تتلاقى فى المنام ۱/۲۲۰

إنّ البلاء والدعاء يتصارمان کیا حدیث ہے؟ ۲/۳۵۵

أن الثلاث كانت تجعل واحدة الخ صحیحین میں کہاں ہے؟ ۲/۴۶۶

إن الله تعالىٰ يتجلّى بصور كثيرة ۱/۳۹۵

إن الله قبض أرواحكم ۱/۲۲۱

إن الله نظيف يحبّ النظافة ۱/۳۴۶

إن الله يدعو الناس يوم القيامة بأمهاتهم ۱/۲۰۹

إن الله يريد العذاب بأهل الأرض ۱/۳۱۸

إن الله ينظر إلى وجه الشيخ صباحًا و مساءً ۲/۱۲۶

إن الرجل ليصلّى ستين سنة ۱/۲۶۱

إن الروح إذا قبض تبعه البصر ۱/۲۲۱

إن العالم والمتعلم إذا مرّا على قرية ۱/۴۲

إن النوائح يجعلن يوم القيامة صفّين ۱/۱۸۳

إن جبريل أتى النبىﷺ فى مرضه الذى قبض فيه ۱/۱۸۱

إن خالد بن الوليد لمّا نزل الحيرة قيل له احذر السمّ ۱/۲۰۸

إن لنفسک علیک حقاً ۱/۲۹۷
أنا أحمد بلا میم ۲/۱۱۱
أنا حبیب الله ولَا فخر ۲/۱۲۸
أناقائد المرسلین ولَافخر ۲/۱۲۵
أنا مدینة العلم وعلیّ بابها کی تحقیق ۲/۴۱۳
أنت ومالک لأبیک کہاں ہے؟ ۲/۴۷۸
إنّما بُعِثتُ معلّماً ہے یا إنّما أنا بُعِثتُ معلّماً؟ ۲/۳۴۵
إنّما ولدت بزمن الملک العادل کی تحقیق ۲/۴۰۹
إنها خلقت من ضلع آدم ۱/۱۷۱
إنهما أتیا النبی ﷺ فی حجة الوداع وهو یقسم الصدقة ۱/۱۳۳
إنّهن صواحب یوسف ، صواحب کرسف کامفہوم ۲/۴۷۲
أوتیت علم الأولین والآخرین ۲/۱۸۹
أوّل ما خلق الله نوری ۲/٦۲ و۲/۲۰۵ و۲/۴۱۱
أیام التشریق أیام أکل وشرب ۱/۲۵۲
ایک دعا کا ثواب اور اس کی تحقیق ۲/۱۸۵
أیّما رجل تزوج امرأة فنوی ۱/۱۸۴
ایمان کی تجدید کرلیا کرو ۲/۲۲۷

ب

باب من العلم یتعلّمه أحب إلینا ۱/۳۱۸
البلاء مؤکل بالمولود کہاں ہے؟ ۲/۳۷۸
بینما نحن یوماً جلوس فی بیت أبی بکرؓ فی نحر الظهیرة ۱/۳۷۴

ت

تختّموا بالعقيق فانه مبارك ۱/۲۰۰

تختّموا بالعقيق فانه ينفى الفقر ۱/۲۰۰

تخلّقوا بأخلاق الله کیا حدیث ہے؟ ۲/۴۵۸

تداووا بالصدقة ۱/۲۳۰

تركت فيكم أمرين لن تضلّوا ما تمسّكتم ۱/۱۴۵

تزوّجوا الودود الولود ۱/۳۲۰

تزویجِ فاطمہؓ کی روایت ۲/۴۰۱

تسعة أعشار الرزق فى التجارة کیسی حدیث ہے؟ ۲/۲۱۱

تعرض الأعمال... وتعرض على الأنبياء وعلى الآباء ۱/۲۹۵

تعلّمنا الإيمان قبل أن نتعلّم القرآن کس جگہ ہے؟ ۲/۱۲۳

تعویذ گنڈے کے متعلق صریح احادیث ۲/۴۵۵

تفكّر ساعة خير من عبادة ستين سنة ۱/۴۳

توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں ۲/۲۲۷

ث

ثلاثة لَا تردّ دعوتهم ۱/۳۰۶

ثلاثة لعنهم الله، من تقدّم قوماً ۱/۱۸۸

ثلاث لَا يحلّ لأحد أن يفعلهن ۱/۳۴۶

ثم رجع ومحجن فى مجلسه ۱/۲۹۰

ج

جزى الله عنا محمداً ﷺ بما هو أهله ۱/۳۳۷

جماعت کے رہبر کی فضیلت ۱/۴۳

جمع بین الازواج فی ساعة واحدة والی روایت ۲/۳۳۰

الجمعة واجبة علیٰ کلّ قرية ۱/۱۹۶

الجمعة واجبة علیٰ کلّ محتلم ۱/۱۹۶

جمعہ کے دن سرمہ لگانا ۲/۴۱۵

جو آدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا؟ ۲/۶۲

جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے الخ ۲/۲۵۴

ح

حبّب إليّ من دنیاکم ثلاث ۱/۴۰۷

حتّٰی استقرّ کل عضو موضعه ۱/۱۹۲

حدیث ظہور صحابی ۲/۱۹۵

حدیث عطارہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟ ۲/۳۷۱

الحرب خدعة ۱/۲۳۸

حضرت ابراہیمؑ نے اس امت کو سلام پہونچایا؟ ۲/۱۸۹

حضرت عمر فاروقؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا ۲/۵۳۱

حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں ۲/۱۸۶

حضرت موسیٰؑ نے اس امت میں داخل ہونے کی تمنا کی؟ ۲/۱۸۹

حضور ﷺ سے ’یا بُنیّ‘ کہنا منقول ہے؟ ۲/۳۶۷

حضور ﷺ کا طویل خطبہ دینا ۲/۲۵۴

حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟ ۲/۳۶۹

خ

خرجت لیلة إلی مقابر مكة فوضعت رأسي علی قبر ۱/۱۳۹

خطّ لنا رسول الله ﷺ خطاً	۱/۱۸۶
الخلق السيئة يفسد العمل	۲/۱۲۸
خلق الله العقل فقال له	۱/۳۹۵
خلقت النخلة والرمّانة والعنب یہ حدیث کہاں ہے؟	۲/۲۳۰
خواب میں بحالتِ ایمان حضور اقدس ﷺ کی زیارت	۲/۴۷۹
خياركم الذين إذا رأوا ذكر الله	۱/۱۵۲
الخيرفيما وقع کیا یہ حدیث ہے	۲/۴۷۲

د

دخلت امرأة النار فی هرّة ربطتها فلم تطعمها	۱/۱۹۴
دخل رجل علی أهله فلما رأى ما بهم من الحاجة	۱/۴۲
الدرجة الرفيعة اور وارزقنا شفاعته يوم القيامة کا ثبوت	۱/۱۵۲
دعاءِ حضرت عمرؓ اللّهم كبرت سنّی کہاں ہے؟	۲/۳۴۷
الدنيا جيفة وطالبها كلاب	۱/۲۸۷
الدنيا زور کی تحقیق	۲/۴۰۹
الدين النصيحة، للّٰه ولرسوله	۱/۳۱۴

ذ

ذكرت الطيرة عند رسول الله ﷺ	۱/۱۸۷
الذنب لَا ينسىٰ والبرّلَا يبلىٰ	۲/۱۲۶

ر

رأيت ظلّی و ظلّ قومی فی النار	۲/۱۸۹
ربّ تالٍ للقرآن والقرآن يلعنه	۲/۶۲

رکوبه أجر وعاريته اجر ۱/۳۴۴

س

سألتني زماماً من نار ۱/۳۸۵
سب سے آخر میں جن صحابیؓ کی وفات ہوئی ۲/۵۳۲
سبق المهاجرون الناس بأربعين خريفا ۱/۲٦٦
السعيد من وعظ بغيره ۲/۱۲۹
سوتے وقت حضرت علیؓ کو پانچ ہدایات ۱/۳۳۷
سؤر المؤمن شفاء ۲/۱۲۷
سيأتي زمان علىٰ أمّتي يأكل الدخان الخ کی تخریج ۲/٦۰
سيّد القوم خادمهم ۱/۱۹٦ و ۲/۱۳۰
سيدة نساء أهل الجنة فاطمةؓ اور سيدا شباب أهل الجنة الخ کی تحقیق ۲/۴۰۵

ش

شرّ ماء على وجه الارض ماء بوادي برهوت ۱/۳۱۵
شقّ صدره ﷺ ۱/۱۱۲

ص

صُبّت عليّ مصائب الخ کیا حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے؟ ۲/۵۳۴
الصدق ينجي والكذب يهلك ۲/۱۲۷
صل من قطعک و عزّ من قنعک ۲/۱۲٦
صلّوا خمسكم وصوموا شهركم ۱/۲۷۳
صلّوا كما رأيتموني أصلّي ۲/۳۳۰
الصلوة معراج المؤمن ۲/٦۲ و ۲/۳۳۰

ض

ضحّی رسول اللهﷺ بکبشین ۱/۹۶

ط

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة میں مسلمة کی زیادتی ۱/۳۱۸ و ۲/۳۳۰

ظ

ظِلُّ رسول اللهﷺ ۶۲ و ۱/۳۰۰

ع

عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ ۲/۴۰۱

'علماء أمتی کأنبیاء بنی إسرائیل' من خرّجه؟ ۲/۵۳۳

العلماء ورثة الأنبیاء ۱/۲۸۶

علّمنی النبیﷺ وکفّی بین کفّیه ۱/۲۸۲

علمنی ربی فأحسن تعلیمی ۲/۱۸۹

العمائم تیجان العرب ۱/۳۶۷

عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال کی تحقیق ۲/۴۷۲

ف

الفاجر الراجی برحمة الله أقرب ۲/۱۲۶

فإذا سمع تعلیم الصبیان الخ کی تخریج ۱/۳۱۸

فضائل گشت میں گشت کے راستے دوسرے راستے پر فخر کرتے ہیں؟ ۱/۴۲

فضل أهل قباء ومسجدهم ۲/۱۶۵
فضل ما بين القبر والمنبر ۲/۱۶۳
فضل المدينة المنورة ۲/۱۵۷
فضل المسجد النبوی ۲/۱۶۱
فقدت رسول الله ﷺ ليلةً، فإذا هو بالبقيع ۱/۲۹۱
فلما كان يوم الاِثنين اشتدّ الأمر وأوحىٰ الله عزوجل إلى ملک الموت ۱/۱۸۱

ق

قال أبو ذرؓ: أوصانی خليلی ﷺ بأربع كلمات ۲/۱۲۴
قد أحصر رسول الله ﷺ فحلق رأسه ۱/۲۹۱

ک

كان أبوهريرةؓ يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول کہاں ہے؟ ۲/۳۲۷
كان إذا ادّهن صبّ فی راحته اليسرىٰ ۱/۲۲۹
كان إذا ادّهن لحيته بدأ بالعنقفة ۱/۲۳۰
كان إذا تغدّى تمدّى وإذا تعشّى تمشّى ۱/۱۶۳
كان إذا تغدّىٰ لم يتعشّ ۱/۱۶۳
كان رسول اللّٰه ﷺ إذا أطلى ولى عانته بيده ۱/۱۳۴
كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث ۱/۳۴۱
كان عمرؓ يتعوّذ من معضلة ليس لها أبو حسن کہاں ہے؟ ۲/۳۷۸
كانت الأنصار إذا مات لهم الميت ۱/۱۳۹
كانت أم الدرداء تجلس فی صلاتها جِلسةالرجل ۱/۷۹
كانت عائشةؓ تعتمر بعد الحجّ من مكة ۱/۳۰۸

کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں ۲/۱۸۹
کفن رسول الله ﷺ فی ثلاثة أثواب بیض ۱/۳۴۱
کل بنی آدم خطّاء و خیر الخطّائین التوّابون ۱/۳۱۷
کل ضلالة فی النار ۱/۲۰۳
کل عبادة لم یتعبّدها أصحاب رسول الله ﷺ ۲/۳۳۰
کل عشبة نابتة فی الأرض ۱/۲۹۷
کنا نغزو مع رسول الله ﷺ لیس معنا نساء ۱/۳۲۰
کوہِ طور پر جانے کی حدیث ۱/۲۹۷
کھانے کی برکت ۲/۴۱۵
کیا ایک بلی کے بدلے میں مومن کو عذاب دیا جا سکتا ہے؟ ۱/۱۹۴
کیا باسی روٹی کھانا مسنون ہے؟ ۲/۳۴۵
کیا حضور ﷺ سے ’یا بُنیّ‘ کہنا منقول ہے؟ ۲/۳۶۷
کیا حضور ﷺ کے یہاں بھی اعمال کی پیشی ہوگی؟ ۲/۴۷۸
کیا حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟ ۲/۳۶۹
کیا قبرستان کے مردوں کا چالیس روز تک قبر کا عذاب معاف ہوجاتا ہے؟ ۱/۴۲
کیا کوئی صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے؟ ۲/۳۲۹
کیا مسجد العشّار کی فضیلت والی حدیث موضوع ہے ؟ ۲/۱۴۳
کیا معراج میں حضور ﷺ نعلین کے ساتھ گئے؟ ۲/۳۸۱

گ

گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟ ۲/۳۸۴

ل

لَا أدری ما یفعل بی یوم القیامة حدیث ہے یا نہیں؟ ۲/۳۷۷

لَا تتمارضوا فتمرضوا ۱/۲۶۲

لَا تدخلوا مساکن ۔۔۔ إلّا أن تکونوا باکین ۱/۲۴۱

لَاتغزٰی هذه بعد ها أبداً إلٰی یوم القیامة ۱/۳۱۷

لَا صلوة إلّا بحضور القلب ۲/۶۲

للَا فقر أشد من الجهل ۲/۱۳۰

لَا یحلّ مال امرئ إلّا الخ طحاوی میں ہے؟ ۲/۴۵۳

لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟ ۲/۱۴۱

لبس الخاتم بعد النبی ﷺ أبوبکرؓ ثم عمر ثم عثمانؓ ۱/۲۶۵

لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة ۱/۱۸۳

لکل شئی معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین ۵۲و۱/۵۸

لما اقترف آدم الخطیئة قال: یا رب بحقّ محمّد ۱/۲۶۹

لما قدمنا المدینة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبّل ۱/۱۶۵

لما کان قبل وفاة النبی ﷺ بثلاث ۱/۱۷۷

لما عقر ثمود الناقة ۱/۲۹۹

لوعاش إبراهیم لکان نبیاً کی تحقیق ۲/۴۱۲

لوکان موسٰی و عیسٰی حیّین الخ کی تخریج ۲/۴۱۱

لوکنت متخذاً من أمتی خلیلاً ۱/۲۹۶

لولَا علیّ لهلک عمر کہاں ہے؟ ۲/۳۷۸

لولَاک لما خلقت الأفلاک ۶۲ و۱۸۹ و۲۰۳ و۲۰۵ و۲/۴۱۱

لیس منا من حلق ۱/۱۸۴

لیس منا من خصیٰ ولَا اختصیٰ ۱/۳۲۰

م

ماجتمع فی شیء من الحلال والحرام کیسی حدیث ہے؟ ۲/۳۹۶
ما رأیت منه ولَا رأی منّی ۱/۱۹۳
ما من أحد یسلّم علیّ إلّا ردّ الله علیّ روحی ۱/۷۵
ما من صباح ولَارواح إلّابقاعُ الأرض ینادی ۱/۴۲
ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوة ۱/۲۳۲
ماہ رمضان میں موت کی فضیلت ۲/۴۶۷
مداہنت کی سزا ۲/۵۳۱
مُرن أزواجکن أن یغسلوا أثر الغائط والبول ۱/۳۴۱
مسواک کے ستر فائدے، کس روایت میں ہے؟ ۲/۳۸۴
مطلّقۂ مبتوتہ کے نفقہ میں مادامت العدّۃ کی قید ۲/۵۲۹
المعاصی برید الکفر کیا حدیث ہے؟ ۲/۲۱۱
من اتّبع الصید غفل ۱/۲۴۱
من أحیا سنتی بعد ما أمیتت ۱/۲۷۳
من أرسل نفقة فی سبیل الله وأقام فی بیته ۱/۲۳۲
من أرسل نفقة فی سبیل الله وأقام فی بیته فله بکل درهم سبعمائة درهم الخ ۲/۶۲
من استطاع منکم ---- إلّا وعلیه إمام ۱/۲۷۳
من أشراط الساعة أن تکثر السیول والأمطار کہاں ہے؟ ۲/۳۴۸
من السنة البداءة بالملح والختم به کی تخریج ۲/۳۹۶
من أعان تارک الصلٰوة متعمّداً بذرّة الخ کی تخریج ۲/۶۰
من أکل البنج مرّة فکأنّما زنیٰ الخ کی تخریج ۲/۶۰
من أمّ قوماً وهم له کارهون ۱/۱۸۸

’من ترک سنّتی لم ینل شفاعتی ‘ کیا حدیث ہے؟ ۲/۱۱۵

من تزوّج لله توّجه الله تاج الملک ۲/۱۲۹

من تمسّک بسنّتی عند فساد أمتی ۴۳و۱/۱۸۵

من خرج من بيته مجاهداً وأصلح ۱/۲۷۳

من خضع لغنیّ أو وضع له نفسه ۱/۲۰۳

من دخل المقابر ثم قرأ ”فاتحة الكتاب“ و﴿ قل هو الله أحد ﴾ ۱/۱۳۸

من دخل المقابرفقرأ سورة یٰس ۱/۱۳۸

من دلّ على خير فله مثل أجر فاعله ۱/۴۳

من زار قبر والديه أو أحدهما فقرأ ۱/۱۳۸

من سمع الأذان والإقامة ولم يحضر الجماعة الخ کی تخریج ۲/۶۰

من صلّی علیٰ رُوح محمّد فی الأرواح الخ پوری حدیث لکھیں ۲/۸۶

من صلّی علیّ یوم الجمعة ثمانین مرة ۱/۳۳۷

من ضارّ ضارّ الله به الخ کی تخریج ۲/۱۹۸

من عادٰی لی ولیاً فقد آذنته بالحرب ۱/۵۲

من عرف نفسه فقد عرف ربه ۲/۱۳۰

من مرّ بين المقابر فقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ ۱/۱۳۸

من وسّع على عياله يوم عاشوراء ۱/۳۲۶

موتوا قبل أن تموتوا ۲/۶۲

المؤمن القوی خير ۱/۲۲۹

المؤمن أعظم حرمة من الكعبة ۲/۶۲

میت کا اپنے اقرباء کی آمد کا علم ہونا ۲/۴۶۷

میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا کی تحقیق ۲/۲۰۶

ن

ناخن کاٹنے کی ترتیب ۲/۴۱۵

الناس شركاء فى الثلاث ۱/۳۱۷

النظافة من الإيمان ۱/۳۴۶و/۲۸۷

النكاح من سنّتى، فمن رغب عن سنّتى ۱/۲۰۲

النكاح من سنتى، فمن رغب الخ پوری ایک حدیث ہے؟ ۲/۴۷۸

نهٰى عن قتل النساء والصبيان ۱/۱۵۶

و

وكان يفتتح خطبه كلها بالحمد لله ۱/۱۵۹

هـ

هل ترون قبلتى ههنا فوالله ما يخفٰى علىّ ۱/۲۷۹

ی

يا أيها الناس أصلحوا بينكم و بين الله ۲/۱۲۴

يا بنيّ! إذا أنا متّ فألحدني ۱/۱۳۹

يا على! لَا تنم قبل أن تأتى بخمسة أشياء ۱/۳۰۴

يا محمد! قم فادخل الجنة ۱/۳۰۱

يبدأ بالملح ويختم به کی تحقیق ۲/۴۴۸

يبعث الله الأيّام يوم القيٰمة كهيئتها ۱/۳۹۵

ينزل البلاء فيعالجه الدعاء ۱/۳۹۵

ينزل عيسىٰ ابن مريم ۱/۱۸۸
يؤخذ لدانق ثواب سبع مأة صلاة بالجماعة (۲ پیسے کیلئے ۷۰۰ نمازوں کا ثواب) ۱/۵۸
يؤتىٰ بالدنيا فى صورة عجوز شمطاء ۱/۳۹۵

سیر وسوانح، رواۃ ورجال

مولانا ظہور الحق ؒ کے مختصر حالات ۱/۲۴۲
مولانا عبد اللطیف ؒ کی تاریخ وفات ۱/۲۴۲
علامہ قسطلانی کی تاریخ پیدائش ۱/۲٦۹
نبذة من حياة الشيخ محمد زكريا الكاندهلوىؒ ۲/۲۵
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذۂ حدیث ۲/۳۵
نبذة عن حياة الشيخ أسعد الله الرامفورى ۲/۳۹
نبذة عن حياة الشيخ امير احمد الكاندهلوىؒ ۲/۴۴
شارحِ مشکوٰۃ ابن حجر عسقلانی ہیں یا مکی؟ ۲/۷۸
ثعلبہ بن عنمہ ہے یا ثعلبہ بن غنم؟ ۲/۷۹
غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی کا ضبط کیا ہے؟ ۲/۲۱۱
اصیلی کی تحقیق ۲/۲۱۹
ابن المنیر کا ضبط کیا ہے؟ ۲/۲۱۹
مطر بن عکامس صحابی ہیں یا نہیں؟ ۲/۲۱۹
زین بن نجیم کا ضبط ۲/۳۳۱
تورپشتی کی تحقیق ۲/۳۳۱
نابلسی ۲/۳۳۱
بلقینی ۲/۳۳۱
الدمیری ۲/۳۳۲

القرطبی ۲/۳۳۲

المقدسی ۲/۳۳۲

الطیبی ۲/۳۳۲

القسطلانی ۲/۳۳۳

عیاض ۲/۳۳۳

ابن خلکان ۲/۳۳۳

ابن خلدون ۲/۳۳۳

صاحب الکشف سے کیا مراد ہے؟ ۲/۳۸۷

نیل الأمانی سے کیا مراد ہے؟ ۲/۳۸۷

الاِتحاف سے کیا مراد ہے؟ ۲/۳۸۷

رزین بن معاویہ عبدری کے حالات ۲/۳۸۷

تخریج أحادیث الرافعی للحسامی کی تفصیلات ۲/۳۸۷

علامہ ابن الترکمانی کون ہیں؟ ۲/۳۸۷

ابوعبید اور مسعودی کون ہیں؟ ۲/۴۴۵

دارقطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم البزاز کا مختصر ترجمہ ۲/۴۶۴

ابوبکرہؓ کی تحقیق ۲/۵۲۸

سات آدمی ۲/۵۲۹

عقائد وکلام

کیا آپ ﷺ یا دیگر اولیاء کرام بیک وقت بہت سے مقامات پر جا سکتے ہیں؟ ۱/۷۳

ایک حدیث سے حضور ﷺ کے عدم حیات پر استدلال اور اسکا جواب ۱/۷۵

قرأتِ قرآن کا ثواب میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ ۱/۱۳۵

کیا امام ابوحنیفہؒ مرجئہ میں سے ہیں؟ ۱/۱۷۲

کیا حضور اقدس ﷺ کے حضور اعمال کی پیشی ہوتی ہے؟ ۱/۲۹۵

انبیاءؑ و اولیاءؒ سے دعاؤں کے ذریعہ مدد طلب کی جاسکتی ہے؟ ۲/۵۷

کیا انبیاء کرام صغائر و کبائر سے معصوم ہیں؟ ۲/۸۸

کیا قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو پہونچتا ہے؟ ۲/۸۸

مسئلۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام ۲/۹۷

مسئلۂ حیٰوۃ الانبیاء علیہم السلام ۲/۱۰۲

چند شبہات اور ان کا ازالہ ۲/۱۰۶

کیا حضور ﷺ پر امت کے اعمال دن میں دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں؟ ۲/۱۰۸

حضرت سعد بن معاذؓ کو عذاب قبر کیوں ہوا؟ ۲/۱۰۹

قیام مروّجہ کے اثبات کی ایک لغو دلیل ۲/۲۰۱

سرور کائنات ﷺ کا سایہ ۲/۲۴۶

عقیدۂ نزول عیسیٰؑ ۲/۳۶۲

قادیانی ہرگز نبی نہیں ۲/۳۶۶

کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟ ۲/۳۷۳

تفسیر

﴿ثُمَّ سَوّٰاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ﴾ ۱/۲۲۱

﴿فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ کا تعلق موت سے یا آخرت سے؟ ۲/۲۴۱

تجوید

ربّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنه ۲/۶۶

فقہ ومسائل

عورت تورّک کرے یا افتراش؟ ۱/۷۹

کیا ایک قربانی تمام گھر والوں بلکہ ساری امت کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے؟ ۱/۹۶

بھینس کی قربانی ۱/۹۹

قربانی کے کتنے دن ہیں؟ ۱/۱۰۱

نبی کریم ﷺ کا بال مونڈنا ۱/۱۳۴

ہاتھوں اور پیروں کی تقبیل کا حکم کیا ہے؟ ۱/۱۶۵

نصاب کے بقدر بکریوں کی زکوٰۃ میں ائمہ ثلثہ کا مسلک ۱/۱۶۷

کیا ذمی دارالحرب میں تجارت کے لئے جاسکتا ہے ؟ ۱/۱۶۸

ہاتھ گھڑی کا استعمال ۱/۲۳۲

نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء ۱/۲۳۲

نماز ظہر ایک مثل یا دو مثل؟ ۱/۲۳۶

عدمِ تعدیل ارکان سے سجدہ سہو کا مسئلہ ۱/۲۳۶

ہدہد کا حکم ۱/۲۴۰

فرض کفایہ کی کیا تعریف ہے؟ ۱/۲۴۲

عید الفطر عید الاضحیٰ وایام تشریق کے روزوں کی حرمت مع اختلاف ائمہ ۱/۲۴۹

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ۱/۲۸۲

گاؤں میں جمعہ؟ ۱/۳۴۱

آپریشن کے مریض نماز کس طرح پڑھیں؟ ۱/۳۸۰

کالا جوتا پہننا کیسا ہے؟ ۲/۶۱

صرف صوم عاشوراء کیوں مکروہ ہے؟ ۲/۸۱

بول فی المسجد فی الاناء کی تحقیق ۲/۱۱۲

مامن دابّة فی البحر إلّا وقد ذكّاها الخ کی تحقیق ۲/۱۱۷

خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم ۲/۱۳۸

ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے؟ ۲/۱۸۲
کنگھا کرنے کی ہیئت ۲/۱۸۷
داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ﷺ ہے ۲/۲۰۱
جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ و دہر؟ ۲/۲۰۶
نماز میں سورتوں کے درمیان سے پڑھنا کیسا ہے؟ ۲/۲۰۶
بزرگوں کے مزارات پر جانا کیسا ہے؟ ۲/۲۰۹
نقضِ وتر کا مسئلہ کیا ہے؟ ۲/۲۳۹
مسئلۂ مذکورہ کی مزید تشریح ۲/۲۴۰
ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی ۲/۲۴۸
کسی کو بھائی یا بہن بنا کر پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟ ۲/۳۲۹
کیا مصحف میں دیکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۲/۳۷۴
کیا مصحف سے فال لینا درست ہے؟ ۲/۳۷۵
کیا فاسق کو سلام کر سکتے ہیں؟ ۲/۳۹۶
عاشوراء کے دن توسیع علی العیال کا حکم ۲/۴۰۰
خط میں '۷۸۶' لکھنے کا حکم ۲/۴۰۰
خون کے ناقض وضوء ہونے کا حکم ۲/۴۴۵
مسحِ رقبہ کا حکم ۲/۴۴۵
رمضان میں تہجد کی جماعت کا مسئلہ ۲/۴۸۰
خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل ۲/۵۱۰
کیا ختان کی دعوت مشروع ہے؟ ۲/۵۲۹
کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟ ۲/۵۳۲

تزکیہ واحسان

نصائح غالیہ ۲/۳۹۳
تقوی کی نصیحت ۲/۴۰۰
مشائخ کے یہاں ذِکر کیوں؟ ۲/۴۱۵
کیا اجتماعی ذکر سنت سے ثابت ہے؟ ۲/۴۱۵

دعوت وتبلیغ

فضائل گشت میں گشت کے راستے دوسرے راستے پر فخر کرتے ہیں؟ ۱/۴۲
جماعت کے رہبر کی فضیلت ۱/۴۳
جہاد حقیقی کی فضیلت تبلیغی جماعت پر منطبق ہوگی؟ ۱/۴۳
اللہ کے راستہ میں ایک روپیہ کا ثواب اور سبحان اللہ پڑھنے کا اجر ۱/۲۳۲
گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟ ۲/۳۸۴
تعلیم وتبلیغ اور عبادت میں کس کو مقدم رکھے؟ ۲/۳۹۵
تعلیم مقدم یا تبلیغ؟ ۲/۳۹۶

تعبیر الرؤیا

خواب کی تعبیر ۲/۴۱۶
خواب کا پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا مطلب ۲/۴۵۶

* * *